وقال الله تبارک و تعالیٰ

شجرة طیبة اصلها ثابت و فرعها فی السماء

ورثة الکتاب فی حق الائمة

انوار القرآن

ترجمہ

مصنفہ

العلماء المحققین قدوة الفقہاء و المفسرین حامی الملة و الدین
جناب مولانا سید راحت حسین صاحب قبلہ رضوی گوپال پوری دام ظلہ

قال رسول الله صلی الله علیه و آله انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی

باہتمام جناب مولانا سید ابو الحسنین صاحب عشری صدر الافاضل و واعظ
مدرس الواعظین و مدیر دائرہ تحقیق کھجوا صوبہ بہار
در مطبع اصلاح کھجوا مطبوع گردید

قیمت کتاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝٤٧ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْھَا شَفَاعَۃٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْھَا عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝٤٨ وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ۝٤٩

(الفاظ کے معانی) یا - اے - بنی - امت - اولاد - اسرائیل - یعقوب - اذکروا یاد کرو - نعمت - احسانات - بھلائیاں - فائدہ کی چیزیں - ی - میری - التی - جن - انعمت دیں - نعمت دی - علی - پر - اوپر - و - اور - انّ - البتہ - ی - میں - فضّلتُ - بڑھا دیا - کم - تمکو عالمین - دنیا بھر کے لوگ - ہر زمانہ کے کل لوگ - اتقوا - ڈرو - یوم - دن - لا - نہیں تجزی - کافی ہوگی - مقابلہ کریگی - بچائیگی - نفس - جان - شخص - عن - سے - شیئاً - کسی چیز

کسی تکلیف۔ یُقبَلُ۔ قبول کیا جائے گا۔ من۔ سے۔ ھا۔ اوس۔ شفاعۃ سفارش
یُؤخَذُ۔ لیا جائے گا۔ مانا جائیگا۔ عدل۔ بدلا۔ ھم۔ وہ لوگ۔ اُن لوگ ینصرون
مدد دیئے جائیں گے۔ اذ۔ اوس وقت۔ جو وقت۔ نجّینا۔ بچایا۔ کم۔ تمھیں۔ ال۔
اولاد۔ قوم۔ فرعون۔ بادشاہِ مصر۔ یسومون۔ ستاتے تھے۔ تکلیف دیتے
تھے۔ سوء۔ بُری۔ بُرا۔ عذاب۔ دُکھ۔ تکلیف۔ یذبّحون۔ ذبح کرتے تھے۔
ابناء۔ بچے۔ اولاد۔ یستحیون۔ زندہ رکھتے تھے۔ نساء۔ عورتیں۔ فی۔ میں
ذالک۔ اِس۔ اوس۔ بلاء۔ مصیبت۔ امتحان۔ جانچ۔ رب۔ پروردگار عظیم بڑا

(بامحاورہ ترجمہ) اے امتِ یعقوبؑ میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جو تمہیں دیں۔
اور یہ بھی سوچو کہ میں نے (من وسلوا بھیجکر تمھارے زمانہ کے) کل لوگوں سے تم کو بڑھادیا
اور اُس روز (قیامت) سے ڈرو (جس روز) کوئی شخص کسی شخص کو کسی طرح کی تکلیف
سے بچا نہ سکے گا۔ اور (رسولؐ اور اہلبیتِ رسولؐ کے سوا) نہ تو کسی شخص کی سفارش
قبول کیجائیگی اور نہ کسی شخص سے (اوس کے قصور اور گناہوں کا) بدلا لیا جائے گا۔
اور نہ اوس کو مدد پہونچائی جا سکے گی۔ اور اوس دن کو بھی) یاد کرو جس دن میں نے
تم کو قومِ فرعون سے بچایا جو تمکو بُری طرح ستاتے تھے۔ تمھارے بچوں کو ذبح کرتے
اور تمہاری عورتوں کو (اپنے لئے) زندہ چھوڑ رکھتے تھے۔ اور اِس حفاظت میں تمہارے
پروردگار کی طرف سے (تمھاری وفاداری کی) بہت بڑی جانچ ہے۔ (کہ تم اوس کے
احسانوں کو یاد رکھتے ہو یا بھولا دیتے ہو)

(صرف) اِتَّقُوا اصل میں اِتَّقِیُوا تھا ضمہ (پیش) ی پر گراں تھا اوس کو قاف
کو دیدیا اور قاف کے کسرہ (زیر) کو گرادیا۔ ی۔ اور و۔ دو ساکن جمع ہوئے ی کو گرادیا
اِتَّقُوا ہوگیا۔ یَستَحیُونَ اصل میں یَستَحیِیُونَ تھا اوس میں سے بھی ی کو اِسی
قاعدہ سے گرادیا گیا ہے۔

(نحو) یا حرفِ ندا معنی میں اَدعُو کے ہے اور اَدعُو فعل ہے۔ اور اَنَا اُس کا
فاعل جو پوشیدہ ہے۔ بنی مضاف۔ اسرائیل۔ مضاف الیہ۔ مضاف اور
مضاف الیہ ملکر اوس کا مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ
اُذکُرُوا فعل۔ انتم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ نعمت۔ مضاف۔ ی ضمیر متکلم کی

مضاف الیہ - دونوں ملکر موصوف - الّتی اسم موصول - انعمت - فعل با فاعل -
علیٰ - حرفِ جار - کم مجرور - جار اور مجرور مل کر انعمت کا متعلق - فعل اپنے فاعل
اور متعلق سے مل کر جملۂ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ - اسم موصول اور صلہ مل کر نعمتی کی
صفت - موصوف اور صفت مل کر اُذْكُرُوْا کا پہلا مفعول بہ - واو حرفِ عطف
اَنّی حرف مشبّہ بالفعل - ی ضمیر متکلم کی اوس کا اسم - فَضَّلْتُ فعل با فاعل - کم
ضمیر جمع مذکر حاضر کی مفعول بہ - علیٰ حرف جار - عالمین مجرور - جار اور مجرور ملکر
فضلت کا متعلق - فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملۂ فعلیہ خبریہ ہوکر اَنّ کی خبر
انّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملۂ اسمیۂ خبریہ ہوکر اذکروا کا دوسرا مفعول بہ - فعل
اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملۂ فعلیہ انشائیہ - واو - حرفِ عطف - اتقوا
فعل - انتم - ضمیر جمع مذکر حاضر کی فاعل - یومًا موصوف - لا تجزی فعل - نفس اُسکا فاعل
عن - حرفِ جار - نفس - مجرور - جار اور مجرور مل کر تجزی کا متعلق - شیئًا - تجزی کا
مفعول بہ - فعل اپنے فاعل اور متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملۂ فعلیۂ خبریہ ہوکر یومًا
کی پہلی صفت - واو حرفِ عطف - لا یقبل فعل - من - حرفِ جار - ھا ضمیر واحد
مؤنث غائب کی مجرور - جار اور مجرور ملکر یقبل کا متعلق - شفاعۃ اوس کا نائبِ فاعل -
فعل اپنے متعلق اور نائبِ فاعل سے ملکر جملۂ فعلیۂ خبریہ ہوکر یومًا کی دوسری صفت -
واو حرفِ عطف - لا یوخذ فعل - من حرف جار - ھا مجرور - جار اور مجرور مل کر
یوخذ کا متعلق - عدل اوس کا نائبِ فاعل - فعل اپنے متعلق اور نائبِ فاعل سے
مل کر جملۂ فعلیۂ خبریہ ہوکر یومًا کی تیسری صفت - واو حرفِ عطف - لا حرفِ نفی - ھم
مبتدا - ینصرون فعل - ہم ضمیر جمع مذکر غائب کی جو پوشیدہ ہے اوس کا نائبِ فاعل
فعل اپنے نائبِ فاعل سے مل کر جملۂ فعلیۂ خبریہ ہوکر خبر - مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ
خبریہ ہوکر یومًا کی چوتھی صفت - موصوف اپنی چاروں صفتوں سے مل کر اتقوا کا مفعول
فیہ - فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملۂ فعلیہ انشائیہ - واو حرفِ عطف - اِذْ
اسم (جو زمانۂ گذشتہ کے لئے آتا ہے) موصوف - نجّینا فعل با فاعل - کم ضمیر جمع مذکر
حاضر کی مفعول بہ - مِن حرفِ جار - آل مضاف - فرعون مضاف الیہ - مضاف اور
مضاف الیہ مل کر ذوالحال - یسومون فعل - ہم ضمیر جمع مذکر غائب کی جو پوشیدہ ہے -

اوس کا فاعل۔ کو مفعول بہ۔ سوء مضاف۔ عذاب۔ مضاف الیہ۔ دونوں مل کر بدل منہ
یُذَبِّحُوْنَ فعل۔ ہُم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ ابناء مضاف۔ کُمْ مضاف الیہ۔ دونوں ملکر
یذبحون کا مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملۂ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ
واو حرفِ عطف یستحیون فعل۔ ہم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ نساء مضاف۔ کُمْ مضاف الیہ
دونوں مل کر یستحیون کا مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملۂ فعلیہ خبریہ ہو کر
معطوف۔ معطوف علیہ و معطوف مل کر سوء العذاب کا بدل۔ مبدل منہ اور بدل مل کر
یسومون کا دوسرا مفعول فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملۂ فعلیہ خبریہ ہو کر
آل فرعون کا حال۔ ذوالحال اور حال مل کر مجرور۔ جار اور مجرور مل کر نجینا کا متعلق۔ فعل
اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملۂ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت۔ موصوف اور صفت
مل کر اُذکُرُوا کا دوسرا مفعول فیہ۔ وَاو حرفِ عطف۔ فِیْ حرفِ جار۔ ذَالِکُمْ مجرور۔ جار اور
مجرور مل کر خبر مقدم۔ بلاء موصوف۔ عظیم صفت۔ موصوف اور صفت مل کر موصوف۔ ثابت
اوس کی صفت محذوف (یعنی گری ہوئی) مِن حرف جار۔ رب مضاف۔ کم مضاف الیہ
دونوں مل کر مجرور۔ جار اور مجرور مل کر ثابت کا متعلق۔ موصوف اور صفت مل کر مبتدا مؤخر۔
مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ خبریہ۔

(**قراءت**) یُذَبِّحُوْنَ کو ابن محیص نے یَذْبَحُوْنَ بغیر تشدید کے پڑھا ہے لیکن یہ قراءت
متروک (چھوڑ دی گئی) ہے[1]

(**ظاہری تفسیر**) یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ
عَلَیْکُمْ یہ آیت صفحہ ۳۴۷ میں گذر چکی ہے اس لئے اس کی تفسیر وہیں ملاحظہ
کریں۔ لیکن یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ آیت تھوڑا ہی قبل گذر چکی ہے تو پھر
دوبارہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جواب ۱ یہ کہ جن نعمتوں کا شکریہ واجب ہے
چونکہ اُن میں خدا ہی کی نعمتیں اصل (یعنی بہتر اور بے شمار اور ہمیشہ باقی رہنے والی) ہیں اس لئے
تاکید کرنے کی ضرورت ہوئی (تاکہ ان کی عظمت اور بزرگی ظاہر ہو جائے) ۲ یہ ہے کہ پہلے
اپنی نعمتوں کو مجمل (مختصر لفظوں میں) بیان کیا ہے اور یہاں پر تفصیل سے اس لئے پھر

[1] مجمع البیان جلد ۱ ص ۱۲۰ منہ

دہرانے کی ضرورت ہوئی ؏۳ یہ ہے کہ پہلی آیت میں اُن نعمتوں کو ذکر کیا ہے جو خود اُن کو دی تھیں اور یہاں اُن نعمتوں کو بیان کیا ہے جو اُن کے باپ دادوں کو دیں لہ میں عرض کرتا ہوں کہ تیسرا جواب آیت کے ظاہری معنی کے مخالف ہے کیونکہ اس آیت میں دونوں جگہ ایک تو خطاب موجود لوگوں سے کیا گیا ہے اور دوسرے علیکم میں ضمیر جمع مذکر حاضر کی لائی گئی ہے اِس لئے جبتک موجود لوگ بھی اُس میں داخل نہ کر لئے جائیں آیت کا معنی اور یہ خطاب صحیح نہ ہوگا۔ ؏۱ پھر عرض کرتا ہوں کہ یہ تینوں جواب اُن لوگوں کے ہیں جنھوں نے علم قرآن اُن لوگوں سے لیا تھا جن کو اپنی جہالت کا اقرار تھا۔ بہتر اور صحیح جواب جو عام محاورہ اور دستور کے مطابق ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت میں دونوں جگہ لفظ نعمت سے نعمتِ اخروی یعنی انبیاء اور اوصیاء کو عموماً اور ائمہ اہلبیتِ رسالت علیہم الصلوۃ والسلام کو خصوصاً اُن کی ہدایت کے لئے بھیجنا مقصود ہے جیساکہ صحیح السند حدیث اِس کے متعلق باطنی تفسیر میں گذر چکی اور آگے بھی انشاءاللہ تعالیٰ ذکر کرونگا۔ اور چونکہ یہ نعمت بہترین اور افضلترین نعمات ہے کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں کی خیر اور بھلائی کا ذریعہ ہے۔ اور یہاں پر خداوندِ عالم نے کئی دنیاوی نعمتوں کو بھی ذکر کرنا چاہا ہے اِس لئے اوس کی عظمت اور بزرگی کے لحاظ سے دستور کے مطابق یوں فرمانا چاہا ہے کہ اے بنو اسرائیل میری اُن بہترین نعمات کو یاد کرو جنکو پہلے تھیں یاد دلا چکا ہوں۔ اور اُس کو کہ میں نے تمکو تمھارے زمانہ کے لوگوں یعنی قبطیوں سے من و سلویٰ وغیرہ دے کر بڑھا دیا۔ اور فرعون اور اُس کی قوم کے عذاب سے بچایا جس میں تم مبتلا تھے۔ اور تمھارے دشمنوں کو مار ڈالا۔ اور تم کو اُن کے اُن عذابوں سے بچایا جن میں تم آئندہ مبتلا کئے جاتے (اور اُن عذابوں سے بچایا جو ان کے بعد مذکور ہیں) وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ اور البتہ میں نے تم کو تمھارے دنیا والوں پر فضیلت دی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ عالمین سے اوسی کے زمانہ کے لوگ مقصود ہیں کیونکہ اس پر مسلمانوں کا اجماع (اتفاق) ہے کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ کل امتوں سے اوسی طرح افضل تھے جس طرح حضرت سرورِ عالم کل انبیاء سے۔ اور ثبوت اس کا کلامِ پروردگار کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

لہ مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۱۲۔ منہ

یعنی اے امتِ محمدؐ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے۔

ع میں عرض کرتا ہوں کہ ابن عباس کا اصل بیان اور دعوائے صحیح ہے لیکن ثبوت میں اس آیت کو پیش کرنا غلط ہے اس لئے کہ درایت (عقل) اور مشاہدہ اس کی تکذیب کر رہے ہیں کیونکہ امت محمدی نے جس طرح دل آزاریاں اور توہینیں اور مظالم اور زیخ کنیاں اپنے رسولؐ اور اُن کی اولاد اور اُن کے دوستوں کی کیں اور حضرت رسول کو جیتے جی ستایا اور مرنے کے بعد رولایا اُس طرح کسی امت نے نہیں کیا۔ اور انسان کی اچھائی اور بُرائی اُس کے اعمال سے سمجھی جاتی ہے۔ نیکو کاروں کو بدکار اور بدکاروں کو نیکوکار کہنا اون لوگوں کا کام ہے جو عقل سے محروم ہیں برعکس نہند نام زنگی کافور۔ سمجھداروں کا شیوہ نہیں ہے۔ دیکھئے صلح حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت سرور عالمؐ کی رسالت میں شک کیا[1] جس کا معنی یہ ہے کہ حضرتؐ کو دعوائے رسالت میں جھوٹا سمجھا۔ عبداللہ[2] بن اُبی کے جنازہ پر نماز پڑھنے سے حضرت رسولؐ کا دامن کھینچکر حضرت عمر نے روکا۔[3] جسکا معنی یہ ہے کہ معصوم نبی کو خطاکار سمجھا۔ [3] مرض الموت میں وصیت لکھنے کے لئے دوات و کاغذ مانگنے پر حضرت عمر نے معصوم نبی کی طرف ہذیان بکنے کی نسبت دی۔[3] حضرت عمر[4] نے حضرت سرور عالمؐ کے انتقال سے (مصلحتاً) انکار کیا۔[4] بیعت[5] کے بعد خطبہ میں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت سرور عالمؐ کو امت کا معبود قرار دیا۔ جسکا معنی یہ ہے کہ یا تو حضرتؐ کی طرف دعوائے خدائی کی نسبت دی۔ یا مسلمانوں کو بعوض خدا پرست ہونے کے محمدؐ پرست سمجھا۔ اور کہا کہ جو شخص محمدؐ کا پوجا کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ محمدؐ مر گئے[5] دونوں صاحب رسولؐ کے جنازہ کو چھوڑکر (دنیا طلبی میں لگ گئے) اور کفن و دفن میں شریک نہ ہوئے (دیکھو کتب حدیث و تاریخ جیسے تاریخ خمیس و وسیلۃ النجات ذکر وفاتِ رسولؐ و کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴۰ نمبر حدیث ۲۳۲۸)۔ بیعت[6] کے بعد حضرت عمر حضرت علیؑ کے گلے میں رسی باندھکر کھینچتے ہوئے مسجد میں لائے[9]

---

[1] مدارج النبوۃ ذکر صلح حدیبیہ و روضۃ الاحباب ص ۱۴۰ و ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۲۴ و عینی شرح بخاری و تاریخ خمیس و تفسیر درمنثور جلد ۶ ص ۷۷ تفسیر سورۂ فتح -۱۲ منہ [2] تاریخ الخلفاء چھاپہ مجیدی ص ۸۹ -۱۲ منہ [3] صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابت العلم ص ۲۲ و کتاب الجہاد باب ہل یستشفع الی اہل الذمۃ ص ۳۰ و کتاب الخمس باب اخراج الیہود ص ۴۶ باب مرض النبی ص ۵ ایضا باب مرض النبی ص ۶ کتاب المرضیٰ باب قول المریض قوموا عنی ص ۷ کتاب الاعتصام باب کراہۃ الخلاف -۱۲ منہ [4] صحیح بخاری جلد ۲ ذکر فضائل صحابہ و کنز العمال جلد ۴ ص ۵۳ ذکر وفات رسول ۱۲ منہ [5] صحیح بخاری جلد ۳ چھاپہ مصر آخر ص ۶۴ ذکر مرض نبی ۱۲ منہ [6] شرح ابن ابی الحدید جزء ۶ ص ۲۹۲ وسط از ابن [illegible]

(بقیہ حاشیہ[۶]) اور حضرت کے مکان میں بغیر اجازت ایک جماعت کو لیکر گھس گئے۔ حضرت علیؑ نے حکم رسول اللہؐ سے صبر کیا۔ حضرت رسولؐ کی نور نظر و پارۂ جگر کے پیٹ پر لات مارا[۱]۔ جس[۸] کے صدمے سے حضرت محسنؑ شہید ہوئے اور معصومہ بیمار ہو کر انتقال کر گئیں[۳]۔ حالانکہ معصومہ اُس وقت اپنے برگزیدہ خدا باپ کے ماتم میں خود ہی مصیبت زدہ اور نیم جان ہو رہی تھیں۔ حضرت علیؑ سے[۱۰] متعدد لڑائیاں بی بی عائشہ اور طلحہ و زبیر اور معاویہ وغیرہ لڑے[۴]۔ معاویہ[۱۱] اور خلفاء بنو امیہ نے ۹۳ برس تک حضرت علیؑ پر لعنتیں کیں اور خطیبوں سے ستر ہزار ممبروں پر کرائیں[۵]۔ حضرت[۱۲] علیؑ کو زہر آلود تلوار سے ابن ملجم نے قتل کیا اور حضرت ابوبکر کے بہنوئی اشعث بن قیس نے قتل کرایا[۶][۱۳]۔ اور سبب قتل کے حضرت ابوبکر ہوئے کیونکہ اشعث مذکور مرتد ہونے کے بعد گرفتار ہو کر لایا گیا تو اُس نے ان سے کہا کہ مجھے اپنی لڑائیوں کے لئے زندہ رکھو اور اپنی بہن ام فروہ کا عقد مجھ سے کر دو پس (بعوض قتل کرنے کے) اُنھوں نے اپنے مخالفوں سے لڑنے اور ان کو قتل کرنے کے لئے اوس کو چھوڑ دیا اور (بغیر توبہ کرائے ہوئے) اوس مرتد سے اپنی بہن کا عقد کر دیا۔ اور بہت کچھ احسان اور بھلائیاں کیں[۷]۔ اور خلعت[۱۴] عطا کی اور اُس نے ان کے دربار میں بڑی عزت پائی[۸]۔ معاویہ[۱۵] نے حضرت امام حسنؑ کو زہر دلوایا[۹][۱۶]۔ اُس کے بیٹے یزید نے حضرت امام حسینؑ کو بہتّر عزیز و انصار کے ساتھ نہایت بے رحمی سے قتل کیا[۱۰]۔ باقی ائمہ[۱۷] کو بنو امیہ اور بنو عباسیہ نے زہر دیکر شہید کیا[۱۱]۔

ان سب کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علیؑ[۱] کی شہادت کے سبب حضرت ابوبکر ہوئے۔ حضرت فاطمہؑ[۲] اور حضرت محسنؑ[۳] کو حضرت عمر نے ہلاک کیا۔ حضرت امام حسنؑ[۴] کو معاویہ نے زہر دلوایا۔ حضرت امام حسینؑ[۵] اور اُن کے عزیز و انصار کو یزید نے قتل کرایا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام[۶] کو ولید بن عبدالملک اموی نے زہر دلوایا۔ حضرت امام محمد باقرؑ[۷] کو ہشام ابن عبدالملک اموی نے زہر دلوایا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ[۸] کو منصور دوانیقی عباسی نے زہر دلوایا۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ[۹] کو ہارون رشید عباسی نے زہر دلوایا۔ حضرت امام رضاؑ[۱۰] کو اس کے بیٹے مامون رشید نے زہر دلوایا۔ حضرت امام محمد تقیؑ[۱۱] کو معتصم عباسی نے زہر دلوایا۔ حضرت امام علی نقیؑ[۱۲] کو متوکل عباسی نے زہر دلوایا۔

---

[۱] ملل و نحل شہرستانی برحاشیہ ملل و نحل ابن حزم چھاپہ مصر جلد ۱ صفحہ ۵۷-۱۲ منہ [۲] ملل و نحل مذکور-۱۲ منہ [۳] معارج النبوۃ رکن ۴ ذکر عقد فاطمہؑ-۱۲ منہ [۴] دیکھو واقعات جنگ جمل و صفین تواریخ میں-۱۲ منہ [۵] روضۃ المناظر و مقاتل الطالبین و اصابہ ذکر علیؑ۔ و تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ وغیرہ-۱۲ منہ [۶] مقاتل الطالبین صفحہ ۱۳-۱۲ منہ [۷] اصابہ و استیعاب ذکر اشعث بن قیس-۱۲ [۸] تاریخ اعثم کوفی اردو صفحہ ۱۹-۱۲ منہ [۹] استیعاب چھاپہ دکن صفحہ ۱۴۱ و تاریخ ابوالفداء و تہذیب التہذیب۔ و ربیع الابرار زمخشری و تاریخ خمیس۔ و حیاۃ الحیوان وغیرہ-۱۲ منہ [۱۰] اس واقعہ کو دنیا جانتی ہے-۱۲ منہ [۱۱] دیکھو کتب احادیث و تواریخ بنو امیہ و بنو عباسیہ۔ و اہلبیت رسولؐ-۱۲ منہ

اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ خاص چیزوں میں فضیلت دینی مقصود ہے۔ جیسے من وسلوے بھیجنا۔ اور رسول اور کتاب بھیجنا۔ اور فرعون کو غرق کرنا۔ اور بڑی بڑی نشانیاں دکھانی جن کے ذریعہ سے دینِ خدا کی حقیقت کو سمجھنا اون پر آسان تھا۔ اور خاص چیزوں میں فضیلت علی الاطلاق (یعنی ہر بات میں) فضیلت کا سبب نہیں ہوتی۔ پس اگر کہا جائے کہ حاتم سخاوت میں افضل الناس تھا تو اس کا معنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کل لوگوں سے ہر صفت میں بہتر تھا۔ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا اپنی بڑی بڑی نعمتوں کو ذکر کرنے کے بعد کفرانِ نعمت کے بارے میں قیامت کے عذاب سے یوں ڈرا رہا ہے کہ قیامت کے عذاب سے ڈرو جس دن کوئی شخص نہ تو کسی کی تکلیف کو دفع کر سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کی طرف سے خدا یا غیر خدا کے حق کو ادا کر سکتا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام میں ارشاد فرماتا ہے وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ ھُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَیْئًا (سورہ لقمان پ ۲۱ آیت ۳۳) یعنی ایسے دن (قیامت) سے ڈرو جب دن نہ تو کوئی باپ اپنے فرزند کی تکلیف کو دفع کر سکتا ہے اور نہ کوئی فرزند اپنے باپ کی تکلیف کو۔ اور نفس کو نکرہ (یعنی غیر معین) اس واسطے رکھا ہے تاکہ اس امر کو ظاہر کرے کہ یہ حکم ہر شخص کو شامل ہے۔ کیونکہ نکرہ کا عموم بدلی ہوتا ہے یعنی ایک ایک کر کے کل فردوں تک حکم کو پہونچا دیتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷)

حضرت امام حسن عسکریؑ کو معتمد پسر متوکل نے زہر دلوایا۔ حضرات اہلسنت انہیں لوگوں کو خلیفہ رسولؐ اور اپنے مذہب کا پیشوا جانتے ہیں۔ افسوس کا مقام اور انصاف اور عبرت کی جگہ ہے اور ہزاروں شیعے اور سادات قتل کئے گئے۔ دیواروں میں جیتے جی چن دیئے گئے۔ آوارہ وطن کئے گئے۔ اور آجتک دروازہ ظلم کا بند نہیں کیا گیا۔ اس طرح کے نازیبا اور ظالمانہ حرکات کس امت نے کئے ہیں۔ درحقیقت یہ آیت خَیْرَ اُمَّۃٍ نہیں ہے بلکہ خَیْرَ اَئِمَّۃٍ تھی جو بصلحت بدل دی گئی۔ خطاب انہیں ائمہ اہلبیتؑ سے ہے اور مقصود یہ ہے کہ حسب قدر اللہ دیئے اوصیا و انبیاء بنائے گئے تم لوگ سب سے بہتر ہو۔ یہ صحیح ہے کہ امت محمدؐ کل امتوں سے افضل ہے لیکن نہ وہ لوگ جن کا امت میں شمار برائے نام ہے اور عمل ان کا خدا و رسول کے حکم کے مخالف ہے بلکہ وہ لوگ افضل ہیں جو امت محمدی کی حقیقی اور صحیح فرد ہیں اور ثقلین کی پیروی کر کے خدا و رسولؐ کے ٹھیک ٹھیک پابند ہیں۔ ۱۲ منہ

سلہ ولقد حیا مروان کے گھر نزجاج بن یوسف ثقفی نے اور خلفائے بنی عباسیہ میں سے منصور دوانیقی اور باقی دوسرے خلفاء نے ائمہ اہلبیتؑ اور سادات اور شیعیانِ اہلبیت میں سے ہزاروں کو قتل کیا آوارہ وطن کیا اور منصور مذکور نے ہزاروں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔ تنہا حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار کو قتل کیا اور جب مرا ہے تو اس کی قید خانہ

لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ یعنی کسی شخص کی سفارش قبول نہ کی جائے گی۔ مفسروں نے کہا ہے کہ یہ آیت خاص یہودیوں کے لئے ہے کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم لوگ اولادِ انبیاء ہیں اور ہمارے باپ دادا (یعنی انبیاء) ہماری شفاعت (سفارش) کرینگے۔ پس خدا نے اون کو اس سے ناامید کیا ہے۔ پس اس آیت کا معنی اگرچہ عام ہے لیکن مقصود اُس سے صرف یہودی ہیں۔ اور اس کے یہودیوں کے ساتھ خاص ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ امتِ محمدی کا اس پر اجماع (اتفاق) ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ (اور ائمہ اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی شفاعت قبول کیجائے گی۔ اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ حضرتؐ کی شفاعت کس چیز کے متعلق مقبول ہوگی۔ ہم شیعے کہتے ہیں کہ گنہگار مومنوں سے عذاب اور نقصان ہٹانے کے متعلق مقبول ہوگی۔ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ فرمانبرداروں اور توبہ کرنے والوں کو زیادہ فائدہ پہونچانے کے متعلق مقبول ہوگی۔ اور گنہگاروں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہونچے گا۔ (کیونکہ اُن کے نزدیک گنہگار بخشش کے قابل نہیں ہیں) اور ہم شیعوں کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ حضرت سرورِ عالمؐ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸)

تیس ہزار مرد اور بیس ہزار عورتیں نکالی گئیں۔ دیکھو کتابیں تواریخ واحادیث کی جیسے تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۲۳ وروضۃ الصفا صفحہ ۶۲۹۔ وتاریخ الخلفاء وغیرہ۔ ۱۲ منہ

عہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے حوضِ کوثر کے موجود ہونے پر ایمان نہ لائے خدا اُس کو حوضِ کوثر پہ نہ جانے دے گا۔ اور جو شخص میری شفاعت پر ایمان نہ لائے خدا اسکو میری شفاعت نصیب نہ کرے گا۔ پھر فرمایا کہ میری شفاعت میری امت میں سے خاص ان لوگوں کیلئے ہے جو گناہِ کبیرہ کرتے ہوں لیکن نیکوکار میری شفاعت کے محتاج نہ ہوں گے۔ ۲ اور حضرت امام جعفر صادق ؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص تین چیزوں سے انکار کرے وہ میرے شیعوں سے نہیں ہے ۱ معراج ۲ قبر میں سوالِ منکر ونکیر ۳ شفاعت۔ (فصول المہمہ حر عاملی علیہ الرحمہ باب ۲ صفحہ ۳۲ دونوں نمبر) ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ حق الیقین ب ۵ ف ۱۲ ذکر شفاعت میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالمؐ کا شفاعت کرنا ضروریاتِ دینِ اسلام سے ہے۔ اپنی امت کے علاوہ دوسری امتوں کی بھی شفاعت کریں گے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ شفاعت کی حدیثوں میں چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں دو امروں میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان کا اختلاف دفع کر دیا جائے۔ پہلا امر کل انبیاء کا شفاعت کرنا۔ حضرت سرور عالمؐ

(بقیہ حاشیہ ص۹) ارشاد فرماتے ہیں کہ تین طرح کے لوگ شفاعت کرینگے ۱؎ انبیاءؑ ۲؎ دوسرے علماء ۳؎ شہداء۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک ایک ایک کے پاس شفاعت کیلئے جائیں گے۔ ہر نبی اپنے بعد کے نبی کے پاس بھیجیگا۔ جب وہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے تو وہ اُن کو حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے پاس لائیں گے۔ پس حضرت اُن کی شفاعت کریں گے۔ (حق الیقین بحوالۂ سابق)۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء بھی اپنی اپنی امت کیلئے شفاعت کریں گے۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ شفاعت نکرینگے۔ رفعِ اختلاف کا بیان یہ ہے کہ اصل میں اُن کو شفاعت کا حق حاصل تھا لیکن اوس کو دنیا ہی میں ختم کر چکے۔ اب آخرت میں اُن کی امت کی بھی حضرت سرور عالمؐ ہی شفاعت کریں گے۔ جیسا کہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے۔ اور شاہد اس پر فرمائشِ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لئے کچھ دعاؤں کا حق حاصل تھا پس اُن لوگوں نے دعائیں کیں اور حاجتیں طلب کر لیں اور میں نے اپنی دعاؤں کو قیامت میں اپنی امت کی شفاعت کیلئے چھپا رکھا ہے۔ **دوسرا امر کل امتوں کی شفاعت** کی جائیگی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالمؐ اپنی امت کی شفاعت کرینگے۔ اور ہم لوگ (کل ائمہ اہلبیتؑ) اپنے شیعوں کی شفاعت کرینگے۔ اور ہمارے شیعے اپنے اہلبیت (گھر والوں یا خاندان والوں) کی شفاعت کرینگے۔ (فصول المہمہ بحوالہ بالا) اور ایک معتبر حدیث میں دوستوں کی شفاعت بھی لکھی ہوئی ہے (حق الیقین) اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے حسین بن خالد نے پوچھا کہ آیتِ کریمہ لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی سے کیا مقصود ہے؟ فرمایا کہ شفاعت نکرینگے لیکن اوسی کی جس کے دین کو خدا پسند کرتا ہے (یعنی مومن کی) پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کل امت کی شفاعت کیجائے گی اگرچہ کوئی امتی برحق دین پر نہ ہو۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوا مومن کے کسی کی شفاعت نہ کیجائیگی۔ رفعِ اختلاف کا بیان یہ ہے کہ کل وہ لوگ جو اپنے کو امتی سمجھتے ہیں دو طرح کے ہیں۔ ۱؎ شیعے اور ۲؎ غیر شیعے۔ اور غیر شیعے چار طرح کے ہیں ۱؎ دشمنِ اہلبیتؑ ۲؎ دوستِ اہلبیتؑ جو اُن کے دشمنوں سے مانوس نہیں ہیں اور نہ اُن کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں ۳؎ وہ جو دشمنانِ اہلبیتؑ کو پیشوا سمجھتے ہیں لیکن اہلبیتؑ کے دشمن نہیں ہیں ۴؎ وہ جو نہ اہلبیتؑ کو جانتے ہیں نہ اُن کے دشمنوں کو۔ پہلی اور تیسری قسم کے لئے صاف ارشاد ہے کہ اُس کی شفاعت نہ کیجائیگی (بقیہ حاشیہ ص۱۱)

(اور حضرت فاطمہؑ) اور ائمہ اہلبیتؑ طاہرین اور برگزیدہ اصحاب (جیسے حضرت سلمان اور ابو ذر و مقداد وغیرہ) اور نیکوکار مومنوں کی شفاعت قبول کی جائیگی۔ اور اُن کی شفاعت سے بہت سے گنہگار (مومن) آخرت کی تکلیف اور سزا و عذاب سے نجات پائیں گے۔ اور مؤید اس کی (ایک تو حضرت سرور عالمؐ کی) وہ حدیث ہے جسکو امتِ محمدی نے مان لیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اِدَّخَرْتُ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ یعنی اپنی امت میں سے گناہِ کبیرہ کرنے والے (مومنوں) کے لئے میں نے اپنی شفاعت کو ذخیرہ کر رکھا ہے۔ اور وہ حدیثیں مؤید ہیں جنکو ہمارے علما (شیعہ) نے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ سے بسند مرفوع نقل کیا ہے۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میں شفاعت کرونگا پس میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ اور میرے اہلبیتؑ شفاعت کریں گے پس اُن کی شفاعت قبول کیجائے گی۔ اور ایک ایک مومن اپنے (مومن) بھائیوں میں سے کم سے کم چالیس چالیس شخصوں کی جو آتشِ جہنم کے مستحق ہونگے شفاعت کرے گا اور اُس کی شفاعت مقبول ہوگی۔ اور دوسرا مؤید وہ آیت ہے جسمیں مومنوں کی طرح شفیع نہ پلنے پر کافروں کی حسرتوں کا ذکر ہے۔ وہ کہیں گے فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ (سورہ شعرا پ ۱۹ آیت ۱۰۰ و ۱۰۱) یعنی ہمارے لئے نہ تو کوئی شفاعت ہی کرنے والا ہے اور نہ کوئی مہربان دوست ہی ہے (جو اس وقت عذاب سے بچائے) وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ابنِ عباس کہتے ہیں کہ عدل سے فدیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) اور اگر (بفرض محال) کل ملائکہ مقربین اور کل انبیاء و مرسلین اُنکی شفاعت کریں بھی تو مقبول نہ ہوگی (حق الیقین بحوالۂ سابق) اور دوسری اور چوتھی قسم کی شفاعت کیجائے گی کیونکہ دشمنانِ اہلبیتؑ کو پیشوا انہیں سمجھتے تھے (حق الیقین بحوالہ سابق) حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قسم خدا کی میں اُس کی شفاعت نہ کروں گا جس نے میری ذریت میں سے کسی کو تکلیف دی ہوگی۔ (فصول المہمہ بحوالہ سابق) حضرت امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دشمنِ اہلبیتؑ کی شفاعت نہ کیجائے گی (اگرچہ تکلیف نہ دی ہو) (حق الیقین بحوالہ سابق)۔ ۱۲ منہ عفی عنہ مرفوع اُس سند کو کہتے کہتے ہیں جسکے بعض راویوں کو چھوڑ کر درمیان کے راوی کو معصوم سے ملا دیں اور مرفوع حدیث کا حکم یہ ہے کہ اگر چھوڑنیوالا راوی غیر معتبر لوگوں سے حدیث نہیں لیتا تھا تو یہ حدیث معتبر سمجھی جائیگی ورنہ غیر معتبر لیکن شفاعت کی حدیثیں تو اتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں ۱۲ منہ

(کفارہ) مقصود ہے۔ اور اس آیت میں مرادِ پروردگار یہ ہے کہ کسی شخص سے فدیہ نہیں لیا جائے گا جو اُس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے۔ اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ کسی شخص سے اوس کے گناہوں کے بدلے میں کوئی چیز نہ لی جائیگی۔ میں عرض کرتا ہوں کہ تفسیر درمنثور کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا کلام بنوامیہ میں سے کسی شخص کا ہے جسکو طبرسی علیہ الرحمہ نے ابنِ عباس کی طرف نسبت دی ہے۔ اور دوسرا کلام ابنِ عباس کا ہے جسکو اوس مجہول شخص کی طرف نسبت دی ہے۔ پھر اِن دونوں کلاموں میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دوسرا کلام جس میں عدل کا معنی بدلا لکھا ہے۔ اصل حدیث میں بدلے کی تفسیر فدیہ سے کی گئی ہے۔ اور اگر بتکلف فرق نکالا جائے تو وہ یہ ہوگا کہ پہلے کلام میں فدیہ سے اون سزاؤں کا بدلا مُراد لیا جائے گا جو گناہوں کے لئے مقرر ہیں۔ اور دوسرے کلام میں خود گناہ (یعنی اطاعت چھوڑنے) کا۔ اور مقصود یہ ہوگا کہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکیگا کہ اگر میں نے اطاعت چھوڑی ہے تو اُس اطاعت کے بدلے میں مجھ سے فلاں چیز لے لیجائے۔ اور حدیث میں جو لَا یَقۡبَلُ اللّٰہُ مِنۡہُ صَرۡفًا وَّلَا عَدۡلًا آیا ہے (یعنی اوس سے خدا صرف اور عدل کو قبول نہ کرے گا) تو اِس میں اختلاف ہے کہ صرف اور عدل سے کیا مقصود ہے۔ حسن بصری نے صرف کا معنی عمل اور عدل کا معنی فدیہ کہا ہے۔ اور اصمعی نے صرف کا معنی مستحب عمل اور عدل کا معنی واجب۔ اور ابو عبیدہ نے صرف کا معنی حیلہ اور عدل کا معنی فدیہ۔ اور کلینی نے صرف کا معنی فدیہ اور عدل کا معنی اوس گنہگار کی جگہ پر دوسرا شخص۔ وَلَا ھُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ یعنی کوئی اُن کی مدد نہ کرے گا تاکہ عذاب سے بچ جائیں۔ اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ جب خدا اُن پر عذاب کرے گا تو ایسا کوئی مددگار نہ پائیں گے جو اُن کی طرفداری میں خدا کا مقابلہ کرسکے۔ وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ اور اُس وقت کو یاد کرو جبکہ میں نے تم کو آل فرعون اور اُس کے ہم مذہب

ع یہاں پر نجینا باب تفعیل سے فرمایا ہے اور اس کے بعد کی آیت میں اَنۡجَیۡنَا باب افعال ہے۔ بعض لغویوں نے دونوں میں فرق یہ بتایا ہے کہ خطرہ اور ہلاکت میں پڑ جانے کے بعد بچانے کو باب تفعیل کے صیغہ سے بیان کرتے ہیں اور پڑنے سے پہلے بچانے کو باب افعال کے صیغے سے

۱؎ مجمع البیان جلد ۱ ص۲۴۴ - ۱۲ منہ

والوں سے چھوڑایا یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ جو تم کو ستاتے اور بُری
طرح عذاب کرتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ عذاب کیا تھا جس سے وہ بچائے گئے
بعض نے کہا ہے کہ وہی تھا جسے خدا نے ذکر کیا ہے یعنی بچوں کو ذبح کرنا اور عورتوں کو زندہ
چھوڑ رکھنا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ان سے مشکل کام لیا کرتے تھے یعنی کچھ لوگوں سے خدمتیں
لیتے تھے اور کچھ سے کھیتی کراتے تھے۔ اور جو لوگ کام کرنے کے قابل نہ تھے اُن سے
جزیہ (خدمت کا بدلا) لیا کرتے تھے۔ اور باوجود اس کے اُن کے بچوں کو ذبح کرتے
اور عورتوں کو (اپنے لئے) زندہ چھوڑ رکھتے تھے۔ اور ثبوت اِس کا کلام پروردگار
یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ ہے جس میں
یُذَبِّحُوْنَ کو عطف کر کے جدا کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بُرا عذاب ذبح کے علاوہ
تھا۔ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ یعنی تمھارے بچوں کو
مار ڈالتے تھے اور تمھاری عورتوں کو زندہ چھوڑ رکھتے تھے تاکہ اُن کو لونڈیاں بنائیں اور
اُن سے ہم بستری کریں۔ اور اُن کا یہ فعل مار ڈالنے سے بدتر تھا۔ اور یہاں پر صرف
لڑکوں کو ذکر کیا ہے اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ بالغ ہونے کے بعد چونکہ وہ
بھی عورتوں میں داخل ہونے والی تھیں اِس لئے پہلے ہی اُن کو (مجازاً) داخل
کر لیا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جس طرح بالغ مردوں کو غلبہ دے کر لفظِ رجال بولتے اور
نابالغوں کو حکم میں اُن کا تابع قرار دیتے ہیں۔ اوسی طرح یہاں پر عورتوں کو غلبہ دیکر لفظِ نساء
بولا گیا ہے اور نابالغ لڑکیاں حکم میں اُن کی تابع قرار دی گئی ہیں۔ کیونکہ وہ لڑکیوں کو بھی
چھوڑ رکھتے تھے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ بالغ اور نابالغ دونوں پر لفظِ نساء اوسی طرح (حقیقۃً)
بولا جائے جس طرح لفظِ ابناء، بالغ اور نابالغ دونوں پر (حقیقۃً) بولا جاتا ہے۔ وَفِيْ
ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ یعنی تمھارے عذاب میں مبتلا اور بچوں کے ذبح
کئے جانے میں تمھارا بہت بڑا امتحان ہے۔ خداوندِ عالم نے تم کو اور فرعونیوں کو اپنی
اپنی حالتوں پر چھوڑ رکھا تھا یہاں تک کہ یہ حرکتیں تمھارے ساتھ کی گئیں (تاکہ تم کو
اور دنیا کو دکھا دے کہ تم نے صبر اور خدا پر توکل اور بھروسہ کیا یا نہیں وہ خود تو جانتا ہی
ہے کہ تم کیا کرو گے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے) اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ فرعون اور
اُس کی قوم سے تم کو بچانا خدا کی بہت بڑی نعمت ہے (جس سے تمھارا امتحان لینا مقصود ہے

کہ تم اوس کا شکریہ ادا کرتے یعنی اوس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہو یا نہیں)۔
عذاب اور قتل کا سبب یہ تھا کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ آئی اور مصر کے کل گھروں پر چھاگئی اور اُن کل گھروں اور (ان میں رہنے والے) قبطیوں عہ کو جلا دیا اور بنو اسرائیل کو چھوڑ دیا پس (خدائی کا دعویٰ کرنے والا) فرعون اِس سے ڈرا اور جادوگروں اور نجومیوں اور قیافہ شناسوں کو بلایا اور اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ بنو اسرائیل میں ایک لڑکا (حضرت موسیٰؑ) پیدا ہوگا جو تجھے اور تیری قوم کو مار ڈالیگا اور تیرے (فاسد) دین کو مٹا دے گا۔ پس اُس نے دائیوں کو جمع کرکے حکم دیا کہ بنو اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اوس کو مار ڈالیں اور لڑکیوں کو چھوڑ دیں۔ پس بنو اسرائیل میں موت کا بازار گرم ہوگیا اور لڑکے اُن کے مارے جانے لگے۔ پس قبطی رؤسا فرعون کے پاس جمع ہوئے اور اُس سے کہا کہ بنو اسرائیل کے بچے ذبح کئے جارہے ہیں اور بڑے (بے مارے) مرتے جارہے ہیں۔ بہت نزدیک ہے وہ زمانہ کہ یہ عمل (بے قصوروں کا خون) ہم لوگوں پر پڑے۔ پس فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال ذبح کئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں۔ پس ہارون اُس سال پیدا ہوئے جس سال بچے چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ اور حضرت موسیٰؑ اوس سال پیدا ہوئے جس سال ذبح کئے جاتے تھے[1] اِسی وجہ سے اُن کی ماں نے بحکم حافظ حقیقی اُن کو صندوق میں بند کرکے دریا میں بہا دیا۔ اور خود فرعون نے نکلوایا اور اوسی کے گھر میں پرورش پائی)۔

حدیثیں

(بطریق شیعہ) اِن آیتوں کے متعلق جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں چونکہ باطنی تفسیر سے زیادہ مناسبت رکھتی ہیں اِس لئے وہیں ذکر کی جائیں گی۔

عہ مصر کے اصلی باشندے قبطی کہلاتے تھے اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد اور امت جو حضرت موسیٰؑ اور اُن کے بزرگوں کے ساتھ تھے بنو اسرائیل کہلاتے تھے۔ ۱۲ منہ عہ تشکل وصورت اور نشانوں سے غیب یا ہونے والی باتوں کی خبریں دینے والے۔ ۱۲ منہ [1] مجمع البیان جلد ۱ ص ۴۳ تا ۴۴۔ ۱۲ منہ۔

(بطریق اہلسنت) یَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ سے عَلَیْکُمْ تک

ملا مجاہد کہتے ہیں کہ ان نعمتوں سے وہ نعمتیں مقصود ہیں جو بنو اسرائیل کو دی گئیں جنکو خدا نے (ان آیتوں میں) ذکر کیا ہے۔ اور وہ جو ان کے علاوہ ہیں (جیسے) اُن کے لئے پتھر سے پانی جاری کرنا اور من و سلوے بھیجنا اور آلِ فرعون کی غلامی سے بچالینا۔ ۲؎ حضرت عمر اُذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ کو جب پڑھا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ قوم (بنو اسرائیل) گذر چکی اس آیت میں صرف تمہیں لوگ مراد لئے گئے ہو۔ میں عرض کرتا ہوں کہ قرینِ قیاس بھی یہی ہے کہ آیت میں خطاب امتِ محمدی سے ہے جیساکہ حضرت عمر نے بیان کیا۔ اور حدیث ابو داؤد میں ہے کہ حضرت سرورِ عالم ؐ نے فرمایا کہ اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَاِسْمِیْ اِسْرَآئِیْلُ یعنی میں بندۂ خدا ہوں اور میرا نام اسرائیل ہے۔ (تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۶) عبرانی زبان میں اسرا کا معنی بندہ ہے اور ئیل خدا کا نام ہے۔ (تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۵۷)۔ اور خداوندِ فیاض کی نگاہ میں دنیاوی نعمتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں۔ اور حقیقی نعمتیں وہی ہیں جو دنیا میں انسان صورت نہیں بلکہ انسان سیرت بنا دیں اور آخرت میں بہشت میں پہونچا دیں۔ اور وہ محمد و آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جنکی اتباع اور پیروی کی تاکیدوں سے قرآنِ مقدس بھرا ہوا ہے جیساکہ قبل اس کے کئی جگہ آپ پڑھ چکے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ پڑھینگے۔ پس حضرت عمر کے بیان کے مطابق خداوندِ منّان نے انھیں پاک و جلیل القدر نعمتوں کو یاد دلایا ہے اور اپنا احسان جتلایا ہے اور ان کی اتباع و پیروی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن افسوس کہ سب سے پہلے اس یاددہی پر حضرت عمر ہی نے عمل نہ کیا۔ اور جبتک حضرت ابوبکر محلہ سُنح سے نہیں آئے موتِ حضرت سرورِ عالم ؐ سے انکار کر کے اُس کی طرف سے لوگوں کو شک میں رکھا۔ اور جب وہ آگئے تو دونوں صاحب ابو عبیدہ جراح کے گھر گئے اور اُن کو ساتھ لیکر (تین میل) دوڑتے ہوئے سقیفہ میں پہونچے اور حضرت ابو بکر کا ہاتھ کھینچکر سب سے پہلے

۱؎ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸ ذکر وفات رسول ؐ ۔ ۱۲ منہ ۲؎ تاریخ الخلفاء ذکر بیعتِ ابوبکر و تاریخ کبیر طبری ذکر بیعتِ ابوبکر۔ ۱۲ منہ ۳؎ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۹۳ چھاپہ مصر ذکر فضائل ابوبکر۔ ۱۲ منہ۔

انھیں نے بیعت کی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر بھی کہہ چکے تھے کہ ارقبوا محمدؐ فِی اَھلِبَیتِہٖ یعنی محمدؐ کے حقوق کی اُن کے اہلبیتؑ کے بارے میں حفاظت کرو لیکن اپنے کلام پر انھوں نے بھی عمل نہ کیا۔ وَاَنِّی فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ [1] قتادہ اور ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو انھیں لوگوں پر فضیلت دی گئی تھی جو اُن کے زمانہ میں تھے کیونکہ ہر زمانہ کیلئے ایک عالم ہوا کرتا ہے۔ (اور عالم سے اوس زمانہ کے موجودات مقصود ہوا کرتے ہیں) اور فضیلت اس طرح دی گئی کہ اُن کو سلطنت دی اُن میں انبیاء بھیجے اور اُن کو کتابیں (توریت و انجیل و زبور وغیرہ) دیں۔ وَاتَّقُوا یَوْمًا سُدِّیْ کہتے ہیں کہ کوئی مومن کسی کافر کو کسی قسم کا فائدہ نہ پہونچا سکیگا لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ [2] اعمش کہتے ہیں کہ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ کی جگہ پر ہم لوگ لَا یُؤْخَذُ پڑھا کرتے ہیں۔ [3] بنوامیہ شام میں سے ایک شخص نے جسکی عمر بن قیس ملائی نے بہت زیادہ تعریفیں کی ہیں بیان کیا کہ حضرت سرور عالمؐ نے فرمایا کہ عدل سے فدیہ مقصود ہے۔ [4] ابنِ عباس کہتے ہیں کہ عدل سے بدل مقصود ہے۔ اور بدل سے فدیہ۔ وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

---

[1] تاریخ الخلفاء فصل فیما روی عن الصدیق ص۱۔ وصحیح بخاری جلد ۲ ص۴۹۰ چھاپہ بمبئی باب مناقب حسن وحسین۔

[2] امام اہلسنت ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ سلیمان بن مہران اعمش کوفہ کے رہنے والے ثقہ یعنی معتبر اور حافظ اور قرآن مجید کی قرائتوں کو جانتے تھے (تقریب التہذیب ذکر سلیمان بن مہران اعمش) ہیں عرض کرتا ہوں کہ اعمش کا اعتبار اور قرائتوں سے آگاہ ہونا معلوم ہو چکا۔ اور یہ کوفہ کے رہنے والے تھے اور کوفہ میں ابنِ مسعود کا قرآن رائج تھا جسکو انھوں نے حضرت سرور عالمؐ کے زمانہ میں ترتیب دیا تھا اور اسی قرآن کو حضرت عثمان نے جلانے کیلئے مانگا تھا جسکو نہ دینے پر اون کو خوب پٹوایا۔ یہ قرآن تغیر و تبدل سے محفوظ تھا۔ پس ایک معتبر سنی راوی یعنی اعمش کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ عثمانی ترتیب میں لَا یُؤْخَذُ کی جگہ لَا یُقْبَلُ لکھدیا گیا۔ اور عثمان صاحب نے اسکو درست نہیں کیا۔ اور یہ تحریف۔ جو انھیں کے حدیث سے ثابت ہے باقی رہ گئی۔ ۱۲ منہ

تا آخر ۱ ابن عباس اور ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ نجومیوں نے فرعون سے کہا کہ اس سال مصر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تجھے مار ڈالے گا اور تیری سلطنت کو تباہ کر دے گا۔ اور اوس وقت وہ چار سو برس سلطنت کر چکا تھا۔ پس اوس نے بروایت ابن عباس ہر ہزار عوں پر سو مردوں کو۔ اور ہر سو عورتوں پر دس مردوں کو۔ اور ہر دس عورتوں پر ایک مرد کو معین کیا۔ اور بروایت ابوالعالیہ دائیوں کو مقرر کیا کہ اگر وہ لڑکے جنیں تو وہ لڑکے مار ڈالے جائیں۔ اور اگر لڑکیاں جنیں تو چھوڑ دی جائیں۔ پس لڑکے فرعون کے پاس لائے جاتے تھے وہ اون کو مار ڈالتا تھا۔ ۲ ابن عباس اور مجاہد کہتے ہیں بلاء عظیم سے نعمت عظیمہ مقصود ہے[۱]

(باطنی تفسیر) یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۱ عیاشی علیہ الرحمہ ہارون بن محمد حلبی سے روایت کرتے ہیں اُنھوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے یابنی اسرائیل کی تفسیر پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بنو اسرائیل خاص ہم لوگ ہیں۔ ۲ عیاشی علیہ الرحمہ محمد بن علی سے روایت کرتے ہیں اُنھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یابنی اسرائیل کی تفسیر پوچھی تو ارشاد فرمایا کہ وہ خاص آل محمد ہیں۔ ۳ ابو داؤد کسی صحابی[ع] سے روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ کو فرماتے ہوئے سنا آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں عبداللہ (بندۂ خدا) ہوں اور میرا نام اسرائیل ہے[۲] (کیونکہ عبرانی زبان میں اسرا کا معنی بندہ ہے اور ئیل خدا کا نام ہے ۱۲ تفسیر برہان جلد ۱ ص۸۵ بروایت محمد بن عمارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے۔) میں عرض کرتا ہوں کہ ان حدیثوں کی بنا پر یہ پوری آیت علی العالمین تک اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متعلق معلوم ہوتی ہے جو اُن کی فضیلتوں کو چھپانے کی غرض سے کسی دوسری

---

۱ تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۱ ص۶۸ و ۶۹۔ کل نمبر ۱۲ منہ ۲ تفسیر برہان جلد ۱ ص۸۶ تینوں نمبر ۱۲ منہ۔

ع اہلسنت کل صحابہ کو عادل جانتے ہیں اس لئے یہ مرسل حدیث اُن کے نزدیک معتبر اور اُن پر حجت ہے۔ ۱۲ منہ

جگہ سے اوٹھاکر یہاں ڈالدی گئی ہے۔ اور معنی اس کا یہ ہے کہ اے آلِ محمدؐ میری اون
نعمتوں کو یاد کرو جو تمھیں دیں (اپنی کل مخلوقات کا تم کو امام بنایا اور آسمان وزمین
اور ان دونوں کے کل مخلوق فرشتے۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ ستارے۔ بہشت۔ دوزخ
حوضِ کوثر۔ طوبیٰ۔ انسان۔ حیوان۔ نباتات یعنی زمین سے اُگنے والی چیزیں۔ اور جمادات
یعنی ڈھیلا۔ پتھر۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ پیتل۔ رانگہ جستہ۔ لوہا۔ خلاصہ یہ کہ دھات
اور اوپدھات وغیرہ سبکو تمھاری حکومت میں دیا۔ اور اپنی کل مخلوقات پر تم کو بزرگی
دی) میں عرض کرتا ہوں کہ چند چیزیں اس امر کی تائید کررہی ہیں کہ یہ آیت اہلبیتؑ
ہی سے تعلق رکھتی ہے جو فاسد غرض یا جہالت کی وجہ سے بنو اسرائیل کے ذکر میں
لاکر ڈال دی گئی ہے ۱ے دونوں حدیثوں میں معصومؑ کی فرمائش ۲ے اس کے قبل اس
سے بالکل نزدیک اس کا بنواسرائیل کے لئے ذکر کیا جانا جو چاہتا ہے کہ اُسکے
بعد ہی اس قدر جلد بنواسرائیل ہی کیلئے دوبارہ ذکر کرنا لغو اور بیکار ہو جس سے
خداوند حکیم کی مقدس ذات پاک اور منزہ ہے ۳ے لفظِ عالمین پر جو جمع ہے الف لام
کا داخل کرنا جو استغراق کا معنی پیدا کرتا اور اس امر کو بتاتا ہے کہ بنواسرائیل کو تمام
عالم پر بزرگی دی گئی۔ حالانکہ دنیا کے کل مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ امت محمدؐ سے
کوئی امت افضل نہیں ہے بلکہ امتِ محمدؐ کل امتوں سے افضل ہے ۴ے امر کے صیغے جو
اس کے قبل گذر چکے جیسے اذکروا۔ امنوا۔ واقیموا۔ واتوا۔ وارکعوا۔ واستعینوا
اونھیں کے سیاق میں اور اونھیں کے مناسب لفظاً ومعنی ہیں واتقوا یوما تا آخر کا ہونا
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولی اور اصلی ترتیب یوں تھی وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَ
الصَّلٰوةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو
رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ
تا آخر یعنی صبر اور صلوٰۃ یعنی محمدؐ وآلِ محمدؐ سے مدد چاہو اور اُن کی امامت کو مانو جو خاشعون
(یعنی مومنوں) کے سوا دوسروں پر جبر ہے اور اس دن سے ڈرو جس دن (اصلی مددگار)
محمدؐ وآلِ محمدؐ کے سوا کوئی شخص کسی کو نہ تو عذاب سے بچا سکے گا اور نہ کسی سے کچھ لیکر
سزا اوٹھالیجائیگی اور نہ اطاعت کے بدلے میں کچھ لیا جائے گا پس اگر مدد کریں گے
تو محمدؐ وآلِ محمدؐ ۔ ۵ے اہلبیتؑ رسالت کا کل امتوں کے پیشواؤں یعنی کل انبیاء سے افضل ہونا

کیونکہ اِن کے واسطے سے حضرت آدمؑ کی توبہ مقبول ہوئی۔ حضرت نوحؑ کی کشتی طوفان سے بچی حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کی آگ سے نجات پائی۔ حضرت داؤدؑ کیلئے لوہا نرم ہوا۔ حضرت سلیمانؑ کو سلطنت ملی۔ حضرت موسیٰؑ کے لئے دریا میں راستہ بنا۔ حضرت عیسیٰؑ صولی سے بچے[1] اور کل انبیاء اِن کی ولایت کے اقرار پر نبی بنائے گئے[2]۔ **اور بطریق شیعہ** [۱] حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ خدا نے مجھے کل انبیاء اور مرسلین پر فضیلت دی۔ اور میرے بعد فضیلت تمہارے لئے اور اُن ائمہ کیلئے ہے جو تمہارے بعد ہوں گے۔ اور فرشتے ہمارے اور ہمارے دوستوں کے خادم (خدمتگار) ہیں[3]۔ [۲] حضرت سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ خداوندِ عالم نے کل مردوں پر مجھے سردار بنایا پھر تمکو اے علیؑ پھر فاطمہؑ کو کل عورتوں کا[4]۔ [۳] حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ تم اور تمہاری اولاد (ائمہ علیہم السلام) بہتر ین خلق خدا ہو[5]۔ [۴] حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ میرے اور اپنے باپ کے بعد کل اہلِ زمین سے بہتر ہیں اور اُن کی ماں روے زمین کی کل عورتوں سے افضل ہیں[6]۔ **اور بطریق اہلسنت** بہترین احادیث وہ ہے جسکو شیخ عبدالقادر جیلانی نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے (کیونکہ عبدالقادر وہی شخص ہیں جو روزِ عاشورہ کو عید منانے کا حکم دیتے تھے جسپر اہلسنت آجتک عمل کر رہے ہیں۔ اور ابوہریرہ وہ شخص ہیں جنھوں نے معاویہ کی خوشامد میں حضرت علیؑ کی مذمت میں حدیثیں بنائیں بہرحال) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالمؐ نے فرمایا کہ خداوندِ عالم نے حضرت آدمؑ سے فرمایا کہ اگر ان خمسہ (نجبا یعنی پنجتن) کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں نہ بہشت پیدا کرتا نہ دوزخ نہ عرش نہ کرسی نہ آسمان نہ زمین نہ فرشتے نہ انسان نہ جن۔ یہ لوگ میرے برگزیدہ بندے ہیں۔ اِن کی خاطر سے جسکو چاہوں گا نجات دوں گا اور جسکو چاہونگا ہلاک کرونگا۔ اے آدمؑ انکا واسطہ دیکر مجھ سے دعا کرنا[7]

---

[1] بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۴۹۹ تا ۴۹۴۔ ۱۲ منہ [2] بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۴۸۷ تا ۴۸۹ ذکر فضیلت اہلبیتِ رسالت بر انبیاء و ملائکہ۔ ۱۲ منہ [3] فصول المہمہ باب ۱ صفحہ ۵ ذکر فضیلت نبی و ائمہ بر تمام مخلوقات۔ ۱۲ منہ [4] بحار جلد ۷ صفحہ ۴۷۲۔ ۱۲ منہ [5] بحار جلد ۷ صفحہ ۴۷۱۔ ۱۲ منہ [6] بحار جلد ۷ صفحہ ۴۷۲۔ ۱۲ منہ [7] ارجح المطالب باب ۴ صفحہ ۴۶۱ بحوالۂ عبدالکریم رافعی و علامہ حموینی۔ ۱۲ منہ

خلاصہ یہ کہ یہ آیت جو پہلے گذر چکی ہے وہ اپنے ظاہری معنی پر باقی ہے اور بنواسرائیل سے تعلق رکھتی ہے۔ اور یہاں پر جو مذکور ہے اوس سے اوس کا باطنی معنی یعنی آلِ محمدؐ مقصود ہیں۔ اور یہ آیت دوسری جگہ سے اوٹھا کر یہاں ڈال دی گئی ہے۔ اور اوس کو بنواسرائیل یعنی حضرت یعقوبؑ کی امت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن بعد اس کے کہ ترتیب میں بنواسرائیل کے قصہ میں ڈالدی گئی اس کی ظاہری تفسیر یہ ہے جو لبند صحیح حضرت امام حسن عسکریؑ سے منقول ہوئی ہے کہ اے بنواسرائیل (امت حضرت یعقوبؑ) میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جو تمھیں دیں۔ وہ یہ کہ تمھارے بزرگوں کے پاس موسیٰؑ اور ہارونؑ کو نبی بنا کر بھیجا پس انکو (اُن کے ذریعہ سے) محمدؐ کی نبوت اور اُن کے وصی علیؑ اور اُن کی عترت طاہرینؑ کی امامت کی طرف ہدایت کی۔ اور تم لوگوں سے اس پر عہد و پیمان (وعدہ) لیا۔ پس اگر محمدؐ کی نبوت اور اُن لوگوں کی امامت کا اعتقاد کروگے تو بہشت میں بادشاہ اور میری بخششوں اور خوشنودیوں کے مستحق بنکر رہوگے۔ اور تمھارے بزرگوں کو اُن کے زمانہ کے لوگوں پر دینی اور دنیاوی دونوں باتوں میں بزرگی دی۔ دینی باتوں میں یوں بزرگی دی کہ محمدؐ اور علیؑ اور اُن کی آلِ پاک کی ولایت (سرداری) کے اعتقاد کی طرف اُن کو ہدایت کی۔ اور اوتھوں نے قبول کیا۔ اور دنیاوی باتوں میں یوں فضیلت دی کہ اون پر بادل سے سایہ کرایا۔ اور من و سلویٰ بھیجا اور پتھر سے میٹھا پانی پلایا۔ اور دریا کو اُن کیلئے شگافتہ کیا۔ (اوس کے پانی کو پھاڑ کر اُن کے لئے راہ بنادی) اور (ڈوبنے سے) اون کو بچایا۔ اور فرعون اور اوس کی قوم کو ڈوبا دیا۔ اور ان باتوں میں اُن کو اُن کے زمانہ کے لوگوں پر بڑائی دی۔ جو اُنکے طریقہ (دین) کے مخالف اور اُنکی سبیل (مذہب) کے دشمن تھے۔ پس جبکہ میں نے محمدؐ کی سرداری ماننے کی وجہ سے تمھارے بزرگوں کے ساتھ ایسا کیا تو اب اگر تم بھی اپنے اوس عہد و پیمان (وعدہ) کو پورا کروگے تو تمکو بھی اسی طرح بزرگی دوں گا۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا اور اوس دن (مرنے کے دن کی سختیوں) سے اپنے کو بچالو جسدن جانکنی (موت) کے وقت جو شخص جس عذاب کا مستحق ہوگا اُس عذاب کو کوئی ہٹا نہ سکے گا۔ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ اور نہ موت کو ہٹا دینے کے لئے کسی کی سفارش قبول کی جائیگی۔ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ اور نہ کسی کے بدلے میں کوئی دوسرا شخص لیا جائے گا جو اوس کے عوض میں مرے اور یہ چھوڑ دیا جائے۔ میں عرض کرتا ہوں

کہ تفسیر سورۃ بقرہ صفحہ ۱۱۸ سے ۱۲۰ تک میں جو حدیثیں لکھ آیا ہوں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت اور قبر میں جو چیز پوچھی جاتی اور کام آتی ہے وہ ایمان یعنی پانچوں اصول دین کا اعتقاد اور اقرار کرنا ہے۔ پس معصوم کی مذکورہ بالا تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ بنو اسرائیل سے یہ فرمانا چاہتا ہے کہ تم محمدؐ کی نبوت اور علیؑ اور اون کی اولادِ طاہرینؑ کی امامت کا اعتقاد و اقرار کر کے موت اور قبر کی سختیوں سے اپنے کو بچالو۔ رہجائیں گے وہ گناہ جنہیں بغیر جرأت اور سرکشی کے مبتلا ہو گئے ہونگے تو اونکو یہ انوارِ مقدسہ بخشوا لینگے۔ ہاں جو گناہ جرأت اور سرکشی سے کئے جاتے ہیں چونکہ وہ باطنی بے ایمانی کا پتہ دیتے ہیں اس لئے ایسے گناہ کرنیوالے اس کا حق نہیں رکھتے کہ ائمہ علیہم السّلام کی شفاعت کے امیدوار رہیں۔ آیسے لوگوں کو لازم ہے کہ توبہ کریں لیکن توبۃ النصوح یعنی پھر مبتلا نہوں اور اگر ائمہ علیہم السلام ایسے لوگوں کے ظاہری اقرارِ امامت کی لاج رکھلیں اور شفاعت کردیں تو یہ صرف اُن کا تفضّل اور مہربانی ہوگی۔ حضرت امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ (اس آیت میں) یوم سے موت کا دن مقصود ہے کیونکہ سفارش اور بدلا اوس دن کام نہ آئے گا۔ لیکن قیامت پس میں اور میرے (ائمہ) اہلبیتؑ اُس دن کے لئے پوری طرح کافی ہیں۔ بہشت اور دوزخ کے درمیان اعراف پر محمدؐ اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ اور اون کی آلِ پاک ہوں گے۔ پس اپنے بعض شیعوں کو جنھوں نے اطاعتِ خدا میں (بغیر سرکشی اور جرأت کئے) کوتاہی کی ہوگی اُس موقع پر بعض سختیوں میں دیکھینگے پس اپنے شیعوں میں سے بہترین اشخاص جیسے سلمان اور مقداد اور ابوذر اور عمار یاسر کو اور اون کو جو اُن کے زمانہ میں ان کے مثل تھے۔ اور ہر زمانہ کے (کامل شیعوں کو) جو قیامت تک پیدا ہوتے رہے ہیں بھیجینگے پس جطرح شکرہ اور بہری شکار پر جھپٹتے اور انکو اُٹھا لیتے ہیں۔ اوسی طرح یہ لوگ جھپٹکر اُن کو اوٹھالیں گے اور بہشت میں پہونچا دیں گے۔ پھر ہم لوگ اپنے دوستوں کی دوسری جماعت کی طرف اپنے نیکوکار شیعوں کو بھیجینگے جو میدانِ قیامت سے اُن کو اس طرح چن لیں گے جس طرح کبوتر دانوں کو چُن لیتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے بہشت میں پہونچا دیں گے۔ اور ہمارے شیعوں میں سے کچھ لوگ لائے جائیں گے جو ہماری امامت کا اعتقاد رکھتے اور تقیہ کرتے رہے ہوں گے اور اپنے مومن بھائیوں کے حقوق ادا کر چکے ہوں گے لیکن اعمال میں کوتاہی کی ہوگی۔ پس اون میں سے ہر ایک کے

سامنے ایک ایک سو یا اُس سے زیادہ ایک ایک لاکھ تک ناصبی (ہمارے دشمن) کھڑے کیئے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ آتشِ جہنم سے تمھاری نجات کے لئے یہ سب تمھارے فدیہ (بدلا) ہیں۔ پس وہ شیعے بہشت میں اور وہ ناصبی جہنم میں داخل کردیئے جائیں گے۔ اِسی مطلب کو خداوندِ عالم نے بیان فرمایا ہے رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا (تا آخر) یعنی جن لوگوں نے امامت کو نہ مانا وہ پسند کریں گے کہ اگر دنیا میں مسلمان (پیروِ اہلبیتؑ) اور اُن کی امامت کے معتقد ہوتے تو آج اُن کے مخالف اُن کے بدلے میں جہنم میں جاتے[1] وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ... سے مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ تک۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اِس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اے بنو اسرائیل اوس دن کو یاد کرو جبدن تمھارے بزرگوں کو میں نے آلِ فرعون یعنی اُس کے عزیزوں اور دین و مذہب والوں سے بچایا جو اُن پر بُری طرح سے عذاب کرتے تھے۔ بھاگنے کے ڈر سے اُن کو بیڑیاں پہنا کر اُن سے عمارتیں بنواتے تھے۔ وہ بیڑیاں پہنے ہوئے سیڑھیوں پر چڑھکر چھتوں پر جاتے تھے۔ اور اکثر اوپر سے گر کر مر بھی جاتے یا ہاتھ و پانوں سے بیکار ہو جاتے تھے اور آلِ فرعون اِس کی کوئی پروا نہ کرتے تھے۔ پس خدا نے حضرت موسیٰؑ پر وحی کی کہ ان سے کہو کہ جو کام شروع کریں پہلے محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیج لیں۔ پس وہ درود بھیجنے لگے اور خدا نے اُن کاموں کو اُن پر آسان کر دیا۔ اور جو شخص درود بھول جانے کی وجہ سے گر کر (چوٹ کھاتا) یا ہاتھ و پانوں سے بیکار ہو جاتا تھا اوس کو حکم دیا کہ اپنے اوپر درود پڑھے۔ اور اگر وہ خود نہ پڑھ سکتا ہو تو دوسرا شخص اوس پر پڑھ دے۔ جب پڑھا جاتا تھا تو تکلیف دفع ہو جاتی تھی۔ اور (نجومیوں نے) فرعون سے کہا کہ بنو اسرائیل میں بہت جلد ایک بچہ (موسیٰؑ) پیدا ہوگا جو تجھکو ہلاک اور تیری سلطنت کو برباد کریگا۔ پس اوس نے حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے بچے ذبح کر دیئے جائیں۔ پس بعض عورتوں نے دائیوں کو ملا لیا تاکہ اُن کے بچوں کی پیدائش سے فرعون کو آگاہ نہ کریں۔ پس میدانوں یا پہاڑوں کے غاروں یا پوشیدہ جگہوں میں جا کر بچے جنتی تھیں اور اوس پر دس مرتبہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ پڑھتی تھیں پس خداوندِ عالم فرشتوں کو اُن کا ہم شکل بنا کر اون بچوں کے پاس بھیجدیتا تھا اور اُن کی انگلیوں سے دودھ جاری کر دیتا تھا۔ اور جب وہ کھانے کے قابل ہو جاتے

[1] لے تفسیر [illegible] صفحہ ۱۵ جلد ۱ [illegible] صفحہ ۱۸

تھے تو اونھیں اونگلیوں میں (اُن کے مناسب) نرم کھانا پیدا کر دیتا تھا۔ وہی فرشتے اُن کی پرورش کرتے تھے۔ پس بنواسرائیل کی تعداد بڑھنے لگی اور جس قدر مارے جاتے تھے اُن سے زیادہ پرورش پاتے تھے۔ اور (آلِ فرعون) اون کی لڑکیوں کو زندہ رکھ چھوڑتے اور لونڈیاں بناتے اور اُن سے ہم بستری کرتے تھے۔ پس بنواسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے فریاد کی کہ ہماری لڑکیوں اور بہنوں سے (ناجائز) ہم بستری کرتے ہیں۔ پس خداوندِ عالم نے لڑکیوں کو حکم دیا کہ جب کسی فرعونی کی طرف سے اون کو شبہ ہو کہ وہ ہم بستری کرنا چاہتا ہے تو محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجیں۔ پس (وہ درود بھیجتی تھیں اور) خداوندِ عالم اُن مردوں کو کسی کام میں پھنسا کر یا لوتھ بنا کر یا کسی بیماری یا دوسری چیز میں مبتلا کر کے اِس ارادہ سے روک دیتا تھا۔ اور درود کی برکت سے وہ عورتیں بے حرمتی سے بچ جاتی تھیں۔ (خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے) کہ اے بنواسرائیل تم کو جو میں نے (آلِ فرعون کے) ان عذابوں سے بچایا یہ میری بہت بڑی نعمت ہے تم پر۔ پس تم اُس دن کو یاد کرو جس دن میں نے تمھارے بزرگوں سے بلاؤں کو دفع کیا۔ اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجنے کی برکت سے اِس بوجھ کو تم سے ہلکا کر دیا۔ کیا تم (اب بھی یہ) نہیں سمجھتے کہ جب تم محمدؐ و آلِ محمدؐ کو دیکھو گے اور اُن پر ایمان لاؤ گے تو خدا کی نعمت تم پر بہت زیادہ اور اُس کی بخشش تم پر بے پایاں (بیحد) ہو گی[1]۔

چند فائدے

معانی۔ بیان۔ بدیع

(پہلا فائدہ) (معانی) یابنی اسرائیل میں ندا (پکارنا) ظاہری تفسیر کی بنا پر بنواسرائیل کی دلجوئی اور اون کو خوش کر کے احسان ماننے اور شکریہ ادا کرنے اور اپنی فرمانبرداری پر آمادہ کرنے کی غرض سے ہے۔ کیونکہ دنیا کا دستور ہے کہ بہت بڑے شخص کا بہت چھوٹے شخص کو بلانا اور اوس سے کلام کرنا بہت عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوتا اور اوس کے حکموں کی تعمیل پر پوری طرح آمادہ کر دیتا ہے۔ اور باطنی تفسیر کی بنا پر جس میں

[1] تفسیر برہان جلد ا صـ۹۱ - ۱۲ منہ۔

بنواسرائیل سے اہلبیتِ رسالت مراد لئے گئے ہیں یہ ندا (پکار) صرف اون کو خوش کرنے کیلئے ہے۔ کیونکہ خدا کا شکریہ ادا کرنے اور اوس کا احسان ماننے اور اوسکی فرمانبرداری کرنے میں نعمتیں یاد دلانے اور دلجوئی اور خداوندِ عالم کے خطاب خاص کے وہ محتاج نہ تھے اور اس سے اُن کی شان بہت بلند تھی۔ ع۲ نِعْمَتِيَ میں ایجاز جامع ہے جو نعماتِ دنیا اور آخرت دونوں کو شامل ہے جسکی تفصیل باطنی تفسیر میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے گذر چکی۔ اور اسی طرح فَضَّلْتُكُمْ میں بھی ایجاز جامع ہے اور اُس کی تفصیل بھی گذر چکی ع۳ لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ تنوین (دو زبر۔ دو زیر۔ دو پیش) جو نکرہ پر ہوتا ہے کبھی عموم (حکم کو عام کرنے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی تعظیم (بزرگی ظاہر کرنے کے لئے اور کبھی تحقیر (ذلت ظاہر کرنے کے لئے اور کبھی تکثیر (زیادتی ظاہر کرنے کے لئے اور کبھی تقلیل (کمی ظاہر کرنے کے لئے پس یہ انتہائے بلاغت ہے کہ خداوندِ فصیح و بلیغ نے ایک لفظ نفسٌ سے ایک تو دونوں نفسوں کے عموم کو ظاہر کیا ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص کسی شخص کا مددگار نہ ہوگا۔ اور دوسرے پہلے نفس کی عظمت کو یعنی سوا حضرت سرورِ عالمؐ اور اُن کے اہلبیتؑ اور انبیاء اور شہداء اور علماء اور صلحاء مومنین کے کوئی شخص مدد نہ کر سکے گا اگرچہ اہلِ دنیا کی نگاہوں میں کتنا ہی بڑا سمجھا جاتا ہو۔ اور تیسرے دوسرے نفس کی حقارت کو یعنی کوئی شخص اگرچہ بڑا سمجھا جاتا ہو کسی معمولی شخص کی بھی جسکی مخالفتیں مثلاً جہالتؑ کی وجہ سے قابلِ چشم پوشی سمجھی جاتی ہیں مدد نہ کر سکیگا۔ کیونکہ مذکورہ بالا حضرات کے سوا کسی دوسرے کو شفاعت

ع حکم مالک کی مخالفت کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایکؔ قاصر جو مثلاً جہالت اور نادانی کی وجہ سے بغیر ارادہ جرأت و سرکشی کے مخالفت کرتے ہیں اور حکم مالک کو بجا نہیں لاتے۔ ایسے لوگوں کی مخالفت چونکہ بارادہ جرأت نہیں ہے اسلئے قابلِ بخشائش ہے۔ دوسرے مُقصِّر جو جانکر جرأت اور سرکشی کیوجہ سے حکم مالک کو چھوڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مخالفت کا سبب چونکہ جرأت اور سرکشی ہے جو باطنی خباثت اور بے ایمانی کا پتہ دیتی ہے اس لئے اِن کی مخالفت قابلِ بخشائش نہیں سمجھی جاتی مگر یہ کہ توبہ کریں یا حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ اور اہلبیتؑ کرام بنظر تفضل و مہربانی ظاہری ایمان کا خیال کر کے شفاعت کر دیں۔ ۱۲ منہ

کا حق ہی نہیں دیا گیا ہے۔ اور چوتھے پہلے نفس کی کثرت کو یعنی مذکورہ بالا حضرات کے سوا بہت سے لوگ مل کر بھی کسی کی مدد نہیں کر سکتے۔ اور پانچویں دوسرے نفس کی قلت کو۔ یعنی بہت سے لوگ مل کر زیادہ لوگوں کی مدد تو کر ہی نہیں سکتے۔ کم سے کم ایک شخص کی بھی مدد نہیں کر سکتے ۶۔ وَلَاهُمْ يُنْصَرُونَ میں ہم جو جمع کی ضمیر نصس لائی گئی ہے اوس سے دو امروں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ ایک یہ کہ مدد گار نہ پانا صرف ایک شخص کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ حکم اون کل نفوس (لوگوں) کو شامل ہے۔ جو مدد پانے اور سفارش کئے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ پس منہا میں مفرد ضمیر لفظ نفس کے لحاظ سے ہے جو مفرد ہے۔ اور ہم جمع کی ضمیر اوس کے معنی کے لحاظ سے ہے کیونکہ نفسؐ نکرہ ہے اور نکرہ عموم بدلی پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرے اس ضمیر کو جو فاعل ہے اوس کے فعل یعنی يُنْصَرُونَ پر مقدم کر کے حصر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ موت کے وقت مدد گار نہ پانا صرف انھیں لوگوں کے لئے ہے جو ائمہ اہلبیت رسالت کی امامت کے معتقد نہیں ہیں۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ باطنی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام حسن عسکری علیہما السلام کی فرمائش گذر چکی کہ یوماً سے موت کا دن مقصود ہے جبدن جانکنی کے وقت اور قبر میں سوالِ منکر و نکیر کے وقت ایمان ہی کام آتا اور اوسی سے سوال کیا جاتا ہے۔ (اور متواتر حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان دونوں وقتوں میں حضرت سرورِ عالمؐ اور آپ کے اہلبیتؑ مومن ہی کی سفارش کرینگے) پس تم لوگ اُس دن کی سختی دفع کرنے یعنی آنحضراتؑ کی سفارش کے قابل اپنے آپ کو بنا لو یعنی پانچوں اصول دین کا اعتقاد اور اقرار کر لو۔ رہجائینگے تمھارے گناہ جن سے قیامت میں سوال کیا جائیگا تو اوس دن اون کو بھی ہلک بخشوالیں گے۔ پس اس آیت میں لَا هُمْ يُنْصَرُونَ سے خداوند عالم اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ موت کے وقت اور قبر میں مدد گار نہ پانا خاص انھیں لوگوں کیلئے ہے جو پانچوں اصول دین کا اعتقاد و اقرار نہیں رکھتے۔ اور جب بے ایمانی کی وجہ سے ان دونوں وقتوں میں مدد گار نہ پائیں گے تو قیامت میں اعمال کے حساب و کتاب کے وقت بدرجہ اولی نہ پائیں گے کیونکہ بہ نسبت ایمان کے اعمال خفیف تر ہیں یعنی جو شخص ایمان رکھتا ہے اُس کی برکت سے حضرت سرورِ عالمؐ اور اہلبیتِ طاہرینؑ اوس کی بداعمالیوں کو

بھی بخشوالیں گے۔ اور جو شخص ایمان نہیں رکھتا اوس کے جہنم میں جانے کے لئے بے ایمانی ہی کافی اور جزو اعظم ہے۔ اگرچہ اعمال پر توجہ نہ کیجائے۔ گو بداعمالیوں کے عوض میں بھی عذاب کیا جائے گا ۵ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ... سے نِسَآئَکُمْ تک اسمیں ایجاز (مختصر بیان) ہے اوس کے بعد اطناب (تفصیلی بیان) اور اُس سے دو امروں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ ایک بنو اسرائیل میں سے ہر شخص کو واقعہ سمجھا دینا توضیح اس کی یہ ہے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ذہین۔ دوسرے معمولی ذہن کے۔ پس مختصر بیان یعنی سوء العذاب ذہین لوگوں کے لئے ہے جو اس سے فوراً سمجھ سکتے تھے کہ چونکہ بدترین عذاب۔ جان اور عزت کی تباہی ہے اس لئے اس سے اولاد کا مارا جانا اور عورتوں کو بے حرمت کرنا مقصود ہے۔ اور تفصیل اُن لوگوں کیلئے ہے جو اس اجمال سے اس مطلب کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اسی طرح لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک واقعہ سے آگاہ۔ دوسرے بے خبر۔ پس مختصر بیان باخبر لوگوں کے لئے ہے۔ جو اس کو سنتے ہی پورے واقعہ کو سمجھ سکتے تھے۔ اور تفصیل بیخبر لوگوں کیلئے ہے جو پورے بیان کے محتاج تھے۔ دوسرے یُذَبِّحُوْنَ اور یَسْتَحْیُوْنَ کو سُوْٓءَ الْعَذَاب کا بدل قرار دے کر اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ایمانی نقصان پہونچانے کے بعد مرتبہ میں بدترین عذاب جان اور عزت برباد کرنے کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے اور یہی وہ امتحانِ عظیم ہے جس سے انسان کی غیرت اور بے غیرتی اور صبر اور بے صبری اور اس سے بچانے کی شکر گزاری اور ناشکری کا پتہ ملتا ہے۔ ۵ نعمتی اور عالمین میں ایجاز جامع ہے یعنی نعمت سے ظاہری تفسیر کی بنا پر بنو اسرائیل کے لئے من و سلویٰ بھیجنا۔ پتھر سے پانی نکالکر پلانا۔ اون میں انبیاء پیدا کرنا۔ کتابیں بھیجنی۔ فرعون کے عذاب سے بچانا۔ فرعون اور اوس کی قوم کو ہلاک کرنا۔ اُن میں بادشاہت رکھنی وغیرہ مقصود ہے۔ اور باطنی تفسیر کی بنا پر اہلبیتؑ عصمت و طہارت کیلئے اون کو امام بنانا۔ اور آسمان اور زمین اور اُن کی کل مخلوقات کو اُنکی حکومت میں دینا اور اُن کا مطیع و فرمانبردار بنا دینا۔ اور عالمین سے ظاہری تفسیر کی بنا پر بنو اسرائیل کے زمانہ کے لوگوں کو مراد لیا ہے اور باطنی تفسیر کی بنا پر آسمان اور زمین اور اُن کی کل مخلوقات کو جسکی تفصیل تفسیر میں گذر چکی۔ ۶ بلاء میں بھی ایجاز جامع ہے یعنی مختصر لفظوں میں بہت سے معانی کو ادا کرنا۔

پس اِس سے اگر تکلیفیں مراد لی جائیں تو اُن کل مصیبتوں کو بتائے گا جنہیں فرعونیوں نے اُن کو مبتلا کر رکھا تھا جنکی تفصیل تفسیر میں گذر چکی۔ اور اگر نعمتیں مراد لیجائیں تو اون کل نعمتوں کو شامل ہو گا جن سے خداوند منان نے ان کو سرفراز کیا تھا ۔ اور فِی ذٰلِکُم سے عَظِیْمٌ تک اِس جملہ میں ایک تو اطناب یعنی کلام کو بڑھانا ہے اور مقصود اُس سے ایک تو یہ ہے کہ اِن بلاؤں اور مصیبتوں میں تم کو صبر کرنا چاہیے۔ اور دوسرے افتنان یعنی کئی قسم کی چیزوں کو ایک کلام میں بیان کرنا۔ جیسے صبر و شکر پر ترغیب و تحریص۔ اور اپنے احسانوں کا تذکرہ۔ اور شکریہ (اطاعت) چھوڑنے پر ترہیب (خوف دلانا) جسکو دوسری جگہ یوں ارشاد فرما رہا ہے لَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ یعنی اگر میری نعمتوں کا کفران (شکریہ ادا نہ) کروگے تو سمجھ لو کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔ اور اِس امر کو ظاہر کرنا کہ صبر و شکر کے بارے میں بہت بڑے امتحان کا مقام یہی ہے۔ وَاتَّقُوْا یَوْمًا میں یَوْمًا کی تنکیر یعنی اوس کو نکرہ (غیر معین) رکھنا اوس کی عظمت اور ہیبت کو ظاہر کرنے کی غرض سے ہے۔ پس اس لفظ سے خواہ قیامت کا دن مُراد لیا جائے جیسا کہ ظاہری تفسیر میں ہے۔ یا موت کا دن جیسا کہ باطنی تفسیر میں ہے۔ دونوں صورتوں میں اِس امر کو بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ دن سختیوں اور تکلیفوں کے لحاظ سے بہت بڑا اور بہت خوفناک ہے۔ تم لوگ اس دن کی تکلیفوں کو دفع کرنے کا سامان کر لو۔ شَفَاعَۃٌ ۔ عَدْلٌ کی تنکیر صرف عموم بدلی کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ یعنی اس امر کو بیان کرنے کیلئے کہ نہ تو کوئی سفارش قبول کیجائے گی اور نہ کوئی بدلا لیا جائے گا۔ اور شَیْئًا کی تنکیر تحقیر اور تقلیل کیلئے ہے۔ یعنی کوئی شخص کسی کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہ پہونچا سکے گا۔

(بیان) اسْرَائِیْل ظاہری اور باطنی دونوں تفسیروں میں گذر چکا کہ اس لفظ کا لغوی معنی "بندۂ خدا" اور "قوتِ خدا" ہے۔ اور یہ کہ یہ لفظ حضرت یعقوبؑ اور حضرت سرورِ عالم صلوات اللہ وسلامہ علیہما وآلہما دونوں بزرگوں کا نام ہے۔ پس ایک احتمال یہ ہے کہ لغوی معنی کی مناسبت سے دونوں بزرگوں کا نام لکھدیا گیا ہو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں بزرگوں میں مجازاً استعمال کیا گیا ہو۔ پہلے احتمال کی بناپر منقول شرعی اور ان بزرگواروں اس کا استعمال بطور حقیقت کے ہو گا۔ اور دوسرے احتمال کی بناپر حضرت یعقوبؑ میں اس کا استعمال بطور حقیقت کے ہو گا۔ کیونکہ اُن میں کثرتِ استعمال سے حقیقت کی حد تک پہونچگیا ہے۔

اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ میں مجازیت پر باقی رہیگا کیونکہ حضرتؐ میں زیادہ استعمال نہیں ہوا ہے۔ ۲؎ اُذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ سے نعمتوں کو صرف یاد دلانا مقصود نہیں ہے بلکہ شکریہ مطلوب ہے۔ اور چونکہ نعمتوں کا شکریہ عقلاً واجب ہے بلکہ ہر ذی روح کی فطرت اس کو بتاتی ہے اِس لئے نعمت اور شکریہ میں ملازمہ (ایک کا دوسرے سے جدا نہ ہونا) عقلی ہے۔ اس بنا پر اُشْكُرُوْا پر اُذْكُرُوْا کی دلالت عقلی ہوگی اس واسطے اُذْكُرُوْا بدلالت التزامی شکریہ کے وجوب کو بتاتا ہے کیونکہ اُذْكُرُوْا امر کا صیغہ ہے جو وجوب کو بتاتا ہے۔ ۳؎ اسی طرح اِتَّقُوْا بدلالت التزامی پانچوں اصول دین کے اعتقاد اور خداوندِ مالک الملوک کی اطاعت و فرمانبرداری کے واجب ہونے کو بتاتا ہے۔ کیونکہ موت اور قیامت کے دن عقلاً اور شرعاً ان دونوں کے سوا کوئی چیز باستحقاق بچانے کی قابلیت نہیں رکھتی۔ اور شفاعت اور توبہ کا بچانا باستحقاق نہیں ہے بلکہ خدا کے تفضّل اور مہربانی سے ہے۔ ۴؎ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ میں دو تعریفیں ہیں۔ ایک[1] مسندالیہ یعنی فاعل کو فَضَّلْتُ فعل سے پہلے بیان کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ احسان میرا ہے کہ تمکو عالمین پر فضیلت دی۔ کسی غیر کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دوسرے[2] فَضَّلْتُكُمْ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تمھارے سوا کسی دوسرے کو فضیلت نہیں دی۔

(بدیع) نعمتی۔ النعمت میں صنعتِ اشتقاق اور صنعتِ جناس ناقص ہے۔ (ملاحظہ ہو اس کے قبل ص۷۱) ۲؎ یا بنی اسرائیل میں ندا بغرض اظہار اعزاز و تالیف قلب و تاکید اتمام حجّت ہے۔ (ملاحظہ ہو اس کے قبل ص۷۲) ۳؎ یُذَبِّحُوْنَ (مار ڈالنے) اور یَسْتَحْیُوْنَ (زندہ رکھنے) میں۔ اور نَجَّیْنَا (بچانے) اور یَسُوْمُوْنَ (عذاب کرنے) میں۔ اور ابناء (مرد) اور نساء (عورتوں) میں۔ صنعتِ تقابل اور صنعتِ طباق ہے۔ صنعتِ تقابل یہ ہے کہ مقابل کی دو چیزیں ایک کلام میں ذکر کیجائیں جیسے آسمان کے مقابل میں زمین۔ اور ظلم کے مقابل میں انصاف۔ اور صنعتِ طباق یہ ہے کہ ایک کلام میں ایسی دو چیزیں ذکر کیجائیں جنکے معانی آپس میں کسی قدر یا پوری مخالفت رکھتے ہوں۔ جیسا کہ

۱؎ ملاحظہ کریں دوسرا مقدمہ صفحہ ۱۳۔ ۱۲ منہ ۲؎ ضمیر معنی کی طرف اشارہ جو اسلوب کلام سے معلوم ہو۔ ۱۲ منہ

مذکورہ بالا الفاظ کے معانی سے ظاہر ہے۔

(دوسرا فائدہ) یَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ...... سے العَالَمِیْنَ تک۔ امام اہلسنت فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں چند چیزیں لکھی ہیں۔ ۱۔ ابن دُرَیْد نے کہا ہے کہ بنو اسرائیل میں سے صرف مومنوں کو فضیلت دی گئی تھی اور گنہگاروں پر عذاب نازل کیا گیا تھا اور لعنت کی گئی تھی جیسا کہ خود خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا ہے جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ (سورۂ مائدہ پ۶ آیت ۶۰) یعنی اُن میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سور بنا دیا۔ اور لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ (مائدہ پ۶ آیت ۷۸) یعنی بنو اسرائیل میں سے کافر ہو گئے اون پر لعنت کی گئی ہے۔ ۲۔ علم کلام رازی صاحب لکھتے ہیں کہ کلامِ پروردگار اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ دلالت کرتا ہے کہ رعایت اصلح (یعنی بندوں کے فائدے کی چیزوں کو دینا) خدا پر واجب نہیں ہے کیونکہ یہ آیت دنیا اور دین دونوں کی کل نعمتوں کو شامل ہے۔ پس یا تو اِن نعمتوں کو دینا خدا پر واجب تھا یا نہ تھا۔ اگر واجب تھا تو احسان رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اپنا فریضہ ادا کیا اور اپنے گردن کا بوجھ اوتارا۔ پس) جو شخص اپنا فریضہ ادا کرے اُس کا کسی پر کوئی احسان نہیں ہے۔ اور اگر واجب نہ تھا جس کی وجہ سے اوس نے بعض کو فضیلت دی اور بعض کو نہ دی تو اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ رعایت اصلح واجب نہیں ہے نہ دنیا میں نہ دین میں (ورنہ سب کو فضیلت دیتا) میں عرض کرتا ہوں کہ رازی صاحب جیسے افضل و اکمل علماءِ اہلسنت کی پہلی غلطی یہ ہے کہ نمبر ایک میں عدم وجوب رعایتِ اصلح کو اس آیت کا مدلول قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ آیت اس مطلب پر نہ تو بدلالت مطابقی یعنی اپنے کل لفظوں سے دلالت کرتی ہے نہ بدلالت تضمنی یعنی اپنے بعض لفظوں سے۔ اور نہ بدلالت التزامی یعنی عقلاً کیونکہ عدم وجوب رعایت۔ اور اس آیت کے معنی میں بیّن لزوم نہیں ہے کہ ایک کو سمجھنے سے دوسرا سمجھ میں آجائے۔ حالانکہ التزامی دلالت میں بیّن لزوم کا ہونا ضروری ہے۔ اور **دوسری غلطی** یہ ہے کہ نمبر دو میں خداوند مالک الملوک و بادشاہ و حاکمِ حقیقی کے فعلوں پر احکامِ خمسہ تکلیفیہ یعنی وجوب۔ استحباب۔ حرمت۔ کراہت۔ اباحت کو اوسی معنی سے جاری کیا ہے جس معنی سے بندوں کے فعلوں پر جاری کیا جاتا اور ترتب و عدم ترتبِ احکامِ وضعیہ یعنی ثواب۔ عذاب۔ اور صحت اور بطلان کا سبب سمجھا جاتا ہے۔

حالانکہ اوس بادشاہِ حقیقی کے حق میں وجوب استحسانِ عقلی اور لزومِ عقلی کے معنی میں ہوتا ہے وہ بھی نہ اس معنی سے کہ اوس پر کسی کا حق تھا جس کو اُس نے ادا کیا ہے۔ بلکہ استحسانِ عقلی اِس معنی سے کہ فیاض کا جود وکرم یہ چاہتا ہے کہ اپنے لطف و مہربانی سے اپنے ممکن الوجود بندوں کو ہر طرح کا فائدہ پہونچائے اور ہر شرف اور اُن مرغوب چیزوں سے سرفراز کرے جو پیدائش اور ضروریات و لوازمِ زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے اوس نے اون کو پیدا کیا اوس کے بعد جس شخص کے لئے جو چیز اوس کی دنیاوی زندگی کیلئے مناسب اور فائدہ بخش تھی اُس کو دی۔ اور جس میں جس چیز کی قابلیت نہ تھی یا وہ چیز اُس کے حق میں مُضر اور نقصان دہ تھی اوس سے اوس کو روک دیا۔ جس طرح طبیب مریض کے ساتھ کرتا ہے۔ اور وجوب اِس معنی سے اُس کے تکوینی فعلوں یعنی اُن فعلوں سے تعلّق رکھتا ہے جو پیدائشِ مخلوقات اور اُن کی زندگی کی ضرورتوں اور لوازمات سے متعلق ہیں اور اوس کے ایسے افعال خالص لطف و مہربانی ہیں۔ اِس واسطے اِن مہربانیوں کی بنا پر منّت اور احسان رکھنا بے شبہ اور بے دغدغہ جائز۔ بلکہ اتمامِ حجت کی غرض سے جیساکہ اِس مقام میں ہے نہایت درجہ مستحسن اور پسندیدہ اور حکمت آمیز اور عاقلانہ فعل ہے۔ اور لزومِ عقلی اِس معنی سے کہ جبکہ اوس نے اپنے قابلِ تکلیف بندوں کو اپنی معرفت اور اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا۔ اور معرفت و اطاعت کا انجام دینا تعلیم اور طریقۂ معرفت کے جاننے اور اوس کی مطلوب اور مبغوض چیزوں کے پہچاننے اور اطاعت کے اسباب اور ذریعوں کے پیدا کر دینے پر موقوف تھا اِس لئے اوس پر عقلاً لازم تھا کہ اُن کو تعلیم کر دے اور اپنی مطلوب اور مبغوض چیزوں کو بتا دے۔ اور اسبابِ اطاعت مہیّا کر دے تاکہ تکلیفِ مالا یطاق یعنی قدرت سے باہر کی چیز طلب کرنے کا عیب اوس مقدس ہستی پر لازم نہ آئے اِس لئے اُس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور ہر نبی کیلئے ایک یا اِس سے زائد اوصیاء اون کی تعلیم اور مطلوب و مبغوض بتانے کیلئے اور مثلاً پانی اور مٹی وضو اور غسل اور تیمم کے لئے اور کپڑے نیز سترگاہوں کو چھپانے کے لئے۔ اور زمین وغیرہ کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے کے لئے پیدا کر دیئے۔ اور یہ وجوب اس معنی سے اُس کے تشریعی فعلوں یعنی اُن فعلوں سے تعلق رکھتا ہے جو بندوں کے مذہبی امور سے متعلق ہیں۔ اور یہ چونکہ اِس شق کے برگشت بھی لطف و رحمت ہی کی طرف ہوتی ہے کیونکہ

مذکورہ بالا نکو بہی نعمتیں جو بے استحقاق اُن کو دی گئیں اون کا شکریہ یعنی اُس منعمِ حقیقی
کی معرفت اور اطاعت اون پر عقلاً اور فطرۃً واجب تھی۔ اور باوجودیکہ اون میں سے
ایک معمولی نعمت کا بھی کامل شکریہ ادا کرنا اُن کیلئے ممکن نہ تھا۔ اُس نے کامل شکریہ کا
بوجھ اون کی گردنوں سے اوتار کر نہایت قلیل شکریہ پر اکتفا کی۔ اور پھر بھی پہر ناقص اور
مختصر شکریہ کا دس گنا بدلا دینے کا وعدہ کیا۔ اس لئے نظرِ انصاف قطعی اور یقینی حکم کرتی
ہے کہ یہ سب کچھ بھی اُس کی خالص مہربانی اور لطف ہی لطف ہے اس واسطے ان مہربانیوں
کی بنا پر بھی منت اور احسان رکھنا اور خاص کر کے اتمامِ حجت کے مقام میں نہایت درجہ
مستحسن اور ممدوح اور حکیمانہ اور عاقلانہ فعل ہے۔ اور تیسری غلطی یہ ہے کہ
نمبر تین میں قبطیوں کو فضیلت نہ دینے اور بنو اسرائیل کو دینے کو عدم وجوب رعایت اصلح
کا ثبوت سمجھا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک کل اولادِ آدمؑ چھوٹے بڑے
عورت۔ مرد۔ مومن۔ کافر سب کا حق یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں ایک حال میں رکھے
جائیں اور دونوں جگہوں کی نعمتوں سے برابر حصہ لیں۔ لیکن خدا نے اِس کے خلاف
کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رعایتِ اصلح نہ دنیاوی چیزوں میں اوس پر واجب ہے
نہ اخروی چیزوں میں۔ اور بقولِ رازی صاحب کے نعمت اوسکو کہتے ہیں جس سے
انسان لذت اوٹھائے۔ پس اس بنا پر اُن کی رائے یہ ہے کہ اگر مردوں کی مردانگی لذت
کی چیز اور بنی آدم کے لئے اصلح ہے تو چاہیئے تھا کہ کل اولادِ آدمؑ مرد بنائے جاتے۔
اور اگر عورتوں کا زنانہ پن لذت کی چیز ہے تو چاہیئے تھا کہ سب کے سب عورت بنائے
جاتے۔ اسی طرح اگر بچگی لذت کی چیز ہے تو سب کے سب عمر بھر بچگی کی حالت میں رکھے جاتے
اور اگر جوانی لذت کی چیز ہے تو سب کے سب جوان ہی رکھے جاتے۔ اسی طرح سب دولتمند
اور کامل الخلقت اور صحیح وتندرست وغیرہ ہوتے۔ اور کافر اور مومن سب بہشت میں جمع
کر دیئے جاتے اور اوس کی نعمتوں سے فائدہ اوٹھاتے۔ اور یہ خیال ایسا ہے جسکو
معمولی سمجھ کا شخص بھی وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھے گا۔ یہ کل باتیں اِس بنا پر تھیں کہ دین کا معنی
آخرت لیا جائے جیسا کہ رازی صاحب کے کلام "نعمت دنیا و دین" سے ظاہر ہو رہا ہے۔
اور اگر دین سے مذہب مراد لیا جائے جیسا کہ کبھی دنیا کے مقابل میں یہ مراد لیا جاتا ہے
تو پھر یہ کلام پہلے کلام سے بدتر ہوگا کیونکہ اِس کا معنی یہ ہوگا کہ خدا پر واجب نہیں ہے کہ دینی

نعمتیں یعنی انبیاء اور اوصیاء کو اُن کی تعلیم کیلئے بھیجے۔ اپنی معرفت کی دلیلیں اُن کی سمجھ اور استعداد کے مطابق اُن کے سامنے پیش کردے۔ اپنی اطاعت و فرمانبرداری کے اسباب اُن کیلئے مہیا کردے۔ اور ایسا عقیدہ بدترین عقائد ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ ذاتِ مقدس پروردگار کیلئے جائز ہے کہ قدرت سے باہر کی چیزیں طلب کرے اور بغیر حجت تمام کئے ہوئے بندوں کو جہنم میں جھونک دے۔ اور یہ صریح ظلم اور خلافِ عقل و فطرت ہے۔ حالانکہ خود اوس نے صاف فرمادیا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (پ۳ سورہ بقرہ آیت ۲۸۶) یعنی طاقت سے باہر کی چیز کو خدا کسی شخص سے نہیں چاہتا۔ اور لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (پ۶ سورہ نساء آیت ۱۶۵) یعنی میں نے بہشت کی خوشخبری دینے والے اور جہنم سے ڈرانے والے انبیاء بھیجے تاکہ اُن کے آنے کے بعد لوگوں کی حجت خدا پر باقی نہ رہجائے۔ چوتھی غلطی یہ ہے کہ اُنھوں نے صرف ظاہری نعمتوں کو اصلح (مناسبِ حال) سمجھا ہے جیسا کہ اِن کے کلام نمبر ۳ سے ظاہر ہے کیونکہ بنو اسرائیل کو نعمتوں سے فضیلت دینے اور قبطیوں کو نہ دینے کو عدم وجوبِ رعایتِ اصلح کا ثبوت قرار دیا ہے۔ حالانکہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی جانتا ہے کہ اصلح یعنی مناسبِ حال ہر شخص کے لئے صرف ظاہری نعمت نہیں ہے کیونکہ اگر کسی کو نعمت دی جائے اور وہ نمرود و فرعون کی طرح اوس کے تمرد اور سرکشی کا سبب ہو کر اوس کو کفر کی حد تک پہونچا دے تو اوس کے حق میں مناسب و اصلح اوس کا محتاج ہی رہنا ہوگا۔ رازی صاحب اگر لغت ہی دیکھ لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ صلاح (درستی) فساد (بگاڑ) کے مقابل میں بولا جاتا ہے۔ اور اصلح عے سے مراد اس چیز کو کہتے ہیں جو لوگوں کی حالتوں کو درست رکھنے اور بگڑنے سے محفوظ

عے اصلح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اصلح کلی جو پوری دنیا کے انتظام کو باقی رکھنے میں دخل رکھتی ہو اور خرابیوں کے دفیہ کا ذریعہ ہو۔ جیسے ضروریاتِ زندگی کا مہیا کرنا۔ کسی بادشاہ کا حکمراں ہونا جو فتنہ و فساد کو دفع کرے۔ کسی معلم کا موجود ہونا جو بنی آدم کو انسانیت سکھائے۔ بچوں کیلئے عقل پیدا ہونا تاکہ ماؤں کی پردہ پوشی رہے۔ اور ان کا بھولا اور ضعیف الاعضاء ہونا تاکہ لوگوں کے دلوں میں اُن سے محبت پیدا ہو اور اُن کی پرورش ہو سکے۔ اور جوانوں میں کامل طاقت کا آنا تاکہ اسباب زندگی پیدا کر سکیں۔ بڈھوں کا مرتا جانا تاکہ دوسروں کے لئے جگہ خالی ہو اور دوسرے اُنھیں میں اُلجھ کر اسبابِ زندگی کی تحصیل سے معطل نہ ہو جائیں وغیرہ وغیرہ

رہنے میں دخل رکھتی ہو **اور اسی معنی** سے خداوند حکیم و رحیم و کریم پر لطف و رحمت کی راہ سے واجب ہے کہ اپنے بندوں و عورت۔ مرد۔ بچے۔ جوان۔ بڈھے مومن۔ کافر۔ انسان۔ حیوان۔ نباتات یعنی زمین سے اوگنے والی چیزوں۔ جمادات یعنی زمین اور اوس کے اجزاء (جیسے پتھر۔ لوہا۔ سونا۔ چاندی وغیرہ) کے ساتھ وہی کرے جو اوسکے لئے اصلح ہو یعنی اوسکو درست رکھے اور بگڑنے سے بچائے اور ایسا ہی کرتا بھی ہے عالم کی موجود چیزوں میں ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ اصلح کی رعایت نہ کرتا ہو۔ اور اوس کا انصاف اور رحم اور کرم اور سب کا معبود اور خالق اور بادشاہ اور آقا ہونا اور سب کا اوسکی مخلوق اور رعیت اور بندہ و غلام ہونا یعنی اوسکی بارگاہ میں اس **سکو** ہی **حیثیت** سے مساوی اور برابر ہونا اسی کو چاہتا ہے **حدیث قدسی** میں ارشاد فرماتا ہے کہ اَنَا اَعْلَمُ بِمَا یُصْلِحُ عَلَیْہِ عَبْدِیْ فَلْیَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ وَلْیَشْکُرْ نَعْمَائِیْ وَلْیَرْضَ بِقَضَائِیْ [۱] یعنی میں اون چیزوں کو اچھی طرح جانتا ہوں جن پر میرے بندے درست رہ سکتے ہیں پس اونکو چاہیے کہ میرے امتحان کو برداشت کریں اور میری نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور میرے حکم پر راضی رہیں **خداوند عالم** بندوں کے لئے ویسا ہی ہے جیسے طبیب مریضوں کے لئے۔ پس جس طرح طبیب ہر بیمار کو ایک حال میں نہیں رکھتا بلکہ ہر ایک کے حال کے مناسب کسی کو غذا دیتا ہے کسی کو [illegible] ن کو موٹی غذا دیتا ہے۔ کسی کو لطیف۔ کسی کو میٹھی دوا دیتا ہے۔ کسی کو تلخ۔ [illegible] اعضا کو چاک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲) دوسرے اصلح جزئی [۱] جو جدا جدا ہر شخص کے ذاتی اصلاح اور درستی میں دخل رکھتی ہو۔ جیسے کبھی اوس کا مالدار اور کبھی فقیر۔ اور کبھی تندرست اور کبھی بیمار۔ اور کبھی مغموم اور کبھی خوشحال۔ اور کبھی بچہ اور کبھی جوان اور کبھی بڈھا ہونا وغیرہ وغیرہ اور ہر شخص کی ہر حالت کی مصلحت جداگانہ ہوتی ہے جس کو سمجھنا انسانی عقل سے باہر ہے اور جب اتنا سمجھ لیا کہ خداوند عالم رحیم و کریم ہے اور ماں باپ سے زیادہ اپنے بندوں سے محبت رکھتا ہے اور عالم الغیب ہے تو ہر حالت کی مصلحت کو سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ بس اس قدر مان لینا کافی ہے کہ بندوں کے حق میں جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ اوسکی حق تلفی کرتا ہے ۱۲ منہ

[۱] جواہر السنیہ باب موسےٰ صفحہ ۲۹ چھاپہ ایران بقدر حاجت ۱۲ منہ

کرتا یا کاٹ ڈالتا ہے۔ کسی کے اعضاء کو سالم باقی رکھتا بلکہ اونکے فساد کو دفع کرتا۔ اسی طرح خداوند عالم بھی ہر بندہ کے ساتھ وہی کرتا ہے جو اوسکے حال کے مناسب ہے۔ **اور انسان** کے لیے حقیقی غنا (اطمینانِ قلب) یہی ہے کہ خدا جیسا عالم الغیب اور کامل اور قادر اور مہربان طبیب اپنا مصلح اور ہمدرد رکھتا ہو۔ اور واقعی فقیر وہ ہے جو ایسا ہمدرد حامی نہ رکھتا ہو۔

حدیث قدسی میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے اَلْفَقِيْرُ مَنْ لَيْسَ لَهٗ مِثْلِيْ طَبِيْبٌ[۱] یعنی فقیر وہ ہے جسکے لئے مجھ جیسا طبیب نہ ہو۔ **رہ گئی تشریعی حیثیت** تو اسکی دو شقیں ہیں ایک تکلیفی یعنی واجب اور حرام وغیرہ پانچوں حکموں کو بندوں پر جاری کرنا۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ اپنی معرفت اور اطاعت و فرماں برداری کو اون پر لازم کرنا۔ دوسرے وضعی یعنی اچھے اور بُرے اعمال کا بدلا اچھا اور بُرا بدلا دینا۔ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى (پ۱۱ سورہ یونس آیت ۲۶) یعنی اچھا کام کرنے والوں کے لئے اچھا بدلا ہے وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا (پ۱۱ سورہ یونس آیت ۲۷) یعنی جن لوگوں نے بُرا کام کیا ہوگا اونکو ویسا ہی بدلا دیا جائیگا۔ اور حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے اِبْنَ اٰدَمَ كُنْ كَيْفَ شِئْتَ كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ اے فرزند آدم جو چاہے بنکر رہو لیکن یہ سمجھ لو کہ جیسا کروگے ویسا پاؤگے[۲] اور اصلح کلی یعنی انتظام تمام دنیا اور اصلح جزئی یعنی ہر شخص کے ذاتی انتظام کے باقی رکھنے میں بھی اس کو بہت بڑا دخل ہے۔ اسی مفصل مضمون کو متکلموں نے چند لفظوں میں یوں ادا کیا ہے کہ شکر منعم یعنی اوسکی اطاعت واجب ہے۔ اسکی مصلحتوں کو سمجھنے کے لئے بہت تھوڑا سا غور کافی ہے۔ مثلاً خداوند حکیم نے جو غسلوں میں سے بعض کو واجب اور بعض کو مستحب کیا ہے اوسکی مصلحت یہ ہے کہ اس سے وہ گندگی اور کثافت دفع ہوتی ہے جو لوگوں کے نفرت کا سبب ہے اور جسکے باقی رہنے سے انسان کسی کے پاس بیٹھنے کے قابل نہیں رہتا۔ اسی طرح پیشاب اور پاخانہ کو اچھی طرح دھو دینے کا حکم۔ پیشاب کے متعلق نئی تحقیق یہ ہے کہ بدن پر لگے رہنے سے کچھ دنوں بعد بیماریوں کے پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح ختنہ کے متعلق نئی تحقیق یہ ہے کہ غیر ختنہ شدہ کے عضو خاص میں ایک رطوبت

---

[۱] جواہر السنیہ باب مواعظ صفحہ ۵۴ چھاپہ ایران بقدر حاجت ۱۲ منہ

[۲] تو یہ دونوں بھی اصلح اور با مصلحت ہی ہیں کیونکہ معرفت و طاعت انسان کو انسان بناتی اور دنیا و آخرت میں ہر دلعزیز اور سرخرو کر دیتی ہے جس کو فطرۃً ہر شخص پسند کرتا ہے

باقی رہ جاتی ہے جو بیماری پیدا کردیتی ہے اور اس بیماری کے مریض ڈاکٹر خانوں میں بہت آیا کرتے ہیں۔ اگر میں صرف طہارت اور نماز کی مصلحتوں کی تفصیل کرنا چاہوں تو ایک مستقل کتاب طیار ہوسکتی ہے **اور اعمال کے** اچھے اور بُرے بدلے ؟ اصلح اس وجہ سے ہیں کہ اگر معلوم ہوجائے کہ اچھے اور بُرے اعمال کرنے والوں میں آخرت میں کوئی فرق نہ کیا جائیگا بلکہ بہشت یا دوزخ میں دونوں ایک ہی حال میں رکھے جائیں گے تو دنیا میں بہت سے لوگ اچھے اعمال چھوڑ بیٹھیں گے اور بُرے اعمال میں بے خوف و ہراس مشغول ہو جائیں گے اور دنیا کا انتظام درہم و برہم اور فتنۂ عظیم برپا ہو جائیگا **یہیں سے** یہ بھی معلوم ہوگیا کہ محقق طوسی علیہ الرحمہ کی یہ فرمائش درست نہیں ہے[ع] کہ اَلْاَصْلَحُ قَدْ یَجِبُ[۱] یعنی مناسب حال

ع اس فرمائش کی نادرستی کا سبب یہ ہے کہ اَلْاَصْلَحُ قَدْ یَجِبُ سے مقصود ان کا یہ ہے کہ بامصلحت کام کو خدا کبھی کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔ **اور ایسا خیال** خداوند حکیم کی مقدس ذات کے لئے معیوب اور قبیح فعل کو تجویز کرنا ہے کیونکہ بندوں کے حق میں اصلح یعنی مناسب اور بھلائی کے کام کو چھوڑنا نامناسب کو اختیار کرنا ہے۔ اور نامناسب کا اختیار کرنا ہر سمجھدار انسان کے لئے عیب اور ظلم ہے چہ جائیکہ حکیم علی الاطلاق کے لئے **اور اس تجویز** کا سبب اشاعرہ کے اعتراض کو دفع کرنے کی فکر ہے جو فعلِ اصلح کو خدا کے لئے واجب نہیں جانتے اور اعتراض انکا یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ غیر متناہی یعنی بے انتہا مال کسی کو دینے میں مصلحت ہو اور کوئی خرابی بھی نہ ہو۔ پس اگر خدا پر اوس کا دینا واجب ہو اور دینا چاہے تو لازم آئیگا کہ غیر متناہی چیز ایک وقت میں موجود ہو جائے حالانکہ اوس کا موجود ہونا محال ہے۔ اس لئے خدا پر واجب نہ ہوگا۔ **میں عرض کرتا ہوں** کہ اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ چونکہ غیر متناہی چیز کا ایک وقت میں موجود ہونا محال ہے اس لئے وہ ممتنع الوجود ہوگی یعنی کبھی موجود ہی نہ ہوسکیگی اور جو چیز کبھی موجود ہی نہ ہوسکے وہ ذی مصلحت بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ بھلائی سے وہی چیز موصوف ہوسکتی ہے جس کا وجود ممکن ہو **خلاصہ** یہ کہ ذی مصلحت وہی چیز ہوسکتی ہے جو امکان کی حد کے اندر ہو اور جو چیز استحالہ کی حد میں ہو وہ ذی مصلحت نہیں ہوسکتی کیونکہ کسی صفت سے متصف ہونا وجود کو چاہتا ہے مثل مشہور ہے ثَبِّتِ الْاَرْضَ ثُمَّ انْقُشْ یعنی پہلے زمین کو موجود کرلو اوس کے بعد اوس پر نقش کرو۔ پس خدا کا ایسے فعل کو چھوڑنا ذی مصلحت کو چھوڑنا نہ کہلائیگا تاکہ کہا جائے کہ فائدہ کی چیز چھوڑنا اوس کے لئے جائز ہے

[۱] شرح تجرید علامہ حلی علیہ الرحمہ صفحہ ۱۹۳

فعل خدا پر کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ میں بہ تفصیل تمام بیان کرآیا ہوں کہ وہ خلاف اصلح کام کبھی نہیں کرتا خواہ وہ اصلح اصلح کلی ہو یا اصلح جزئی۔ اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کی مستقل رد لکھتا پھر بھی بحکم مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ یعنی جو چیز پوری حاصل نہ ہوسکے اوس کو بالکل چھوڑ بھی نہ دینا چاہیئے۔ ایک مختصر رد حاشیہ میں لکھ دی ہے ۳؎ رازی صاحب لکھتے ہیں کہ وَاتَّقُوا یَوْمًا تا آخر میں خداوند عالم نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ کوئی شخص کسی کی مدد نہ کرسکیگا۔ پھر شفاعت کے مقبول نہ ہونے کو۔ اوسکے بعد بدلا نہ لئے جانے کو بیان کیا ہے۔ اوسکے بعد مدد نہ مل سکنے کو۔ کیونکہ عربوں کا دستور ہے کہ اونیں سے جب کوئی شخص کسی ناپسند چیز میں گرفتار ہوجاتا ہے تو پہلے پوری کوشش سے مقابلہ کرتے اور اوس کو چھوڑانا چاہتے ہیں ۲؎ پس اگر دیکھتے ہیں مقابلہ کرنے اور چھوڑانے سے عاجز ہیں تو خوشامدیں اور سفارشیں کرتے ہیں۔ پھر اگر دیکھتے ہیں کہ اس سے بھی کام نہیں چلتا اوس وقت فدیہ یعنی بدلا دیتے ہیں ۲؎ جب اس سے بھی کام نہیں چلتا تو مددگاروں سے مدد لینا چاہتے ہیں۔ خداوند عالم نے اونکے دستور کے مطابق چاروں تدبیروں کے بیکار ہونے کو ترتیب وار بیان کیا ہے ۲؎ رازی صاحب لکھتے ہیں کہ اس آیت میں شفاعت پہلے اور عدل یعنی فدیہ اوس کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور اسی سورہ میں ایک سو بیس آیتوں کے بعد پہلے فدیہ اوس کے بعد شفاعت کو وجہ اسکی یہ ہے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) یا فائدہ کی چیز یعنی اصلح کو چھوڑ کر نامناسب کو بھی اختیار کرسکتا ہے **علامہ حلی** علیہ الرحمۃ والرضوان شرح تجرید میں تحریر فرماتے ہیں کہ محقق علیہ الرحمہ نے ابوالحسین بصری کا مسلک اختیار کیا ہے اور اس مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ بے انتہا چیز کے دینے میں اگر مصلحت ہو اور کوئی مفسدہ (خرابی) نہ ہو تو خدا کبھی دیگا اور کبھی نہ دے گا۔ کیونکہ جو مصلحت دینے کو چاہتی ہے اگر وہ ایسے فعل میں موجود ہو جسکے کرنے میں مشقت ہو تو یہ مشقت بمنزلہ روک کے ہوگی۔ پس مصلحت اگر بغیر روک کے ہوگی تو خدا دے گا اور اگر روک کے ساتھ ہوگی تو کبھی دیگا اور کبھی نہ دے گا۔ **میں عرض کرتا ہوں** کہ یہ تقریر بھی غلط ہے کیونکہ مشقت میں پڑنا ممکن کی صفت ہے اور خداوند قادر مطلق کے افعال کو ممکنات کے افعال پر قیاس کرنا غلط ہے اوسکی شان یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ہے

ایک وہ جو مال کو زیادہ دوست رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ جو عزت کو زیادہ دوست رکھتے ہیں۔ پس پہلی قسم کے لوگ فدیہ (بدلا) دینے سے پہلے سفارش سے کام لینا چاہتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے لوگ سفارش سے پہلے فدیہ سے۔ پس ان دونوں مقاموں میں دونوں طرح کے لوگوں کے طرز عمل کو پیش نظر رکھکر دونوں لفظوں میں ترتیب قرار دی ہے [1]

(تیسرا فائدہ) رازی صاحب لکھتے ہیں کہ ویوخذ منہا عدل میں عدل سے فدیہ یعنی بدلا مقصود ہے یعنی بدلا قبول نہ کیا جائیگا) اور اس مطلب کو دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا ہے [ع] اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ [2] (سورہ مائدہ پ ۶ آیت ۴۰) یعنی یقین جانو کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اگر اون کے لئے پوری زمین کی دولت اور اوسی قدر اور بھی ہو اور وہ چاہیں کہ اوس کو قیامت کے عذاب کے بدلے میں دیدیں تو وہ اون سے قبول نہ کیا جائیگا اور اون کے لئے دردناک عذاب ہے۔ **میں عرض کرتا ہوں** کہ سورہ زمر میں کَفَرُوْا کی جگہ پر ظَلَمُوْا (ظلم کیا) اور سورہ رعد میں لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ (رسولؐ کی دعوت قبول نہ کی) ہے اور لِیَفْتَدُوْا کی جگہ پر دونوں مذکورہ سورتوں میں لَافْتَدَوْا بِهٖ ہے یعنی بدلا دینے کا ارادہ کرینگے۔

امام اہلسنت بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ زخم کھانے کے بعد حضرت عمر آہ و نالہ کر رہے تھے تو ابن عباس نے اون کو دلاسا دینا چاہا تو اونھوں نے کہا کہ اے ابن عباس میرا آہ و نالہ تمہاری وجہ سے اور تمہارے اصحاب (یعنی علیؑ اور بنو ہاشم) کی وجہ سے ہے اگر میرے لئے پوری زمین سونا ہو جاتی تو میں اوس کو عذاب خدا کے بدلے عذاب ہونے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶) وَیَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ہے یعنی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے اوس کے فعل اور حکم کو کوئی چیز نہیں روک سکتی ۱۲ منہ [1] تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۳۳۳ چھاپہ مصر چاروں نمبر ۱۲ منہ

[ع] رازی صاحب نے اسی آیت کو یوں لکھا ہے وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَیَفْتَدُوْا بِهٖ (تا آخر) لیکن قرآن میں اوسی طرح ہے جس طرح میں نے لکھا ہے اونھوں نے معہ تک سورہ مائدہ سے لیا ہے اور لیفتدوا سے آخر تک سورہ زمر سے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکری اور عثمانی ترتیب میں یا تو غلطی رہ گئی تھی جسکو اونھوں نے درست کیا ہے یا تحریف قرآن میں بزرگوں کی پیروی کر کے اس آیت کی ترتیب میں تحریف کی ہے ۱۲ منہ [2] تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۳۳۱ سوال ثانی ۱۲ منہ

سے پہلے دے ڈالتا[1] میں اس وقت یہ لکھنا نہیں چاہتا کہ حضرت عمر نے کیوں ایسی بات کہی جس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تینوں آیتوں میں سے کسی میں وہ بھی داخل تھے اور نہ یہی لکھنا چاہتا ہوں کہ ایسی شبہ ناک باتوں کو چھپانا مناسب تھا لیکن زخم کی تکلیف سے خودداری نہ کر سکے اور دلی خیال روک نہ سکے۔ بلکہ مجھے یہاں پر دو فرقوں کے پیشواؤں کی صرف شان کو دیکھنا منظور ہے وہ یہ کہ ایک طرف اہلبیت رسالت کی فرمائشوں کو دیکھ رہا ہوں کہ "حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ اپنے زمانہ کے لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ اور ہم اہلبیت میں سے ہر شخص اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کی شفاعت کریگا۔ اور ہمارے نیکوکار شیعے اپنے اہل وعیال اور اپنے دوستوں کی شفاعت کرینگے اور ایک ایک شیعہ کم سے کم چالیس شخصوں کو بخشوائیگا[2] اور دوسری طرف حضرت ابوبکر کو دیکھ رہا ہوں کہ زمانہ خلافت میں عذاب قیامت کے خوف سے کبھی چڑیا اور کبھی ڈینی اور کبھی درخت ہونے کی آرزو کی اور آدمی ہونے سے پچھتائے۔ اور موت کے وقت اپنی زبان اپنے ہاتھوں کھینچی اور کہا کہ اسی نے مجھے ہلاکتوں میں ڈالا ہے اور کہا کہ مجھے تین کاموں کا رنج ہے جن کو کر گذرا ہوں حالانکہ پسندیدہ اون کا نہ کرنا تھا (اون میں سے) ایک یہ ہے کہ فاطمہ (علیہا السلام) کا گھر نہ کھولا ہوتا اور اوسکو اوسی حالت پر چھوڑ دیا ہوتا اگرچہ وہ جنگ ہی کے ارادہ سے بند کیا گیا ہوتا۔ دوسرے یہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کو عمر یا ابو عبیدہ کی گردنوں پر ڈالتا کہ اون میں سے ایک امیر ہوتا اور میں اوس کا وزیر۔ تیسرے حضرت سرور عالمؐ سے پوچھ لیتا کہ خلافت کا حقدار کون ہے تاکہ اوس سے نہ جھگڑتا[3] اور حضرت عمر نے بھی زمانہ خلافت میں کبھی اپنے ڈنبی ہونیکی آرزو کی اور کبھی گھاس ہونیکی اور آدمی ہونیسے پچھتائے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ذکر مناقب حضرت عمر چھاپہ بمبئی ۱۲ منہ [2] اس مضمون کی حدیثیں تھوڑا ہی قبل ذکر شفاعت میں گذر چکی ہیں [3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معصومہ کا گھر کھودنے میں ان کو کچھ ایسی تکلیف پہونچائی گئی جسکی وجہ سے حضرت ابوبکر کو عذاب آخرت کا خوف ہوا۔ شیعے کہتے ہیں کہ اس گھر کو کھولنے کے وقت حضرت عمر نے معصومہ کو کنواڑ اور دیوار کے درمیان دبا کر اونکی پسلی کی ہڈیاں توڑ دیں جسکے صدمہ سے حضرت محسن شہید ہو گئے اور معصومہ نے بیمار ہو کر انتقال کیا اور حضرت ابوبکر کا اپنی زبان کو کھینچنا اور یہ کہنا کہ اسی نے مجھے ہلاکتوں میں ڈالا ہے یہ بتا رہا ہے کہ حضرت عمر کو انھیں نے حکم دیا تھا ۱۲ منہ [4] کنز العمال جلد ۳ حرف خ خامسہ نمبر حدیث ۲۳ بسند حسن بحوالہ متعدد و ۱۲ منہ [5] ملاحظہ ہو تفسیر انوار القرآن جلد ۲ صفحہ ۵ سطر ۲

اور موت کے وقت عذاب کا بدلا دینے کی آرزو کی جو اوپر ظاہر کی گئی۔

پس اہلبیت ؑ کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے شیعے بھی بخشوائینگے اور ان لوگوں کی باتوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کو خود اپنی نجات کا بھی یقین نہ تھا ۔ ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا + منصف مزاج حضرات غور کریں۔

(چوتھا فائدہ) رازی صاحب لکھتے ہیں کہ معتزلہ ع (اہلسنت) کا عقیدہ ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت نہ کرینگے بلکہ صرف اونکی شفاعت کرینگے جو ثواب کے مستحق ہیں اور یہ شفاعت مقدار استحقاق سے زیادہ ثواب دلوانے کے لئے ہوگی۔ اور میرے اصحاب (یعنی اشاعرہ) کا عقیدہ ہے کہ گناہوں کو بخشوانے اور گناہگاروں کو جہنم سے بچانے یا اوس سے نکالنے کے لئے شفاعت کرینگے لہ میں عرض کرتا ہوں اس مسئلہ میں اشاعرہ کا عقیدہ صحیح ہے اور اس عقیدہ میں ہم شیعے بھی ان کے موافق ہیں لیکن رازی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق محض فضول طرفین کی اچھی اور بری دلیلوں کے لکھنے میں کئی صفحے سیاہ کئے ہیں معتزلہ کا ثابت اور مختصر جواب وہی جس کو محقق طوسی علیہ الرحمہ نے تجرید میں چند جملوں میں ادا کیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس پر کل علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ شفاعت کرینگے اور یہ امر قرآن سے بھی ثابت ہے پس اگر شفاعت صرف زیادہ ثواب دلوانے اور مراتب ودرجات بڑھوانے کے لئے اور اسی میں منحصر ہو تو چاہیئے کہ ہم لوگ بھی حضرت سرور عالم ؐ کے درجات عالی کرنے کے لئے اون کے حق میں شفاعت کریں۔ اور یہ بات یقیناً باطل ہے کیونکہ شفاعت کرنے والا اوس شخص سے اعلےٰ اور برتر ہوتا ہے جسکی شفاعت کرتا ہے۔ اسلئے صرف ثواب اور درجات بڑھوانے کے لئے شفاعت کا اعتقاد غلط ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ زیادہ ثواب دلوانے اور درجات بڑھوانے اور گناہ بخشوانے دونوں کے لئے شفاعت ہوسکتی ہے اور دونوں کا حق حضرت

ع رازی صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ کل معتزلہ کا ہے لیکن علامہ حلی علیہ الرحمہ کی شرح تجرید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ صرف وعیدیہ کا ہے جو معتزلہ کی ایک جماعت ہے اور ان کے سوا بہت معتزلہ اسی مسئلہ میں اشاعرہ اور شیعوں کے موافق ہیں ۱۲ منہ لہ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۳۲ مسئلہ ثانیہ

سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ (اور اونکے اہلبیت کرام) ہی کے لیئے حاصل ہے۔ اور جو آیتیں شفاعت نہ کرنے کو بتاتی ہیں وہ کافروں[ع] کے حق میں نازل ہوئی ہیں [له]

میں عرض کرتا ہوں کہ شفاعت کے متعلق آیتیں چند طرح کی پائی جارہی ہیں

۱ وہ آیتیں جو بتاتی ہیں کہ شفاعت مقبول نہ ہوگی جیسے لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ[عه] (یہی وہی آیت ہے جسکی تفسیر میں اس وقت گفتگو درپیش ہے) اور فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

ﻋﻪ اس سے تھوڑا ہی پہلے میں تفصیل سے لکھ آیا ہوں کہ کفار اور دشمنانِ اہلبیت اور ان دشمنوں کے پیرو شفاعت سے محروم رہیں گے اس لیئے لفظ کافر جو یہاں پر مذکور ہے اوس سے ہر باطل پرست مراد لیا جائیگا جو اوس کا معنی عام ہے نہ اوس کا معنی خاص یعنی منکرِ وحدانیت یا رسالت ۱۲ منہ

ﻋﻪ (آریہ) اس آیت کا ترجمہ نقل کرکے آریوں کے پیشوا دیانند جی لکھتے ہیں کہ کیا موجودہ دنوں میں نہ ڈریں؟ برائی کرنے سے ہمیشہ ڈرنا چاہیئے۔ جب سفارش نہ مانی جائیگی تو پھر یہ بات کہ پیغمبر کی شہادت یا سفارش سے خدا بہشت دیگا کیونکر سچ ہوسکیگی؟ کیا خدا بہشت والوں ہی کا مددگار ہے دوزخ والوں کا نہیں؟ اگر ایسا ہے تو خدا طرفدار ہے (ستیارتھ پرکاش کا اردو ترجمہ ص ۶۷۷ نمبر ۱۳) **جواب** افسوس ہے کہ آریہ جماعت نے ایسے شخص کو اپنا پیشوا چنا جسکی نہ سمجھ ہی اچھی تھی نہ لیاقت ہی درست۔ اس تحریر میں چار جملے لکھے ہیں اور چاروں ناسمجھی کے۔ ملاحظہ ہو ۱ آیت میں کہاں اس کا ذکر ہے کہ اپنی بداعمالیوں سے آج نہ ڈرنا چاہیئے۔ اسمیں تو اس کا ذکر ہے کہ روزِ قیامت کے عذاب سے ڈرو۔ آج بھی۔ کل بھی۔ بلکہ عمر بھر ۲ معلوم ہوگیا کہ اس آیت سے وہ لوگ مقصود ہیں جو شفارش کا حق نہیں رکھتے؟ رہ گئے حضرت سرورِ عالم اور اون کے اہلبیتؑ اور مومنین وغیرہ تو اونکی سفارش کی مقبولیت اور اوسکی اجازت دوسری آیتوں میں ذکر کی گئی ہے جو ص۳۲ میں مذکور ہیں ۳ اگر لفظ مدد سے دنیاوی پرورش مقصود ہے تو ظاہر ہے کہ خدا بہشتی اور جہنمی سب کی مدد کرتا ہے **اور** اگر بداعمالی میں مدد دینا مقصود ہے تو یہ اوسکی پاک ہستی کے لیئے جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی مدد درحقیقت گناہ کرانا اور اپنے حکم کی مخالفت پر راضی رہنا ہے جسکو کوئی عاقل پسند نہیں کرتا۔ پھر خداوندِ حکیم کیونکر پسند کرسکتا ہے بلکہ وہ بداعمالوں کی سزا کرے گا جیساکہ دیانند جی نے خود بھی لکھا ہے کہ "اور بدکاروں کو مناسب سزا دینے والا ہے اسلیئے پرماتما کا نام "دیالو" ہے" (دیکھو ستیارتھ پرکاش کا مستند اردو ترجمہ

[له] شرح تجرید حلی علیہ الرحمہ ص۲۲۴ بحث شفاعت ۱۲ منہ

الشَّافِعِيْنَ (سورہ مدثر پ ۲۹ آیت ۴۸) یعنی اونکو سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہ دیگی **یہ آیتیں** اون لوگوں کے ساتھ خاص ہیں جن کو شفاعت کا حق نہیں ہے اور اونکو اسکی اجازت نہ دیجائیگی۔ یعنی اونہیں کی شفاعت مقبول نہ ہوگی۔ اور مخصص اسکی آیت مبارکہ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ (سورہ یونس پ ۱۱۔ آیت ۳) یعنی کوئی شخص شفاعت نہ کریگا لیکن خداوند مالک الملوک کی اجازت کے بعد۔ یہ آیت صاف بتارہی ہے کہ خداوند عالم کسی کو شفاعت کی اجازت دیگا اور جب اجازت دیگا تو قبول بھی کریگا۔ ورنہ اجازت لغو اور بیکار ٹھہریگی اور ذات پروردگار عالم کے لئے لغو کام عیب اور قبیح ہے۔ اور جس کو اجازت دیجائیگی اوسکی اسمیں توہین اور ذلت ہے۔

(بقیہ حاشیہ صنہ ۴۰) صہ ۲۲ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۹ء کشوری) اقول اگر بد اعمالیوں کی سزا نہ کرنی معقول ہے تو یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ دیانند جی سزائے سخت کے متعلق خود ہی لکھتے ہیں کہ "اس قسم کی سزا دینے سے تمام لوگ بُرے کاموں سے باز رہیں گے (پھر دو سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ) اگر نرم سزا دیجائے تو بُرے کام بہت بڑھکر ہونے لگیں گے (دیکھو ستیارتھ پرکاش مستند اردو ترجمہ سلاس ۶ صہ ۲۲۵ جواب سوال ۸۲) پس جب نرم سزا کرنے سے بدکاری بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ تو بالکل سزا نہ کرنے سے بدرجہ اولےٰ اس کا اندیشہ ہونا چاہیئے بلکہ بہشتیوں اور نیکوکاروں کا خدا بے شک طرفدار ہے اور قیامت میں اونکے ساتھ اچھا اور بدکاروں کے ساتھ بُرا برتاؤ کریگا جیساکہ دیانند جی کی مذکورہ بالا تحریروں سے بھی ظاہر ہے لیکن یہ طرفداری بُری نہیں ہے بلکہ بُروں کی طرفداری بُری ہے جو مسلمانوں کے خدا کے متعلق ثابت نہیں ہے کیونکہ اوسکی ذات ایسے ظالمانہ اور غیر عاقلانہ فعل سے پاک اور پاکیزہ ہے البتہ اس سے بدتر طرفداری کا پتہ آریوں کے ویدی خدا کے متعلق صاف صاف مل رہا ہے۔ اونکے شاستری پیشوا منوجی اپنے ویدی خدا کا حکم لکھ رہے ہیں کہ "کسی وقت مناسب سمجھے تو دشمن کو چاروں طرف سے محاصرہ (گھیر) کرکے روک رکھے اور اوسکے ملک کو تکلیف پہونچا کر چارا۔ خوراک پانی اور ہیزم (لکڑی) کو تلف اور خراب کردیوے (منوسمرتی ۷۔ ۱۹۵) دشمن کے تالاب شہر کی فصیل (شہر پناہ کی دیواریں) اور کھائی توڑ پھوڑ دیوے (منوسمرتی ۷۔ ۱۹۶) (دیکھو ستیارتھ پرکاش سلاس ۶ صہ ۲۱۱ نمبر ۵۳) باوجودیکہ دشمن پر بھی دانہ پانی بند کرنا ناجائز اور

اور اس اجازت کے حقدار سب سے پہلے حضرت سرور عالمؐ اور ائمہ اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں کیونکہ یہ انوار مقدسہ کل اولاد آدم سے افضل اور بہتر ہیں۔ اور انکو اجازت نہ دینی اور کسی دوسرے کو دینی تفضیلِ مفضول یعنی پست کو فضیلت دینی ہے جو عقلاً قبیح اور ناجائز ہے ۲ وہ آیتیں جو بتاتی ہیں کہ کوئی شخص شفاعت ہی نہ کریگا۔ جیسے یَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ (سورہ بقرہ پ۳ آیت ۲۵۴) یعنی قیامت کے دن نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی اور نہ سفارش۔ یہ آیت کافروں کے ساتھ خاص ہے اور مقصود یہ ہے کہ اونکی کوئی شخص سفارش نہ کرے گا۔ اور کافر سے اوس کا عام معنی یعنی ہر منکر وحدانیت و رسالت اور اہلبیتؑ کے دشمن اور اون دشمنوں کے پیرو مقصود ہیں جیسا کہ اس کے قبل باطنی تفسیر میں تفصیل سے لکھ آیا ہوں اور مخصص اسکی آیت مبارکہ وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۢبِكَ وَلِلۡمُؤۡمِنِينَ وَالۡمُؤۡمِنَاتِ ہے (سورہ محمدؐ پ۲۶ آیت ۱۹) یعنی اپنے اور مومن مرد اور مومنہ عورتوں کے گناہوں کی بخشش کے لئے استغفار کرو میں بیسویں مقدمہ میں ص۱۰۶ سے ص۱۲۱ تک کل انبیاء کی عصمت کو اور اکیسویں مقدمہ میں ص۱۲۱ سے ص۱۴۰ تک خاص حضرت سرور عالم اور ائمہ اہلبیت طاہرینؑ کی عصمت کو عقلی اور نقلی دلیلوں سے کافی طور پر ثابت کر آیا ہوں اور تیسویں مقدمہ ص۲۰۴ میں لکھ آیا ہوں کہ قرآن مجید میں ایسی آیتیں بہت ہیں جن میں خطاب کسی شخص سے ہے لیکن مخاطب درحقیقت دوسرا شخص ہے[۱] اور تیئیسویں مقدمہ میں ص۲۱۶ سے ص۲۲۵ تک لکھ آیا ہوں کہ اگر عقلی اور نقلی دلیلوں میں اختلاف ہو تو عقلی دلیلوں کو ترجیح دیجائیگی۔ پس اس بنا پر اس آیت میں اگرچہ خطاب حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ سے ہے کہ اپنے گناہوں کی

[۱] ملاحظہ ہو اتقان جلد ۲ صفحہ ۳۲ نوع ۵۱ ذکر وجوہ مخاطبات وجہ ۲۳ صفحہ ۱۲

(بقیہ حاشیہ ص۴۱) سخت بے رحمی اور ظلم ہے لیکن معاویہ نے صرف حضرت علیؑ کی فوج پر صفین میں پانی بند کیا تھا (دیکھو شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ مصر طبع) اور یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں اور عورتوں پر بھی جو میدان جنگ میں موجود تھے لیکن آریوں کے ویدی خدا نے بیرحمی کی انتہا کردی کہ جو عورتیں اور بچے میدان جنگ میں نہیں تھے بلکہ اپنے ملک میں تھے اون پر بھی دانہ پانی بند کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ اور چونکہ دشمن میں بھی

بھی بخشائش چاہو اور مومن اور مومنہ کی بھی شفاعت (سفارش) کرو اور ابھی نمبر ۱ میں لکھ آیا ہوں کہ اجازت دیکر قبول نہ کرنا خداوند مقدس بلکہ ہر عاقل انسان کے لیے عیب اور قبیح ہے۔ اور جب کہ مومنوں کا شفاعت کرنا ثابت ہے تو صلحاء۔ علماء۔ شہداء، ائمہ۔ حضرت سرور عالم کا شفاعت کرنا بدرجہ اولےٰ ثابت ہوگا ؁۴ وہ آیتیں جو بتاتی ہیں کہ کچھ لوگوں کو شفاعت کی اجازت دیجائیگی اور وہ شفاعت کرینگے **جیسے** یہی دونوں مخصص آیتیں جو مذکورہ بالا دونوں نمبروں میں ذکر کی گئیں ؁۵ وہ آیتیں جو بتاتی ہیں کہ خداوند رحیم شفاعتیں قبول کرے گا اور گناہوں کو بخشدیگا **جیسے** اِسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورہ مزمل پ ۲۹ آیت ۲۰) یعنی خدا سے بخشائش چاہو۔ یقیناً خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے ؁۵ وہ آیتیں جو بتاتی ہیں کہ حضرت سرور عالم بھی شفاعت کرینگے **جیسے** وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (سورہ نساء پ ۵ آیت ۶۴) یعنی اگر اون کے لئے رسول بخشائش چاہیں گے تو وہ خدا کو بہت بڑا بخشنے والا اور مہربان پائینگے رہ گئے **ائمہ اہلبیت** تو علاوہ اون حدیثوں کے جو ذکر شفاعت میں گذر چکیں جن کا مضمون یہ ہے کہ یہ حضرات بھی شفاعت کرینگے۔ جب کہ شفاعت مومنوں کے لئے ثابت ہے جیسا کہ نمبر ۲ مذکورہ بالا کی مخصص آیت بتا رہی ہے تو ان کے لئے بدرجہ اولےٰ ثابت ہوگی کیونکہ یہ حضرات امیر المومنین ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اولیت سے انکار کرنا چاہے تو ان حضرات کے اون مومنوں میں داخل ہونے سے ہرگز انکار نہیں کرسکتا جن کا شفاعت کرنا آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔

خلاصۂ کلام ان پانچ نمبروں سے چند باتیں معلوم ہوئیں ؁۱ انبیاء۔ ائمہ اہلبیت عصمت وطہارت۔ علماء۔ شہداء۔ نیکوکار شیعوں کے سوا کسی کی شفاعت مقبول نہ ہوگی [۱] ؁۲ کافروں یعنی وحدانیتِ خدا۔ رسالت رسولؐ۔ امامت ائمہ اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منکروں کا کوئی شفیع نہ ہوگا ؁۳ کچھ لوگوں کو شفاعت کی اجازت دیجائیگی ؁۴ اونکی شفاعتیں مقبول ہونگی اور گناہ بخشدیئے جائیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) ظالم کی قید نہیں کی ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم دشمن کے ساتھ بھی یہ سب کچھ کرنے کا حکم دے رہا ہے آدمیہ انصاف سے کہیں کہ اون کا خدا یزید سے بدتر ہے یا نہیں ۱۲ منہ

[۱] ملاحظہ ہو فصول المہمہ حر عاملی علیہ الرحمہ صفحہ ۴۳ باب ۸ ۷ چھاپہ ایران ۱۲ منہ

ے۵ شفاعت کرنے والے حضرت سرور عالم اور ائمہ اہلبیت اور علماء اور شہداء۔ اور نیکوکار شیعہ ہوں گے۔ رہ گیا یہ کہ یہ لوگ کسکی شفاعت کریں گے تو مخصص نمبر کی آیت مبارکہ میں لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کی قید اور آیت مبارکہ لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (سورہ انبیاء پ۱۷ آیت ۲۸) یعنی شفاعت نہ کرینگے لیکن اوسکی جسکے دین کو خدا نے پسند کیا ہے۔ میں پسندیدگیِ دین کی قید نے صاف کھول دیا کہ اونھیں لوگوں کی شفاعت کرینگے جو ثقلین یعنی کتاب خدا اور ائمہ اہلبیت کے پیرو ہیں۔ کیونکہ ان کے سوا کسی کا دین خدا کو پسند نہیں ہے ۱ اور ان کے سوا کوئی مومن نہیں ہے ۲ بلکہ مُسْلِم ہیں۔

---

۱ ملاحظہ ہو اٹھائیسواں مقدمہ صفحہ ۱۹۴ سے ۱۹۶ تک ۱۲ منہ ۲ ملاحظہ ہو تفسیر سورہ ص ۳۱ تا ۳۲ مع حاشیہ ۱۲ منہ

ع۵ حدیث صحیح میں ہے کہ چند طرح کے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ۱ کافر ۲ وہ جو ضد سے دین حق قبول نہ کریں ۳ مشرک ۴و۵ جو باطل دین پر ہیں ۶و۷ جو گناہ کبیرہ کرکے شرمندہ نہیں ہوتے بسند صحیح علی بن ابراہیم علیہ الرحمہ محمد بن ابی عمیر سے روایت کرتے ہیں اونھوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ جہنم میں ہمیشہ نہ رہیں گے لیکن کافر اور ضد سے نہ ماننے والے اور باطل مذہب والے (مسلمان) اور مشرک اور جو مومن گناہ کبیرہ سے بچتا رہتا ہے اوس کے گناہان صغیرہ سے سوال نہ کیا جائیگا جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا (سورہ نساء پ۵ آیت ۳۵) یعنی جن چیزوں سے منع کئے گئے ہو اونمیں سے اگر گناہان کبیرہ سے بچتے رہوگے تو تمہارے (باقی) گناہوں کو بخشدوں گا اور تمہیں بہشت میں داخل کروں گا۔ میں نے عرض کیا اے فرزند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ پس شفاعت کس مومن کیلئے واجب ہی فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے اپنے آباء کرام کے سلسلہ سے حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے اونھوں نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ میری شفاعت میری امت میں سے اون لوگوں کے لئے ہے جو گناہ کبیرہ کرتے ہیں لیکن نیکوکار تو اونکو اسکی حاجت نہیں ہے میں نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت کیونکر ہوگی حالانکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی یعنی اوسیکی شفاعت کرینگے جو خدا کے

(**پانچواں فائدہ**) **رازی صاحب** نے شفاعت نہ کرنے کے ثبوت میں معتزلہ کی طرف سے ایک حدیث صحیح بخاری کی نقل کی ہے۔ مضمون اوس کا یہ ہے کہ کچھ صحابہ کے متعلق حضرت سرور عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے لیکن وہاں سے اس طرح ہنکا دیئے جائیں گے جس طرح بہکا ہوا دریا اونٹ ہنکا دیا جاتا ہے۔ میں کہوں گا کہ آؤ آؤ۔ تو مجھ سے کہا جائیگا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ ان سب نے آپ کے بعد دین خدا کو بدل دیا۔ پس میں کہوں گا کہ نکالو نکالو دینِ خدا کے بدلنے والوں کو [۱] **اور** بعض حدیثوں میں تبدیل کی جگہ پر اِحداث (دین میں نیا کام کرنا۔ داخل کرنا یا نکالنا) لکھا ہوا ہے۔ میں **عرض کرتا ہوں** کہ یہ دلیل

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۸ ص ۳۳ شروع کتاب الفتنہ و آخر کتاب الرقاق باب الحوض جلد ۷ ص ۲۰۷ چھاپہ بمبئی بروایت متعدد و تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۳۳۳ چھاپہ مصر و ارشاد الساری شرح بخاری جلد ۱۰ ص ۱۶۷ و ۱۶۸ - ۱۲ منہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴) نزدیک پسندیدہ ہو۔ اور گناہ کبیرہ کرنے والے پسندیدہ نہیں ہوسکتے فرمایا اے ابو احمد (محمد بن ابی عمیر کی کنیت تھی جسکو عرب کے دستور کے مطابق بغرض عزت افزائی ذکر فرمایا ہے) کوئی مومن ایسا نہیں ہے جو گناہ کبیرہ کرکے نہ شرمائے اور وہ گناہ اوسکو برا نہ معلوم ہو اور حضرت سرور عالمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ توبہ کے لئے شرمندگی کافی ہے۔ **پھر** امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مومن وہی شخص ہے جس کو نیک کام اچھا اور گناہ برا معلوم ہوتا ہو۔ اور جو شخص گناہ کبیرہ کرکے شرمندہ نہ ہو وہ مومن نہیں ہے (اگرچہ اپنے کو مومن سمجھتا ہو) اور شفاعت اوس کی واجب نہیں ہے اور وہ ظالم ہے جسکے متعلق خدا نے فرمایا ہے مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ یعنی ظالموں کے لئے نہ تو کوئی ہمدرد دوست ہوگا جو مدد کرے اور نہ ایسا شفیع (سفارش کرنے والا) پائیگا جسکی سفارش مانی جائے میں نے عرض کیا اے فرزند رسولؐ جو شخص گناہ کرکے شرمندہ نہ ہو وہ کیوں مومن نہیں ہے فرمایا اے ابو احمد کوئی (مومن) ایسا نہیں ہے جو گناہ کبیرہ کرے اور جانتا ہو کہ اوسکی وجہ سے اوس پر عذاب کیا جائیگا مگر یہ کہ اپنے گناہ پر شرمندہ ہوتا ہے اور جب شرمندہ ہوگا تو اوسکی شفاعت واجب ہوگی۔ اور جب شرمندہ نہ ہوگا تو گناہ سے باز نہ آئیگا اور باز نہ آنے والے بخشے نہ جائیں گے کیونکہ وہ عذاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ اگر عذاب پر ایمان رکھتے ہوتے تو ضرور شرمندہ ہوتے **اور** حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد

صحیح ہے اور میں بھی ذکر شفاعت میں لکھ آیا ہوں کہ دینِ خدا کے بدلنے والوں اور اوسمیں
نیا کام کرنے والوں کو شفاعت نصیب نہ ہوگی **لیکن** دیکھنا یہ ہے کہ دین کو بدلنا۔ یا اوسمیں
احداث یعنی نیا کام کرنا کس کو کہتے ہیں۔ **امام اہلسنت** علامۂ قسطلانی نے ارشاد الساری
میں احداث اور تبدیل کی شرح ارتداد یعنی اسلام سے پھر جانے اور اعتقاد بدلنے سے
کی ہے اور غالباً اونھوں نے اس لفظ سے اون لوگوں کو مراد لیا ہے جو حضرت علی علیہ السلام
کے طرفدار اور حضرت ابوبکر کی خلافت کے منکر تھے اور اون کو مال زکوۃ دینے سے انکار
کیا تھا جن کے مردوں کو حضرت ابوبکر نے تہ تیغ کرکے کشتوں کا پشتہ لگادیا اور مال اونکا
لوٹا گیا اور اون مومنوں کی عورتیں قید کرکے لونڈیاں بنائی گئیں اور بے عقد نکاح
تصرف میں لائی گئیں اور آج ان کے پیرو اون مومنوں کو اہل ردہ[عہ] یعنی مرتد کہتے ہیں۔
حالانکہ وہ مرتے دم تک پکارتے رہے کہ ہم لوگ دینِ رسول اللہ پر ہیں اور چونکہ
حضرت ابوبکر کو خلافت کا مستحق نہیں جانتے اس لئے اونکو مال زکوۃ نہ دینگے۔ اگر کوئی
شخص خاندان رسول سے اونکا قائم مقام ہوگا تو اوس کے سپرد کردینگے[لہ]

پس ایک تو یہ لوگ مرتد ہی نہ تھے تاکہ اس حدیث کے مطابق اون کی شفاعت
نہ کیجائے **اور دوسرے** ان میں سے بعض جو واقعاً مرتد تھے اور حضرت رسولؐ
کے زمانہ میں مرتد ہوگئے تھے جیسے اشعث بن قیس تو باوجود ارتداد کے اوسکی
عزت افزائی خود حضرت ابوبکر نے کی اور مرتد کو مسلمانوں میں داخل رکھا۔ اپنی حقیقی
بہن کا عقد اوس سے کردیا۔ مال دیا۔ دولت دی۔ اپنی بارگاہ میں عزت دی۔[سے]
تیسرے کسی شخص کا اپنے عقیدہ کو بدلنا تبدیلِ دینِ خدا نہیں کہا جاسکتا بلکہ تبدیل
دینِ خدا اور اوسمیں احداث یعنی نئی بات پیدا کرنی یہ ہے کہ جو چیز حضرت سرورِ عالم

لہ ملاحظہ ہو تفسیر سورہ بقرہ صفحہ ۴۷ و ۴۸ ۱۲ منہ

سے ملاحظہ ہو تفسیر سورہ بقرہ جلد ۲ صفحہ ۷ کا حاشیہ ۱۲ منہ

سے تفسیر برہان جلد ۲ صفحہ ۶۸۵ و در تفسیر سورہ انبیاء کل مضمون ۱۲ منہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵) فرمایا ہے کہ استغفار کے بعد گناہ کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ اور اصرار یعنی بار بار کرنے
پر گناہ صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہوجاتا ہے) لیکن کلام پروردگار لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ
ارْتَضَىٰ (جسکو تم نے ذکر کیا) تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت نہ کریں گے لیکن اوس شخص کی جسکے
دین کو خدا پسند کرتا ہو۔ اور دین سے۔ نیک اور بد اعمال کے اچھے اور برے بدلے کا اقرار کرنا مقصود
ہے پس خدا جسکے دین کو پسند کرتا ہے وہ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوتا ہے کیونکہ قیامت میں عذاب ہونیکو جانتا

عہ یہ حاشیہ صفحہ ۴۷ پر ملاحظہ ہو

کے وقت میں نہ تھی وہ اوس کا جزء بنادی جائے یا اوسمیں سے کوئی چیز نکال دیجائے خواہ یہ چیزیں اعتقادات سے تعلق رکھتی ہوں یا احکام سے رہ گیا یہ کہ دینِ خدا کی تبدیلی اور اوسمیں احداث کرنے والے کون لوگ ہیں تو اس کا صحیح پتہ چند چیزوں سے مل جائیگا۔ محدث جلیل القدر صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے انتقال کے بعد جب شورے کی بنا قرار پائی توحضرت علی علیہ السلام کے فضائل اور کمالات اور دینی خدمتوں کی وجہ سے اکثر اہل مدینہ انھیں کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہتے تھے یہ رنگ دیکھ کر بنو امیہ بہت پریشان ہوئے اور عمرو بن عاص سے (جو حیلہ وتدبیر میں اپنی مثال آپ تھا) تدبیر چاہی اوس نے کہاکہ میں معقول حیلہ وتدبیر کئے دیتا ہوں تاکہ عثمان کے ہاتھ سے خلافت نہ جانے پائے فوراً حضرت علی علیہ السلام کے پاس پہونچا اور کہاکہ عبدالرحمن بن عوف کتاب خدا اور سنتِ (طریقۂ) رسول اور سیرتِ (طریقۂ) ابوبکر وعمر کی شرط پر آپ سے بیعت کرنا چاہیگا آپ قبول نہ کیجئے گا پھر حضرت عثمان سے جاکر کہاکہ ان شرطوں پر فوراً قبول کرلینا ورنہ خلافت تمہارے ہاتھ سے نکل جائیگی۔ مختصر یہ کہ بیعت کے وقت عبدالرحمن نے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے یہی شرطیں پیش کیں حضرتؑ نے صاف صاف قبول نہ فرمایا بلکہ فرمایا کہ جو ہو سکیگا کروں گا (اور حضرتؑ کا ایسا جواب اس وجہ سے نہ تھا کہ عمرو عاص کے مشورہ سے دھوکھا کھایا بلکہ اپنے اس وجہ سے قبول نہ کیا کہ کتاب خدا اور طریقۂ رسول اللہ کے مقابل میں طریقۂ ابوبکر وعمر بے حقیقت تھا اور لائق قبول نہ تھا۔ دوسرے جو ہونے والا تھا اوس سے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ آپکو خبردے چکے تھے اور فرما چکے تھے کہ اپنی حجت تمام کرکے صبر اور سکوت سے کام لینا) اور حضرت عثمان نے ان شرطوں کو بے عذر وبے شرط قبول کرلیا چونکہ عبدالرحمن کو حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت کا خوف تھا اس لیئے اونکے مقابلہ کیغرض سے کل مہاجرین وانصار اور افسران فوج کو بلالیا۔ شامی فوج کا افسر معاویہ تھا اور فوج حمص کا عمیر بن سعد اور کوفی فوج کا مغیرہ بن

ؔ حضرت عمر پہلے ہی کل باتیں طے کرچکے تھے کہ عبدالرحمن کی موافقت کریں اور جو شخص (علی علیہ السلام) کی مخالفت کرے اوسکو قتل کردیں۔ اور عبدالرحمن کو ہدایت کی تھی کہ حضرت عثمان سے بیعت کریں۔ ملاحظہ ہو کتاب کنز العمال جلد ۳ ص ـــــ کی متعدد حدیثیں جن سے ان باتوں کا پتہ ملتا ہے ۱۲ منہ

ؔ اور شوریٰ والوں کو ہدایت کرچکے تھے

شعبہ اور فوج بصرہ کا ابو موسے اشعری۔ اور فوج مصر کا عمرو عاص۔ اور حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ مخالفت کر کے اپنی ہلاکت کی راہ نہ نکالیئے اور حضرت عثمان

(بقیہ حاشیہ صـ۴۶) ہے۔ (اہل سنت) میرا گمان یہ ہے کہ ان بے گناہ مسلمانوں کی واقعیت سے بہت سے مسلمان سنی اور شیعہ بے خبر ہیں جو بے سبب مرتد سمجھے اور تباہ و برباد کئے گئے اور آج بھی اہل ردّہ کے نام سے تعبیر کئے جا رہے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر لفظوں میں اونکے حالات سے آگاہ کر کے انصاف پسندوں سے انصاف کی خواہش کروں علامہ اعثم[عــہ] کوفی کی مفصل تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ زیاد بن لبید حضرت ابوبکر کی طرف سے قبائل حضر موت اور کندہ اور بنو زبید اور بنو ہند اور بنو حجر اور بنو حمرا اور بنو تمیم اور دوسرے قبیلوں سے زکوۃ مانگی سردار قبیلہ کندہ اشعث نے کہا کہ ہم لوگ اوس وقت تک خدا اور رسول کے حکم کے تابع تھے جب تک حضرت رسولؐ ہم میں موجود تھے اب اونکے انتقال کے بعد اگر اونکے اہلبیت سے کوئی اونکی جگہ مقرر ہوا تو اوسکی اطاعت کرینگے۔ ابو قحافہ کے بیٹے (ابو بکر) کی حکمرانی کیسی اور ہم پر اوس کا حق ہی کیا ہے۔ بنو ربیعہ نے کہا کہ ایسے شخص کی اطاعت کیوں چاہتے ہو جسکی اطاعت کے لئے حضرت رسول نے کسی کو حکم نہیں دیا اور نہ اوس کے لئے کوئی ایسی مثال قائم ہے زیاد بن لبید نے کہا سچ ہے لیکن مسلمانوں نے اتفاق کر کے ابوبکر کو خلیفہ بنا لیا ہے۔

اونھوں نے جواب دیا کہ اجتہاد میں اختیار تھا تو رسولؐ کے اہلبیتؑ کو کیوں چھوڑ دیا یہ حق اونھیں کے لئے سزاوار تھا جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ (شروع سورہ احزاب پ۲۱) یعنی صاحبان قرابت میں سے بعض (حضرت علیؑ) زیادہ حقدار ہیں بعض (حضرت رسولؐ) کی جانشینی کے بحکم کتاب خدا۔ بہ نسبت مومنوں (انصار) اور مہاجروں (قریش) کے خدا کی قسم مہاجرین و انصار نے حسد کیا اور حق دار سے حق چھین لیا۔ ہم کو پورا یقین ہے کہ جب تک حضرت رسولؐ

[عــہ] اعثم کوفی کے اعتبار کے لئے یہی کافی ہے کہ محدث جلیل القدر صاحب روضۃ الاحباب نے جلد ۳ صـ۵۶ میں اور علامہ محدث موفق بن احمد خوارزمی نے مناقب صـ۱۱۳ چھاپہ ایران فصل ثانی ذکر جنگ جمل میں انکی تاریخ سے مضامین لئے ہیں ۱۲ منہ

کے ہاتھوں پر بیعت کرلی لے اس مقام پر اگرچہ یہ بات چھپائی گئی ہے کہ عمرو عاص
نے طریقہ شیخین کی شرط بڑھا دینے کی ہدایت عبد الرحمن کو کردی تھی لیکن جس
عقل نے بے دیکھے خدا کی ہستی کو مان لیا ہے وہی عقل نہایت استقلال سے حکم
کررہی ہے کہ عمرو عاص اور عبد الرحمن میں اس شرط کے بڑھانے کا مشورہ قرار پاچکا
تھا اور یہ تدبیر صرف اس لئے تھی کہ حضرت علی علیہ السلام اس باطل شرط کو قبول

(بقیہ حاشیہ ص۴۸) نے اپنے اہلبیتؑ میں سے کسی کو امت کا پیشوا مقرر نہیں کرلیا انتقال
نہیں فرمایا (تاریخ اعثم کوفی) اور بنو تمیم کے سردار مالک بن نُوَیرہ نے جو کچھ زکوۃ اپنی قوم
سے وصول کی تھی اونکو واپس کیا اور یہ اشعار پڑھے فَقُلْتُ خُذُوْا اَمْوَالَکُمْ غَیْرَ
خَائِفٍ + وَلَا نَاظِرٍ فِیْمَا یَجِیْئُ مِنَ الْغَدِ + پس میں نے اون سے کہا کہ اپنا اپنا مال لیلو
اور اس سے نہ ڈرو کہ کل (حضرت ابوبکر کیطرف سے تمہارے ساتھ برتاؤ) کیا ہوگا۔ فَاِنْ قَامَ
بِالدِّیْنِ الْمُحَقَّقِ قَائِمٌ + اَطَعْنَا وَ قُلْنَا الدِّیْنُ دِیْنُ مُحَمَّدٍ + یعنی اگر اس سچے دین
کا پیرو کوئی کھڑا ہوا تو اوسکی فرمان برداری کرلیں گے اور کہیں گے کہ بے شک ان کا دین محمدؐ کا
دین ہے ۔ اور کہا کہ ہم لوگ زکوۃ کے واجب ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن ابوبکر کو نہ دینگے
کیونکہ خداوند عالم نے فرمایا ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ
بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (سورہ توبہ پ۱۱ آیت ۱۰۴) یعنی
اے رسول اون کے مال کا صدقہ لے کر اونکو پاک کردو اور اون پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا
درود بھیجنا اونکی تشفی اور خوشی کا باعث ہے اور غیر رسول (معصوم) نہ پاک کرسکتا ہے نہ اوس کا
درود باعث تشفی ہو سکتا ہے ۔ مالک بن نویرہ اور اون کے قبیلہ والے مرتد نہیں ہوئے
تھے بلکہ اقرار کیا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور اپنا دین و مذہب نہیں بدلا ہے ۔ ان لوگوں کے مسلمان
ہونے اور نماز پڑھنے کی گواہی حضرت عمر اور اونکے بیٹے عبد اللہ اور ابو قتادہ صحابی نے دی ۔

ع لیکن اس بیعت کا انجام یہ ہوا کہ حضرت عثمان نے انکو منافق کہا اور مرتے دم تک انھوں نے اون سے گفتگو نہ
کی (صواعق محرقہ ص) ۱۲ منہ ۔ مدارج النبوۃ ذکر اہل ردہ۔ واصابہ حال مالک بن نویرہ ۱۲ منہ
۔ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۴۹۹ مسئلہ ثانیہ و قسطلانی شرح بخاری جلد ۳ ص ۶ سطر ۹ و ابن ابی الحدید جز ۱۷
ذکر مطاعن ابوبکر ۱۲ ۔ تاریخ طبری جلد ۳ ذکر جنگ بطاح ص ۲۴۳ و کنز العمال کتاب الامارہ ذکر خلافت ابوبکر
ص ۱۳۲ و تاریخ ابن خلکان ذکر وثیمہ و تفسیر کبیر وغیرہ ۔ تاریخ کبیر طبری و کنز العمال و تاریخ ابن خلکان کل بہ نشان ۱۲ منہ

نہ کرینگے اور اسی حیلہ سے خلافت سے محروم کر دیئے جائیں گے - **چنانچہ** ابو وائل نے جب عبدالرحمن سے پوچھا تھا کہ علیؑ سے بیعت کیوں نہ کی اور عثمان سے کیوں کرلی تو اونھوں نے یہی جواب دیا تھا کہ چونکہ اونھوں نے تینوں شرطوں کو صاف منظور نہ کیا اور عثمان نے منظور کر لیا اس وجہ سے اونکو چھوڑ دیا اور عثمان کو اختیار کیا۔

بخاری صاحب نے اسی مقام پر دو حدیثیں نقل کی ہیں جنمیں (حضرت علی علیہ السلام کے مقدس اور حق پرست ہاتھوں پر بیعت نہ کرنے والے) عبداللہ بن عمر نے عبدالملک بن مروان (جیسے پلید) کو لکھا ہے کہ میں نے اور میری اولاد نے سنت خدا اور سنت رسول پر (حجاج جیسے بے دین اور کافر مطلق کا پاؤں پکڑ کر) تجھ سے بیعت کی ۵۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹) حضرت ابوبکر نے جب ان لوگوں سے لڑنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے کہا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں اور حضرت سرور عالمؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اوسکی جان محفوظ ہے اور اوسکے گناہوں کا بدلا خدا پر ہے تم ادن سے کیونکر لڑ سکتے ہو ۵۳ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ تتکلم الملٰئکۃ علٰی لسان عمر ۵۴ یعنی حضرت عمر کی زبان سے فرشتے بولتے تھے - اور خدا نے حق کو اونکی زبان اور دل پر قرار دیا تھا ۵۵ ان لوگوں سے لڑنے کو حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور ابو عبیدہ اور سعد بن ابی وقاص اور کل مہاجرین و انصار نے حضرت ابوبکر کو منع کیا لیکن اونھوں نے قبول نہ کیا ۵۶ ایک شخص نے حضرت سرور عالمؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ خدا سے ڈریئے یہ سنکر خالد نے اوس کو قتل کرنا چاہا تو حضرت نے فرمایا کہ چھوڑ دو شاید نماز پڑھتا ہو - خالد نے کہا کہ بہتیرے نمازی باطن سے مسلمان نہیں ہوتے فرمایا ہم کو کسی کے قلب میں سوراخ کرنے اور پیٹ پھاڑنے کا حکم نہیں ہے ۵۷ صحیح بخاری کے محشی لکھتے ہیں کہ باوجود اس بے ادبی

۵۲ صحیح بخاری جلد ۸ کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس صفحہ ۴۸ شروع چھاپہ بمبئی ۱۲ منہ
۵۳ صحیح بخاری کتاب استتابۃ مرتدین باب قتل من ابیٰ جلد ۴ صفحہ ۱۳۱ مصری ۱۲ منہ
۵۴ تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۵ ۵۵ تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۴ ۱۲ منہ
۵۶ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴۲ و شرح ابن ابی الحدید بحوالہ طبری و کامل ابن اثیر و تاریخ الخلفاء بلفظ عمر وغیرہ ۱۲ منہ ۵۷ صحیح بخاری جلد ۳ کتاب المغازات باب بعث علی و خالد الی الیمن ۱۲ منہ

لہ شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ چھاپہ ایران - و در المنثور سیوطی تفسیر الدر صفحہ ۲۴۸ - ۱۲ منہ

پس اگر طریقۂ حضرت ابوبکر و حضرت عمر باوقعت اور صحت بیعت کے لیئے عقلاً یا شرعاً یا عرفاً ضروری چیز اور کوئی حقیقت اور ہستی رکھی ہوتی تو حضرت عمر کے صاحب زادے عبد اللہ جیسے محدث اور رکن مذہب اہلسنت اپنے باپ اور اونکے بزرگ حضرت ابوبکر کے طریقہ کا عبد الملک کو پابند کرنے کے زیادہ حقدار تھے۔ اور دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک میں اس کو ضرور ذکر کرتے۔ پس ان کا ذکر نہ کرنا بھی صاف بتاتا ہے کہ کتاب خدا و طریقۂ حضرت سرور عالمؐ کے مقابل میں ان دونوں صاحبوں کے طریقہ کا ذکر صرف حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کر دینے کے لیئے تھا۔ حاصل کلام پس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر کا طریقہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ کے طریقہ سے جدا تھا جسکے قبول نہ کرنے کو عبد الرحمن نے حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کرنے کا بہانہ قرار دیا تھا۔ اسی نئے طریقہ کا نام تبدیل دین خدا ہے جو حدیث حوض میں مذکور ہے۔ حضرت سرور عالمؐ نے مشہور اور متواتر حدیث ثقلین میں جو قبل اسکے کئی جگہ ذکر کیجا چکی ہے دین کی بقاء اور امت کی نجات اور عدم گمراہی کی شرط

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰) اور ایسے کلمہ کے جس میں تعریض اور حضرت کی اذیت کا سبب ہو حضرت نے اونکے جان کی حفاظت میں اونکے ظاہری اسلام کو کافی سمجھا (میں عرض کرتا ہوں کہ مال زکوٰۃ کی لالچ میں حضرت ابوبکر نے ہیچ اور نمازی مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا کیونکہ) وہ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کے منتظر تھے (محلی ابن حزم) امام اہل سنت ابن اثیر لکھتے ہیں کہ سوائے قریش اور قبیلہ ثقیف کے عرب کے کل قبیلے عام طور سے مرتد ہو گئے تھے بعض قبیلوں کے کل آدمی اور بعض کے کچھ لوگ مطلب اس کا یہ ہے کہ قریش اور ثقیف کل کے کل مسلمان تھے لیکن حضرت عمر کہتے ہیں کہ قریش علیؑ کے دشمن ہیں ۲ اونھوں نے خلافت کو علیؑ سے چھین لیا اور اچھا کام کیا ۳ اور حضرت سرور عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ

۵ اگر کوئی کہے کہ عبد الملک سنت شیخین کا پابند تھا اس وجہ سے اوسکو ذکر نہ کیا تو میں کہوں گا کہ اس کلام کا معنی یہ ہے کہ وہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ کا پابند نہ تھا اس وجہ سے ان دونوں کو ذکر کیا پس اس سے بھی صاف ثابت ہے کہ سنت شیخین کتاب خدا اور سنت رسول اللہ سے جدا تھی کہ ایک کا پابند تھا اور دوسرے کا نہیں ۱۲ منہ
۱ تاریخ کامل ذکر اخبار ردہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰ چھاپہ مصر ۱۲ منہ ۲ درر السمطین ۱۲ منہ ۳ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴ و ۲۵ - ۱۲ منہ

ثقلین یعنی کتاب خدا اور ائمۂ اہلبیت کی پیروی کو قرار دیا۔ اور حضرت ابو بکر اور عمر نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ (ہمارے لئے کتابِ خدا ہی کافی ہے) کہکر دینِ خدا سے پیرویِ اہلبیت کو نکال دیا جو اصولِ دین کا جزِ اعظم ہے اسی کو تبدیلِ دینِ خدا کہتے ہیں حالانکہ خود بھی جانتے تھے کہ صرف کتابِ خدا کافی نہیں ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ بہت سی آیتیں تلف ہو گئیں اور پورا قرآن جمع نہ ہو سکا[۱] اور بہت سی آیتوں کو ترتیب ابو بکری کے وقت دو گواہ نہ ملنے کی وجہ سے زید بن ثابت نے قرآن میں نہ لکھا[۲]۔ چنانچہ آیت رجم خود حضرت عمر لے گئے اور لکھنے کو کہا لیکن اونھوں نے نہ لکھا[۳] دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن تفسیر کا محتاج ہے اور علم قرآن سے دونوں صاحب بے بہرہ تھے[۴] تیسرے اس وجہ سے کہ سیکڑوں مرتبہ حضرت علی علیہ السّلام سے احکام خدا پوچھنے کے محتاج ہوئے اور پوچھا اور عمر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱) بدترین قبائل عرب بنوامیہ اور بنو حنیفہ اور بنو ثقیف ہیں[۵] اور فرمایا کہ ثقیف بڑے جھوٹے اور خونخوار ہیں[۶] اور فرمایا کہ علیؑ سے دشمنی نفاق کی پہچان ہے اور ہماری قوم (قریش) میں سب سے زیادہ ہمارے دشمن بنوامیہ اور بنو مغیرہ اور بنو مخزوم ہیں[۷] اور حضرتؐ اپنے انتقال کے وقت تک تین قبیلوں سے نفرت کرتے رہے بنو ثقیف۔ بنو حنیفہ بنوامیہ[۸] حاصل یہ کہ امام اہلسنت ابن اثیر کے نزدیک حضرت رسولؐ اور اونکے خاندانؑ کے دشمن مسلمان تھے۔ اور اونکے دوست مرتد۔ اس پر طُرّہ[ع] یہ ملاحظہ ہو کہ علامہ زمخشری کشاف میں اور قاضی بیضاوی اپنی تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں کہ اطراف مدینہ کے منافق قبیلے پانچ تھے ۱۔ جہینہ ۲۔ مزنیہ ۳۔ اسلم ۴۔ اشجع ۵۔ غفار اور امام ابن اثیر لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے دوست اور طرفدار جو اہل ردہ کہلاتے ہیں (علاوہ مذکورہ بالا قبائل کے) ۱۔ بنو اسد ۲۔

[۱] تفسیر اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۵ سطر ۹۔ ۱۲ منہ [۲] تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۶۰ سطر ۱۲۔ ۱۲ منہ [۳] تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۶۰ سطر ۱۲۔ ۱۲ منہ [۴] ملاحظہ ہو اکتیسواں مقدمہ صفحہ ۲۰۵ و ۲۰۶ و آخر صفحہ ۲۱۳ و ۲۱۴۔ ۱۲ منہ
[۵] حافظ ابو نعیم۔ ۱۲ منہ [۶] جامع ترمذی باب مناقب ۱۲ منہ [۷] کنز العمال کتاب الفتن جلد ۶ صفحہ ۴۰ قسم افعال ۱۲ منہ [۸] جامع ترمذی باب مناقب ۱۲ منہ
[ع] طرہ یعنی چوٹی کی بات ۱۲ منہ

صاحب نے اقرار کیا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ
اُن کا مشہور کلام ہے[1] اور خدا مجھے وہاں باقی نہ رکھے جہاں اُلجھی ہوئی دینی
گتھی سلجھانے کے لئے علیؑ موجود نہ ہوں[2] اور جس طرح یہ اور دوسرے صحابہ حضرت
علیؑ کے محتاج تھے اوسی طرح ان کے بعد کے لوگ قیامت تک ائمہ اہلبیت علیہم السلام
کے محتاج تھے اور رہیں گے۔ حضرت سرورِ عالمؐ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ تَعَلَّمُوا
مِنْهُمْ وَلَا تُعَلِّمُوهُمْ فَإِنَّهُمْ أَعْلَمُ مِنْكُمْ (یعنی اہلبیتؑ سے سیکھو اور اون کو
نہ سیکھاؤ کیونکہ وہ تم لوگوں سے بہت زیادہ علم رکھتے ہیں) (ینابیع المودۃ باب ۴
ص۱۸ سطر ۲ و باب ۴ ص ۲۹ و ۳۱ و ۳۲ بروایت متعدد) حضرت علی علیہ السلام
کی تو بڑی ہستی تھی یہ خود اور حضرت ابوبکر دونوں صاحب احکامِ خدا معمولی درجہ
کے صحابہ سے آئے دن پوچھا کرتے تھے[3] یہ جملہ یعنی حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰہِ پہلے
حضرت عمر نے حضرت سرورِ عالمؐ کے مرض الموت میں۔ پھر حضرت ابوبکر نے بیعت
کے بعد ممبر پر کہا تھا[4] ۳ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے باپ
اور استاد شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قرۃ العینین ص۱۸۶ میں لکھتے ہیں
کہ ترتیب کتاب و سنت و اجماع و قیاس کے اصول سب شیخین (ابوبکر و عمر) کے

(بقیہ حاشیہ ص۵۲) بنو غطفان ۳ بنو تمیم ۴ بنو عامر ۵ ہوازن ۶ بنو سلیم تھے[5] اور
امام اہل سنت بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ قریش (دشمن
علیؑ) اور انصار (قریش کے طرفدار) اور ۱ جہینہ اور ۲ مزینہ اور ۳ اسلم ۴ اشجع ۵ غفار میرے
دوست ہیں میرے اور خدا کے سوا ان کا کوئی دوست نہیں ہے[6] اور حضرتؐ نے فرمایا کہ ۱ جہینہ ۲ مزینہ
(پانچوں منافق قبیلے) ۱ بنو تمیم ۲ بنو اسد ۳ بنو غطفان ۴ بنو عامر ۵ ہوازن ۶ بنو سلیم
(دوستداران علیؑ) سے بہتر ہیں[7] خلاصہ یہ کہ ان لوگوں کے نزدیک دوستدارانِ علیؑ
سے منافق بھی اچھے ہیں۔ اب تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت علی علیہ السلام کے دوست
اور اونکی خلافت کے خواہاں مرتد کیوں کہے جاتے ہیں۔ اب اون کے ساتھ حضرت

---

[1] ترجمہ ازالۃ الخفاء حصہ ۳ ص۵۲۔ ۱۲ منہ [2] صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۳ ص۷۶ چھاپہ مصر ۱۲ منہ
[3] تاریخ الخلفاء فصل ذکر علم ابوبکر ص۳۳ چھاپہ مجیدی کانپور سطر ۳۔ ۱۲ منہ [4] مشارق الانوار خاتمہ
فصل ۲ ذکر وفات رسول اللہؐ ۱۲ منہ [5] تاریخ کامل جلد ۲ ذکر اہل ردہ ص۱۳۱ تا ۱۳۵ و تاریخ اعثم کوفی
[6] صحیح بخاری کتاب مناقب باب ذکر اسلم و غفار وغیرہ جلد ۲ ص۱۷۱ چھاپہ مصر [7] صحیح بخاری بر نشان ۶۔ ۱۲ منہ

کلام سے لئے گئے ہیں اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۵ میں لکھتے ہیں کہ مشہور فرقے تین ہیں حنفی - شافعی - مالکی - اور ان تینوں کی بنیاد فاروق (عمر) کے اجماعی مسئلے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر کے ایجادی مسئلوں سے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء کے ۹۴۱ صفحوں کو سیاہ کیا ہے - انھیں ایجادی مسئلوں کے دین خدا میں داخل کرنے کو تبدیل دین خدا کہتے ہیں ہے حی علے خیر العمل کو اذان سے نکال دیا[۱] یہ کلمہ حضرت سرور عالم کے زمانہ میں اذان میں رائج تھا[۲] اور بلال موذن[۳] اور خود خلیفہ دوم کے بیٹے عبد اللہ نے منع کرنے کے بعد بھی اذان میں کہنا نہ چھوڑا[۴] اسی کو تبدیل دین خدا کہتے ہیں [۵] صبح کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ بڑھا دیا[۶] اور انکے بیٹے عبد اللہ اس کو بدعت جانتے تھے -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳) ابو بکر کا سلوک اور برتاؤ ملاحظہ ہو کہ زیاد بن لبید کو چار ہزار سوار دیکر بنی ہند اور بنی حجر اور بنی حمر اور دوسرے چند قبیلوں کے مقابل میں بھیجا - اونھوں نے اونکے مردوں کو قتل کیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کیا اور مال لوٹ لیا اور اس فتح پر بہت خوش ہوئے اور عکرمہ کو بنی کندہ اور قبیلہ لقیط بن مالک کے مقابلہ کو بھیجا - اونھوں نے اون مسلمانوں کو قتل کر کے اونکے بچوں اور عورتوں کو قید کیا اور مال اون کا لوٹ کر تین سو اونٹوں پر لاد کر حضرت ابو بکر کے پاس بھیجا یا وہ اس فتح سے بہت خوش ہوئے[۱] اور خالد بن ولید کو بنو عامر اور بنو ہوازن اور بنو سلیم اور بنو اسد اور بنو غطفان اور بنو طی اور بنو کندہ کے مقابلہ کو بھیجا - خالد نے پہلے چھ قبیلوں پر حملہ کیا اور کچھ کو قتل کیا اور کچھ کو زندہ آگ میں جلایا کچھ کے ناک کان کاٹے - کچھ کو پتھروں سے کچلا اور پہاڑوں سے گرایا اور کچھ کو سر کے بل کنوئیں میں ڈالدیا[۵] انکا مال لوٹا اور انکی عورتیں بغیر نکاح کے تصرف میں لائی گئیں[۸] پھر حکم دیا کہ جس کو کھانا پکانا ہو یا پانی گرم کرنا ہو وہ ان مسلمان مقتولوں کے سر کا چولھا بنائے[۹] پھر بنو تمیم کیطرف بڑھا اون سب نے کہا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور کلمہ شہادتین

[۱] المعلم ترجمہ صحیح مسلم صفحہ ۵۲۸ و النسان العیون جلد ۲ صفحہ ۹۸ و سنن امام بیہقی و شرح تجرید علامہ قوشجی ذکر مطاعن عمر صفحہ ۴۰۸ [۳] کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۶۶ نمبر حدیث ۴۸۹۹ و میزان کبری جلد ۱ بیان اذان صفحہ ۶۶ چھاپہ مصر ۱۲ منہ [۴] میزان کبری جلد ۱ بیان اذان صفحہ ۶۶ و تحقیق عجیب فی التصویب صفحہ ۵ و سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۹۸ و نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۳۳۸ و حاشیہ سنن ابو داؤد صفحہ ۵ چھاپہ اصح المطابع ۱۲ منہ [۵] النسان العیون جلد ۲ صفحہ ۹۸ و سنن بیہقی و تیسیر الوصول ج ۱ صفحہ ۲۹۶ وغیرہ

[۶] المعلم ترجمہ مسلم صفحہ ۵۲۸ - ۱۲ منہ

تاریخ اعثم کوفی ذکر اہل ردہ ۱۲ منہ [۷] تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ ذکر ردہ قبائل بنی عامر و ہوازن وغیرہ ۱۲ منہ [۸] فتح المبین علی رد مذہب المقلدین صفحہ ۲۳۶ ۱۲ منہ [۹] تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ ۱۲ منہ

اور جس مسجد میں یہ کلمہ پکارا جاتا تھا اوسمیں نماز نہیں پڑھتے تھے [۱] اسی کو تبدیل دین خدا کہتے ہیں [۲] تراویح جاری کی جو سرور عالمؐ کے زمانہ میں نہ تھی [۳] نماز جنازہ سے ایک تکبیر گھٹا کر چار تکبیریں کردیں [۳] حج تمتع اور عورتوں سے متعہ کرنے کو حرام کردیا [۴] ان کے ایجادی یعنی بدعتی احکام کی تفصیل ترجمہ اثنا عشریہ حصہ ۲ میں ملاحظہ کریں جن کے ذکر سے ۱۴۹ صفحے سیاہ کئے گئے ہیں۔ انہیں ایجادوں کو تبدیل دین خدا کہتے ہیں۔ ان تفاصیل سے ہر شخص بے زحمت سمجھ سکتا ہے کہ دین خدا کو بدلنے اور اوسمیں نئی باتیں داخل کرنے والے اور بعض حکموں کو نکالنے والے آیا وہ لوگ تھے جنھوں نے اہلسنت کے غلط خیال کے مطابق صرف اپنے عقیدے کو بدلا۔ یا یہ لوگ تھے جنھوں نے اصول دین اور فروع دین میں کمی بیشی کرکے سب کو تہس نہس کردیا۔ اور یہ بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جو لوگ حوض کوثر سے بہکے ہوئے اونٹ کی طرح پیاسے ہنکا دیئے جائیں گے اور حضرت سرور عالمؐ "اُن کو نکالو نکالو" فرمائیں گے وہ کون لوگ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صہ ۵۴) بھی پڑھا اور عبداللہ بن عمر اور ابو قتادہ صحابی اور خالد کے بہت سے فوجیوں نے کہا کہ وہ مسلمان ہیں ہم نے اونکے اذان کی آواز سنی ہے نماز پڑھتے دیکھا ہے تجھے خدا کی قسم اونھیں قتل نہ کر۔ اور مالک بن نویرہ سردار قبیلہ نے کہا کہ ہمیں ابوبکر کے پاس بھیجدو لیکن خالد نے کوئی بات منظور نہ کی اور اونکو قتل کیا اور اونکے سروں کا چولھا بنا کر اوس پر گوشت پکا کر کھایا اور خالد[ع] نے اوسی شب کو مالک کی بی بی سے جو بہت خوبصورت تھی زنا کیا [۵] مال اونکا لوٹا گیا۔ عورتیں اور بچے قید کئے گئے [۶] حضرت ابوبکر نے خالد کو لکھا تھا کہ جب ان پر فتح پانا تو خبردار کسی کو زندہ نہ چھوڑنا۔ اونکے

[۱] تیسیر الوصول جلد ۱ صفحہ ۲۹۹ تفصیل میری کتاب صہ ۲۷ تا ۳۰ بسط الیدین میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲ منہ
[۲] تاریخ الخلفاء ذکر اولیات عمر صہ ۹۷ چھاپہ مجیدی ۱۲ منہ [۳] تاریخ الخلفاء بحوالہ بالا ۱۲ منہ
[۴] تاریخ الخلفاء بحوالہ بالا۔ ودیگر کتب احادیث و تواریخ ۱۲ منہ
[ع] انھیں کارناموں کی وجہ سے خالد سیف اللہ یعنی خدا کی تلوار کہے جاتے ہیں ۱۲ منہ
[۵] تاریخ ابن خلکان ذکر وثیمہ و اصابہ ذکر مالک و ابوالفداء ذکر خلافت ابوبکر و سیرت حلبیہ و تاریخ خمیس و صواعق محرقہ و تاریخ کبیر طبری جلد ۵ و کنز العمال کتاب الامارہ ذکر خلافت ابوبکر جلد ۳ صہ ۱۳۲ نمبر حدیث ۲۲۸۰۔ ۱۲ منہ
[۶] ایضاً ۱۲ منہ

(چھٹاں فائدہ) اصول فقہ ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر زبان میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو بہت سے معانی کے لیئے بنائے گئے جن کو مشترک کہتے ہیں لیکن علماء منطق اور علماء علم اصولِ فقہ میں اختلاف اس میں ہے کہ ایک وقت ایک شخص ایک لفظ کو کئی معانی میں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں۔ خواہ وہ کل معانی حقیقی ہوں یا کل مجازی۔ یا بعض حقیقی اور بعض مجازی۔ خواہ وہ لفظ مفرد یا تثنیہ۔ یا جمع۔ کسی نے سب میں جائز کہا ہے۔ کسی نے سب میں ناجائز۔ کسی نے تثنیہ اور جمع میں جائز کہا ہے اور مفرد میں ناجائز۔ اور غرض اس بحث سے یہ ہے کہ اگر کوئی مشترک لفظ قرآن یا حدیث میں دیکھا جائے تو آیا ہو سکتا ہے کہ اوس سے ایک ہی وقت کئی معنی مراد لیا جاسکے یا نہیں ہو سکتا اکثر علماء جو جائز نہیں جانتے وہ یہ کہتے ہیں کہ لفظ بدن کی جگہ پر ہے اور معنی روح کی جگہ پر۔ اور کسی لفظ کو کسی معنی میں استعمال کرنا گویا کہ اوس کو اوس معنی کا عین بنادینا اور اوسمیں فنا کردینا ہے۔ اس لیئے ایک لحاظ اور ایک ارادہ سے ایک لفظ کو ایک معنی سے زیادہ کا عین نہیں بناسکتے اور اوسمیں فنا نہیں کرسکتے اس لیئے ایک معنی سے زیادہ میں استعمال نہیں ہوسکتا **میں عرض کرتا ہوں** کہ جس طرح الفاظ کی وضع (یعنی کسی معنی کے لیئے مقرر کیا جانا) عقل سے ثابت کرنیکی چیز نہیں ہے۔ اوسی طرح

(بقیہ حاشیہ ص۵۵) زخمیوں اور قیدیوں کو بھی قتل کردینا اور بھاگے ہوؤں کا پیچھا کر کے گرفتار کرنا اور قتل کردینا اور قتل عام کرانا اور زندہ آگ سے جلانا۔ خبردار میرے حکم کے خلاف نہ کرنا[۵۱]

[۵۱] حضرت علی علیہ السلام نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں اپنے فوجوں میں منادی کرادی تھی کہ بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے۔ زخمیوں کو قتل نہ کریں۔ کسی کے گھر میں نہ گھسیں۔ کسی کا مال لوٹا نہ جائے جو شریک جنگ نہیں ہے وہ قتل نہ کیا جائے۔ قیدی قتل نہ کیئے جائیں۔ کوئی ننگا نہ کیا جائے۔ مقتولوں کے اعضاء کاٹے نہ جائیں کسی کی عزت پر حملہ نہ کیا جائے[۵۲] حالانکہ

---

[۵۱] تاریخ خمیس دیار بکری ۱۲ منہ [۵۲] استیعاب جلد ۱ ص۶۷ ذکر بسر بن ارطاۃ و تاریخ طبری فارسی جلد ۴ ص۵۶۵ و عقد الفرید جلد ۳ ص۱۰۴ ذکر جنگ جمل و تاریخ مسعودی ۱۲ منہ

اس لفظ کو ایک وقت کئی معنوں میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں

استعمال بھی۔ پس بہتر یہ دیکھنا ہے کہ متعدد معنی میں الفاظ استعمال کیے گئے ہیں یا نہیں اور آیا انسان ایک ارادہ سے کئی چیزیں جدا جدا مراد لے سکتا ہے یا نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ آیا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کُلُّ اِنْسَانٍ ضَاحِکٌ بولے اور کُلُّ اِنْسَانٍ سے جو عام استغراقی ہے یعنی اپنی کل فردوں کو شامل ہے۔ ایک وقت میں اون کل فردوں کو جدا جدا بتفصیل مراد لے کر سب کے لئے ہنسی ثابت کرے۔ یا نہیں ہو سکتا۔ میرا گمان یہ ہے کہ کوئی سمجھدار اس کے امکان بلکہ بکثرت بولے جانے سے انکار نہیں کر سکتا پس جس طرح اس مثال میں ایک لفظ سے بہت سی فردوں کو ایک وقت ایک ارادہ اور ایک لحاظ سے مراد لینا ممکن اور صحیح بلکہ رائج ہے اوسی طرح لفظ مشترک سے بھی اوسکے متعدد معانی کو مراد لے سکتے ہیں اور ایسا ارادہ محال نہیں ہے۔ اس لئے جائز جاننے والوں کا خیال صحیح ہے اور مؤید انکی قرآن مقدس کی وہ بہت سی آیتیں ہیں جنمیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶) جنگ جمل و صفین والے بحکم خدا و رسول واجب القتل تھے اور مسلمان نہ تھے ۔ اب انصاف پسند سُنی اور شیعہ چند چیزوں میں غور کریں ۱ حضرت ابوبکر کے خط کا مضمون کہاں تک جائز ہے جسکو دنیا کے کسی فرقہ کا شخص جائز نہیں جانتا ۲ اسکی کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؑ کے دوست صرف زکوٰۃ نہ دینے پر اس بے رحمی سے مارے اور لوٹے اور بے عزت کیے جائیں اور اون لعنت کرنے والے معاویہ اور باقی بنو امیہ اور اونکے اہل حکومت پر لعنت کرنا بھی جائز نہ سمجھا جائے ۳ اس کا کیا مطلب ہے کہ حضرت رسولؐ اپنی توہین کرنے والے کو احتمالی نمازی ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیں اور حضرت ابوبکر یقینی مسلمان اور نمازیوں کو مرتد کہیں اور تباہ و برباد کریں ۴ اس کا کیا مطلب ہے کہ حضرت علیؑ کے طرفدار مسلمان مرتد کہے جائیں اور حضرت ابوبکر کے طرفدار منافق مسلمان ۵ اس کا کیا مطلب ہے کہ حضرت ابوبکر کو صرف زکوٰۃ نہ دینے والے مرتد کہے اور مارے جائیں اور قاتل فرزند رسولؐ یزید بن معاویہ پر لعنت (بیزاری) کرنے سے منع کیا جائے ۶ اس کا کیا جواب ہے کہ کربلا کے مظالم کا راستہ حضرت ابوبکر ہی نے کھولا اگر وہ علیؑ کے دوستوں کے ساتھ نہ کیے ہوتے تو یزید اونکی اولاد کے ساتھ کرتا

عہ اگر کوئی کہے کہ مثال مذکور میں ہنسنے کا حکم ماہیت انسان پر ہے اور اوسکے واسطہ سے اوسکے افراد پر جاری ہوتا ہے اسلیئے درحقیقت مراد ایک چیز یعنی ماہیت کلیہ ہے نہ متعدد افراد تو جواب دونگا کہ مثال مذکور کل انسان میں لفظ کل سے کلی یعنی ماہیت مقصود نہیں ہے بلکہ یہ کل افرادی ہے یعنی مستقل طور پر جدا جدا افراد مقصود ہیں کیونکہ ماہیت کلیہ نہیں ہنستی بلکہ اشخاص ہنستے ہیں جسطرح کل انسان یموت (کل انسان مر جائینگے) میں کیونکہ ماہیت

خداوند عزوجل نے ایک وقت میں ایک لفظ سے ظاہری اور باطنی یا کئی ظاہری یا کئی باطنی معانی مراد لئے ہیں۔ جنہیں سے مذکورہ بالا آیتوں میں ایک لفظ اسرائیل ہے جس سے حضرت یعقوبؑ اور حضرت سرورعالمؐ مقصود ہیں۔ اور دوسرا ذکر ذکرداہے جس سے یاد کرنا اور شکریہ ادا کرنا مقصود ہے۔ اور تیسرا نعمت ہے جس سے نعمت دنیا اور نعمت دین مقصود ہے۔ اور چوتھا عالمین ہے جس سے بنواسرائیل کا زمانہ اور کل عالم مقصود ہے۔ اور پانچواں یوماً ہے جس سے قیامت اور موت کا دن مقصود ہے اور چھٹاں ذالکم اسم اشارہ ہے جس سے نعمت اور عذاب مقصود ہے۔ علاوہ اس کے اگر مان لیا جائے کہ انسان ایسا ارادہ نہیں کرسکتا تو اس پر خداوند قادر مطلق کے ارادہ کو قیاس کرنا اور کہنا کہ وہ بھی ایسا ارادہ نہیں کرسکتا غلط ہے کیونکہ اومیں اور انسان میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے تاکہ یہ قیاس صحیح ہوسکے۔

اخلاق۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ (تا آخر)

(ساتواں فائدہ) **موت کی سختی** بسند صحیح اصبغ بن بناتہ نے ایک بڑی حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ بقدر حاجت یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی علیہ السلام کی موت کا زمانہ جب قریب پہونچا تو مرض الموت میں اونکی فرمائش کے مطابق ایک سریر (خرما کی چارپائی) پر اونکو لٹا کر میں قبرستان میں لے گیا اونھوں نے بلند آواز سے پکارا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ عَرْصَةِ الْبَلَاءِ اے میدان بلا کے رہنے والو تم پر سلام ہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا مُحْتَجِبِيْنَ عَنِ الدُّنْيَا اے دنیا والوں سے چھپے ہوئے تم پر سلام ہو۔ لیکن کسی نے جواب نہ دیا پھر پکارا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا مَنْ جُعِلَتِ الْمَنَايَا لَهُمْ غِذَاءً اے وہ لوگ جن کی غذا موت قرار دیگئی تم پر سلام ہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا مَنْ جُعِلَتِ الْاَرْضُ عَلَيْهِمْ غِطَاءً اے وہ لوگ جن پر زمین پردہ بنائی گئی تم پر سلام ہوئیں تم کو خداوند عظیم اور رسول کریم کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی ایک شخص میرا جواب

اس صحیح السند حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت سرورعالمؐ اور عزت و شرافت میں شرکت کے لحاظ سے ائمہ اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قسم بھی جائز ہے ۱۲ منہ

موت اور قیامت کی سختی

میں رسول اللہ صلعم کا غلام سلمان فارسی ہوں۔ اونھوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب تمہاری موت کا زمانہ نزدیک ہوگا تو مردہ تم سے باتیں کرے گا۔ پس میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ میری موت کا زمانہ آگیا یا نہیں۔ پس ایک قبر سے آواز آئی کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ یَا اَھْلَ الْبِنَاءِ وَالْفَنَاءِ الْمُشْتَغِلُوْنَ بِعَرْصَۃِ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا اے عمارتوں کے رہنے والو اور دارالفنا میں بسر کرنے والو اور دنیا اور اوسکی چیزوں میں پھنسنے ہوؤ تم پر سلام ہو ہم لوگ تمہاری باتیں سن رہے ہیں اور تمہارا جواب دینے کے لئے طیار ہیں جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔ حضرت سلمان۔ بتاؤ کہ تم بہشتی ہو یا جہنمی۔ مردہ:۔ میں اون لوگوں میں سے ہوں جن پر خداوند رحیم وکریم نے اپنے فضل وکرم سے بخشش کی ہے اور اپنی رحمت سے بہشت میں داخل کیا ہے۔ حضرت سلمان:۔ بتاؤ موت کو کیسا پایا اور موت کے وقت تم پر کیا گذری۔ مردہ:۔ اے سلمان ذرا ٹھہر جاؤ۔ قسم خدا کی موت کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف کے مقابل میں قینچیوں سے کاٹا جانا اور آروں سے چیرا جانا مجھے بہت آسان معلوم ہوتا اور جانکنی کی کششوں میں سے ایک کشش (کھچاؤ) کے مقابل میں سو ضرب (کاٹ) تلوار کی مجھے سہل معلوم ہوتی ہے۔ جب موت کا وقت آپہونچا تو ایک شخص میرے پاس آیا جو عظیم الخلقت اور بہت خوفناک تھا اور میری آنکھوں کیطرف اشارہ کیا پس وہ اندھی ہوگئیں۔ پھر کانوں کیطرف اشارہ کیا پس وہ بہرے ہوگئے پھر زبان کیطرف اشارہ کیا پس وہ گونگی ہوگئی۔ پس میرے اہل وعیال رونے لگے اور میرے عزیزوں کو خبر ہوگئی اوس وقت میں نے پوچھا کہ اے شخص تو کون ہے کہ میرے عیال ومال اور اولاد سے مجھے جدا کردیا تیرے خوف سے میرا جوڑ جوڑ کانپ رہا ہے کہا میں ملک الموت ہوں

ف دینی اور دنیاوی بادشاہت کا فرق سمجھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے۔ دنیاوی بادشاہ اگرچہ ہفت اقلیم کی بادشاہت کا مالک ہو نہ تو اتنی طاقت رکھتا ہے کہ کسی مردہ کو دفن ہونے سے پہلے بھی باتیں کرنے پر مجبور کرسکے اور نہ اتنا وزن اور وقار ہی رکھتا ہے کہ کوئی مردہ بخوشی اوس سے گفتگو کرے۔ یہ زور دینی ہی بادشاہت میں ہے کہ صرف اونکی غلامی کا اظہار کرنے اور اونکے حق کا واسطہ دینے نے مردہ کو غلام بادشاہ دنیا ودین سے باتیں کرنے پر آمادہ کردیا اور اپنی پوری داستان اوس نے کہ سنائی ۱۲ منہ

تیری روح قبض کرنے آیا ہوں پھر دو شخص آئے جو نہایت خوبصورت تھے انہیں سے ایک میرے داہنے اور ایک بائیں بیٹھا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اے بندۂ خدا تجھ پر میرا سلام اور خدا کی رحمت اور برکت ہو۔ ہم لوگ تیرا نامۂ عمل[ع] لائے ہیں اس کو پڑھ اور دیکھ کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا تم لوگ کون ہو۔ کہا وہی دونوں فرشتے ہیں جو دنیا میں تیرے دونوں کندھوں پر تیرے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے اور تیرے اچھے اور برے اعمال لکھا کرتے تھے یہ تیرے اعمال نامے ہیں پڑھ لے۔ پس میں نے نیک اعمال کے صحیفے کو پڑھا تو بہت خوش ہوا۔ پھر بداعمالیوں کے صحیفے کو پڑھا تو غمگین ہوا اور رونے لگا پس دونوں نے کہا کہ ہم لوگ تجھے خوش خبری دیتے ہیں کہ تیرا انجام بخیر ہوگا۔ پھر پہلا شخص (ملک الموت) میرے پاس آیا اور روح نکالنا شروع کیا اوس کی ہر کشش (کھچاؤ تکلیف میں) اون کل تکلیفوں کے برابر تھی جنکی ڈھیر زمین سے آسمان تک کی فضا کو بھر سکے۔ یہاں تک کہ میری روح سینہ تک پہونچی۔ پھر اوس کو اس طرح کھینچا کہ اگر اس کھچاؤ کی تکلیف پہاڑوں پر ڈال دیجاتی تو پگھل جاتے پھر ایک دوسرے فرشتہ نے میری روح ملک الموت سے لیلی اور سبز ریشمی کپڑے میں پیٹکر بارگاہ پروردگار میں لے گیا وہاں کل واجب چیزوں نماز۔ روزہ وغیرہ اور کل حرام چیزوں جیسے قتل اور سود وغیرہ سے سوال کیا گیا پھر روح واپس کی گئی پس لوگ مجھے غسل دینے لے گئے۔ میری روح نے غسل دینے والوں سے کہا کہ میرے ضعیف بدن پر نرمی کرنا قسم خدا کی جس جس رگ سے میں نکلی ہوں وہ ٹوٹ گئی ہیں اور جس جس عضو سے نکلی ہوں وہ پھٹ گئے ہیں۔ قسم خدا کی اگر غسل دینے والے اس کلام کو سنتے تو کبھی کسی کو غسل نہ دیتے۔ غسل وغیرہ سے فرصت کرکے جب مجھے قبر میں اوتارا تو میں نے خیال کیا کہ آسمان سے زمین پر گر پڑا ہوں (کیونکہ بدن کا ہر ٹکڑہ زخمی ہو رہا تھا) جب لوگ دفن کرکے پلٹے تو قبر کی تنگی اور فشار (دباؤ) سے میں رونے لگا اور کہنے لگا کہ کاش میں بھی واپس جاتا اور کچھ عمل نیک کر لیتا۔

[ع] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے سے پہلے بھی نامۂ عمل مرنے والے کو پڑھوا دیا جاتا ہے ۱۲ منہ

پھر ایک فرشتہ نے جس کا نام منبہ (اعمال لکھنے کی خبر دینے والا) ہے مجھ سے کہا کہ یہ آرزو بیکار ہے اور اب قیامت تک تجھے یہیں رہنا ہے۔ پھر[۱۲] مجھے بٹھلا کر چھوٹے بڑے کل اعمال لکھنے کی فرمائش کی اور میری انگلیوں اور میرے تھوک سے میرے کفن پر لکھوایا اور اوس پر مُہر کی اور میرے گلے میں لٹکا دیا۔ پھر[۱۳] منکر اور نکیر یکے بعد دیگرے نہایت خوفناک صورت میں آئے اور اون کے ہاتھوں میں لوہے کا ایک ایک سونٹا اس قدر بھاری تھا کہ کل اہل دنیا ملکر اوس کے ہٹانے پر بھی قدرت نہیں رکھتے۔ اور وہ اس طرح چیخے کہ اگر اہل زمین اوس آواز کو سُن لیتے تو سب کے سب مر جاتے۔ اونکے خوف سے میری زبان بند ہو گئی اور میرے ہر عضو سے دم نکل گیا اور معلوم ہوا کہ جیسے میرا جوڑ جوڑ ٹکڑ جدا ہو گیا پھر[۱۴] خدا نے اپنی رحمت سے میرے دل کو مطمئن کر دیا۔ اون فرشتوں نے جدا جدا میرے اعتقادات پوچھے۔ میں نے کہا کہ اللہ میرا رب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ میرے نبی ہیں اور اسلام میرا دین ہے اور قرآن میری کتاب ہے اور کعبہ میرا قبلہ ہے۔ اور علیؑ اور اونکی اولاد طاہرینؑ میرے ائمہ (پیشوا) ہیں اور مومنین میرے بھائی ہیں۔ اور موت اور سوال منکر و نکیر اور پل صراط اور بہشت اور دوزخ برحق ہے۔ اور قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور (حساب و کتاب کے لئے) خدا سب کو قبروں سے اوٹھائیگا۔ یہی میرا کلام اور یہی میرا عقیدہ ہے۔ اور قیامت کے دن اسی اعتقاد پر اپنے پروردگار سے ملونگا۔ پس[۱۵] پہلے نے کہا کہ اے بندۂ خدا میں تجھے سلامتی کی خوشخبری دیتا ہوں میرے عذاب سے تو بچ گیا۔ اب دولھن کی طرح سورہ اور دوسرے نے کہا کہ میں تجھے ہمیشگی نعمت اور باقی رہنے والی بھلائی کی خوشخبری دیتا ہوں پھر مجھے لٹا دیا اور کہا کہ دولھن کی طرح سورہ پھر[۱۶] سر کیطرف بہشت سے اور پاؤں کی طرف دوزخ سے ایک ایک دروازہ کھول دیا اور کہا کہ دیکھ لے اوس بہشت کو جس میں داخل کیا گیا ہے اور اوس دوزخ کو جس سے بچا لیا گیا ہے۔ پھر[۱۷] دوزخ کے دروازہ کو بند کر دیا اور بہشت کے دروازہ کو کھلا رہنے دیا جس سے بہشت کی ٹھنڈی ہوائیں اور نعمتیں میرے پاس آیا کرتی ہیں۔ اور قبر اس قدر وسیع کر دی

جہاں تک نگاہ پہونچ سکتی ہے اور قبر میں ایک ایسا چراغ روشن کردیا جسکی روشنی آفتاب کی روشنی سے بہت زیادہ ہے۔ میری سختیوں کا یہی قصہ ہے اور[۱۸] موت کی تلخی میرے حلق میں قیامت تک رہیگی پس اے سوال کرنیوالے مسلمان! منکر و نکیر اور خدائے عزیز و جلیل کے سوالوں کو ہمیشہ دھیان میں رکھنا اور میدان قیامت کی سختیوں سے ڈرتے رہنا باوجودیکہ[۱۹] میں نیکوکاروں سے تھا پھر بھی یہ سختیاں جھیلنی پڑیں[۱] میں عرض کرتا ہوں کہ ۱ چونکہ اس حدیث میں اعتقادی اور اخلاقی فائدے بہت تھے اس لئے اس کے بہت سے مضامین نقل کردیئے ہیں باوجود اس کے طول کے خوف سے بہت سے مضامین چھوڑ دیئے ہیں ۲ اگر کوئی پوچھے کہ اس حدیث کے ۱ اور ۵ اور ۸ اور ۱۴ اور ۱۵ اور ۱۶ اور ۱۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مردہ شیعۂ اثنا عشری اور نیکوکار تھا اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ موت کے وقت اور قبر میں منکر و نکیر کے سوال کے وقت چودہ معصوم تشریف لاتے اور مومنوں کے لیے سفارش کرتے ہیں پھر وہ سختیاں کیوں جھیلنی پڑیں جو باقی نمبروں میں مذکور ہیں تو جواب اس کا ایک یہ ہے کہ بدن کی مثال مکان کی ہے اور روح کی مثال مکان میں رہنے والوں کی۔ پس جس طرح آرام کے مکان سے نکلنا جبر ہوتا اور کھلتا ہے اور تکلیف وہ مکان سے انسان گھبراکر خود ہی اوسکو چھوڑنا چاہتا اور آسانی سے چھوڑ دیتا اور اس پر خوش ہوتا ہے۔ اوسی طرح جو لوگ بدن کو آرام دیتے اور تن پروری کرتے ہیں اونکی روح اوس بدن سے نکلنا پسند نہیں کرتی اور بہت تکلیف سے نکلتی ہے۔ اور جو لوگ بدن کو تکلیف میں رکھتے موٹا کھاتے اور موٹا پہنتے اور گھڑی اور تکلیف کی جگہ میں زندگی بسر کرتے ہیں اونکی روحوں کو اوس بدن میں اُنس اور محبت نہیں ہوتی اور بہت جلد اور بہت آسانی سے اوسکو چھوڑ دیتی ہے۔ اسی وجہ سے اولیاء اللہ نے ہمیشہ تکلیف کی زندگی پسند کی۔ پس ہو سکتا ہے کہ اس مردہ نے آرام میں زندگی بسر کی ہو جسکی وجہ سے باوجود سفارش اہلبیت اور نرمی ملک الموت کے روح تکلیف سے نکلی ہو۔ حدیث میں ہے کہ اَلنَّاسُ اَهْلُ الدُّنْيَا يُعَذِّبُ قَلْبَهُ وَ بَدَنَهُ وَ الرَّاغِبُ فِيهَا يُتْعِبُ قَلْبَهُ وَبَدَنَهُ[۲]

---

[۱] تفسیر الرحمان در فضائل سلمان باب ۱۶ ذکر وفات سلمان فارسی علیہ الرحمۃ والرضوان ۱۲ منہ

[۲] ابواب الجنان باب الفصل ۳ بیان مذمت حرص دنیا صفحہ ۵۵ چھاپہ کشمیری ۱۲ منہ

یعنی دنیا کو چھوڑنے والا اپنے قلب اور بدن کو آرام دیتا ہے اور اسکی رغبت رکھنے والا ان دونوں کو تکلیف دیتا ہے۔ **اور دوسرا جواب** یہ ہے کہ ملا یہ بات یقینی ہے کہ مومن اگرچہ بدکار ہو اگر گناہ کبیرہ کو جرأت اور سرکشی کی وجہ سے معمولی چیز سمجھکر نہیں کیا ہے تو اوس کے ایمان کا اثر یہ ہے کہ ضرور نجات پائیگا اور یقیناً بہشت میں جائیگا ملا مذکورہ بالا حدیث میں ملا سے معلوم ہوگیا کہ یہ مردہ گناہوں میں بھی مبتلا ہوا تھا ملا کئی حدیثیں اس مضمون کی بھی ہیں کہ خداوندعالم گناہگار مومن کو دنیا میں بلاؤں میں پھر موت اور قبر اور برزخ کی سختی میں اس غرض سے مبتلا کردیتا ہے تاکہ میدان قیامت میں گناہوں سے پاک و پاکیزہ ہوکر پہونچے عہ ملا اس کو خود خدا ہی جانتا ہے کہ کس قسم کا گناہ ان عذابوں کو چاہتا ہے اور کون سا شفاعت سے بخشدیا جاتا ہے ملا حدیث صحیح میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ائمہ معصومین علیہم الصلوۃ والسلام کے دل ارادۂ پروردگار کی جگہیں ہیں یہ حضرات وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے اوسکی مشیت کے خلاف ارادہ نہیں کرتے چنانچہ خداوندعالم خود ہی ارشاد فرماتا ہے مَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنۡ یَّشَاءَ اللّٰہُ (سورۂ دہر پ ۲۹ آیت ۳۰) ملا (یعنی اے اہلبیت رسول تم نہیں چاہتے لیکن وہی جو خدا چاہتا ہو) پس ہوسکتا ہے کہ اس مردہ کا گناہ اوسی قسم کا رہا ہو جس سے پاکیزگی خدا کے علم میں سختیوں ہی کے ذریعہ سے ہونا مناسب ہو اسی جواب سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس کے پاس منکر و نکیر کا خوفناک صورت میں آنا بھی اس کو پاک ہی کرنے کی غرض سے تھا۔

عہ بسند معتبر منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ بعض مومن اور بعض کافر کو بولتے اور ہنستے بہت آرام سے مرتے دیکھتے ہیں اور بعض مومن اور بعض کافر کو بہت تکلیف ہے۔ فرمایا کہ مومن کی آرام کی موت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اوس کو ثواب فوراً دیدیا جاتا ہے اور کافر کی آرام کی موت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اوسکی بھلائیوں کا بدلا دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے تاکہ آخرت میں ثواب کا مستحق نہ ہو۔ اور مومن جو تکلیف سے مرتا ہے اوسکی وجہ یہ ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ اوسکو دنیا سے گناہوں سے پاک کرکے اوٹھائے تاکہ آخرت کے ثواب کے لیے کوئی روک باقی نہ رہے اور کافر کے تکلیف سے مرنیکی وجہ یہ ہے کہ اوسکے نامۂ عمل میں کوئی کار خیر نہیں ہوتا اس لیے عذاب

ملا تفسیر برہان جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ و ۱۷۶ و ۱۷۷ - ۱۱ - ۱۲ منہ

قیامت کا سما

قیامت کا سما خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۝ (سورہ حج پ۱۷ آیت ۲و۳) اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو۔ البتہ قیامت کا زلزلہ[ع] بڑی سخت چیز ہے (اوس دن سے ڈرو) جس دن ہر دودھ پلانے والی عورت کو دیکھو گے کہ اپنے شیر خوار بچے سے خوف و دہشت کی وجہ سے غافل ہو جائیگی اور حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہو جائیگا (پیٹ گر جائیگا) اور لوگوں کو خوف سے متوالا پاؤگے حالانکہ وہ نشہ کی وجہ سے متوالے نہ ہونگے۔ لیکن (وہ کیا کریں) خدا کا عذاب ہی سخت ہے[له] ابواسحق ہمدانی حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے محمد بن ابو بکر کو جب مصر کا حاکم مقرر فرمایا تو اونکو خط لکھا اور تحریر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳) اوس کا اوسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے خدا انصاف ور ہے ظلم نہیں کرتا (اوس[له] بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت سرور عالم نے ارشاد فرمایا (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ امامت علیؑ کا اعتقاد رکھنے والے بہشت میں ضرور جائیں گے۔ پس اگر گناہگار ہوں گے تو دنیا میں بلاؤں میں اور آخرت میں کسی قدر عذاب میں مبتلا کر دیئے جائینگے تاکہ آخرت میں پاک ہو کر پہونچیں اور اونکے مخالفوں کو اونکے اچھے اعمال کا بدلا دنیا ہی میں نعمت اور صحت جسمانی اور وسعت رزق سے کر دیا جاتا ہے تاکہ آخرت میں عذاب سوا ثواب سے کوئی حصہ اونکے لئے نہ ہو اور مومن کو جہنم دکھا دیا جائیگا کہ اگر مومن نہ ہوتے تو اس میں رہتے اور مخالفوں کو بہشت دیکھا دیا جائیگا کہ اگر مومن ہوتے تو اس میں رہتے اور گناہگار مومن کو پاک کرنے کے لئے پہلے دنیا میں بلاؤں میں مبتلا کیا جاتا ہے اگر یہ کافی نہ ہوا تو موت کے وقت سختی کیجاتی ہے۔ اگر یہ بھی کافی نہ ہوا تو قبر میں سختی کیجاتی ہے۔ اگر پھر بھی گناہ باقی رہ گیا تو قیامت میں سختی کیجاتی ہے۔ اگر پھر بھی رہ گیا تو جہنم کے اوپر کے طبقہ میں رکھا جائیگا جسکی گرمی مثل حمام کے ہے اسکے بعد ائمہؑ شفاعت کر کے نکال لینگے۔ پس مومن کو کوشش کرنی چاہیے کہ اسکی نوبت نہ آئے اور ایسے لوگ شیعہ نہیں کہلاتے بلکہ ہمارے دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن کہلاتے ہیں[له] ۱۲ منہ

ع جن لوگوں کو ۱۵ ماہ جنوری ۱۹۳۴ء کا زلزلہ یاد ہو گا خاص کر کے مونگیر۔ مظفر پور۔ موتیہاری۔ دربھنگہ۔ سیتامڑھی وغیرہ کی قیامت خیز تباہی وہ اندازہ کر سکیں گے کہ قیامت کے دن ساری دنیا کو فنا کرنیوالا زلزلہ کس پیمانہ پر ہوگا
له حق الیقین صفحہ ۳۴۹ فصل ۱۰ ذکر اہل جہنم ۱۲ منہ

له معانی الاخبار مصنفہ صدوق علیہ الرحمہ حصہ ۴ باب ۲۰ [illegible]

فرمایا کہ اہل مصر کو یہ خط پڑھکر سُنا دینا۔ اوسمیں تحریر فرمایا تھا کہ اے بندگانِ خدا قیامت کی سختیاں قبر کی سختیوں سے زیادہ سخت ہونگی۔ یہ وہ دن ہے جسکی سختیوں سے بچے بڈھے ہو جائیں گے اور بڈھے متوالے اور حاملہ عورتوں کا حمل گرجائیگا اور دودھ پلانے والی عورتیں اپنے شیرخوار بچوں سے غافل ہو جائینگی۔ بڑا کٹھن دن ہوگا۔ تکلیفیں اوسکی پھیلی ہونگی۔ اس دن کے خوف سے فرشتے جو گناہ نہیں رکھتے (اور معصوم ہیں) دہشت میں پڑ جائیں گے۔ اور ساتوں آسمان اور پہاڑ اور زمین کانپتے ہونگے؟ اور آسمان پھٹکر پُرزے پُرزے اور گلابی رنگ کے اور پہاڑ بہتی ہوئی ریت کی طرح ہو جائینگے بعد اس کے کہ سخت اور ٹھوس تھے۔ اور صُور پھونکا جائیگا جس سے سوا اون لوگوں کے جنھیں خدا چاہیگا باقی سب لوگ کانپ جائیں گے۔ پھر (اسی سے سمجھ لو کہ) اون کا کیا حال ہوگا جنھوں نے کانوں اور آنکھوں اور زبان اور ہاتھوں اور پاؤں اور شرمگاہوں اور پیٹوں سے گناہ کئے ہوں گے۔ اگر خدا اون کو نہ بخشیگا اور اونپر رحم نہ کرے گا تو ٹھکانہ اون کا بجز جہنم کے دوسری جگہ نہیں ہے جسکی گہرائی بہت زیادہ ہوگی۔ جلن اوسکی سخت ہوگی۔ پینے کی چیز اوسمیں پیپ ہوگی۔ عذاب اوس کا نئے نئے قسم کا ہوگا۔ گرز اوسکے (دہکتے ہوئے) لوہے کے ہونگے۔ اور اوسکے عذاب میں کمی نہ ہوگی۔ اُس کے رہنے والوں کے لئے موت نہ ہوگی۔ جہنم وہ مکان ہے جس میں رحم کا نام تک نہیں ہے اور کسی کی پکار سُنی نہ جائیگی۔ باوجود اسکے (رحمت خدا کے حقداروں کے لئے) بہشت ہوگا جسکی چوڑائی اُتنی ہے جتنی آسمان اور زمین کی۔ پرہیزگاروں کے لئے مہیا کیا گیا ہے۔ تکلیف اوسمیں بالکل نہ ہوگی اوسکی لذتوں سے جی نہ گھبرائیگا اوس میں رہنے والوں کا مجمع متفرق (آپس سے جدا) نہ ہوگا۔ خدا (کی رحمت) کے ہمسایہ میں ہوں گے۔ کمسن غلام اون کے سامنے سینیاں لئے کھڑے ہونگے جنمیں پھل اور خوشبودار پتیاں ہونگی ۲۔ قاضی شوشتریؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو ایک دن موعظہ فرمایا جس میں پہلے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری اور نیکوکاروں اور بدکاروں اور اون کے اچھے اور بُرے بدلوں کو ذکر فرمایا ہے آخر میں قیامت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ حساب

اور کتاب پیش کئے جانے اور ثواب و عذاب دیئے جانے کا دن ہے۔ اہل دنیا
کے اعمال اُلٹ پلٹ کر دیکھے جائیں گے۔ کل گناہ گنے جائیں گے۔ لوگوں کی آنکھیں
(روتے روتے یا گرمی کی شدت سے) بہ جائیں گی ص زمین اور دنیا کا رنگ بدل جائیگا
اور تازگیاں جاتی رہینگی۔ سختیوں کو دیکھکر کوئی کوشش کام نہ آئیگی۔ گناہگار
اپنی پیشانیوں سے پہچان لئے جائیں گے۔ پوری زمین کی چیزیں یعنی پہاڑ۔ درخت
مکانات۔ زلزلہ کی وجہ سے پاش پاش (ٹکڑے ٹکڑے) ہو کر ڈھہ جائیں گے
اور زمین کے چاروں گوشے برابر ہو جائیں گے۔ لوگ ایک لمحہ میں کھینچکر بارگاہ
پروردگار میں پہونچا دیئے جائیں گے۔ اور گروہ گروہ تلے اوپر ٹوٹ پڑیں گے
اور گناہگار اُلٹے پاؤں جہنم کیطرف پلٹا دیئے جائیں گے۔ اور ایک ایک بات
اون سے پوچھی جائے گی۔ سب کے سب ننگے ہونگے۔ سب کی آنکھیں جھکی
ہوئی ہونگی۔ آگے اون کے حساب و کتاب ہوگا اور پیچھے جہنم۔ جسکی گرم سانسوں
کی آوازیں سنتے ہوں گے۔ اور اوسکی آگ کے شعلے دیکھتے ہونگے اور
کوئی مددگار اور فریادرس نہ پائیں گے جو اونکو قیامت کی مصیبتوں سے بچائے
آسمان اوس طرح لپیٹ دیئے جائیں گے جس طرح کاغذ لپیٹا جاتا ہے۔ لوگ
پل صراط پر دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے اور گمان کرتے
ہوں گے کہ سلامت نہ رہیں گے۔ اون کو بولنے کی اجازت نہ دیجائیگی۔ کوئی بات
اونکی سُنی نہ جائیگی تاکہ کچھ عذر کرسکیں۔ مُنہوں پر اون کے مہر کردی جائیگی۔
اور ہاتھ اور پاؤں اون کے اعمال پر گواہی دینگے۔ بڑا سخت اور دردناک وقت
ہوگا۔ لوگ دو حصے کر دیئے جائیں گے۔ ایک حصہ بہشت میں اور دوسرا جہنم میں
بھیجدیا جائیگا۔ ایسے وقت کے لئے لوگوں کو خدا کیطرف بھاگنا (توجہ کرنا) اور
عمل نیک کرنا لازم ہے [1]

اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ
لوگ قیامت میں تلے اوپر ہوں گے اور اپنے پسینہ میں اپنی رانوں تک ڈوبے ہونگے

---

[1] تفسیر برہان جلد ۲ صفحہ ۶۹۸ و ۶۹۹ دونوں نمبر ۱۲ منہ

ص حاملہ عورتوں کا حمل گر جائیگا۔ ہر شخص اپنے محبوب (پیاروں) سے جدا کر دیا جائیگا۔ عقلمندوں کی عقلیں گم ہو جائینگی۔

اور روتے اور چیختے اور کانپتے ہوں گے [له]

(آٹھواں فائدہ) يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ سے عَلَى الْعَالَمِينَ تک بلا ساتویں فائدہ سے معلوم ہو گیا کہ آخرت کا مرحلہ موت سے لیکر قیامت تک بہت سخت ہے اور ایک سے ایک بڑھا ہوا ہے ظاہری اور باطنی تفسیروں سے معلوم ہو گیا کہ شفاعت ۔ حضرت سرور عالم اور بارہوں ائمہ معصومین اور سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین میں منحصر ہے [۳] تفسیر سورہ بقرہ جلد اول صفحہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی فرمائش لکھ آیا ہوں کہ احسان کے طور پر کوئی چیز دیکر احسان جتلانے کو خداوند کریم اپنے بندوں کے لئے پسند نہیں کرتا اور عیب سمجھتا ہے تو ایسی مقدس اور عیوب سے منزہ اور پاک ہستی جو کرم اور بخشش خود ہی ہے اس معیوب صفت کو اپنے لئے کیونکر پسند کر سکتی ہے [له] یہ بھی معلوم ہے کہ کسی چیز کو یاد دلانے سے صرف یاد ہی دلانا مقصود نہیں ہوا کرتا بلکہ اوس سے کوئی دوسری غرض پیش نظر ہوتی ہے [۵] قبل اسکے کئی جگہ لکھ آیا ہوں کہ خداوند غنی کی ہستی بے نیاز ہے اور وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے بلکہ بندوں کو جس چیز کا حکم دیتا اور اون سے جو کچھ چاہتا ہے اوس سے اونھیں کا فائدہ ملحوظ رکھتا اور اونھیں کو نفع پہونچانا چاہتا ہے [۶] یہ بھی کئی جگہ لکھ آیا ہوں کہ دنیاوی فائدہ کوئی وقعت نہیں رکھتا اور بالکل بے حقیقت چیز ہے اور واقعی فائدہ وہ ہے جو آخرت میں کام آئے [۷] حدیث ثقلین وغیرہ یہ بتاتی ہیں کہ آخرت کے فائدوں کا حاصل ہونا حضرت سرور عالم کی نبوت کے ساتھ ساتھ خدا کی عدالت اور ائمہ اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کے اعتقاد و اقرار پر موقوف ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ لَيْسَ لِلّٰهِ فِي عِبَادِهِ أَمْرٌ إِلَّا الْعَدْلُ وَالْإِحْسَانُ (یعنی عدالت اور احسان کے سوا بندوں میں خدا کا کوئی حکم نہیں ہے ۔ اور عدل کی تفسیر اعتقاد و اقرار وحدانیت پروردگار عادل اور احسان کی تفسیر اعتقاد و اقرار امامت ائمہ اہلبیتؑ سے کی گئی ہے ۔ پس ان ساتوں نمبروں کو ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ خداوند حکیم و رحیم ذکر ہم نے بنو اسرائیل کو اپنی حقیقی اور واقعی نعمتیں (یعنی حضرت سرور عالم اور ائمہ اہلبیتؑ کو) یاد دلا کر ان کی

له حق الیقین ... فصل ۱۰ ... ۱۲

نبوت اور امامت کے اعتقاد و اقرار اور اونکی اتباع اور پیروی کا حکم دیا ہے۔
اور لفظ نعمت سے تعبیر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ درحقیقت نعمتیں
یہی لوگ ہیں اور نعمتوں خاص کر کے ہمیشہ باقی رہنے والی اُخروی نعمتوں کو
حاصل کرنا ہر ذی روح کی فطرت کا تقاضا ہے اور انسان کی فطرت کا بدرجہ
اَولٰی۔ کیونکہ انکی فطرتی خواہش کی تائید انکی عقلیں بھی کررہی ہیں۔ اور
قبل اسکے کئی جگہ لکھ آیا ہوں کہ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں اِیَّاکِ اَعۡنِیۡ اِسۡمَعِیۡ
یَاجَارَۃ کی قسم سے ہے یعنی اون میں خطاب کسی شخص سے ہے اور مخاطب درحقیقت
کوئی دوسرا شخص ہے [۱] اور حضرت عمر نے بھی بیان کیا کہ قوم بنو اسرائیل گذر چکی
اس آیت میں صرف تمہیں لوگ مراد لئے گئے ہو [۲] اور اس قسم کی آتیں بھی
بہت ہیں جن میں خطاب خاص ہے اور مخاطب عام یعنی ایک شخص سے خطاب کیا گیا
ہے لیکن حکم اون کل لوگوں کو شامل ہے جو مکلف یعنی محکوم ہونے کے قابل ہیں۔
پس میری غرض یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب حضرت عمر کے بیان کے مطابق
خاص امت محمدی سے ہو۔ یا خطاب خاص اور مخاطب عام کی قسم سے جس میں بنو اسرائیل
بھی داخل ہیں۔ بہرحال امت محمدی۔ خطاب اعتقاد و اقرارِ امامتِ ائمہ اہلبیت ؑ
میں یقیناً داخل ہیں۔ اور اونکو خاص طور پر حکم دیا گیا ہے کہ اس نعمت کو نہ چھوڑیں
اور اپنی آخرت درست کرنے کے لئے اس کو اختیار کریں۔ کیونکہ انمیں زیادہ
فردیں ایسی ہیں جو تعصب اور عناد یا دنیا کی لالچ یا اپنوں سے خوف یا شرم اور
مروت کی وجہ سے جان بوجھکر اس فریضہ سے کنارے رہنا اچھا سمجھتے ہیں۔

(نواں فائدہ) یَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا (تا آخر) دوسرے مقدمہ ص سے ۱۳ تک بتفصیل لکھ آیا ہوں کہ ہر منعم (نعمت
دینے والے احسان اور بھلائی کرنے والے) کو پہچاننے اور اوسکے حقوق ادا
کرنے کو ہر موجود یہاں تک کہ ڈھیلے پتھر کی فطرت چاہتی اور عقل والوں کی
عقل اوسکی تائید کرتی ہے اور اسی حق شناسی اور اوسکے ادا کرنے کو شکر
منعم کہتے ہیں۔ اور کل منعموں سے بہتر اور افضل بلکہ حقیقی منعم خداوند کریم ہے

[۱] ملاحظہ ہو تیسواں مقدمہ ص ۲ و تفسیر اتقان جلد ۲ ص ۳۴ نوع ۱۵ ذکر وجوہ مخاطبات وجہ ۲۳ - ۱۲ منہ [۲] ملاحظہ ہو اسکے قبل ص ۱۵ جلد ۱۲ اس تفسیر کا ۱۲ منہ

اور اوسکی نعمتیں بے حد و انتہا ہیں۔ اور ہر منعم کا حق اوسی قدر ہوتا ہے جس قدر اوسکی نعمتیں ہیں اور نعمت کی مقدار اداکاری کے بوجھ کی مقدار کو بتاتی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎ شکر نعمتہاے او چندانکہ نعمتہاے او + پس خدا کے حقوق بھی بے حد ہوں گے اور اونکی اداکاری بھی اوسی قدر تاکیدی ہوگی اور منجملہ اون حقوق کے ایک اس حکم کو انجام دینا ہے جو اوس نے اعتقاد و اقرار نبوت و امامت کے متعلق کیا ہے۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

(الفاظ کے معانی) و۔ اور + اذ۔ وقت۔ جس وقت + فرق۔ جدا کیا + نا۔ ہم نے۔ ہمنے + ب۔ واسطے + کم۔ تمہارے + بحر۔ دریا + ف۔ پس + انجی۔ نجات دی۔ بچایا + اغرق۔ ڈوبایا + آل۔ قوم + فرعون۔ بادشاہ مصر + انتم۔ تم لوگ + تنظرون۔ دیکھ رہے تھے + واعد۔ وعدہ کیا۔ موسےٰ۔ مشہور نبی ہیں + اربعین۔ چالیس + لیلۃ۔ رات۔ راتیں + ثم۔ پھر۔ بعد + اتخذ۔ اختیار کیا۔ لیا + تم۔ تم + العجل۔ گوسالہ بچھڑا باچھا باچھی + من۔ سے + بعد۔ بعد۔ آخر + ہ۔ اوس۔ اِس + انتم۔ تم + ظالمون۔ ظلم کرنے والے + عفا۔ بخشدیا + عن۔ سے + کم۔ تم + ذالک۔ اس۔ اوس + لعل۔ شائد۔ تاکہ + تشکرون۔ شکریہ ادا کرو۔

(بامحاورہ ترجمہ) اور وہ وقت بھی یاد کرو جب کہ ہم نے تمہارے لئے دریا پھاڑ کر راہ بنادی اور (ڈوبنے سے) تمہیں بچالیا۔ اور تمہارے سامنے قوم فرعون (اور خود فرعون) کو ڈوبادیا۔ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب کہ ہم نے موسےٰ سے چالیس

راتوں کا وعدہ کیا تھا۔ پھر تم نے اون کے جانے کے بعد گائے پوجنا شروع کر دیا حالانکہ (اس فعل سے) تم لوگ (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے تھے۔ پھر اُس کے بعد میں نے تمہارے (اس گناہ کو) بخشدیا تاکہ تم لوگ (میرا) شکریہ ادا کرو۔

(نحو) واؤ حرف عطف۔ اذ اسم ظرف مفعول فیہ۔ فرقنا فعل با فاعل۔ ب حرف جار۔ کم مجرور۔ دونوں مل کر متعلق فرقنا کا۔ بحر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ ف حرف تفریع۔ انجینا فعل با فاعل۔ کم مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ واو حرف عطف اغرقنا فعل با فاعل۔ آل مضاف۔ فرعون مضاف الیہ۔ دونوں مل کر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر فعلیہ خبریہ ہو کر ذوالحال۔ واو حالیہ۔ انتم مبتداء۔ تنظرون فعل۔ انتم جو اوسمیں پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر۔ مبتداء اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال۔ واو حرف عطف۔ واعدنا فعل با فاعل۔ موسیٰ مفعول بہ۔ اربعین ممیز۔ لیلۃ تمیز۔ دونوں مل کر مفعول فیہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف۔ ثم حرف تعقیب۔ اتخذتم فعل با فاعل۔ العجل مفعول بہ۔ من حرف جار بعد مضاف۔ ہ ضمیر واحد مذکر غائب کی مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مجرور۔ جار اور مجرور مل کر متعلق اتخذتم کا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر ذوالحال۔ واو حالیہ۔ انتم مبتداء۔ ظالمون خبر۔ مبتداء اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال۔ ثم حرف تعقیب۔ عفونا فعل با فاعل۔ عن حرف جار۔ کم مجرور۔ من حرف جار۔ بعد مضاف۔ ذالک مضاف الیہ۔ دونوں مل کر مجرور۔ جار اور مجرور مل کر متعلق عفونا کا۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ لعل حرف مشبہ بالفعل۔ کم اوس کا اسم۔ تشکرون فعل۔ انتم ضمیر جمع مذکر حاضر کی جو اوسمیں پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر لعل اپنے اسم اور

خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔

(قرائت) زہری نے فَرَقْنَا کو فَرَّقْنَا "ر" پر تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ لیکن اس کو لوگوں نے اختیار نہیں کیا۔ ابن جنی کہتے ہیں کہ فَرَّقْنَا (تشدید کے ساتھ) شدت تفریق یعنی کئی ٹکڑے کر دینے کے معنی میں ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ دریا کا پانی پھاڑ پھاڑ کر کئی راہیں بنا دی گئی تھیں۔ اور اہل بصرہ اور ابوجعفر نے اس سورہ اور سورۂ اعراف اور سورہ طٰہ میں واعدنا کو بغیر الف کے وَعَدْنَا پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے واعدنا الف کے ساتھ اور حفص اور ابن کثیر وغیرہ نے اتخذتم اور اخذتم اور اس قسم کے دوسرے لفظوں میں (جنہیں ذ اور ت اکٹھا ہوئے ہیں) ذ کو ظاہر کر کے پڑھا ہے اور اعشی نے اتخذتم اور اس طرح کے دوسرے لفظوں میں جو باب افتعال سے ہوں انکی موافقت کی ہے اور باقی قاریوں نے ذ کو ت سے ملا کر (اتَّخَتُّم اور آخَتُّم) پڑھا ہے [1]

(ظاہری تفسیر) وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ یعنی (داہنے اور بائیں کے) دونوں پانیوں کو آپس سے جدا کر کے سوکھی راہ بنا دی جس میں تم لوگ کئی گروہ ہو کر چل رہے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ دریا میں تمہارے داخل ہونے پر میں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ ہر دو پانی کے درمیان بصد اجدار راہیں پیدا ہو گئیں جن پر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر چل رہے تھے۔

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ پس میں نے تم کو دریا اور دادو ڈوبنے سے بچا لیا۔ اور قوم فرعون کو ڈبو دیا۔ اور خود فرعون کے ڈوبنے کو بیان پر یا تو اس وجہ سے ذکر نہیں کیا ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر کئی جگہ آچکا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ رئیس اپنی قوم کے ساتھ ساتھ رہا کرتا ہے (جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ڈوبا) یا اس وجہ سے ذکر نہ کیا کہ آل فرعون سے خود

عہ قبل اسکے بعض جگہ میں لکھ آیا ہوں کہ ان قرائتوں کے اختلاف کا سبب حضرت عثمان کے ساتوں قرآن ہیں جنہیں غلطیاں رہ گئی تھیں اور ان کو نساخ نے دیکھنے کے بعد بھی درست نہ کیا اور اپنے وظیفہ کو پورا نہ کر کے جاہل عرب پر چھوڑا اور کہا کہ چھوڑ دو عرب درست کریں گے [2]

[1] مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۱۵۔ ۱۲ منہ [2] تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ نوع ۴۱ تنبیہ ۳۔ ۱۲ منہ

فرعون ہی (اور اوسی کا ڈوبنا) مقصود ہو جس طرح آیت مبارکہ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ (سورہ بقرہ پ۲ آیت ۲۴۸) میں آل موسے اور آل ہارون سے خود یہی دونوں بزرگ مقصود ہیں۔ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ اور اونکو ڈوبتے ہوئے تم دیکھ رہے تھے۔ اور اس فرمائش سے (آل فرعون کے ڈوبنے کی خبر دیکر) بنو اسرائیل کو بہت زیادہ خوش کرنا اور (غیب یعنی بہت پہلے گذرے ہوئے واقعہ کی خبر دیکر حضرت سرور عالمؐ کے) معجزہ کو ظاہر کرنا مقصود ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ اگرچہ تم (اپنی گرفتاریوں اور حفاظت جان کی فکر کی وجہ سے) اونکو نہ دیکھ سکے لیکن چونکہ وہ تمہاری موجودگی میں ڈوب رہے تھے اگر تم دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے لیکن صحیح پہلا کلام ہے اس لئے کہ بنو اسرائیل دریا سے پار ہو چکے تھے اور مفسروں نے لکھا ہے کہ اونھوں نے آل فرعون کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس واسطے اس آیت کے ظاہری معنی کو چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قصہ غرق فرعون۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے حضرت موسےٰ علیہ السّلام پر وحی کی کہ بنو اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے چلے جائیں پس وہ اونکو لیکر رات کو روانہ ہوئے بنو اسرائیل چھ لاکھ بیس ہزار تھے۔ پس فرعون نے مادین سواروں کے علاوہ دس لاکھ گھوڑے سواروں کو ساتھ لیکر انکا پیچھا کیا۔ اور (ساتھیوں سے کہا کہ) ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا ہے اور تم لوگوں کے پاس کافی سامان (ان کو مار ڈالنے کا) موجود ہے۔

بنو اسرائیل بھاگتے ہوئے دریا کے پاس پہونچ گئے مڑ کر جو دیکھا کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد بلند ہے تو حضرت موسےٰؑ سے کہا کہ ہم لوگوں میں آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم لوگ مصیبتیں اوٹھاتے رہے اور آپ کے آنے کے بعد بھی مصیبتوں ہی میں گرفتار ہیں۔ دیکھئے آگے دریا ہے اور پیچھے فرعون کی فوج جو پہونچا ہی چاہتی ہے۔ اونھوں نے جواب دیا کہ عنقریب خداوند عالم تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا اور تم کو زمین کا مالک بنائیگا تاکہ دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو۔ یوشع بن نون نے (جو انکے وصی تھے) اون سے پوچھا کہ آپکو کیا حکم ہوا ہے۔ کہا دریا پر عصا

غرق فرعون کا قصہ

سے مارنے گا۔ اور خدا نے دریا کو حکم دے دیا تھا کہ جب موسےٰ تجھ پر عصا ماریں تو اونکی
اطاعت کرنا (پھٹکر راہ دیدینا) اونھوں نے عصا مارا پس پانی پھٹکر بارہ راہیں پیدا
ہوگئیں۔ بنواسرائیل نے کہا کہ ہم گیلی راہ سے نہ جائیں گے پس خدا نے ہوا بھیجی
اوس نے راہیں خشک کردیں۔ یہ لوگ گروہ گروہ ہوکر ہر راہ سے ایک جماعت روانہ ہوئی
اون لوگوں نے حضرت موسےٰ سے پوچھا کہ ہمارے ساتھی کہاں ہیں۔ فرمایا ایسی
ہی خشک راہ سے چل رہے ہیں۔ کہا جب تک ہم لوگ اونھیں دیکھ نہ لیں گے نہ
مانیں گے۔ حضرت موسےٰ نے مناجات کی کہ پروردگار ان بداخلاقوں کی تشفی پر میری
مدد کر۔ حکم ہوا کہ اپنے عصا سے داہنے اور بائیں اشارہ کرو۔ اونھوں نے اشارہ
کیا دونوں طرف (کے پانی کی دیواروں میں) جھروکے پیدا ہوگئے اور ہر جماعت
نے دوسری جماعت کو دیکھ لیا۔ جب فرعون اپنی فوج سمیت دریا پر پہونچا تو گھوڑا
اوس کا جو مشکی رنگ کا تھا پانی سے ڈرا۔ حضرت جبرئیلؑ آدمی کی صورت میں ہوکر
ایسی مادین پر سوار پہونچے جو نر کی خواہش رکھتی ہو اور اوس کو دریا میں ڈالدیا
پس فرعون کا گھوڑا بھی اوس کو دیکھکر دریا میں کود پڑا۔ پھر اوسکے فوجی بھی سب کے
سب داخل ہوگئے (آگے آگے بنواسرائیل تھے اور پیچھے پیچھے فرعون اپنی فوج
کے ساتھ) جب کل بنواسرائیل دریا سے پار ہوچکے۔ اور کل فرعونی دریا کے
اندر داخل ہولئے تو پانی برابر ہوگیا اور سب کے سب ڈوب کر ختم ہوگئے۔

---

۵۷ اس پر اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ خدا نے اسی طرح کا روشن معجزہ ہر نبی کو کیوں نہ دیا تاکہ اونکی حجت
اچھی طرح روشن اور شبہ دور ہوجائے جواب اس کا یہ ہے کہ اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے خداوند حکیم
اپنی مصلحت کے مطابق حجت قائم کرتا ہے۔ قوم موسےٰ چونکہ موٹی عقلوں کی تھی اور باریک دلیلوں اور معجزوں
کو سمجھ نہیں سکتی تھی جیسا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریا پار ہونے کے بعد جب اونھوں نے بت پرستوں کے
بتوں کو دیکھا تو حضرت موسےٰ سے کہا کہ ہمارے لئے بھی ایسا ہی خدا بنادیجئے۔ اس لئے اونکے لئے ایسا
معجزہ قرار دیا گیا اور عرب اور حضرت سرور عالمؐ کی امت چونکہ سمجھدار اور ذہین اور باریک باتوں کے
سمجھنے کے قابل تھی اسلئے اونکے لئے اونکی طبیعتوں کے مناسب معجزے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ
کو دیئے گئے۔ خلاصہ یہ کہ ہر نبی کو ویسے ہی معجزے دیئے گئے جو اونکی امت کے مناسب حال اور اونکے
دلوں سے شکوک کی برطرف کرنے والے اور علم و یقین دلانیوالے تھے ۱۲ منہ

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً اور اوس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے موسٰے سے وعدہ کیا تھا کہ جب چالیس شبیں شروع ہونگی یا گذرنے لگیں گی یا ختم ہو جائیں گے تو ہم تمہیں تختیاں دوں گا جن پر توریت اور احکام لکھے ہوں گے اور اوسمیں شفاء (بیماریوں سے نجات اور صحت کی چیز) ہوگی اوسا یہ چالیس راتیں وہی ہیں جن کو سورہ اعراف میں یوں بیان فرمایا ہے وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ یعنی ہم نے موسٰے سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتیں (بڑھاکر) اونکو (چالیس) پورا کر دیا۔ اور وہ چالیس ماہ ذیقعدہ کی تیس اور ماہ ذی الحجہ کی دس راتیں تھیں۔ اوسا یہ وعدہ اوس وقت کیا گیا جب کہ بنو اسرائیل فرعون اور اوسکی قوم کی ہلاکت کے بعد صیحح وسالم مصر واپس آگئے پس حضرت موسٰے نے اونکو مصر میں چھوڑا اور حضرت ہارون کو اونیں اپنا جانشین بنایا (اور چالیس شبوں کا وعدہ پورا کرنے کے لئے خود کوہ طور پر چلے گئے) اور وہاں چالیس شب ٹھہرے اور اون پر توریت اور تختیاں اوتاری گئیں ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ پس (اے بنو اسرائیل) تم نے گوسالہ کو اپنا خدا قرار دے لیا مِنْۢ بَعْدِهٖ حضرت موسٰے کے طور پر جانے یا خدا کے وعدہ کرنے یا فرعون کے ڈوبنے اور معجزے دیکھنے کے بعد وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ حالانکہ گوسالہ پوجکر تم نے اپنے ہی اوپر ظلم کیا کیونکہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔

گوسالہ کا قصہ:۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ سامری ایک شخص باجرما کا

ع یہ تردید یا تو اس وجہ سے ہے کہ آیت میں چالیس شبوں کے ابتدائی یا وسطی یا انتہائی وقت کی تصریح نہیں کیگئی ہے یا اس وجہ سے ہے کہ روایتوں میں اختلاف ہے ۱۲ منہ

ع اسکے نام اور قومیت اور سکونت سب میں اختلاف ہے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ بنو اسرائیل کے ایک قبیلہ سے تھا اور بعض نے کہا ہے کہ شہر کرمان (ایران) کا ایک گبر تھا اور بعض نے کہا ہے کہ باجرما کا رہنے والا منافق تھا اور باجرما یا تو مصر کے دیہاتوں میں کوئی دیہات ہے یا شہر موصل کے دیہاتوں سے اور کتاب مراصد الاطلاع میں ہے کہ زمین جزیرہ میں شہر رقہ کے دیہاتوں سے ہے۔ اور تفسیر منہج الصادقین میں ہے کہ ذات کا سنار تھا ۱۲ منہ

رہنے والا جس کا نام (میسح یا) میسحا یا موسےٰ بن ظفر تھا اور اوسکی قوم گائے پوجا کرتی تھی اور اوسکی محبت اسکے دل میں بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن بنواسرائیل میں اپنے آپ کو مسلمان (خدا پرست) ظاہر کر رکھا تھا۔ پس جب حضرت موسےٰؑ (چالیس راتوں والے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے) اپنے پروردگار کیطرف (کوہِ طور پر) جا چکے اور حضرت ہارونؑ کو اپنی جگہ پر چھوڑا تو حضرت ہارونؑ نے بنواسرائیل سے کہا کہ آل فرعون یعنی قبطیوں سے جو زیورات تم نے منگنی لے رکھے ہیں اونھیں کنارے کرو اور اپنے کو اون سے پاک کرو کیونکہ وہ نجس (ناجائز طریقہ سے حاصل کئے گئے) ہیں اور آگ روشن کردی اور اونے کہا کہ کل زیورات اسی میں ڈال دو۔ پس اونھوں نے ڈالنا شروع کیا۔ اور سامری نے حضرت جبرئیلؑ کے گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے کی خاک لے رکھی تھی اوسکو لایا اور حضرت ہارونؑ سے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھوں میں ہے اوس کو بھی ڈال دوں اونھوں نے یہ سمجھکر کہ کوئی زیور ہے اجازت دی اوس نے وہ خاک اوسمیں ڈال دی اور کہا کہ بولنے والی گائے بنجا پس (وہ زیورات گائے بن گئے اور) بنواسرائیل (کا ایمان جانچنے) کے لئے وہی گائے کسوٹی اور امتحان کی چیز بن گئی۔ پس سامری نے اون سے کہا کہ تمہارا اور موسےٰؑ کا خدا یہی ہے پس سب کے سب اوسکو پوجنے اور اوس سے بیحد محبت کرنے لگے اور حسن بصری نے کہا ہے کہ ایسی گائے پیدا ہوگئی جسکے بدن میں (دنیا کی گایوں کیطرح) گوشت اور خون تھا۔ اور دوسروں نے کہا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسا کام رسول ہی کا معجزہ ہوسکتا ہے بلکہ سامری نے (سناروں کیطرح) مجسم گائے تیار کی تھی اور اوسمیں ایسے سوراخ بنا رکھے تھے کہ جب ہوا چلتی تھی تو اوس گائے کی آواز کیطرح آواز پیدا ہوتی تھی اور جو لوگ حسن بصری کے موافق ہیں اونھوں نے کہا ہے کہ فرشتوں کے قدم کے نیچے کی مٹی میں خدا نے یہ اثر دیا ہے کہ جس صورت کے ارادہ سے جس چیز پر ڈالی جائے وہ چیز اوسی صورت کا زندہ

ع تفسیر منہج الصادقین میں لکھا ہے کہ یہ زیورات قبطیوں کے لوٹے گئے تھے اور لوٹ کا مال بنواسرائیل پر حرام تھا ۱۲ منہ

جانور بن جائے۔ اور یہ معجزہ نہیں ہے کیونکہ (ایسی مٹی سے) ہر شخص ایسی چیز بنا سکتا ہے
بہرحال سامری نے بنو اسرائیل سے گائے پوجنے کو کہا اونھوں نے قبول کیا۔
ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ
پھر اسکے بعد تم نے توبہ کی اور ہم نے توبہ قبول کرکے وہ عذاب تم سے اوٹھا
لیا جسکے تم گائے پوجنے کی وجہ سے مستحق ہوچکے تھے۔ تاکہ تم میرا شکریہ ادا
کرو یا تاکہ (میں دیکھوں کہ) میرا شکریہ ادا کرتے ہو یا نہیں۔
یہ آیت اس امر کو بتا رہی ہے کہ نعمت کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے
اور یہ کہ توبہ کے بعد بھی گناہوں کو بخش دینا نعمت ہے [1]

حدیثیں

بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول
الطریق شیعہ ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مراد پروردگار کی یہ ہے کہ
اے بنو اسرائیل اوس دن کو یاد کرو جب کہ میں نے تمہارے لئے دریا کا پانی
پھاڑ کر (اوس میں راہ بنادی) اور تم کو (اوسمیں ڈوبنے سے) بچالیا۔ اور
فرعون اور اوسکی قوم کو ڈبو دیا اور اونکو ڈوبتا ہوا تم دیکھ رہے تھے۔ اور
یہ واقعہ یوں ہوا کہ جب موسیٰؑ (اپنی قوم کے ساتھ) دریا کے پاس
پہونچے تو خدا نے اون پر وحی کی کہ بنو اسرائیل سے کہو کہ میری وحدانیت
اور محمدؐ (کی نبوت) اور اون کے بھائی علیؑ اور اونکی آل پاک کی امامت کی
یاد اس وقت پھر تازہ کریں اور کہیں کہ پروردگارا انکی عزت اور منزلت کا
واسطہ کہ ہم لوگوں کو اس پانی کے اوپر سے اوس پار پہونچا دے پس اگر وہ
اس طرح کہیں گے تو) پانی انکے لئے زمین بن جائیگا پس حضرت موسیٰؑ
نے اون سے کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ ایسی بات کہتے ہیں جسکو ہم لوگ
پسند نہیں کرتے۔ موت کے ڈر سے ہم لوگ فرعونیوں کے پاس سے بھاگے۔

[1] مجمع البیان جلد اصفحہ ۱۴۷ تا ۱۴۸ - ۱۲ منہ

واقعہ غرق فرعون و نجات بنو اسرائیل

اب آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ ان چند کلموں کو کہکر اس بے تہاہ پانی میں ڈوب مریں ہم لوگ کیا جانتے ہیں کہ اس میں گھسنے کا انجام کیا ہوگا (زندہ بچیں گے یا ڈوب جائینگے) کالب بن یوحنا گھوڑے پر سوار تھے دریا کا پاٹ چھ کوس چوڑا تھا اونھوں نے حضرت موسےٰؑ سے پوچھا کہ یا نبی اللہ کیا خدا نے آپ کو یہی حکم دیا ہے کہ ہم لوگ ان کلموں کو کہکر پانی میں داخل ہو جائیں۔ فرمایا ہاں۔ عرض کیا کیا آپ حکم دیتے ہیں کہ میں ایسا کروں۔ فرمایا ہاں۔ پس وہ (تھوڑی دیر) ٹھہرے اور وحدانیت خدا اور نبوت حضرت سرور عالمؐ اور امامت علیؑ و اولاد طاہرینؑ علیؑ کا اقرار و اعتقاد تازہ کرکے کہا کہ اَللّٰھُمَّ بِجَاھِھِمْ جَوِّزْنِیْ عَلٰی مَتْنِ ھٰذَا الْمَاءِ پروردگار تجھے اُن لوگوں کے قرب و منزلت کا واسطہ کہ مجھے اس پانی کے اوپر سے اوس پار پہونچا دے۔ اور پانی میں گھوڑا ڈال دیا اور پانی پر دوڑاتے ہوئے چلے پس پانی کو گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے ویسا پایا جیسے نرم زمین پر چلتا ہو۔ یہانتک کہ اوس پار پہونچگئے۔ پھر دوڑاتے ہوئے واپس آئے اور بنو اسرائیل سے کہا کہ تم لوگ خدا اور حضرت موسےٰؑ کے حکم پر عمل کرو یہ دعا بہشت کے دروازوں کی کنجیاں اور رزق کے اوترنے کا سبب اور خدا کے بندوں اور لونڈیوں کیطرف اوسکی خوشنودیوں کے کھینچنے کا ذریعہ ہے۔ پس اونھوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم لوگ زمین ہی پر چلیں گے اوس وقت حضرت موسیٰؑ پر وحی ہوئی کہ پانی پر عصا مارو اور کہو پروردگار امحمدؐ اور اونکی آل پاک کی عزت اور منزلت کا واسطہ اس پانی کو شگافتہ کردے۔ پس اونھوں نے ایسا کیا اور پانی پھٹا اور زمین کھل گئی۔ حضرت موسےٰؑ نے کہا چلو۔ اونھوں نے کہا زمین گیلی ہے ڈرتے ہیں کہ کیچڑ سے بھر جائیں۔ وحی ہوئی کہ اے موسےٰؑ کہو کہ خداوندا بحق محمدؐ و آل محمدؐ زمین خشک کردے۔ اونھوں نے کہا اور خدا نے ہوا کو مسلط کردیا اوس سے زمین خشک ہوگئی حضرت موسےٰؑ نے فرمایا چلو۔ اونھوں نے کہا اے نبی خدا ہم لوگ بارہ قبیلے بارہ باپ کی اولاد ہیں میں اگر سب کے سب (ایک راہ پر) چلیں تو خوف ہے کہ ہر قبیلہ دوسرے سے آگے جانا چاہے اور آپس میں فساد ہو جائے۔ اگر ہر قبیلہ کی راہ جدا جدا ہو تو اس کا خوف باقی نہ رہیگا۔

وحی ہوئی کہ بارہ جگہ بارہ مرتبہ عصا مارو اور کہو پروردگارا بعزت محمدؐ و آل پاک محمدؐ
زمین کھول دے اور پانی ہٹا دے۔ پس کہا اور بارہ راہیں پیدا ہو گئیں اور حضرت
موسٰےؑ نے فرمایا چلو ان (ضدی) اسرائیلیوں نے کہا کہ ہر قبیلہ جب جدا جدا
راہ سے جائیگا تو کچھ خبر نہ ہوگی کہ کس پر کیا گذری۔ وحی ہوئی کہ محمدؐ و آل محمدؐ کا
واسطہ دے کر ہر دو راہوں کے درمیان کے پانی پر عصا مارو اور انہیں چوڑے
چوڑے جھروکے بنانے کی دعا کرو جن سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کو دیکھ سکے
اونھوں نے ایسا کیا اور جھروکے پیدا ہو گئے۔ پس سب کے سب روانہ ہوئے
جب دریا سے پار ہو چکے اوس وقت فرعون اور اوسکی قوم اون راہوں سے چلی
جب سب کے سب دونوں کناروں کے اندر آ گئے تو خدا نے پانی کو حکم دیا وہ
سب پر چھا گیا اور وہ ڈوب گئے اور قوم موسٰےؑ اس واقعہ کو دیکھتی رہی (امام
علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ) اس واقعہ کو بیان کرکے حضرت سرورِ عالم
کے زمانہ کے بنو اسرائیل پر خداوند عالم اس بات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ جب
میں نے محمدؐ و آل محمدؐ کی عزت اور دعاء موسٰےؑ کی برکت سے تمہارے بزرگوں پر
ایسی مہربانیاں کیں تو کیا تم اس سے یہ نہیں سمجھتے کہ آج جو محمدؐ تمہارے سامنے
موجود ہیں اون پر تم کو ایمان لانا چاہئیے۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا سے اَنْتُمْ
ظٰلِمُوْنَ تک حضرت موسٰےؑ بنو اسرائیل سے فرمایا کرتے تھے کہ جب خداوند عالم
تم سے مصیبتیں دفع کرلے گا اور تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر ڈالیگا اوس وقت
میں پروردگار کے پاس سے تمہارے لئے کتاب لاؤں گا جس میں احکام ہونگے
اور ممانعتیں اور نصیحت اور عبرت کی باتیں پس اونکو نجات دینے اور فرعون
وغیرہ کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت موسٰےؑ کو حکم ہوا کہ پہاڑ کے دامن میں اپنا وعدہ
پورا کریں اور تیس روزے رکھیں اور اونھوں نے گمان کیا کہ ان روزوں کے
بعد کتاب مل جائیگی اور تیس روزے رکھے... اسکے بعد پھر حکم ہوا کہ دس دن
اور رکھو۔ چنانچہ اونھوں نے دس دن اور رکھکر چالیس روزے پورے کئے اور
کتاب مل گئی (اس درمیان میں) سامری آیا اور بنو اسرائیل کے کمزور عقیدہ اونکو
دھوکا دیا اور کہا کہ موسٰےؑ نے تم لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ چالیس راتوں کے بعد

آئیں گے۔ دیکھو بیس راتیں اور بیس دن مل کر چالیس پورے ہو گئے موسیٰ نے اپنے پروردگار کو جھوٹا بنایا دیکھو (بغیر کسی نبی کے ذریعہ کے) خدا خود ہی تم لوگوں کو اپنی طرف بلا سکتا ہے۔ موسیٰؑ کو جو اوس نے بھیجا ہے تو اون کو بھیجنے کا محتاج نہ تھا پھر اوس نے اپنی بنائی ہوئی گائے نکالی بنو اسرائیل نے کہا کہ گائے کیسے خدا ہو سکتی ہے جواب دیا کہ جس طرح موسیٰؑ سے خدا نے درخت کے ذریعہ سے باتیں کیں اوسی طرح اس گائے کے ذریعہ سے تم لوگوں سے باتیں کرے گا۔ پس خدا جس طرح پہلے درخت میں تھا اب اس گائے میں آگیا ہے۔ پس اس دھوکے کی وجہ سے بنو اسرائیل خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اوس گائے سے پوچھا کہ کیا بنو اسرائیل کا خیال صحیح ہے کہ خدا تجھ میں ہے گائے نے جواب دیا کہ خدا کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ گائے یا درخت یا کوئی مکان اوس کو اپنے اندر لے سکے۔ اے موسیٰؑ خدا کی قسم ایسی بات نہیں ہو سکتی (امام علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ) سامری نے گائے کا آخری دھڑ دیوار سے سٹا رکھا تھا اور دیوار کی طرف زمین کھود کر اپنے مریدوں میں سے ایک شخص کو وہاں بٹھلا رکھا تھا۔ جب کچھ بات بولنی ہوتی تھی تو وہ اوس گائے کے چوتڑ سے منہ لگا کر بولتا تھا (جس سے معلوم ہوتا تھا کہ گائے ہی بول رہی ہے) گائے کہتی ہے کہ اے موسیٰؑ بنو اسرائیل نے محمدؐ و آل محمد صلے اللہ علیہم اجمعین پر درود بھیجنے میں سستی کی اور اونکی ریاست و سرداری اور نبوت و امامت کو ماننے سے انکار کیا۔ اسی وجہ سے خدا نے اونسے اپنی حفاظت اور حمایت اوٹھا لی یہانتک کہ مجھے خدا ماننے اور میری عبادت کرنے میں مبتلا ہو گئے (امام علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ) اس واقعہ

؎ تفسیر منہج الصادقین میں لکھا ہے کہ چھ لاکھ میں سے پانچ لاکھ اٹھاسی ہزار بنو اسرائیل گمراہ ہو گئے صرف بارہ ہزار راہ راست پر باقی رہے۔ حضرت ہارونؑ ہزار سمجھاتے اور نصیحت و ملامت کرتے رہے لیکن ایک نے نہ سنا اور جواب دیا کہ لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى (سورہ طٰہٰ پ ۱۶ - آیت ۹۳) یعنی جب تک حضرت موسیٰ واپس نہ آئیں ہم لوگ اسکی پوجا نہ چھوڑیں گے ۱۲ منہ

کو ذکر کر کے خداوند عالم اس امر کو ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ جب تمہارے بزرگ دردو میں سستی کرنے سے حفاظت وحمایت خدا سے محروم ہو گئے یہاں تک کہ گائے کو خدا کہنے لگے۔ تو تم لوگ اون کو اور اون کے معجزوں کو دیکھنے کے بعد اگر اون سے عداوت کرو گے تو خود ہی سمجھو کہ کس سزا اور عذاب کے مستحق ہو گے۔ اس لئے تم کو اس سے ڈرنا چاہیے (لیکن آج حضرت سرور عالم اور اونکے اہلبیتؑ کے سب سے زیادہ دشمن یہودی ہیں جو بنو اسرائیل کی نسل سے ہیں) ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ سے تَشْكُرُوْنَ تک یعنی تمہارے بزرگوں نے (گائے پوجنے سے جب توبہ کی اور) محمدؐ وآل محمدؐ کا واسطہ دے کر دعا کی۔ اور اون لوگوں کی سرداری کا اعتقاد کیا تو میں نے اونکے گناہ بخشدیئے تا کہ اس نعمت (بخشش گناہ) کا جو درحقیقت تمہارے بزرگوں پر اور تم پر دونوں پر ہے تم شکریہ ادا کرو۔

(بطریق اہلسنت) وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ ۔ انس بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ بنو اسرائیل کے لئے خدا نے عاشورہ (دسویں محرم) کو دریا کو پھاڑا تھا۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ جب مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشورہ کے دن روزہ رکھتے دیکھا

ے روز عاشورا، روزہ رکھنے کے متعلق صحیح بخاری میں کئی حدیثیں لکھی ہیں ایک کا مضمون یہ ہے کہ حضرت نے عاشورا کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیا پس جب ماہ رمضان کا روزہ واجب ہوا تو عاشوراء کا روزہ کوئی رکھتا تھا کوئی نہیں۔ دوسری کا مضمون یہ ہے کہ عاشوراء کا روزہ کفار قریش اور حضرت رسولؐ رکھتے تھے۔ جب آپ مدینہ آئے تو خود بھی روزہ رکھا اور دوسرونکو بھی حکم دیا پس جب ماہ رمضان کا روزہ واجب ہوا تو عاشوراء کا روزہ کوئی رکھتا تھا کوئی نہیں۔

تیسری کا مضمون یہ ہے کہ معاویہ نے اہل مدینہ سے بیان کیا کہ میں نے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ روز عاشوراء کے روزہ کا حکم خدا نے نہیں دیا ہے۔ اور میں روزہ سے ہوں پس جو شخص چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ چوتھی کا مضمون وہی ہے جو تفسیر میں ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے۔ پانچویں کا مضمون یہ ہے کہ عاشوراء کے دن

اون سے پوچھا کہ یہ کون سا دن ہے جس میں تم لوگ روزہ رکھتے ہو۔ عرض کیا کہ یہ اچھا دن
ہے۔ خدا نے اس دن بنو اسرائیل کو اونکے دشمنوں سے بچایا تھا پس حضرت موسٰے نے
(اوس کے شکریہ میں) اس دن روزہ رکھا تھا۔ پس حضرت سرور عالمؐ نے فرمایا کہ اس روز
روزہ رکھنے کا ہم لوگ حضرت موسٰے سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ پس روزہ رکھنے کا حکم دیا۔
۳ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ قسم خدا کی خدا نے بنو اسرائیل کے لئے دریا کو پھاڑ کر

(بقیہ حاشیہ ص۸۰) کو یہودی عید کا دن سمجھتے تھے۔ پس حضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگ اس دن روزہ رکھو
چھٹیں کا مضمون یہ ہے کہ حضرت سرور عالمؐ روز عاشورا اور ماہ رمضان کی فضیلت کل دنوں پر بیان کرنے
میں بہت کوشش کیا کرتے تھے۔ ساتویں کا مضمون یہ ہے کہ حضرتؐ نے قبیلہ اسلم سے ایک شخص کو
عاشورا کے دن حکم دیا کہ پکار دو کہ جس نے کھا لیا ہو وہ باقی دن میں روزہ رکھے اور جس نے نہ کھایا ہو
وہ پورے دن روزہ رکھے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ علاوہ اسکے کہ یہ کل حدیثیں معیوب اور غیر معتبر ہیں۔
کیونکہ پہلی کے راویوں میں سے ابو الیمان حکم بن نافع جھوٹے تھے اور تدلیس کیا کرتے تھے
(میزان الاعتدال جلد ۱ ص۲۷۳ ذکر حکم بن نافع ابو الیمان) اور دوسری کے راویوں میں سے
ہشام بن عروہ مخبوط الحواس تھے اور امام مالک انکی حدیثوں کو پسند نہیں کرتے تھے اور تیسری کے راویوں میں سے
محمد بن مسلم بن شہاب زہری تدلیس کیا کرتے اور خلفاء بنی امیہ کے خوشامدی اور کاسہ لیس تھے
(دیکھو دول الاسلام مصنفہ امام ذہبی جلد ۱ ص۶۳ و عقد الفرید جلد ۳ ص۱۲۱) اور غلط حدیثیں
بیان کیا کرتے تھے (دیکھو شرح صحیح مسلم از امام نووی مطبوعہ نول کشور ص۲۱۴) اور اہلبیت علیہم الصلوٰۃ
والسلام کے دشمن تھے (دیکھو شرح ابن ابی الحدید جلد ا جزو رابع ص۲۸) اور چوتھی کے راویوں
میں سے عبد الوارث قدریہ مذہب کے متعصب لوگوں سے تھے (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۱۶۰)
اور عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالمؐ نے فرمایا کہ قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اگر
بیمار ہوں تو دیکھنے نہ جاؤ۔ اگر مر جائیں تو اون کے جنازہ میں شرکت نہ کرو (جامع صغیر جلد ۲ ص۸۸)
شروع میں مجوسی ہیں اور آخر میں بے دین (کنوز الحقائق امام مناوی) اور پانچویں کے راویوں
میں سے ایک تو ابو اسامہ حماد ہیں جو تدلیس کرتے اور حدیثیں چورایا کرتے تھے (میزان الاعتدال
جلد ۱ ص۲۷۶) اور دوسرے محمد بن مسلم شہاب زہری ہیں جن کا حال ابھی معلوم ہو چکا۔ اور
تیسرے ابو موسٰے اشعری ہیں جو اہلبیتؑ کے دشمن تھے (دیکھو استیعاب بر حاشیہ اصابہ جلد ۴ ص۱۷۵ [illegible]

خشک راہ بنادی جس پر وہ چلے۔ پس اونکو (ہلاکت سے) بچایا اور اونکے دشمنوں کو ڈوبویا۔ اور یہ خدا کی نعمتیں ہیں جن کو یاد دلا رہا ہے تاکہ وہ ان کا شکریہ ادا کریں اور خدا کے حقوق پہچانیں ۔ سعید ابن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ہرقل (بادشاہ روم) نے معاویہ (امیر شام) کو خط لکھا اور (اپنوں سے) کہا کہ اگر ان (مسلمانوں) میں (آثارِ) نبوت سے کچھ باقی رہ گیا ہوگا تو معاویہ میرے سوالوں کا جواب دیگا۔ اور اوس خط میں لکھا کہ بتاؤ کہ مجرہ عہ اور قوس عہ (قزح) کیا چیزیں ہیں۔ اور وہ

(بقیہ حاشیہ ص۸۱) شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص۱۵۴) اور چھٹیں کے راویوں میں سے سفیان بن عیینہ ہیں جو حدیثوں کے بیان میں غلطیاں اور تدلیس کیا کرتے تھے (میزان اعتدال جلد ۱ ص۳۹۷ ذکر سفیان مذکور) علاوہ غیر معتبر ہونے کے چوتھی حدیث کو کئی حدیثیں جھٹلا رہی ہیں منجملہ اون کے دوسری حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرتؐ عاشوراء کے دن مکہ ہی میں روزہ رکھتے تھے۔ اور چوتھی حدیث میں ہے کہ مدینہ آنے کے بعد یہودیوں سے پوچھنے کے بعد روزہ رکھا۔ اور تیسری حدیث جس میں معاویہ نے بیان کیا ہے کہ اس دن روزہ رکھنے کا حکم خدا نے نہیں دیا ہے۔ اور حضرتؐ کے حق میں خداوند عالم آیت ماینطق میں فرماتا ہے کہ بغیر حکم خدا کے کوئی (مذہبی) بات نہیں بولتے۔ اس لیے بغیر حکم خدا کے روزہ رکھنے کا حکم حضرتؐ نہیں دیسکتے تھے۔ درحقیقت روزہ والی حدیثیں بنو امیہ کی خوشامد میں بنائی گئی ہیں کیونکہ وہ عاشوراء کے دن قتل فرزند رسولؐ کے شکریہ میں روزہ رکھتے تھے۔ اور توریت یسعیاہ باب ۵۳ آیت ۱ تا ۱۲ میں حضرت سید الشہداء کی شہادت کا ذکر (دیکھو کتاب عجیب فی اخبار السید الذبیح الغریب) اور کتاب احبار باب ۲۳ آیت ۲۶ تا ۳۲ میں ساتویں مہینہ یعنی ماہ محرم کی نویں شام سے دسویں شام تک غم کرنے کا تاکیدی حکم بتاتا ہے کہ روز عاشوراء کو حضرت موسےٰ عید بھی یوم سرور نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس کو واقعۂ کربلا کے بعد بنی امیہ نے جو رسولؐ اور خاندان رسولؐ کے دشمن ہیں عید قرار دی ہے۔ اور اونکے ساتھ ساتھ دوسرے دشمنانِ اہلبیتؑ نے۔ توریت کتاب احبار باب ۲۳ آیت ۲۳ میں ہے کہ "پھر خداوند نے موسےٰ کو خطاب کرکے کہا کہ بنی اسرائیل کو کہہ کہ ساتویں مہینے (محرم) کے پہلے دن تمہارے لئے عید اور یادگاری کے لیے اور قربانیوں کے پھونکنے کا وقت اور جماعۂ مقدس ہوگی"۔ اور عید کا معنی لغت میں ایک تو خدا کی حمد وثنا کے لئے اکٹھا جمع ہونے کا زمانہ ہے۔

عہ وعہ کا حاشیہ ص۸۳ پر ملاحظہ ہو۔

زمین کون سی ہے جس پر صرف ایک ہی گھنٹہ آفتاب پڑا۔ معاویہ نے خط دیکھ کر کہا کہ یہ وہ سوالات ہیں کہ کبھی میرے ذہن میں خطور نہ کیا کہ مجھ سے پوچھے جائیں گے۔ پس اوس کو حضرت علی علیہ السلام کے شاگرد اور ہاشمی دریاؤں کی ایک نہر یعنی) عبداللہ بن عباس کے پاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۲) اور دوسرے خوشی کا دن (مجمع البحرین) اور اس آیت میں یادگاری خدا کو عطف تفسیر کے ساتھ ذکر کرنا صاف بتا رہا ہے کہ لفظ عید سے خوشی کا دن مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا پہلا معنی مقصود ہے۔ اور ماہ محرم کو ساتواں مہینہ اس وجہ سے کہا ہے کہ سال کے بزرگ اور محترم مہینوں میں سب سے زیادہ بزرگ اور افضل اور خاص خدا کا مہینہ ماہ رجب ہے (ملاحظہ ہو مجلسی علیہ الرحمہ کی زاد المعاد میں اس مہینہ کی فضیلتوں کا بیان) اسی وجہ سے اعمال کی کتابوں جیسے زاد المعاد وغیرہ میں سب سے پہلے اسی مہینہ کے اعمال ذکر کئے گئے ہیں۔ اور زمانہ جاہلیت میں یعنی حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ کی بعثت سے پہلے بھی یہ مہینہ بہت بزرگ اور محترم سمجھا جاتا تھا اور اوس زمانہ کے لوگ اس مہینہ میں جنگ کو حرام جانتے تھے (مجمع البحرین ونہایہ امام ابن اثیر واقرب الموارد مصنفہ عیسائی)۔ اسی وجہ سے اس کو سال کے محترم مہینوں کا پہلا مہینہ قرار دیکر محرم کا مہینہ توریت میں ساتویں مہینے سے تعبیر کیا گیا اور اوسکی پہلی تاریخ سے دسویں شام تک کل کام چھوڑ کر یاد خدا اور غم منانیکا تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور اس کے خلاف کرنے پر قوم سے نکال دیئے جانے اور فنا کر دیئے جانے کی دھمکی دی گئی ہے (توریت کتاب احبار باب ۲۳ آیت ۲۳ تا ۳۲ ضرور ملاحظہ کریں) اس مضمون کو لکھنے کے بعد دوسرے دن میں نے جناب فخر الحکماء علیہ الرحمہ کی کتاب تحقیق صوم عاشورا دیکھی۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں مفصل اور بہت اچھی کتاب ہے دفتر اصلاح کھجوا ضلع سارن سے منگا کر ضرور پڑھ لیں چار آنہ کو ملیگی اور محصول۔ اسمیں عاشورا کے روزہ کے علاوہ تعزیہ داری کو بھی حدیثوں سے ثابت کیا ہے ۱۲ منہ

(صفحہ ۸۲ کا حاشیہ) مجرہ! کہکشاں کو کہتے ہیں۔ اور یہ چھوٹے چھوٹے بہت سے ستارے ہیں جو نزدیک نزدیک ہونے کی وجہ سے جدا جدا پہچانے نہیں جاتے اور اُن کے اکٹھا ہونیکی وجہ سے پورب سے اوتر کی طرف کھنچی ہوئی ایک دھجی معلوم ہوتی ہے ۱۲ منہ

عہ قوس قزح! اوس گول ہالہ کو کہتے ہیں جو صبح اور شام کو کبھی پورب کبھی پچھم سرخ۔ سبز۔ نیلے رنگ کا دکھائی دیتا ہے ۱۲ منہ

بھیجدیا۔ اونھوں نے جواب میں لکھا کہ قوس قزح! امان ہے اہل زمین کے لئے ڈوبنے سے۔ اور مجرہ! آسمان کا دروازہ ہے جو کھولا گیا ہے۔ اور وہ زمین جس پر آفتاب صرف ایک ہی گھنٹہ پڑا تھا! وہ دریا ہے جو بنو اسرائیل کے لئے کھولا گیا تھا۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ وہ چالیس شبیں! ایک مہینہ ذیقعدہ کا اور دس راتیں ذیحجہ کی تھیں۔ اور ان سے وہ شبیں مقصود ہیں جن میں حضرت موسےٰ بنو اسرائیل کو (مصر میں) چھوڑ کر اور حضرت ہارون کو اون پر اپنا خلیفہ (جانشین) بناکر کوہ طور پر چلے گئے اور وہاں چالیس شب رہے۔ اور اون پر تختیوں میں توریت اوتارا گیا اور خدا نے اون سے باتیں کرنے کی عزت بخشی اور قلم کی آواز اونھوں نے سُنی۔ اور ان چالیس شبوں میں اونھوں نے کوئی نیا کام نہ کیا یہاں تک کہ طور سے اوتر آئے۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ جس گاے کا بنو اسرائیل نے پوجا کیا اوس کا نام یہبوب تھا۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ گاے پوجنے کے بعد خدا نے اون کے گناہ بخشدیئے [۱]

چند فائدے

(پہلا فائدہ) معانی۔ بیان۔ بدیع۔ (معانی) ۱ فرقنا اور اغرقنا وغیرہ میں فَرَقْتُ اور اَغْرَقْتُ کی جگہ پر جنمیں "تُ" ضمیر واحد متکلم کی ہے! "نَا" ضمیر جمع متکلم کی! تعظیم یعنی اپنی عظمت اور بزرگی ظاہر کرنے کی غرض سے ذکر فرمایا ہے ۲ بِكُمْ میں "بِ" "لِ" کے معنی میں ہے جو انتفاع یعنی فائدہ اوٹھانے کے معنی میں آتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ تمہارے فائدے کے لئے میں نے دریا شگافتہ کیا ۳ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ میں انتم کو جو فاعل ہے۔ فعل یعنی تَنْظُرُوْنَ سے پہلے اس واسطے ذکر کیا ہے تاکہ تخصیص اور رسوخ کا فائدہ دے۔ اور مقصود یہ ہے کہ فرعون اور اوسکی قوم کو ڈوبتے ہوئے تم نے خود ہی دیکھا جس میں شبہ اور اوس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے تم کو اس میری عظیم نعمت کی تم کو قدر کرنی چاہیے۔ اور اسی طرح اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ میں فاعل کو فعل سے پہلے ذکر کرنا بھی تخصیص اور قطع عذر

---

[۱] تفسیر در منثور علامہ سیوطی جلد ۱ صفحہ ۶۹ کل نمبر ۱۲ منہ

کے لیئے ہے اور مقصود یہ ہے کہ گاے پوجکر تمہیں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ پس اگر میں تم پر عذاب کرتا تو بے موقع نہ ہوتا اور تم کوئی عذر نہیں کر سکتے تھے۔ باوجود اس کے جو میں نے بخشدیا تو یہ میرا تم پر بہت بڑا احسان ہے جس کا تم کو شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ ۴؎ اِذْ وٰعَدْنَا جملہ ظرفیہ ہے اور جملہ ظرفیہ اختصار یعنی چھوٹے کلام سے بڑا مطلب ادا کرنے کے لیئے لایا جاتا ہے۔ کیونکہ اِذْ جو اسم ظرف ہے جملۂ فعلیہ ظرفیہ کا قائم مقام ہو جاتا ہے جیسے یہاں پر اُذْکُرُوْا حِیْنَئِذٍ کا قائم مقام ہے اور معنی اوس کا یہ ہے کہ اوس وقت کو یاد کرو جب کہ میں نے وعدہ کیا تھا۔ اور مختصر کلام سے زیادہ مطلب ادا کرنا کلام کی خوبیوں سے ہے۔ ۵؎ وٰعَدْنَا کو باب مفاعلت سے لانا وعدہ میں شرکت ظاہر کرنے کی غرض سے ہے۔ وہ یہ کہ حضرت موسےٰؑ سے چالیس راتیں روزہ رکھنے کا وعدہ لیا تھا۔ اور خود اونکو توریت دینے کا اس لیئے جن لوگوں نے اس کو وَعَدْنَا باب ضَرَبَ۔ یَضْرِبُ سے پڑھا ہے اونکی قرائت (پڑھنا) درست نہیں ہے ۶؎ لَعَلَّکُمْ میں لَعَلَّ شک کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ خداوند عالم الغیب کے لیئے شک محال ہے۔ بلکہ تعلیل کے لیئے ہے اور مقصود یہ ہے کہ تمہارے گناہ اس غرض سے بخشدیئے تاکہ دیکھوں کہ تم میرا شکریہ ادا کرتے یعنی محمدؐ و آل محمدؐ کی نبوت اور امامت کو مانتے اور اونکی اتباع اور پیروی کرتے ہو یا نہیں۔

بیان ۱؎ بِکُمُ الْبَحْرَ میں لفظ بحر سے بعلاقۂ ظرفیت اور مظروفیت کی بنا پر مجازاً پانی مراد لیا گیا ہے۔ کیونکہ لفظ بحر کا اصلی معنی وہ گہری زمین ہے جس میں پانی جاری ہوتا ہے۔ ۲؎ آلِ فرعون سے بطور عموم مجاز کے قوم فرعون اور خود فرعون دونوں مراد لیئے گیے ہیں۔ اور بعوض اس کے کہ صرف لفظ فرعون فرما کر بطور عموم مجاز کے دونوں کا ارادہ کرتا! آل فرعون تغلیباً فرمایا ہے یعنی چونکہ قوم کی تعداد زیادہ تھی اور فرعون اکیلا تھا اس لیئے اونکو غلبہ دیکر فرعون کو اونھیں میں داخل کر لیا ہے۔ ۳؎ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ اور اَنْتُمْ ظَالِمُوْنَ زمانۂ حضرت موسےٰؑ کے اسرائیلیوں کو! اونکی اولاد یعنی زمانۂ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کے اسرائیلیوں کا عین (بعینہ وہی) فرض کرکے! اٰبَآئُکُمْ (تمہارے باپ) کی جگہ پر اَنْتُمْ (تم) مجازاً فرمایا ہے۔ کیونکہ خود انکو! اپنے احسانات جتلانا اور اپنے احکام کی تعمیل پر آمادہ کرنا

مقصود ہے۔ اور ایسا محاورہ آج بھی جاری ہے۔ اگر ایک قوم دوسری قوم پر اپنے احسانات جتلانا چاہتی ہے تو اپنے بزرگوں کے احسانات کو جو اونکے بزرگوں پر کئے تھے ذکر کرتی ہے۔ اور اسی طرح اِتَّخَذُوْا (اون لوگوں نے گائے پوجی) کی جگہ پر اِتَّخَذْتُمْ (تم نے گائے پوجی) اور عَفَوْنَا عَنْهُمْ (اون کے گناہ بخشدیئے) کی جگہ پر عَفَوْنَا عَنْكُمْ (تمہارے گناہ بخشدیئے) اور لَعَلَّهُمْ (تاکہ وہ شکریہ ادا کریں) کی جگہ پر لَعَلَّكُمْ (تاکہ تم شکریہ ادا کرو)۔ اِتَّخَذْتُمْ میں تضمین ہے یعنی اس سے عَبَدْتُمْ کا معنی یعنی عبادت مراد لی گئی ہے۔ اور عَبَدْتُمْ کی جگہ پر اِتَّخَذْتُمْ (لے لیا۔ اپنا بنالیا) اس واسطے فرمایا ہے کہ اِتِّخَاذُ (لے لینا۔ اپنا بنانا) خوشی سے اختیار کرنے کو بتاتا ہے۔ اور عبادت! کبھی تقیہ کی حالت میں جان بچانیکی غرض سے جبراً بھی کی جاتی ہے جیساکہ حضرت عمار بن یاسر علیہ الرحمہ کے حق میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (سورہ نحل پ۱۴ آیت ۱۰۸) یعنی اوس شخص کا فعل برا نہیں ہے جو مجبور کیا جائے حالانکہ دل اوس کا ایمان پر مطمئن ہو پس قبیح اور بُرا وہ کفر ہے جو خوشی سے ہو نہ وہ جو جبر سے ہو۔ اور بنو اسرائیل نے چونکہ خوشی سے اختیار کیا تھا۔ اس واسطے لفظ اِتِّخَاذ! خوشی سے اختیار کرنے کو ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

(بدیع) اِذْ فَرَقْنَا سے اٰلَ فِرْعَوْنَ تک میں مراعاۃ النظیر ہے یعنی کئی چیزوں کو ایک جگہ ذکر کرنا جو آپس میں مناسبت رکھتی ہوں جیسے دریا اور اوس سے نجات دینی۔ اور اوسمیں ڈبا دینا۔ اور جمع مع التقسیم ہے یعنی ایک حکم میں کئی

ؔ چند ہی دن ہوئے کہ ہندو مسلم کانفرنس میں ایک سکھ پروفیسر نے لکھنؤ میں بیان کیا کہ اسلامی سلطنت دہلی کے زمانہ میں جب کہ میری قوم اسلام لانے پر مجبور کی جارہی تھی اور بچے تک بے رحمی سے ذبح کئے جارہے تھے میرے گرو کو ایک شیعہ لے کر بھاگ گیا اور اوسکی جان بچالی۔ اس لئے ہم سکھ قوم! فرقہ شیعہ کا احسان کبھی بھی نہیں بھول سکتی۔ مجھے اس بیان کی صحت اور غلطی کی تحقیق مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ ایسا محاورہ ہر زبان میں اب تک جاری ہے ۱۲ منہ

شخصوں کو جمع کرکے پھر جدا کرنا جیسے دریا پھاڑنے کی غرض میں قوم فرعون اور بنواسرائیل
دونوں شریک تھے لیکن انجام میں دونوں جدا کر دیئے گئے ایک کے لئے پار ہو جانا
اور دوسرے کے لئے ڈوبنا ۲؎ ان کل آیتوں میں افتنان ہے یعنی کئی قسم کی چیزوں
کو ایک کلام میں ذکر کرنا جیسے نجات کا ذکر امتنان کے لئے اور گائے پرستی اور ظلم
مذمت کے لئے اور بخشش امتنان کے لئے اور طلب شکریہ ترغیب کے لئے۔

(دوسرا فائدہ) لِیُوَفِّیَہُمْ اُجُوْرَہُمْ وَیَزِیْدَہُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ؕ اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ (سورہ فاطر پ۲۲
آیۃ ۲۷)۔ شکر کا حقیقی اصلی معنی منعم کی نعمتوں کو زبان سے ذکر کرنا۔ اور باقی اعضاء
سے ظاہر کرنا۔ جیسے کھانے کی چیزوں کو کھانا۔ پہننے کی چیزوں کو پہننا وغیرہ۔ اور دل
سے اوس کے احسان کو ماننا۔ اور اوسکی اطاعت یعنی اوس کے حکموں کو بجالانا۔ اور اوس کے
آگے عاجزی اور فروتنی سے سر جھکائے رہنا ہے۔ اور بخیلوں اور لئیموں کی
طرح نہ چھپانا۔ اور سرکشوں کی طرح نہ اکڑنا اور احسان کو نہ بھولنا۔ اور دنیا میں
لوگ دو طرح کے ہیں ۱؎ وہ جو شکر گذاری کرتے ہیں لیکن اپنی قدرت اور امکان
سے کم اور ۲؎ وہ جو بقدر اپنی قدرت اور امکان کے شکریہ ادا کرتے ہیں جن کے
حق میں ارشاد فرماتا ہے قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (سورہ سباء پ۲۲ آیت ۱۳)
یعنی میرے بندوں میں بہت زیادہ شکر گذاری کرنے والے تھوڑے عہ ہیں۔ پس
پہلی قسم کے لوگوں کے لئے ارشاد فرمایا ہے مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ
(سورہ بقرہ پ۲ آیت ۱۵۳) اسمیں خیراً کو نکرہ یعنی غیر معین اس واسطے رکھا ہے
کہ قلت کو ظاہر کرے اور شاکر کو صیغہ اسم فاعل غیر مبالغہ کا ہے۔ پس اس بنا پر
اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جو لوگ تھوڑا شکریہ ادا کرتے ہیں اور بقدر اپنی قدرت کے
اوسمیں کوشش نہیں کرتے اونکو اونکے شکریہ یعنی فرمانبرداری کا بدلا اوسی قدر دیا جائیگا
جس قدر اون کا عمل خیر چاہتا ہے۔ اور دوسری قسم کے لوگوں کے لئے لِیُوَفِّیَہُمْ

عہ یہ لوگ خدا کے خاص بندے ہیں۔ جیسے انبیاء۔ اونکے اوصیاء۔ اولیاء۔ شہداء۔ اور وہ علماء جو صحیح
معنوں میں علماء ہیں اور وہ لوگ اسمیں داخل نہیں ہوسکتے جو نماز کی حالت میں فوج کی صف بندی اور خراج (مالگذاری)
بحرین کا حساب کیا کرتے تھے ۱۲

اُجُوْرَهُمْ (تا آخر) فرمایا ہے۔ جس میں غفور۔ اور شکور دونوں صیغے مبالغے
کے لائے گئے ہیں۔ اور معنی اس کا یہ ہے کہ بقدر اپنی طاقت کے پوری توجہ اور
کوشش سے شکر گذاری کرنے والوں کو اون کے اعمال خیر کا کامل بدلا دینے کے
بعد! خداوند عالم اپنی بخشش سے اوس پر اور بھی ثواب بڑھادیگا۔ کیونکہ وہ
بہت بڑا بخشنے والا اور بہت زیادہ ثواب دینے والا ہے اور یہ امر عقلی اور دستور
دنیا کے مطابق ہے کہ اگر ایک ہی کام کو دو مزدور انجام دیتے ہیں لیکن ایک! اپنے
کو صرف مزدور کی حیثیت میں رکھکر انجام دیتا ہے تو وہ صرف مزدوری کا حقدار ہوتا
ہے۔ اور دوسرا جو اپنے کو مزدور سمجھکر کام نہیں کرتا بلکہ اوس کو انجام دینے میں پوری
توجہ اور کوشش صرف کرتا اور کامل محبت اور ہمدردی سے انجام دیتا ہے۔
وہ علاوہ مزدوری کے انعام اور بخشش کا بھی مستحق سمجھا جاتا ہے۔ پس اگر کام
لینے والا پہلے مزدور کو بھی! مزدوری سے زائد کچھ دیدے تو یہ دینا بدون استحقاق
تفضل اور بخشش! صرف احسان ہی احسان ہوگا۔ لیکن دوسرے مزدور کا
مزدوری سے زیادہ پانا بھی استحقاق ہی کی بنا پر ہوگا۔ اور یہ استحقاق اوسکی
توجہ اور کوشش اور محبت سے پیدا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ زیادتی بھی بخشش
ہی ہے لیکن دوسرا مزدور اس کا مستحق ہے! بخلاف پہلے مزدور کے کیونکہ وہ اس زیادتی
کا مستحق نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اکثر آیتوں ع اور حدیثوں سے جو ظاہر ہو رہا ہے
کہ خداوند منعم حقیقی نے جو عام مومنوں کو اون کے اعمال خیر سے زیادہ دینے کا وعدہ
کیا ہے! وہ بغیر استحقاق کے صرف اوس کا احسان ہے۔ اور اولیاء پر تفضل اور
بخشش کا جو وعدہ کیا ہے! وہ باستحقاق ہے۔ بہرحال چونکہ شکر کا حقیقی معنی جو اون کی نعمت
کی شان کے مناسب ہے! اور خداوند منعم حقیقی کی شان والا شان کے لئے نامناسب
اور غلط ہے۔ اس لئے اوس مقدس اور غنی مطلق ذات کے لئے لفظ شاکر اور شکور سے
اوس کا مجازی معنی یعنی عمل خیر کے بدلے میں ثواب دینا مقصود ہے۔

ع جیسے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا
مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (سورہ انعام پ۸۔ آیت ۱۶۱) یعنی جو شخص ایک کام اچھا کریگا اوسکو اوس کا دس گونا
ملیگا اور جو شخص ایک کام برا کریگا اوسکو بدلے میں ایک ہی سزا دیجائیگی اور اون لوگوں پر نہ تو ثواب کم کرکے ظلم
کیا جائیگا اور نہ سزا بڑھا کر ۱۲ منہ

(تیسرا فائدہ) لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (سورہ بقرہ پ۳ آیت ۲۸۶) یعنی ہر شخص اپنے اچھے اور بُرے عمل کا فائدہ اور نقصان خود ہی اوٹھاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ انسان اگر اچھا کام کرتا ہے جس سے اوسکی ذات کو فائدہ پہونچے تو وہ اپنے اوپر احسان کرتا ہے اور جو شخص بُرا کام کرتا ہے جس سے اوسکو نقصان پہونچے تو وہ اپنی ذات کے ساتھ بُرائی کرتا ہے۔ لیکن اس احسان کی وجہ سے وہ اپنی ذات سے شکریہ کا مستحق نہیں ہو سکتا کیونکہ شکریہ نعمت کے مقابل میں ہوتا ہے اور انسان خود اپنا منعم نہیں ہے۔ اور نعمت دینے والے! اور نعمت پانے والے میں مغایرت ضروری ہے [۱]

(چوتھا فائدہ) جس طرح مومن اپنی (ایمانی) بزرگی اور جلالت قدر کی وجہ سے تعظیمی شکریہ کا مستحق ہوتا ہے اوس طرح کافر! مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ کافر (ایمان نہ ہونے کی وجہ سے) کوئی بزرگی اور عزت نہیں رکھتا بلکہ واجب ہے کہ اوسکی نعمتوں کا بدلا کردیا جائے تاکہ اوسکے احسان کا بوجھ باقی نہ رہے۔ جس طرح ذمہ پاک ہونے کے لئے اوسکے قرضہ کو ادا کردینا واجب ہے [۲]

(پانچواں فائدہ) اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (سورہ ابراہیم پ۱۳ آیت ۳۷) یعنی اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکتے۔ اور لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (سورہ ابراہیم پ۱۳ آیت ۷) یعنی اگر میری نعمتوں کا شکریہ ادا کروگے تو میں البتہ نعمتیں بڑھادوں گا۔

خلاصہ یہ کہ ایک تو خدا کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ دوسرے وہ وعدہ کر رہا ہے کہ شکر کرنے پر نعمتیں بڑھائیگا۔ تیسرے شکریہ ادا کرنے پر قدرت اور قابلیت یعنی اوس کو انجام دے سکنے کے قابل ہونا بھی اوسکی نعمت ہی ہے۔ اسلئے اوس کا شکریہ ادا کرنے میں ہزار کوشش کی جائے! شکریہ اوسکی نعمتوں سے کم ہی رہیگا۔ اور چونکہ (۱) منعم اور محسن کا شکریہ عقلاً اور عرفاً بلکہ فطرۃً بھی واجب ہے جیسا کہ دوسرے مقدمہ میں تفصیل سے لکھ آیا ہوں اور (۲) ہر منعم اور محسن اوسی قدر شکریہ کا حقدار ہوتا ہے جس قدر اوسکی نعمتیں ہیں۔ اور (۳) معلوم ہوچکا کہ خداوند منعم حقیقی کی نعمتیں انتہا

[حاشیہ: ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر، ناخوانا]

[۱] مجمع البیان جلد ۱ ص ۲۷۷ - باضافہ آیت ۱۲ منہ [۲] مجمع البیان جلد ۱ ص ۲۷۷ - ۱۲ منہ

ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ بے انتہا شکریہ! اولادِ آدمؑ کی قدرت اور طاقت سے باہر ہے اسلئے عقل حکم کر رہی ہے کہ بقدر اپنی قدرت کے اوس کا شکریہ ضرور ادا کرنا چاہیئے۔ اور چونکہ اپنی کل حرکت اور سکون کو اوسکی مرضی کے مطابق واقع کرنا ممکن اور قدرت کے اندر ہے۔ اسلئے عقل حکم کر رہی ہے کہ یا تو کوئی کام اوسکی مرضی کے خلاف نہ کرو۔ یا اپنے کو انسان بلکہ حیوان بلکہ گھاس پات بلکہ ڈھیلا پتھر بھی نہ کہو بلکہ شیطان بھی نہ کہو کیونکہ نافرمانوں پر اوس نے بھی لعنت کی ہے۔ پس شیطان سے بدتر کہو لے

چھٹاں فائدہ امام اہلسنت فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ حضرت موسےٰؑ کی امت نے اون کے روشن معجزوں کو دیکھنے کے بعد بھی کئی امروں میں اونکی مخالفت کی۔ اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ کا معجزہ باوجودیکہ صرف قرآن تھا جس کا معجزہ ہونا بغیر باریک دلیلوں کے سمجھ میں نہیں آسکتا! آپکی امت نے کسی بات میں آپکی مخالفت نہ کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیؐ حضرت موسےٰؑ کی امت سے افضل ہے ۲ میں عرض کرتا ہوں کہ تفسیر انوار القرآن جلد اول صفحہ ۴۸ سے صفحہ ۵۶ تک اور تفسیر مذکور جلد ۲ صفحہ ۶ سے صفحہ ۸ تک کا حاشیہ دیکھنے کے بعد کوئی منصف مزاج اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ امت مرحومہ محمدیؐ میں سے وہی لوگ افضل امم ہیں جو ثقلین یعنی کتاب خدا اور ائمہ اہلبیتؑ رسولؐ کے پیرو ہیں۔ اور انکے سوا باقی کل فرد ہیں امتِ موسوی سے بدتر ہیں کیونکہ امتِ موسوی نے حضرت موسےٰؑ کے حکموں کی تھوڑی مخالفت کی لیکن اپنے نبی یا نبی زادوں کے ساتھ کوئی برائی نہ کی۔ اور اُمتِ محمدیؐ نے خدا اور رسولؐ اور ائمہ برحق کے حکموں کی مخالفت کے علاوہ اپنے نبی اور نبی زادوں کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جسکو خود اونھیں نے کسی کافر کے ساتھ بھی روا نہ رکھا۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضرت رسول صلے اللہ علیہ و آلہ کے فرضی اور خیالی موے (مبارک) کی پوجا کی جاتی ہے اور دور دور سے ہزاروں روپیہ خرچ کرکے اوسکی زیارت کے لئے سفر کی تکلیفیں برداشت کی جاتی ہیں! لیکن وصی رسولؐ حضرت علی علیہ السلام اور اونکے پارۂ جگر حضرت امام حسنؑ مسموم اور حضرت امام حسینؑ شہید د

امت محمدی کل فرد نہیں افضل امم نہیں ہیں

لے ملاحظہ ہو دوسرا مقدمہ صفحہ ۲ سے ۳ تک ۱۲ منہ ۲ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۴۲ بیان نعمت ثالثہ سطر ۲۷ - ۱۲ منہ

مظلوم پر اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے ہوئے بھی ایک سلام کرنا بھی پسند نہیں کیا جاتا! بلکہ اون کے قاتلوں سے محبت کیجاتی اور اونکے قتل پر خوشیاں منائی جاتی ہیں اور روزِ قتل یعنی یوم عاشورا عید و سعید سمجھا جاتا اور شکریہ کے روزے رکھے جاتے ہیں۔ گویا کہ امت محمدیؐ کی ایسی فردیں! روزِ قیامت اور خدا کے انصاف اور قہر و غضب کا اعتقاد نہیں رکھتیں۔

(ساتواں فائدہ) امام اہلسنت فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ امت موسوی نے حضرت موسےٰؑ سے کہا کہ ہمارے لئے بھی ایک خدا (بُت) بنا دیجئے [1] میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت موسےٰؑ نے ! تو نہ بنانا تھا نہ بنایا۔ لیکن سامری [عه] نے گائے بنا کر اونکی امت کو دھوکھا دیا اور پوجوایا! مگر ایک ہی بُت [عه] (گائے) لیکن امت محمدیؐ کے سامری نے کثیر تعداد سے کئی بُت پوجا دیئے

عه (اہلسنت) حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر نے جو پہلا خطبہ پڑھا اوسمیں بیان کیا کہ جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا وہ سمجھے کہ محمدؐ مر گئے اور جو شخص خدا کو پوجتا تھا وہ سمجھے کہ خدا زندہ ہے (صحیح بخاری باب مرض و وفات نبی جلد ۳ چھاپہ مصر ص ۶۴ آخر و جلد ۵ چھاپہ بمبئی ص ۴۲ سطر ۵ و کنز العمال جلد ۴ شمائل بیان وفات رسولؐ بروایت عائشہ ص ۵۰ و روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۳۹۶ و مدارج النبوۃ ص ۴۳۹ حال وفات رسولؐ رکن ۴ باب ۴ فصل ۴) یہ معلوم ہے کہ پرستش کے قابل سوائے خدا کے کوئی نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمان ! حضرتؐ کو رسول اور پیشوا سمجھتے تھے ! معبود نہیں جانتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ غیر خدا کو پوجنا کفر ! اور پوجوانا کافر بنانا اور گمراہ کرنا ہے۔ اس موقع پر بہت مناسب ہوتا ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی چند باتوں کا جواب دیکر بندگانِ خدا کے دلوں سے خلش نکال دیتے
۱ کیا صحابہ رسولؐ گمراہ اور کافر اور حضرت رسولؐ اونکے خدا تھے ۲ امت موسوی سے سامری نے گائے پوجوائی ! حضرت رسولؐ کی پوجا کس نے کرائی ! کیا اپنی امت کے لئے معاذ اللہ سامری خود حضرتؐ ہی بنے ۳ اگر یہ باتیں غلط ہیں تو ایسا خیال رکھنے والے اور ایسی باتیں بولنے والے کو مسلمان کیا سمجھیں ؟ امید ہے کہ جواب دینے والے حضرات مسلمانوں کی بہبودی کا لحاظ رکھتے ہوئے انصاف اور ٹھنڈے دل سے جواب دینگے ۱۲ منہ

عه امام اہلسنت راغب اصفہانی ! اپنی مفردات لغت صنم میں لکھتے ہیں کہ جو چیز خدا سے پھیر دے اوسی کو بُت کہتے ہیں ۱۲ منہ [1] تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۳۴۲ بیان نعمت ثالثہ سطر ۲۷۔ ۱۲ منہ

اور حضرت سرورِ عالمؐ کی پیشین گوئی نظروں کے سامنے مجسم بن کر آگئی کہ "تم لوگ ایک ایک ہاتھ اور ایک ایک بالشت ناپ کر یہود و نصاریٰ کی پیروی کروگے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسیں تو تم بھی گھس جاؤگے[۱]

(آٹھواں فائدہ) رازی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ دریا پھٹکر راہ بننے کو دیکھکر ضرور تھا کہ فرعون خدا کو پہچانتا اور کفر پر باقی نہ رہتا۔ پھر باوجود اسکے کیا وجہ تھی کہ اوس نے ہلاکت اختیار کی۔ تو میں جواب دوں گا کہ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے پس اوس کو اپنی ریاست اور حکومت و بادشاہت کی محبت نے اوس کو ہلاکت میں ڈالا[۲] میں عرض کرتا ہوں کہ صحابہ کرام کے حق میں بھی اجلۂ علماء اہلسنت نے جو کچھ لکھا ہے اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلبیت طاہرین کے ساتھ ان لوگوں کی بدسلوکیوں کا سبب! علاوہ محبت ریاست و حکومتِ ناجائز کے حسد و عناد و فسق و ظلم بھی تھا چنانچہ امام اہلسنت غزالی صاحب لکھتے ہیں کہ ریاست اور خلافت کی محبت میں خواہش نفسانی ان پر غالب آگئی تھی اور جھنڈوں کے پھریروں کی لہروں اور فوج کثیر کی افسری اور شہروں کے فتح کرنے کی ہوس نے ان کو مدہوش کر رکھا تھا پس اپنی اگلی مخالفتوں کی طرف پلٹ گئے اور حضرت سرورِ عالمؐ کی غدیری فرمائش کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی پونجی حاصل کی اور بُرا کام کیا۔ اور حضرت سرورِ عالم نے اپنے انتقال سے پہلے فرمایا تھا کہ دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں خلافت کے امر کو طے کردوں اور میرے بعد جو شخص اس کا حقدار ہے اوس کو ذکر کردوں تو عمر نے کہا کہ انکو چھوڑو یہ ہذیان بک رہے ہیں[۳] امام اہل سنت ذہبی لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سر العالمین

---

[۴] بسند صحیح حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے کلام پروردگار لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (سورہ انشقاق پ ۳۰ آیت ۱۹) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے زرارہ کیا فلاں و فلاں و فلاں کے بارے میں اس امت نے یکے بعد دیگرے اگلوں کی راہ نہیں اختیار کی (بحار الانوار جلد ۷ باب جامع تاویل آیات ص ۲۲۹) علی بن ابراہیم علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ یکے بعد دیگرے اگلوں کا طریقہ اختیار کروگے! ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ ناپکر یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے ہونگے تو تم بھی گھسوگے صحابہ نے پوچھا کہ کیا اگلوں سے یہود و نصاریٰ مقصود ہیں فرمایا دوسرا کون مقصود ہے (بحار الانوار ص ۲۲۹) ۱۲ منہ

[۵] امام اہلسنت ابن حجر لکھتے ہیں کہ اولاد تیم (خاندان حضرت ابوبکر) اور اولاد عدی (خاندان حضرت عمر) خاندان حضرت رسولؐ کی دشمن تھی (صواعق محرقہ باب ۲ ص ۳۲ ذکر فضائل شیخین) ۱۲ منہ

[۱] صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب التشبیہ سنن جزء ۶ ص ۹۰ چھاپہ بمبئی ۱۲ منہ
[۲] تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۳۴۲ آخر سوال ثانی ۱۲ منہ
[۳] سر العالمین مقالہ رابعہ ص ۹ چھاپہ بمبئی ۱۲ منہ

امام غزالی کی تصنیف ہے له اور ان کے امام سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں کہ بعض صحابہ حق سے گذر کر حد ظلم اور فسق تک پہونچ گئے تھے اور سبب اس کا کینہ عم اور فساد اور حسد

عہ (اہل سنت) علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ میرے استاد ابو جعفر اسکافی نے بیان کیا کہ کل اہل بصرہ اور کل اہل مکہ اور کل قریش اور اکثر اہل مدینہ حضرت علی علیہ السلام کے دشمن تھے (شرح نہج البلاغہ مصنفہ علامہ ابن ابی الحدید جلد ۱ جزء ۴ ص ۱۹۳) **کیونکہ** علاوہ اسکے کہ سرداران قریش یعنی خلیفۂ اول و دوم کے خاندان والے! قدیم الایام سے خاندان رسولؐ کے دشمن تھے! اسلامی لڑائیوں میں ان دونوں صاحبوں اور دوسرے قریشی اور غیر قریشی قبیلوں کے بہت سے عزیز حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مارے گئے تھے جس کا غیظ ان لوگوں کے دلوں میں تھا۔ چنانچہ حریز بن عثمان حضرتؑ کو برا کہا کرتا تھا اور لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ انکے حق میں رحمۃ اللہ علیہ نہ کہو!! انھوں نے ہمارے بزرگوں کو قتل کیا ہے (میزان الاعتدال جلد ۱ ذکر حریز بن عثمان) **حضرت علی** علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سرور عالم میرا ہاتھ پکڑے ہوئے مدینہ میں چل رہے تھے یہاں تک کہ ایک باغ میں پہونچے میں نے عرض کیا کہ یہ باغ بہت اچھا ہے فرمایا جنت میں تمہارے لئے اس سے بہتر باغ ہے۔ جب راہ غیروں سے خالی ہو گئی تو حضرتؐ مجھے گلے لگا کر چیخ کر رونے لگے۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ تمہاری طرف سے لوگوں کے دلوں میں کینے ہیں جن کو میرے بعد ظاہر کریں گے (ترجمہ ازالۃ الخفاء مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی پدر شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی حصہ اول ص ۳۲۱ ذکر فتنہ) **حضرت علی** علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک روز حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ رو رہے تھے میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ لوگوں کے دلوں میں تمہاری طرف سے کینے ہیں جن کو میرے بعد ظاہر کریں گے (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ جزء ۴ ص ۲۰۹) **امام اہل سنت** شعبی اور ابو الاسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر اور خالد بن ولید کو ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ جن میں عبد الرحمن بن عوف بھی تھے حضرت علیؑ اور زبیر کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ چنانچہ یہ لوگ گئے اور حضرت عمر ایک جماعت کے ساتھ جناب سیدہؑ کے دولتسرا میں (بغیر اجازت دراٰنے) گھس گئے اور حضرت علیؑ پر ٹوٹ پڑے اور کھینچکر کھڑا کیا اور ڈھکیلتے ہوئے باہر لائے اور نہایت سختی سے گھسیٹتے ہوئے لے چلے۔ مدینہ میں ہلچل پڑ گئی گلیاں لوگوں سے بھر گئیں (اور بروایت امام لیث ابن سعد حضرتؑ کے گلے میں رسی باندھکر دوڑاتے لے گئے ۱۲ شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۲۹۲ جزء ۶) جناب سیدہؑ نے جب یہ حالت

له میزان الاعتدال ص ۱۳۲ ذکر حسن بن صباح ۱۲ منہ

اور عناد اور ملک و ریاست اور لذت اور شہوت کی خواہش تھی ۱ؔہ

(بقیہ حاشیہ صـ ۹۳) دیکھی نہایت دردناک آواز سے رونے لگیں اور ہاشمی اور غیر ہاشمی بہت سی عورتیں جمع ہوگئیں معصومہ بے چین ہوکر گھر سے نکل پڑیں اور دولتسرا کے دروازہ پر کھڑی ہوکر فرمایا کہ اے ابوبکر کس قدر جلد تم لوگوں نے حضرت رسولؐ کے گھر کی لوٹ مچادی۔ قسم خدا کی میں مرتے دم تک عمر سے نہ بولوں گی (شرح ابن ابی الحدید جلد ا جزء ۶ صـ ۲۹۳ سطر ۱۳) نظّام (جو متعصب سنی اور دشمن حضرت علیؑ اور دوستدار صحابہ تھے ۱۲ ابن ابی الحدید جزء ا صـ ۳ و جزء ۶ صـ ۳۹) لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے معصومہؑ کے پیٹ پر مارا جسکے صدمہ سے حمل گر گیا اور حضرت محسن شہید ہوگئے۔ اور حضرت عمر چیخ رہے تھے کہ اس گھر کو مع گھر والوں کے جلا دو! (ملل و نحل شہرستانی برحاشیہ ملل و نحل ابن حزم چھاپہ مصر جلد ا صـ ۷۳) اور شہادت حضرت محسن کی وجہ سے جناب معصومہ بیمار ہوگئیں یہاں تک کہ انتقال فرمایا (معارج النبوۃ رکن چہارم آخر واقعۂ سوم ذکر عقد فاطمہؑ صـ ۳۸ چھاپہ مطبع نور لاہور)۔ امام یافعی لکھتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ کے ایک لڑکا اور تھا جس کا نام محسن تھا۔ جس کا حمل گر گیا (مرآۃ الجنان ذکر حضرت فاطمہؑ) حضرت علیؑ نے بحکم حضرت سرور عالم ان مصیبتوں پر صبر کیا (ملاحظہ ہو تفسیر انوار القرآن جلد ا صـ ۸۵۱ سے آخر صفحہ تک)۔ حضرت سرور عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری اولاد مبتلائے بلا کی جائیگی جماعت اونکی پراگندہ کی جائیگی اور وہ آوارہ وطن کئے جائیں گے (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب خروج مہدی صـ ۳۰۹ چھاپہ اصح المطابع لکھنؤ)۔ چنانچہ ظلم کا سلسلہ حضرت رسولؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی شروع کر دیا گیا کچھ مارے گئے کچھ آوارہ وطن کئے گئے۔ کچھ زندہ دیواروں میں چنے گئے اور آج تک یہ بدسلوکیاں جاری ہیں۔

نجف اشرف میں ایک ایرانی طالب علم شیخ نے مذاق سے مجھ سے کہا کہ کیا ہے کہ ہندوستان سے جو بھی آتا ہے اپنے کو سید کہتا ہے! اتنے سید ہندوستان میں کہاں سے آئے؟ قبل اسکے کہ میں جواب دوں نو مسلم خادم مدرسہ تبتی جو وہاں موجود تھا اوس نے کہا کہ اولاد رسولؐ کو آپ لوگوں نے باوجود مسلمان ہونے کے قتل کرنا شروع کیا وہ بھاگ کر ہندوستان گئے۔ ہم لوگ اگرچہ ہندو تھے لیکن بزرگ کی اولاد سمجھ کر اونھیں پناہ دی۔ لڑکی دی۔ زمین دی۔ اونکے ہاتھوں پر ایمان لائے۔ پس ایسی صورت میں سادات وہاں نہ ہونگے تو کہاں ہونگے؟ ایک چھوٹی سی کتاب کنز الانساب! مولانا ...

شرح مقاصد آخر بحث امامت ۱۲ منہ

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۵۳ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۵۴

(الفاظ کے معانی) وَ - اور + اِذْ - جب - جس وقت + اٰتَيْنَا - میں نے دیا موسےٰ - نبی کا نام + کتاب - کتاب + فُرْقَانَ - حق کو باطل سے جدا کرنے والا + لَعَلَّ - تاکہ + کُمْ - تم لوگ + تَهْتَدُوْنَ - سیدھی راہ اختیار کرو + قَالَ - کہا - لِقَوْمِهٖ - اپنی قوم سے + یَا - اے + قوم - گروہ - جتھا گھرانہ + اِنَّ - البتہ + ظَلَمْتُمْ - تم نے بدی کی + اَنْفُسَ - جانوں + بِ - بسبب + اِتِّخَاذ - اختیار کرنے + عِجْلَ - گوسالہ - گائے کا بچہ + فَ - پس + تُوْبُوْا - توبہ کرو اِلٰی - طرف + بَارِئُ - پیدا کرنے والا + اُقْتُلُوْا - مار ڈالو + ذٰلِكُمْ - یہ + خَيْرٌ - اچھا + عِنْدَ - نزدیک + تَابَ - توبہ کیا - توبہ قبول کیا + عَلٰی - پر - اوپر + هٗ - وہی + هُوَ - وہ - وہی + تَوَّابُ - توبہ کا بہت بڑا قبول کرنے والا + رَحِيْمُ - مومنوں پر رحم کرنے والا +

(بامحاورہ ترجمہ) اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب کہ میں نے موسےٰ کو کتاب (توریت) اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی چیز (یعنی حضرت رسول اللہؐ کے سردار انبیاء اور حضرت علیؑ کے سردار اوصیاء اور باقی ائمہ معصومینؑ کے سرداران اہل بہشت اور انکے دوستوں کے بہترین خلق ہونے پر ایمان لانے اور اعتقاد تازہ کرنے کی توفیق دی تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ اور (اس وقت کو یاد کرو) جب کہ موسےٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے

(بقیہ حاشیہ صہ ۹۴) مرتضیٰ علم الہدیٰ طہرانی علیہ الرحمہ کی اس بارے میں بہت اچھی لکھی گئی ہے اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سادات کس کس طرح تباہ و برباد کئے گئے ۱۲ منہ

میرے گروہ والو! تم نے گاے پوجکر اپنے اوپر ظلم کیا۔ پس اپنے پیدا کرنے والے
کی بارگاہ میں توبہ کرو اور تم میں سے خدا پرست گاے پوجنے والوں کو قتل کریں
تمہارے پروردگار کے نزدیک! تمہارے حق میں یہی اچھا ہے۔ (پس ایسا ہی تم لوگوں
نے توبہ کی) اور خدا نے توبہ قبول کی۔ البتہ وہی (کریم ورحیم) توبہ کا بہت زیادہ
قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

(صرف) اٰتَیْنَا اصل میں ءَاْتَیْنَا تھا دوسرا ہمزہ ساکن (جزم والا) تھا اور
پہلا مفتوح (زبر والا) دوسرے کو الف سے بدل دیا اٰتَیْنَا ہوگیا۔ تَھْتَدُوْنَ اصل
میں تَھْتَدِیُوْنَ تھا ضمہ (پیش) "ی" پر گراں تھا اوسکو "د" کو دیدیا اور اوس کا کسرہ
(زیر) گرادیا۔ اب دو حرف علت ایک ی۔ دوسرا و۔ جن پر جزم تھا اکٹھا ہو گئے
ی کو گرادیا تَھْتَدُوْنَ ہوگیا۔ قَالَ اصل میں قَوَلَ تھا۔ و۔ کے پہلے زبر تھا اس واسطے
اوسکو الف سے بدل دیا قال ہوگیا۔ قَوْمِ اصل میں قَوْمِیْ تھا۔ ی کو تخفیف (ہلکا کرنے
کے لئے گرا کر م کے زیر کو چھوڑ دیا تا کہ ی کے گرجانے کو بتائے قَوْمِ ہوگیا۔ اِتِّخَاذ اصل
میں اِوْتِخَاذ تھا و اور ت۔ ایک جگہ جمع ہوئے و کو ت سے بدل کر دونوں ت کو آپس میں
ملادیا اِتِّخَاذ ہوگیا۔ تُوْبُوْا اصل میں اُتْوُبُوْا تھا ضمہ (پیش) و پر گراں تھا اس لئے اوس
ت کو دے دیا۔ ہمزہ لائے تھے تا کہ ابتدا بسکون (پہلے حرف پر جزم) نہ رہے اب جزم
باقی نہ رہا اس لئے ہمزہ کو گرادیا تُوْبُوْا ہوگیا۔ تَابَ اصل میں تَوَبَ تھا و کے قبل زبر تھا
اس واسطے اوس کو الف سے بدل دیا تاب ہوگیا۔

(نحو) و حرف عطف۔ اُذْکُرُوْا فعل جو پوشیدہ ہے۔ اَنْتُمْ اوس کا فاعل جو اوس میں
پوشیدہ ہے۔ اِذْ اسم ظرف مضاف۔ اٰتَیْنَا فعل با فاعل۔ موسیٰ پہلا مفعول۔ کتاب
معطوف علیہ۔ و حرف عطف۔ فرقان معطوف۔ معطوف اور معطوف علیہ مل کر دوسرا مفعول
فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مضاف الیہ۔ مضاف
اور مضاف الیہ مل کر اذکروا کا مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ
فعلیہ انشائیہ ہو کر اذ واعدنا کا معطوف۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بفعل۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر
کی اوس کا اسم۔ تھتدون فعل۔ انتم اوس کا فاعل۔ فعل اور فاعل ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ
ہو کر لعل کی خبر۔ لعل اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ اسمیہ۔ و حرف عطف۔ اذکروا فعل جو

پوشیدہ ہے انتم اوس کا فاعل۔ اذ اسم ظرف مضاف۔ قال فعل۔ موسیٰ اوس کا فاعل ل حرف جار۔ قوم مضاف۔ ہ ضمیر واحد مذکر غائب کی مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ ملکر مجرور۔ جار اور مجرور مل کر متعلق قال کا۔ یا معنی میں اَدْعُوْا کے جو فعل ہے۔ انا اوس کا فاعل جو اوسمیں پوشیدہ ہے۔ قوم مضاف۔ ی جو گرا دی گئی مضاف الیہ۔ دونوں ملکر ادعو کا مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ معترضہ۔ اِنَّ حرف مشبہ بفعل۔ کم ضمیر جمع مذکر حاضر کی اوس کا اسم۔ ظلمتم فعل بافاعل۔ انفس مضاف۔ کم مضاف الیہ۔ دونوں مل کر ظلمتم کا مفعول۔ ب حرف جار۔ اتخاذ مضاف۔ کم مضاف الیہ۔ عجل اتخاذ کا مفعول۔ مضاف اپنے مضاف الیہ اور مفعول سے مل کر مجرور۔ جار اور مجرور ملکر ظلمتم کا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر اِنَّ کی خبر۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر قال کا مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر اذ اسم ظرف کا مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر اذکروا کا مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر اذ اٰتینا کا معطوف۔ ف حرف تفریع۔ توبوا فعل۔ انتم ضمیر جمع مذکر حاضر کی جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ الی حرف جار۔ بارئ مضاف۔ کم مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مجرور۔ جار اور مجرور مل کر توبوا کا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مُفَسَّر اور مبدل منہ۔ ف حرف عطف تفسیر۔ اُقْتُلُوْا فعل۔ انتم جو اوسمیں پوشیدہ ہے اوسکا فاعل۔ انفس مضاف۔ کم مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مُفَسِّر اور بدل۔ ذالکم مبتدا۔ خیر موصوف ثَابِتٌ جو پوشیدہ ہے صفت۔ ل حرف جار۔ کم مجرور۔ دونوں مل کر ثابت کا متعلق۔ عند مضاف بارئ مضاف۔ کم مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر ثابت کا مفعول فیہ۔ موصوف اور صفت اپنے متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر خبر۔ مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ ف حرف تفریع۔ تاب فعل۔ ھو جو اوسمیں پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ علی حرف جار۔ کم مجرور۔ دونوں مل کر متعلق فعل کا۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ ان حرف مشبہ بفعل۔ ہ موکد۔ ھو تاکید دونوں مل کر ان کا اسم۔ توّاب پہلی خبر۔ یا موصوف۔ رحیم دوسری خبر یا صفت۔ موصوف اور صفت

مل کر خبر۔ ان اپنے اسم اور دونوں خبروں۔ یا ایک خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ
ظاہری تفسیر الکتابعہ والفرقان کتاب سے توریت مقصود ہے۔
اور فرقان کے متعلق اختلاف ہے ۱ ابن عباسؓ نے کہا ہے
کہ اس سے بھی توریت ہی مقصود ہے ۲ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے دریا کا
پھٹنا مقصود ہے ۳ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے احلال کو حرام سے! اور موسیٰؑ

عہ (آریہ) دیانند جی نے ستیارتھ پرکاش کے تیرھویں اور چودھویں سملاس میں دین موسوی
وعیسوی اور اسلام پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ اور اپنے مُنہ میاں مٹھو بنکر ہر اعتراض کے
پہلے اپنے کو محقق لکھا ہے۔ اور اعتراضات بالکل بھونڈے جاہلانہ (گنگوار وُو) کئے ہیں۔
مذکورہ بالا آیت میں لفظ فرقان کا معنی معجزہ لکھکر مندرجہ ذیل اعتراضات لکھے ہیں ۱ یہ
بات جو بائبل اور قرآن میں لکھی ہے کہ اوس (یعنی حضرت موسیٰؑ) کو معجزے کرنے کی طاقت دی تھی
قابل تسلیم نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اب بھی ہوتا۔ اب اگر نہیں ہوتا تو پہلے بھی نہیں ہوا تھا۔
۲ جیسے خود غرض لوگ آج کل بھی جاہلوں کے درمیان عالم بن جاتے ہیں ویسے ہی اوس زمانہ
میں بھی فریب کیا ہوگا ۳ کیونکہ خدا اور اوس کی پرستش کرنے والے اب موجود ہیں تو بھی اس وقت
خدا معجزے کرنے کی طاقت کیوں نہیں دیتا اور نہ وہ معجزے کر سکتے ہیں لہ ۱ کا حلی جواب
میں گیارہویں مقدمہ ۲۷ میں لکھ آیا ہوں کہ نبی اور اون کے وصی کی نبوت اور وصایت ثابت
کرنے کے لئے اونکو معجزے دیکھانے کی طاقت دیگئی تھی۔ اس لئے نہ تو نبی اور وصی کو اپنی زندگی
میں اسکی ضرورت تھی کہ ہر وقت یا ہر روز بے ضرورت معجزے دیکھایا کرتے اور نہ غیر نبی یا وصی میں
اسکی قابلیت ہے کہ معجزے دیکھانے کی اوسکو طاقت دی جائے۔ اسی سے تیسرے اعتراض
کا بھی جواب معلوم ہوگیا کیونکہ معجزے کی طاقت دینے کے لئے نبی یا وصی ہونا ضروری ہے اسکے
لئے صرف خدا کی پرستش کرنی کافی نہیں ہے ۲ کا **نقضی جواب**۔ دیانند جی لکھتے ہیں کہ
دھرماتما یوگی مہرشی لوگ وید کے منتروں کا معنی سمجھنے کی خواہش سے جب مراقبہ میں بیٹھتے تھے
تو پرماتما (خدا) بتا دیا کرتا تھا" انھیں معانی کو رشی منیوں نے مع روایات کے کتابوں میں
لکھا ہے ۲ میں کہتا ہوں کہ دیانند جی کی یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ ایشور

لہ ستیارتھ پرکاش کا اردو مستند ترجمہ سملاس ۱۴ صفحہ ۶۷۱ ۱۲ منہ ۲ ستیارتھ پرکاش کا اردو مستند ترجمہ سملاس ۳ صفحہ ۲۶۹ جواب سوال ۷۵ ۱۲ منہ

اور اونکے مومن ساتھیوں کو ! فرعون اور اوسکے کافر ساتھیوں سے جدا کرنا مقصود ہے کہ موسےٰ وغیرہ کو بچالیا اور فرعون وغیرہ کو ڈبادیا ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے قرآن مقصود ہے ۔ اور اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ موسےٰ کو کتاب (توریت) دی اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہٖ کو قرآن " لیکن کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ جو تھا کلام کمزور ہے کیونکہ اوس سے قرآن مراد لینا مجاز ہے اور حقیقی معنی کو چھوڑکر مجازی معنی کو بے ضرورت مراد لینا درست نہیں ہے حالانکہ خداوند عالم نے خبردی ہے کہ ہم نے موسےٰ کو فرقان دیا [1] اور فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ فرقان سے یا تو پورا توریت مقصود ہے یا اوس کا جزء جیسے اصول دین اور فروع دین ۔ یا ان دونوں سے علیحدہ کوئی تیسری چیز جیسے ید بیضا یعنی ہاتھ کی روشنی ! اور عصا جو موسیٰ کو دیا گیا ۔ یا نصرت اور فرعونیوں کے ہاتھ سے چھٹکارہ ! یا دریا کا پھٹنا ! یا قرآن جو حضرت سرور عالم کو دیا گیا ۔ لیکن قرآن مراد لینا درست نہیں ہے [2] (جسکی وجہ اوپر ذکر کی گئی) ۔ میں عرض کرتا ہوں کہ طبرسی علیہ الرحمہ اور رازی صاحب نے

(بقیہ حاشیہ صـ ۹۸) اور اوسکی پوجا کرنے والے اب بھی موجود ہیں اگر مراقبہ سے اوس وقت علم ہوا ہوتا تو اس وقت بھی ہوتا ۔ اور لوگ ویدوں کے صحیح معانی خود ہی سمجھ لیتے اور دیانند جی کی منگھڑھت تفسیروں اور خود ساختہ منتروں (آیتوں) میں پھنسکر اپنے قدیم مذہب کو چھوڑ نہ بیٹھتے اور جب کہ اس وقت لوگ مراقبہ سے نہیں سمجھ سکتے تو بقول دیانند جی کے اوس وقت بھی نہ سمجھا ہوگا ۔ بلکہ خود غرضوں کی طرح جاہلوں کے درمیان عالم بننے کے لئے فریب کیا ہوگا ۔ جو جواب آریہ جماعت اس اعتراض کا دیگی وہی جواب دیانند جی کے مذکورہ بالا تینوں اعتراضوں کا میں دوں گا ۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لوں کہ ایشور نے دھرماتماؤں کو مراقبہ میں وید کے معانی بتائے اور رشیوں نے اون سے لے کر لکھ لئے ۔ تو آریوں کو ماننا پڑیگا کہ سائن اور مہی دھر وغیرہ کی تفسیریں صحیح ہیں جنمیں اونھوں نے بازاری عورتوں کی طرح کنوار لڑکیوں کی شرمناک باتوں اور گھوڑوں [3]

---

[1] مجمع البیان جلد ا صـ ۱۰۸ - ۱۲ منہ [2] تفسیر کبیر جلد ا صـ ۳۴۵ - ۱۲ منہ [3] دیکھو کتاب سوامی دیانند اور اونکی تعلیم صـ ۱۹۱ تا ۲۰۲ [4] دیکھو کتاب سوامی دیانند اور اونکی تعلیم صـ ۵۰ دفعہ ۶۳ - ۱۲ منہ [5] دیانند نے تفسیر رگوید صـ ۱۸۷ تا ۱۹۲ میں لکھا ہے ۱۲ منہ

آخری معنی کی ناپسندیدگی کی جو وجہ لکھی ہے وہ درست ہے لیکن باقی معانی کے متعلق انکے
سکوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اون میں سے کسی ایک کا مراد ہونا صحیح ہے۔ حالانکہ اُن کا مراد
ہونا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ اَلتَّاسِیْسُ اَوْلٰی مِنَ التَّاکِیْدِ یعنی
دوسرے لفظ سے مستقل معنی مراد لینا! پہلا ہی معنی مراد لینے سے بہتر ہے مقصود اس سے
یہ ہے کہ ایک معنی کو ایک لفظ سے ادا کر دینے کے بعد اوسی کو ادا کر دینے کے لئے پھر

(بقیہ حاشیہ ص ۹۹) عورتوں کے وصل ہونے وغیرہ کی ہدایتیں لکھی ہیں کیونکہ وہ لوگ بہ نسبت
دیانند جی کے خالص مذہبی آدمی اور دھرماتماؤں اور رشیوں سے بہت نزدیک تھے۔ اور انکی
صحبت کی بنا پر چاروں وید! نہایت درجہ ذلیل اور پست اخلاق کا مجموعہ ٹھہرتے ہیں۔
۳ کا جواب۔ اس نمبر کا نقضی جواب تو میرے اوپر کے بیان میں گذر گیا۔ رہ گیا علمی جواب
تو وہ یہ ہے کہ میں بیسویں اور اکیسویں مقدمہ میں ص ۱۰۶ سے ۱۲۷ تک تفصیل سے لکھ آیا
ہوں کہ انبیاء اور اوصیاء معصوم تھے فریب اور دھوکھا بازی اونکے لئے محال تھی مثل
مشہور ہے المرء یقیس علی نفسہ یعنی جو شخص جیسا ہوتا ہے دوسروں کو ویسا ہی سمجھتا ہے!
دیانند جی چونکہ اول درجہ کے دنیا دار تھے اور بمبئی وغیرہ کے سیٹھوں کے یہاں سود پر روپیہ
چلایا کرتے تھے [1] اور دوسروں سے جھٹنے کے لئے شاستر میں منتر بھی بڑھا دیا کرتے تھے
کہ "جواہرات سونا وغیرہ دولت سنیاسیوں کو دیویں" [2] اور بد اخلاقیوں کا مجموعہ تھے [3]
اور اگرچہ زبان سے اپنے کو ویدی دھرم کا آدمی ظاہر کرتے تھے۔ لیکن درحقیقت ویدوں
پر ایمان نہیں رکھتے تھے [4] اور ان کے رشی۔ مہارشی بھی انھیں کی طرح کے
تھے جنھوں نے اپنی بہیمی خواہشیں پوری کرنے کے لئے نیوگ جیسے شرمناک اور اخلاق سوز
مسئلہ کو جائز بتایا ہے! جس کی اجازت جانوروں کی شرم و حیا بھی نہیں دیتی۔ اور ویدوں
کو ظالمانہ حکموں سے بھرنے میں کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھا ہے۔ اور وہ انھیں لوگوں کے خود ساختہ
(بنائے ہوئے) گرو تھے اور معجزہ دکھانے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے دیانند جی

[1] دیکھو تفسیر انوار القرآن جلد ۱ کا حاشیہ ص ۷۲ سے ۸۰ تک ۱۲ منہ [2][3] دیکھو کتاب سوامی دیانند
ص ۵۵ و ۴۴ - ۱۲ منہ [4] دیکھو کتاب سوامی دیانند ص ۲۳۸ تا ۲۵۰ - ۱۲ منہ

دوسرا لفظ لانا پست ہے خاص کرکے قرآن کے لئے جو فصاحت و بلاغت میں معجزہ قرار دیا گیا! اس لئے لفظ کتاب اور فرقان دونوں سے توریت ہی مراد لینا جیسا کہ ابن عباس نے بیان کیا ہے! صحیح نہیں ہے۔ رہ گیا یہ خیال کہ لفظ فرقان اس لئے لایا گیا ہے تاکہ توریت کی صفت یعنی حق کو باطل سے جدا کرنا ظاہر ہو جائے! تو اس کا جواب یہ ہے کہ آگے آئیگا کہ ارادہ و اختیار نہ رکھنے والی چیز خواہ کتاب ہو یا کوئی دوسری چیز حقیقی معنی کے لحاظ سے فرقان نہیں ہو سکتی! اور اس مقام پر توریت اور اوسکی صفت تفریق[ع] دونوں کو ظاہر کرنے کے لئے صرف لفظ فرقان ہی کافی تھا۔ لفظ کتاب لانیکی ضرورت نہ تھی! اس کے علاوہ اوس کا آسمانی کتاب ہونا ہی اس صفت کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ آسمانی کتاب چونکہ ہدایت کے لئے ہوتی ہے جسکی توضیح اس کے بعد کا جملہ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (تاکہ تم ہدایت پاؤ) کر رہا ہے! اس لئے حق کو باطل سے جدا کرنا اوسکی قہری صفت ہے۔ پس اگر لفظ کتاب نہ ہوتا تو فرقان ہی سے توریت اور اوسکی صفت مراد لینا ممکن اور صحیح تھا۔ اس لئے لفظ کتاب کے ذکر کے بعد ضرور ہے کہ لفظ فرقان سے کوئی دوسرا معنی مراد لیا جائے جس کو آگے بیان کروں گا۔ رہ گئے باقی معانی جن کو دونوں صاحبوں نے لکھے ہیں تو اونکو مراد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰) نے اپنے اور اونکے عیوب چھپانے کی غرض سے خدا کے سچے انبیاء پر ناجائز حملے کئے ہیں۔ دیانند جی کا چوتھا اعتراض۔ اگر موسیٰ کو کتاب دی تھی تو دوبارہ قرآن کے دینے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ اگر بھلائی برائی کرنے نکرنے کا اوپدیش (واعظانہ حکم) سب جگہ یکساں ہے تو دوبارہ مختلف کتابوں کے بنانے سے پسے ہوئے کے پیسنے کی مثال عائد ہوتی ہے کیا خدا اوس کتاب میں جو کہ موسیٰ کو دی تھی کچھ بھول گیا تھا[۱] اس کا نقضی جواب یہ ہے کہ چاروں ویدوں میں سب سے پہلے رگوید لکھا گیا باقی ویدوں میں ٹونہ۔ ٹوٹکا۔ جنتر۔ منتر۔ جادو۔ سحر۔ کوسا۔ گالی وغیرہ! رگوید کے مضامین پر بڑھا کر مستقل کتابیں بنا دیگئیں۔ چنانچہ سام وید میں ایکہزار پانچ سو انچاس منتر ہیں جنمیں صرف

ع۔ حق کو باطل سے جدا کرنا ۱۲ منہ

[۱] ستیارتھ پرکاش کا اردو مستند ترجمہ سملاس ۱۴ ص ۶۷۷ نمبر ۱۴۔ ۱۲ منہ

لینا بھی درست نہیں ہے کیونکہ فرقان کا معنی کُلُّ مَا فَرَّقَ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ ہے!
یعنی ہر وہ چیز جو حق کو باطل سے جدا کردے۔ اور تفریق (جدا کرنا) حقیقی اور واقعی صفت
اوسکی ہے جو ارادہ اور اختیار رکھے۔ (حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھکر آپس سے جدا کرے)
اور یہ بات حقیقی طور پر نہ تو پورے توریت کے لئے حاصل تھی نہ اوسکے کسی جزء کے
لئے۔ نہ ید بیضاء اور عصاء موسیٰؑ کے لئے۔ نہ نصرت اور نجات کے لئے۔ نہ شگاف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱) اکثر اضافے کے ہیں باقی کل رگوید کے"۔ اسی طرح یجر وید کا بڑا حصہ
رگوید سے لیا گیا ہے [1] اور خود دیانند جی کو بھی اس کا اقرار ہے کہ اتھروید تینوں
ویدوں کے مضامین کا مجموعہ ہے [2] پس میں پوچھتا ہوں کہ جب رگوید دیا جا چکا تھا
تو باقی ویدوں کو دینے کی کیا ضرورت تھی کیا ان کا ایشور کچھ بھول گیا تھا۔ اور جب تینوں
وید دیئے جا چکے تھے تو اتھروید بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جو جواب آریہ دیں گے وہی جواب
میں دیانند جی کے اعتراض کا دوں گا۔ اور حلی جواب یہ ہے کہ میں چھتیسویں مقدمہ میں
صفحہ ۲۴۰ سے صفحہ ۲۵۱ تک تفصیل سے لکھ آیا ہوں کہ توریت اور انجیل کے اصلی نسخے دنیا میں موجود
نہیں ہیں۔ اور جو موجود ہیں وہ یہودی اور عیسائی پادریوں کے لکھے ہوئے ہیں"۔ اور اصلی
نسخے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ کی پیدائش سے پہلے ہی فنا ہو چکے تھے۔
رہ گئے چاروں وید تو میں کتابوں کے حوالہ کے ساتھ تفسیر سورہ بقرہ جلد ا صفحہ ۶ سے ۹ تک
تفصیل سے لکھ آیا ہوں کہ یہ کلام خدا اور آسمانی نہیں ہیں۔ اور بہت سے آریہ بھی ان کو کلام خدا
نہیں مانتے بلکہ خود دیانند بھی انکو نہیں مانتے تھے اور نہ انکی عزت کرتے تھے۔ اور اگر تھوڑی
دیر کے لئے انکو آسمانی کتابیں مان بھی لیا جائے جب بھی یہ بے اعتبار ہو چکی ہیں کیونکہ پنڈت نہال سنگھ
صاحب کرنال نے رگوید آدی بھاشیہ بھومکا مصنفہ دیانند جی کے اردو ترجمہ کے دیباچہ
صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے کہ "اسی طرح سائن وغیرہ زمانہ حال کے پورانک پنڈتوں نے پُران کی
کتھاؤں کو جو اونکے ذہن میں سمائی ہوئی تھیں جگہ جگہ ویدوں میں داخل کردیا ہے"۔
پس چونکہ آسمانی توریت اور انجیل دنیا سے فنا ہو گئی تھیں۔ اور وید یا تو آسمانی ہی نہیں ہیں یا اگر ہیں تو

[1] دیکھو کتاب دیانند اور اونکی تعلیم صفحہ ۲۲۶ ۔ ۱۲ منہ [2] دیکھو تفسیر رگوید مصنفہ دیانند صفحہ ۱۹۶ ۔ ۱۲ منہ

دریا کے لئے نہ قرآن مقدس کے لئے۔ بلکہ اوس مقدس ہستی اور اوسکے امثال کے لئے حاصل تھی جسکے حق میں حضرت سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا اَنْتَ الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ وَالْفَارُوْقُ الْاَعْظَمُ الَّذِیْ یُفَرِّقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ[۱] (اے علیؑ تمہیں صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہو جو حق کو باطل سے جدا کرتا ہے) اور ھٰذَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ وَالْفَارُوْقُ الْاَعْظَمُ الَّذِیْ یُفَرِّقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ[۲] (یہ علیؑ صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہیں جو حق کو باطل سے جدا کرتے ہیں) اور سَیَکُوْنُ مِنْ بَعْدِیْ فِتْنَۃٌ فَاِذَا کَانَ ذَالِکَ فَالْزِمُوْا عَلِیًّا فَاِنَّہٗ الْفَارُوْقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ[۳] (میرے بعد (خلافت میں) فساد پڑیگا پس جب ایسا ہو تو تم لوگ علیؑ کو اختیار کرو کیونکہ حق کو باطل سے جدا کرنے والے وہی ہیں)۔

ان حدیثوں میں مسند الیہ یعنی اَنْتَ اور ھٰذَا اور اِنَّہٗ کی تقدیم یعنی پہلے ذکر کرنا حصر اور تعریض کے لئے ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ صدیق و فارق یہی ہیں۔ اور ان کے غیروں میں سے بعض جو ناحق مدعیِ امامت و پیشوائی ہیں وہ نہ توحقیقتاً صدیق و فاروق ہیں نہ مجازاً! اور بعض جیسے کتاب خدا وغیرہ حقیقتاً نہیں ہیں بلکہ مجازاً ہیں۔ اور جنگ صفین میں جب نیزوں پر قرآن بلند کیا گیا تھا تو حضرت امیر علیہ السّلام نے فرمایا تھا کہ اَنَا الْقُرْاٰنُ النَّاطِقُ (میں بولتا ہوا قرآن ہوں) مقصود یہ تھا کہ حق کو باطل سے پہچنوانے والا درحقیقت میں ہوں! قرآن مجید چونکہ بولنے والی چیز نہیں ہے اس لئے حق اور باطل کو بیان کرنے والا حقیقی طور پر اوس کو تصور کرنا غلطی ہے اور علم اصول فقہ میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ کسی لفظ سے جب تک اوس کا حقیقی معنی مراد ہو سکے! مجازی معنی مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ جس کو طبرسی علیہ الرحمہ نے چھوڑ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) انہیں پنڈتوں نے پرانوں کی بے اصل چیزوں کو داخل کر کے انکو بے اعتبار کر دیا ہے اس لئے خدا کو اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ پر قرآن اتارنے کی ضرورت ہوئی اور اوتار! خدا کچھ بھولا نہ تھا کیونکہ بھول چوک ایشور کی شان ہے خدائے پاک کی شان نہیں ہے ۱۲ منہ

[۱] و [۲] و [۳] ارجح المطالب باب اول صفحہ ۲۳ بیان فاروق اعظم [۱] بحوالہ ریاض النضرہ مصنفہ امام محب طبری و [۲] بحوالہ دیلمی و طبرانی و [۳] بحوالہ مناقب علامہ خوارزمی و دیلمی و استیعاب مصنفہ امام ابن عبد البر ۱۲ منہ

کلام کی رد میں یوں ذکر فرمایا ہے کہ حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی بے ضرورت مراد لینا درست نہیں ہے۔ اور اولویت تاسیس جو اوپر ذکر کی گئی یہ بتاتی ہے کہ لفظ فرقان سے مذکورہ بالا معانی مراد نہیں لئے جا سکتے۔ اور ان معانی کا مراد ہونا ان لوگوں کی ذاتی رائیں ہیں جو غیر معصوم تھے اور غیر معصوم کے دامنوں سے لپٹے ہوئے تھے انکے مراد ہونے کو ان معصوموں سے نقل نہیں کیا ہے جن کے گھر میں قرآن اور علم قرآن اوتارا گیا۔ اور قبل اس کے کئی جگہ ذکر کر چکا ہوں کہ ہر نبی! اقرار و اعتقاد نبوت حضرت سرور عالم اور امامت ائمہ معصومین علیہم الصلوۃ والسلام پر نبی بنائے گئے۔ اور ہر ایک کو حکم دیا گیا کہ اپنی امت کو اسکی ہدایت کریں اور آگے معتبر حدیث ذکر کرونگا جس میں معصوم نے فرمایا ہے کہ فرقان ہے! اسی نبوت و امامت پر ایمان لانا اور اعتقاد رکھنا مقصود ہے اس لئے لفظ کتاب سے توریت اور لفظ فرقان سے نبوت و امامت ہی مقصود ہے نہ غیر۔ اور معصومؑ کی فرمائش کے مقابل میں غیر معصوم کا کلام لائق اعتبار نہیں ہوسکتا لعلکم تھتدون میں نے تمہیں توریت اس لئے دی تاکہ اوسمیں محمد صلے اللہ علیہ وآلہ کی تعریفوں اور اونکی رسالت کی بشارتوں کو پڑھکر ہدایت پاؤ (اور اونکی نبوت کا اقرار و اعتقاد کرو) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ تک اور اوس وقت کو بھی یاد کرو جب کہ موسےؑ نے اپنی قوم میں سے بت پوجنے والوں سے کہا تھا کہ تم نے گوسالہ کو خدا بنا کر گھاٹا اوٹھایا اور اپنی عبادتوں کو بے موقع واقع کیا جو عذاب کا سبب ہے پس اقرار وحدانیت کر کے اپنے پروردگار کی اطاعت و فرمانبرداری کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔ قوم موسےؑ کے لئے دو چیزیں مل کر توبہ قرار دیگئی تھیں۔ ایک[1]! پھر گناہ نہ کرنیکا ارادہ اور کئے ہوئے پر شرمندگی۔ دوسرے[2] مارا جانا! جس کو خداوند عالم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے آپ کو مار ڈالو۔ ابن عباس اور سعید بن جبیر اور مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ جن لوگوں نے گوسالہ نہیں پوجا وہ پوجنے والوں کو قتل کریں اور ابن اسحاق اور جبائی کہتے ہیں کہ مارے

لہ ملاحظہ ہو تفسیر انوار القرآن جلد ا صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۵ - ۱۲ منہ

جانے کے لئے تیار ہو جانا مقصود ہے اور اسی تیاری کو لفظ قتل سے مجازاً تعبیر کیا ہے
جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا تھا اونکے بارے میں مفسروں میں اختلاف ہے۔
ایک حدیث میں ہے کہ حضرت موسےٰؑ نے اونکو حکم دیا کہ غسل کر کے کفن پہنیں اور
صف باندھکر کھڑے ہو جائیں۔ اور حضرت ہارون اون بارہ ہزار کو ساتھ لے کر آئے۔
جنھوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی۔ اور سب کے ہاتھوں میں تیز تلواریں تھیں۔
اور گائے پوجنے والوں کو قتل کرنا شروع کیا جب ستر ہزار مارے جاچکے تو باقی کے
گناہ بخشدیئے گئے اور قتل روک دیا گیا۔ اور مقتولوں کا مارا جانا ان کے لئے
بھی شہادت قرار دیا گیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ستر آدمی جو حضرت موسےٰؑ
کے ساتھ کوہِ طور پر گئے تھے اونھوں نے گوسالہ پرستوں میں سے ستر ہزار کو قتل
کیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ گوسالہ پرست ہی دو صف ہو کر ہر صف والوں نے
دوسری صف والوں کو قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ستر ہزار مارے گئے۔
اور بعض نے کہا ہے کہ شدید تاریکی اون پر چھا گئی اور آپس میں کٹ مرے
جب دنیا روشن ہوئی تو ستر ہزار مقتول پائے گئے۔ ان کے لڑنے کے وقت
حضرت موسےٰؑ اور حضرت ہارونؑ کھڑے دعائیں اور گریہ وزاری کر رہے تھے یہاں تک
کہ قتل کا حکم اوٹھا دیا گیا اور جو باقی رہ گئے تھے اونکی توبہ قبول کی گئی ذٰلِکُمْ خَیْرٌ
لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ ذالکم سے توبہ اور قتل دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا
ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ اگر خدا کی خوشی توبہ کرنے اور جان دینے ہی میں ہو تو زندہ رہنے
سے یہ بہتر ہے کیونکہ موت سے کسی کو چھٹکارہ نہیں ہے پس اگر توبہ کرنے اور مارے
جانے سے بھاگوگے تو مرنے کے بعد عذاب آخرت میں مبتلا ہوگے۔ اور اگر ان دونوں
کو اختیار کروگے تو مارے جانے کی تلخی ! مارے جانے کے بعد دفع ہو جائیگی اور
ہمیشہ کے لیے بہشتی نعمتوں سے فائدہ اوٹھاؤگے۔ اور چونکہ گائے پرستوں نے
اپنے خالق کو چھوڑکر گوسالہ کو خدا مان لیا تھا اس لئے (تاکید) اور تعظیم کی غرض
سے لفظ بارئکم (تمہارا پیدا کرنے والا) دو دفعہ ذکر کیا گیا۔ فَتَابَ عَلَیْکُمْ
یہاں پر ایک جملہ پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ فتاب علیکم اوسی کو ظاہر کر رہا تھا۔
اس لئے اوس کو صاف ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اصل میں یوں تھا اَنَّمَا

فعلتم ما امرتم به فتاب علیکم یعنی توبہ اور قتل! جس کا تم کو حکم دیا گیا تھا جب
تم نے اوسکو قبول کیا تو خدا نے تمہاری توبہ قبول کی یہ آیت اس بات کو
بتا رہی ہے کہ توبہ میں! گناہوں پر شرمندگی کے علاوہ مارے جانے کی شرط
بھی صحیح ہے [1]

حدیثیں

وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ

(الطریق شیعہ) کا بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے
آپ نے اسکی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اوس وقت کو یاد کرو جب کہ میں نے
موسٰے کو کتاب یعنی توریت دی جس پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا عہد و پیمان
بنو اسرائیل سے لیا تھا اور فرقان بھی دیا جو حق کو باطل سے اور حق پرستوں کو باطل پرستوں
سے جدا کرتا ہے۔ بیان اس کا یہ ھے کہ کتاب (توریت) اور اوس پر
ایمان لانے اور عمل کرنے سے جب بنو اسرائیل کی عزت افزائی کر چکا تو حضرت موسٰے
پر وحی کی کہ اے موسٰے! بنو اسرائیل توریت کا تو اقرار کر چکے۔ اب فرقان باقی
رہ گیا ہے! جو حق کو باطل سے اور حق پرستوں کو باطل پرستوں سے پہچنوا دیتا ہے۔
اب ان سے کہو کہ اوس پر بھی ایمان لائیں۔ کیونکہ میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی
شخص کے ایمان اور عمل کو قبول نہ کروں گا جب تک اوس پر ایمان نہ لائے۔
عرض کیا پروردگار! وہ کیا چیز ہے ارشاد ہوا کہ اے موسٰے بنو اسرائیل
سے اس کا اقرار لو کہ محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ) کل انبیاء سے بہتر اور کل رسولوں
کے سردار ہیں۔ اور اونکے بھائی علیؑ کل اوصیاء سے بہتر ہیں اور میرے اولیاء (ائمہ
معصومین) جن کو میں (محمدؐ کا) جانشین بناؤں گا کل مخلوقات کے سردار ہیں اور ان کے
شیعے جو اونکے پیرو اور فرمانبردار ہیں وہ فردوس اعلےٰ کے ستارے اور
بہشت بریں کے بادشاہ ہیں۔ پس حضرت موسٰےؑ نے اس عقیدہ کو اونکے سامنے
پیش کیا تو کچھ لوگوں نے دل سے اعتقاد کیا اور کچھ نے صرف زبان سے۔

حضرت رسول اور ائمہ معصومینؑ فرقان ہیں

[1] مجمع البیان جلد ۱ ص ۸۷ و ۸۹ - بقدر حاجت ۱۲ منہ

دل سے اعتقاد کرنے والوں کی پیشانیاں نورانی ہوگئیں اور صرف زبانی اقرار کرنے والے اس نور سے محروم رہے۔ پس فرقان (حق پرستوں کو باطل پرستوں سے جدا کرنیوالا) یہی تھا جو حضرت موسےٰؑ کو دیا گیا تھا۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے توریت اور فرقان اس لیئے دیا تاکہ تم لوگ سمجھ لو کہ ولایت (یعنی ائمہ معصومینؑ کی امامت کا اعتقاد) ہی وہ چیز ہے جس سے میرے بندوں کو میری بارگاہ میں عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس طرح تمہارے بزرگوں نے اسی کی بدولت عزت حاصل کی تھی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ سے هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ تک کورہ بالا حدیث میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اسکی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے بنو اسرائیل اوس دن کو بھی یاد کرو جب کہ موسےٰ نے اپنی قوم میں سے گوسالہ پوجنے والوں سے کہا تھا کہ تم نے گوسالہ پوجکر اپنے آپ کو نقصان پہونچایا۔ پس اپنے خالق کی بارگاہ میں جس نے تم کو پیدا کیا ہے توبہ کرو اور تم میں سے خدا پرست گوسالہ پرستوں کو قتل کریں۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کیونکہ اگر زندہ رہو گے اور خدا تمہارے گناہ نہ بخشیگا تو جہنم میں جاؤ گے اور اگر توبہ کر کے مارے جاؤ گے تو خداوند عالم مارے جانے کو تمہارے گناہوں کا کفارہ قرار دے گا اور بہشت میں تمہیں جگہ دیگا (پس جب اونھوں نے اس پر عمل کیا تو خدا نے اون سے کہا) کہ سب کے مارے جانے سے پہلے میں نے تمہاری توبہ قبول کی اور تم کو توبہ کے لیئے مہلت دی اور اطاعت کے لئے چھوڑ رکھا۔ کیونکہ میں توبہ کا بہت بڑا قبول کرنے والا اور بہت مہربان ہوں۔

قصہ قتل کی تفصیل میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ جب خداوند عالم نے حضرت موسےٰؑ کے ہاتھوں گوسالہ کی خدائی باطل کر دی اور گوسالہ نے سامری کی مکاریوں سے خود خبر دی تو حضرت موسےٰؑ نے بنو اسرائیل کو حکم دیا کہ تم میں سے جس نے گوسالہ پرستی نہیں کی ہے وہ گوسالہ پرستوں کو قتل کرے۔ تو بہت سے گوسالہ پرستوں نے اپنی برائت ظاہر کی اور کہا کہ ہم نے اسکی پرستش نہیں کی تھی۔ پس حضرت موسےٰؑ کو حکم ہوا کہ اس طلائی گوسالہ کو سوہان سے برادہ کر کے دریائے نیل میں چھڑک دو۔ پس گنہگاروں نے اوس کا پانی پیا تو اونکے دونوں ہونٹھ اور

ناک سیاہ ہو گئے اور اونکا گناہ! اور بے گنا ہونکی بے قصوری ظاہر ہو گئی۔ پس
بے گناہوں کو جو بارہ ہزار تھے حکم ہوا کہ گنہگاروں کو قتل کریں اور اعلان کر دیا گیا
کہ جو شخص ان کو ہاتھ یا پاؤں سے پناہ دے اوس پر اور جو شخص اپنے اور بیگانے
میں فرق کر کے اپنوں کو چھوڑے اور غیروں کو قتل کرے اوس پر خدا کی لعنت ہے
اور گنہگار مارے جانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ پس بے گناہ کہنے لگے کہ ہماری
مصیبت بڑی سخت ہے کہ اپنے باپ اور بھائی اور اولاد کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے کا
ہمیں حکم ہوا ہے۔ حالانکہ ہم لوگوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی۔ باوجود اس کے ہم
اور گنہگار مصیبت میں برابر کر دیئے گئے۔ پس حضرت موسےٰؑ پر وحی ہوئی کہ میں نے
مصیبت میں ان کو اس وجہ سے مبتلا کیا ہے کہ گنہگاروں کے گوسالہ پوجنے پر
نہ تو انھوں نے اون سے نفرت کی اور نہ جدائی اختیار کی (اور یہ بات عقلی اور شرعی
ہے کہ اَلرَّاضِیْ بِالظُّلْمِ اَحَدٌ مِنَ الظَّلَمَةِ یعنی گناہ پر راضی رہنے والے بھی ظالم
اور سزا اور ملامت کے مستحق ہیں) **اے موسےٰؑ** ان سے کہدو کہ (چونکہ یہ
بھی سزا کے مستحق ہو چکے ہیں اس لئے اس سے چھٹکارہ تو نہ ہوگا لیکن) محمدؐ کے
حق کا واسطہ دیکر مجھ سے دعا کریں تاکہ میں گنہگاروں کو قتل کرنے کا صدمہ ان سے
اوٹھالوں پس اونھوں نے دعائیں کیں اور صدمہ جاتا رہا۔ پس جب گنہگار قتل ہونا
شروع ہوئے جن کی تعداد پانچ لاکھ اٹھاسی ہزار تھی! تو اونمیں سے کچھ لوگوں
کے دلوں میں خداوند عالم نے یہ بات ڈالدی کہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ دینے
کے سوا اس وقت نجات کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے) پس اونھوں نے
دوسروں سے اس کو ذکر کیا اور کہا کہ یہی وہ چیز ہے جس سے توسل کرنے والے
محروم نہیں رہتے اور کوئی دعا رد نہیں ہوتی اور انبیاء اور رسولوں نے بھی ان کا
واسطہ دیکر دعائیں کی ہیں! ہم لوگوں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے پس سب نے ایک
زبان ہو کر عرض کیا کہ پروردگارا تجھے محمدؐ اکرم اور علیؑ افضل اعظم اور فاطمہؑ علیا
اور محمدؐ کے دونوں نواسے حسنؑ اور حسینؑ سرداران اہل بہشت اور انکی باقی اولاد
طاہرینؑ کی عزت اور حرمت کا واسطہ کہ ہمارے گناہ بخشدے اور قتل کا حکم اوٹھالے
پس فوراً حضرت موسےٰؑ کو حکم ہوا کہ قتل کرنے والے ہاتھ روک لیں! کیونکہ انلوگوں کی

ایسے لوگوں کا واسطہ دیا ہے کہ اگر یہ پہلے ان کا واسطہ دیکر گوسالہ پرستی سے
حفاظت کی خواہش کئے ہوتے تو میں اوس کے بھید کو ان پہ ظاہر کر دیتا اور یہ
اوسکی پرستش میں مبتلا ہی نہ ہوتے۔ اور اگر شیطان اونکا واسطہ دیے ہوتا تو
میں اوس کو راہِ راست پر لگا دیتا (اور لعنت ابدی میں گرفتار نہ ہوتا) اور اگر نمرود اور
فرعون انکا واسطہ دیئے ہوتے تو اون کو ہلاکت سے بچا لیتا (مختصر یہ کہ محمدؐ اور اونکی
آلِ پاک سے توسل اور خلوص ا ہر مصیبت سے بچاتا اور اون سے بے تعلقی ! ندامتوں
میں ڈالتی اور ہلاکتوں کا نشانہ بنا دیتی ہے) پس وہ لوگ پچھتائے اور کہنے لگے کہ
افسوس! اگر ہم لوگ محمدؐ اور آل محمدؐ کا واسطہ دیکر پہلے ہی دعا کئے ہوتے تو خدا اس
فتنہ سے بچا لیتا اور گوسالہ پرستی سے محفوظ رہتے [1]

(بطریق اہلسنت) الکتاب والفرقان ۱؎ مجاہد کہتے ہیں کہ فرقان سے کتاب ہی مقصود ہے جو حق کو باطل
سے جدا کرتی ہے ۲؎ ابن عباس کہتے ہیں کہ توریت اور انجیل اور زبور اور
فرقان! سب کے مجموعہ کو فرقان کہتے ہیں۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ (تا آخر)
۱؎ ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت موسٰیؑ نے بحکم خدا جب اپنی قوم کو حکم دیا کہ
ایک دوسرے کو قتل کریں تو گوسالہ پرست مارے جانے پر تیار ہو گئے اور بیگناہ
خنجر لیکر کھڑے ہوئے اور سخت تاریکی چھا گئی اور قتل کرنا شروع کیا جب دنیا
روشن ہوئی تو دیکھا گیا کہ ستر ہزار مارے جا چکے تھے۔ پس جو مارے گئے تھے اونکی
توبہ (مارا جانا تھی) اور جو بچ رہے اونکی توبہ (اونکے عزیزوں کا مارا جانا اور
اونکا مارے جانے کے لئے تیار ہو جانا) ۲؎ حضرت علی علیہ السلام
ارشاد فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسٰیؑ سے پوچھا کہ ہمارے لئے توبہ
کیا ہے؟ جواب دیا کہ ایک کا دوسرے کو قتل کرنا۔ پس اون لوگوں نے چھریاں
لیں اور اپنے بھائی اور باپ اور بیٹے کو قتل کرنا شروع کیا اور اسکی کوئی پروا نہ کی
کہ کس کو مار رہے ہیں! یہاں تک کہ ستر ہزار مارے گئے اوس وقت خداوند عالم نے
وحی کی کہ اب ہاتھ روک لیں جو مارے گئے میں نے اونکے گناہ بخشدیئے اور جو زندہ ہیں

[1] تفسیر برہان جلد ا صفحہ ۶۲ و ۶۳ و حیات القلوب جلد ا باب ۱۳ فصل ۶ صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۳ - چھاپہ کشوری ۱۲ منہ

اونکی توبہ قبول کی ہے (۳) قتادہ کہتے ہیں کہ بنو اسرائیل کو سخت بلاء کا حکم ہوا پس ایک دوسرے کو خنجروں سے ذبح کرنے لگے جب یہ عذاب اون پر (ایک حد تک) پہونچ گیا تو خنجر اونکے ہاتھوں سے گر گئے اور زندوں کی توبہ مقبول ہوئی اور مردوں کی موت شہادت قرار دیگئی ہے (۴) زہری کہتے ہیں کہ جب ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے اور کچھ لوگ مارے جاچکے تو اونھوں نے حضرت موسےٰ سے دعا کرنے کی خواہش کی (اونھوں نے دعا کی) اور باقی ماندوں کی توبہ قبول ہوئی۔ اس قتل پر حضرت موسےٰ اور بنو اسرائیل بہت غمگین ہوئے پس وحی ہوئی کہ اے موسےٰ کیوں غمگین ہو جو مارے گئے وہ میرے نزدیک زندہ ہیں اور رزق پائیں گے۔ اور جو بچ رہے ہیں اونکی توبہ میں نے قبول کی پس حضرت موسےٰ اور بنو اسرائیل خوش ہو گئے لہ

(باطنی تفسیر) ان آیتوں کی باطنی تفسیر کے مناسب حضرت سرور عالم اور اونکی اولاد امجاد یعنی ائمہ طاہرین اور اون کے شیعوں کی فضیلت اور شرافت تھی اور دنیا اور آخرت کی بلاؤں اور مصیبتوں سے نجات کے لیئے ان کے دامنوں کو پکڑنے اور ان سے متوسل ہونے کی اہمیت! جو ظاہری تفسیر کی حدیثوں میں ذکر کی گئی۔

چند فائدے

(پہلا فائدہ) **معانی۔ بیان۔ بدیع (معانی)** (۱) فَاقْتُلُوْا اور فَتَابَ میں اضمار ہے یعنی کلام کو مختصر کرنے کی غرض سے ان دونوں جملوں سے پہلے دو جملے گرا دیئے گئے ہیں۔ فَاقْتُلُوْا سے پہلے کَیْفَ نَتُوْبُ تھا یعنی اونھوں نے پوچھا کہ کیونکر توبہ کریں؟ تو جواب دیا کہ اُقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ یعنی ایک دوسرے کو قتل کرے۔ اور فَتَابَ سے پہلے فَقَتَلُوْا تھا یعنی اونھوں نے جب قتل کیا تو خدا نے اون سے توبہ قبول کی (۲) ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ میں اطناب ہے یعنی کلام کو بڑھایا ہے اور مقصود اس سے اونکو تشفی اور دلاسا دینا اور مرنے کے لیئے آمادہ کرنا ہے۔ اور عِنْدَ اللّٰہِ کی جگہ پر عِنْدَ بَارِئِکُمْ (تمھیں پیدا

لہ تفسیر در منثور علامہ سیوطی جلد ۱ صہ ۶۹ کل نمبر ۱۲ منہ

کرنے والے کے نزدیک) ذکر کرنا اس مصلحت سے ہے کہ وہ یہ سمجھیں کہ یہ حکم واقعاً مجتنانہ اور ہماری بھلائی کے لئے ہے کیونکہ بہ نسبت مجازی پیدا کرنے والے یعنی ماں باپ کے حقیقی پیدا کرنے والے یعنی خدا کو اپنی مخلوق سے بہت زیادہ محبت ہونی چاہئے اور ہے۔ اور ایسی محبت رکھنے والا بغیر ایسی بھلائی کے جو زندگی کی بھلائیوں سے بہتر ہو مرنے کا حکم نہیں دے سکتا"۔ یہی وجہ تھی کہ بنو اسرائیل جیسی سرکش اور جاہل قوم سر جھکا کر مرنے کے لئے تیار ہوگئی۔ لیکن ہزار افسوس کہ امت محمدی جو بقول رازی صاحب کے کل امتوں سے بہتر ہے! خیر و خوبی کے ساتھ بھی حضرت سرور عالم کو اجر رسالت دینا یعنی اونکے اہلبیتؑ سے محبت بلکہ اون پر ایک سلام کرنا اور اونکے دشمنوں سے جدا رہنا بھی پسند نہیں کرتی! بلکہ ان سے دشمنی اور اُنکے دشمنوں سے دوستی رکھتی ہے۔

۳ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ میں مسندالیہ یعنی فاعل کو جو یہاں پر ضمیر واحد غائب کی اِنَّ سے ملی ہوئی ہے مسند یعنی تواب اور رحیم سے پہلے ذکر کرنا اور ھو ضمیر منفصل سے اوسکی تاکید کرنی! حصر اور اختصاص کی غرض سے ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ توبہ زیادہ قبول کرنا اور زیادہ رحم کرنا خاص خدا ہی کی صفت ہے کہ بندے اگر لبوں پر جان آجانے کے بعد بھی توبہ کریں تو قبول کرلیتا ہے۔ اور اون پر بھی رحم کرتا ہے جو عمر بھر اوسکی نعمتوں میں ڈوبے رہنے پر بھی اوسکی خدائی سے انکار کرنے کے بعد شرمندہ ہوں اور توبہ کرلیں۔

(بیان) فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ میں استعارہ ہے۔ اور مقصود اس سے وہ لوگ ہیں جو عام طور سے اپنی جان کے برابر عزیز ہوتے ہیں جیسے اولاد۔ باپ۔ ماں۔ بھائی بہن

ع حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں سے جب پردہ اوٹھا دیا گیا تو اونھوں نے ایک شخص کو زنا کرتے دیکھا بددعا کی وہ دونوں مرگئے۔ پھر دوسرے کو دیکھا پھر بددعا کی دونوں مرگئے۔ پھر تیسرے کو دیکھا بددعا کی دونوں مرگئے۔ پس خطاب ہوا کہ اے ابراہیم بس! میرے بندے ہیں چاہوں گا بخشوں گا۔ چاہوں گا عذاب کروں گا۔ اگر مارنا ہی مقصود ہوتا تو پیدا کیوں کرتا لہ یہ حدیث شریف! کافی ثبوت ہے کہ خداوند رحیم اپنے بندوں سے بہت محبت رکھتا ہے اور وقت موت سے پہلے اونکو ملنا نہیں چاہتا ۱۲ منہ

لہ جواہر السنیہ فی الاحادیث القدسیہ صہ ۱۶ بسند صحیح چھاپہ ایران ۱۲ منہ

پس اس لفظ کو! جو اپنی جان کے لئے بنایا گیا ہے اون لوگوں میں مجازاً استعمال کیا ہے (بدیع) پاتخاذکم میں تضمین ہے یعنی اس سے عبادت کا معنی مراد لیا گیا ہے۔ اور لفظ عبادت کے بدلے اس کو اس غرض سے اختیار کیا ہے تاکہ خوشی سے عبادت کرنے کو ظاہر کرے کیونکہ غیر مستحق کی عبادت کبھی خوف اور تقیہ کی وجہ سے بھی کیجاتی ہے جیساکہ قبل اسکے ذکر کیا گیا۔

(دوسرا فائدہ) علم کلام۔ اِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ۔

یہ آیت کریمہ اس بات کو بتاتی ہے کہ لطف اور اتمام حجت! خداوند حکیم پر واجب ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ (۱) اوس مبدء فیاض نے بندوں کو وجود اور ہستی جیسی نعمت عطا کی! اور (۲) دوسرے مقدمہ ۷ سے ۱۲ تک میں تفصیل سے لکھ آیا ہوں کہ منعم اور محسن کے حق کو پہچاننا اور بقدر امکان ادا کرنا عقلاً۔ شرعاً۔ فطرۃً واجب ہے اور حقوق منعم کی ادا کاری! خود حقوق اور اونکے طریقۂ ادا کاری کو جاننے پر موقوف ہے۔ اور (۳) انکو اس طرح جاننا اور ادا کرنا کہ اوسکے نزدیک پسندیدہ ہوتے ہیں شک باقی نہ رہے خود اوسی کے بتانے پر موقوف ہے۔ اور اسی بتانے کو لطف کہتے ہیں۔ جس کا معنی دوسرے الفاظ میں متکلموں نے تَقْرِیْبٌ عَنِ الطَّاعَةِ وَتَبْعِیْدٌ عَنِ الْمَعْصِیَةِ بیان کیا ہے۔ یعنی اپنے احکام اور حقوق اور اونکے انجام کے طریقوں کو بتاکر فرماں برداری سے نزدیک اور نافرمانی سے دور کر دینے کو لطف کہتے ہیں۔

پس پہلے جملہ سے اوس نے لطف کو ظاہر فرمایا ہے کہ میں نے تمہیں کتاب اور فرقان دیدی جن سے میرے حقوق اور احکام اور اونکے انجام کے طریقے تمہیں معلوم ہونگے اور لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ سے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اسباب ہدایت دے کر میں نے اپنی حجت ختم کردی اب تم اس کے نہ پانے کا عذر نہیں کر سکتے۔

(تیسرا فائدہ) اصول دین۔ الکتاب والفرقان۔ بجائے توریت کے کتاب اس واسطے فرمایا ہے تاکہ یہ کلام امت موسوی۔ عیسوی۔ محمدی سب کو شامل ہو جائے۔ کیونکہ لفظ کتاب! کل آسمانی کتابوں کو شامل ہے جنمیں قرآن مجید بھی داخل ہے۔ میں اس کے قبل کئی جگہ لکھ آیا

فوائد مخصوصہ لطف اور اتمام حجت واجب ہے۔

رسالت اور امامت کی ضرورت

ہوں کہ قرآن مقدس میں بہت سی آیتیں اس قسم کی ہیں جنہیں خطاب خاص شخص یا خاص جماعت سے ہے لیکن مخاطب کل وہ لوگ ہیں جن پر حکم خدا جاری ہوسکتا ہے اور اس آیت کی ظاہری تفسیر میں ثابت کر آیا ہوں کہ یہاں پر لفظ فرقان سے حضرت سرور عالم اور ائمہ اہلبیت علیہم الصلوۃ والسلام مقصود ہیں کیونکہ ہدایت کے لئے کتاب صامت[۱۲ چپ] کافی نہیں ہے بلکہ بیان کرنے والے کی محتاج ہے جو معصوم ہو اور علم لدنی رکھتا ہو۔ پس اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح امت موسوی کتاب صامت[۱۲ چپ] اور فرقان ناطق[۱۲ بولنے والا] دونوں کی محتاج تھی اسی طرح امت محمدی بھی محتاج ہے کیونکہ احکام اور حالات میں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ اسی وجہ سے بحکم خدا حضرت سرور عالم نے اپنی امت سے فرمادیا تھا کہ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَبَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَلَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ (ملاحظہ ہو تفسیر انوار القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۰ سے ۳۲ تک کا حاشیہ) یعنی میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا (جو چپ اور بیان کرنے والے کی محتاج ہے) اور دوسری اپنی عترت (جو بیان کرنے والی ہے) اگر دونوں کو اختیار کروگے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر پہونچنے تک آپس سے ہرگز جدا نہ ہونگے۔ لیکن افسوس! کہ بعض امت محمدی نے ایک کو جلایا اور دوسرے کو قتل کیا[۱] عترت کا مقام ہے

(چوتھا فائدہ) علم اخلاق۔ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ خداوند مالک الملوک غنی مطلق ہے نہ کسی کی توبہ سے اسکو کوئی فائدہ پہونچتا ہے نہ کسی کی سرکشی سے نقصان! وہ فیاض ہستی ہے چاہتا ہے اپنے محبوب بندوں کو فائدہ پہونچائے! بندوں کا فریضہ ہے کہ توبہ کرکے اپنے کو فائدہ اوٹھانے کے قابل بنائیں کیونکہ خداوند حکیم وعادل! شوخ چشم سرکشوں اور خداترس اور شرمندہ توبہ کرنے والوں کو برابر کا حقدار بناکر اپنی عدالت کے خلاف نہیں کرسکتا اور دونوں کو اخروی نعمتیں دیکر اپنے اوپر اعتراض

[۱] ملاحظہ ہو تفسیر انوار القرآن جلد ۲ صفحہ ۶۹ و ۷۰ کا حاشیہ ۱۲ منہ

کا موقع نہیں دے سکتا اسلئے حکم دیتا ہے کہ توبہ کرکے تم اپنے کو میری نظر رحمت کا حقدار بنالو تاکہ میں آخرت کی نعمتوں سے جو گرانقدر اور واقعی نعمتیں ہیں تمہیں مالامال کردوں۔ توبہ کا معنی لغت میں گناہ سے پلٹنا ہے اور علماء دین کی اصطلاح میں گناہ کو گناہ سمجھکر اوس پر شرمندہ ہونا اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ توبہ میں چھ چیزوں کا ہونا ضروری ہے ۱؎ گذرے ہوئے گناہوں پر شرمندہ ہونا ۲؎ چھوٹے ہوئے واجبات کو بجالانا ۳؎ دوسرے کے مالی حقوق (جن میں خمس و زکوٰۃ بھی داخل ہے) ادا کردینا ۴؎ آپس کی عداوت کی وجہ سے جن (مسلمانوں) کے دیگر مالی، حقوق (جیسے عزت)، برباد کئے ہوں اونکو اونسے بخشوالینا ۵؎ یہ ارادہ رکھنا کہ پھر گناہ نہ کرینگے ۶؎ اپنے جسم کو عبادتوں میں اوسی طرح گھلانا جس طرح گناہوں میں موٹا کیا تھا اور عبادتوں کی تکلیفوں کا تلخ مزہ اوسی طرح چکھانا جس طرح گناہوں سے لذت اوٹھائی ہے لہ اسی کو توبہ نصوح کہتے ہیں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا (سورہ تحریم پ ۲۸ - آیت ۸) یعنی خدا کی بارگاہ میں توبہ نصوح کرو۔ اور ارشاد فرماتا ہے کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورہ انعام پ۷ آیت ۵۴) یعنی تمہارے پروردگار نے رحمدلی کو اپنے اوپر واجب کرلیا ہے وہ یہ کہ تم میں سے جو شخص نادانی سے گناہ کرلے اوسکے بعد توبہ کرے اور اچھا کام کرے تو خدا البتہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ (سورہ بقرہ پ۲ آیت ۲۲۲) یعنی خداوند عالم توبہ کرنے والوں کو البتہ دوست رکھتا ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اوس شخص سے تعجب ہے جو خدا کی رحمت سے ناامید ہوتا ہے حالانکہ گناہوں کو مٹانے والی چیز خود اوسکے پاس موجود ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے فرمایا استغفار (توبہ)۔ بسند معتبر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مرنے سے سال بھر پہلے توبہ کرے! توبہ اوسکی مقبول ہے۔ پھر فرمایا! یہ زیادہ ہے اگر ایک مہینہ

لہ مجمع البحرین حرف تا باب یا۔ ذکر توب ۱۲ منہ

...بہ کرے قبول ہوگی۔ پھر فرمایا یہ بھی زیادہ ہے اگر ایک ہفتہ پہلے توبہ کرے مقبول
ہوگی۔ پھر فرمایا یہ بھی زیادہ ہے اگر ایک دن پہلے توبہ کرے مقبول ہوگی۔ پھر فرمایا
یہ بھی زیادہ ہے اگر مرنے کے وقت آخرت کی چیزوں کو دیکھنے سے پہلے توبہ کرے مقبول
ہوگی[1]

قصۂ کفن چور

قصۂ کفن چور۔ خداوند عالم کی رحمت اور توبہ کرنے والوں سے محبت کا اندازہ
کرنے کے لئے یہی قصہ کافی ہے۔ عبد الرحمن بن تمیم دوسی بیان کرتے ہیں کہ
ایک دن معاذ بن جبل حضرت سرورؐ عالم کی خدمت میں روتے ہوئے آئے۔ حضرتؐ
نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کیا کہ ایک خوبصورت جوان کھڑا ہوا اوس عورت
کی طرح رو رہا ہے جس کا لڑکا مرجائے اور آپکی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔
حضرت نے اوس کو بلوایا اور رونے کا سبب پوچھا۔ عرض کیا کہ میں نے اس قدر
گناہ کیئے ہیں کہ خداوند عالم اگر ایک کے بدلے میں بھی سزا کرنا چاہے تو مجھے جہنم
میں بھیجدے گا۔ میرا خیال ہے کہ میری بخشائش نہ ہوگی۔ حضرت نے فرمایا کیا
شرک کیا ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا کسی کو ناحق قتل کیا ہے۔ عرض کیا نہیں
فرمایا خدا تیرے گناہ بخشدیگا اگر پہاڑوں کے برابر ہوں۔ عرض کیا اس سے بھی
زیادہ ہیں۔ فرمایا بخشدیگا اگرچہ ساتوں طبق زمین اور اونکی مخلوقات کے برابر
ہوں۔ عرض کیا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ فرمایا بخشدیگا اگرچہ آسمانوں اور اوسکے
ستاروں اور عرش و کرسی کے برابر ہوں۔ عرض کیا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ فرمایا
اے جوان تیرے گناہ بڑے ہیں یا خدا۔ عرض کیا خدا۔ فرمایا کیا خدا کے سوا بھی
کوئی ہے جو گناہ بخشے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تیرا گناہ کیا ہے بیان کر۔ عرض کیا
سات برس سے میں قبر کھول کر کفن چورا تا تھا۔ ایک انصاری کی لڑکی مری میں نے
قبر کھول کر اوس کا کفن لے لیا اور اوسکو قبر میں ننگی چھوڑ کر واپس ہوا شیطان
نے اوسکے حسن کو میری نظروں میں زینت دی۔ واپس گیا اور اوس سے زنا
کیا۔ جب واپس ہوا تو پیچھے سے یہ آواز سنی کہ اے جوان! قیامت کے دن
خدا تجھے بتلائے عذاب کرے کہ تو نے مُردوں میں مجھے ننگا چھوڑا اور میرے ساتھ زنا

[1] عین الحیات خصلت سوم ذکر توبہ چھاپہ لکھنؤ ص ۱۴۹ ۱۲ منہ

زنا کیا۔ اب مجھے امید نہیں ہے کہ بخشا جاؤں گا۔ یہ سُن کر حضرتؑ نے فرمایا دور ہو اے فاسق میں ڈرتا ہوں کہ تجھ پر آگ برسے اور میں بھی نہ جل جاؤں تو جہنم سے بہت نزدیک ہے پس وہ مدینہ کے کسی پہاڑ پر چلا گیا اور بال کا کپڑا پہنکر اور اپنے ہاتھوں کو گردن میں باندھکر عبادت میں مشغول ہوا اور عرض کرنے لگا کہ پروردگار میں تیرا بندہ بہلول ہاتھ باندھے ہوئے تیرے آگے کھڑا ہوں تو مجھے بھی جانتا ہے اور میرے گناہوں کو بھی۔ میں شرمندہ ہوں۔ تیرے پیغمبرؐ کے پاس گیا تو اونھوں نے نکال دیا اور میرے خوف کو بڑھا دیا۔ میں تیرے بزرگ ناموں اور تیری عظمت اور بادشاہت کا واسطہ دیکر عرض کرتا ہوں کہ اپنی رحمت سے مجھے مایوس نہ کر چالیس دن چالیس رات اسی طرح کہتا اور اس طرح روتا رہا کہ اوس کے رونے پر صحرائی جانور بھی رو دیتے تھے۔ جب چالیس دن پورے ہو گئے تو ہاتھوں کو آسمان کی طرف اوٹھا کر عرض کیا کہ خداوندا میری حاجت کے بارے میں تو نے کیا تجویز کیا اگر بخشدیا ہے تو اپنے رسولؐ پر وحی نازل کر کے مجھے آگاہ کر دے اور اگر نہیں بخشا ہے اور عذاب ہی کرنا چاہتا ہے تو ایک آگ بھیج جو مجھے جلا کر خاک سیاہ کر دے۔ لیکن قیامت کی رسوائی سے مجھے بچا پس یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۥ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۥ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَاۗؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (سورہ آل عمران پ ۴ آیت ۱۳۶) یعنی جن لوگوں نے برُا کام یعنی کفن کی چوری اور زنا اور اپنے اوپر ظلم کیا جب وہ خدا کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی بخشائش چاہیں گے تو خدا اونھیں بخشدیگا۔ خدا کے سوا دوسرا کون ہے جو گناہوں کو بخشے۔ اور برُا کام کرنے والے جب اوس پر اصرار نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ یہ برُا کام ہے تو اون لوگوں کے توبہ و استغفار کا بدلا یہ ہے کہ خدا اونکے گناہ بخشدیگا اور بہشت میں داخل کرے گا جس میں نہریں جاری ہیں اور وہ اوسمیں ہمیشہ رہیں گے۔ پس حضرت اوسکے پاس تشریف لے گئے اور اوسکے ہاتھ کھولدیئے اور بہشت کی خوشخبری دی اور صحابہ

سے فرمایا کہ توبہ یوں ہی کیا کرو جس طرح بہلول نے کیا[1]

تنبیہ:- بے شک خدا غفور و رحیم ہے لیکن اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس پر بھروسہ کرکے بے خوف گناہ کئے جائیں کیونکہ یہی جرأت بخشائش کے استحقاق سے گرا سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جہالت اور نفس سرکش کے غلبہ سے گناہ کر چکے ہیں انکو خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہئے کیونکہ بخشائش کا دروازہ بند نہیں ہے۔

(پانچواں فائدہ) فقہ۔ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ (تم لوگ اپنوں کو قتل کرو) اُقْتُلُوْا امر کا صیغہ ہے۔ اور اصول فقہ میں طے ہو چکا ہے کہ صیغۂ امر سے استحباب مراد ہونے پر جب تک قرینہ نہ ہو اوس سے وجوب سمجھا جاتا ہے۔ اور یہاں استحباب مراد ہونے پر کوئی قرینہ نہیں ہے بلکہ اصول مذکورہ بالا مسلمہ کے علاوہ قتل نفس کا شرطِ توبہ ہونا وجوب کے لئے ہونے پر قرینہ ہے۔ اس لئے یہ آیت جہاد کے واجب ہونیکو بتاتی ہے۔ اور جہاد کا معنی لغت میں کوشش کرنا ہے اور شریعت میں دین خدا کا بول بالا اور ارکان ایمان کو باقی رکھنے کے لئے جان اور مال دینا۔ اور مقصود اس سے دینِ خدا کے دشمنوں کے فتنوں کو دفع کرنا ہوتا ہے خواہ مارے جائیں۔ یا راہ پر آجائیں یا فساد سے رک جائیں۔ اگرچہ وہ مخالف اپنے عزیز ہی ہوں۔ اور اگرچہ دینِ خدا کی حفاظت کرنے والا خود بھی مارا جائے۔ بنو اسرائیل نے اس مہم کو پوری آمادگی سے اور بہت اچھی طرح انجام دیا اور جیسا کہ حدیث نمبر۲ بطریق اہلسنت میں مذکور ہے اپنے باپ۔ بھائی۔ اولاد کو قتل کیا اور اسکی کوئی پرواہ نہ کی کہ کس کو قتل کر رہے ہیں بلکہ مجرم ! مارے جانے کے لئے بے عذر تیار ہو گئے جیسا کہ حدیث نمبر۱ بطریق اہلسنت میں مذکور ہے اور بہ نسبت مارنے کے یہ مرحلہ زیادہ سخت ہے۔ لیکن حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کے اکثر صحابہ جن کے مریدوں کو رازی صاحب امتِ موسوی اور عیسوی سے افضل قرار دیتے ہیں اسلامی لڑائیوں سے ہمیشہ بھاگ گئے ! اپنوں کو تو کیا مارتے!

[1] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ تفسیر سورہ آل عمران وعین الحیات خصلت سوم ذکر توبہ صفحہ ۱۵ چھاپہ لکھنؤ صفحہ ۱۲

دوسروں کو بھی کبھی ایک جرہ کا تک نہ لگایا اور نہ خود کھایا لہ بلکہ ان کے عزیز کفار جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھوں مارے گئے تھے اون پر مرثیہ پڑھکر رویا کرتے تھے ۲ہ اور حضرت سرور عالم کے بعد حضرت امیر علیہ السلام اور اونکی اولاد پاک سے ان کافروں کا بدلا لیا ۳ہ فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَارِ صاحبان عقل عبرت حاصل کریں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۵۵ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۵۶ وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۵۷

(الفاظ کے معانی) وَ۔ اور + اِذْ۔ اوس وقت جس وقت۔ جب + قُلْتُمْ۔ تم نے کہا + یَا۔ اے + لَنْ۔ ہرگز نہیں + نُؤْمِنَ۔ ایمان لائیں گے + حَتّٰی۔ جب تک۔ یہاں تک + نَرَی۔ دیکھیں + اللّٰہ۔ خدا + جَھْرَۃً۔ صاف۔ ظاہر۔ کھلے بند۔ آنکھوں سے + ف۔ پس + اَخَذَتْ۔ لے لیا۔ صَاعِقَۃ۔ بجلی + اَنْتُمْ۔ تم لوگ + تَنْظُرُوْنَ۔ دیکھ رہے تھے + ثُمَّ۔ پھر + بَعَثْنَا۔ ہیں نے جلایا۔ اوٹھایا۔ بھیجا + مِن۔ سے + بَعْدِ۔ بعد + مَوْت۔ مرنا + کُمْ۔ تمہارے + لَعَلَّ۔ شائد۔ تاکہ

لہ ملاحظہ ہو انوار القرآن جلد ا صفحہ ۶۴۲ - ۱۲ منہ

۲ہ ملاحظہ ہو انوار القرآن جلد ا صفحہ ۶۴۲ کا حاشیہ ۱۲ منہ

۳ہ ملاحظہ ہو انوار القرآن جلد ا صفحہ ۵۵۱ کا متن اور جلد ۲ صفحہ ۶ کا حاشیہ ۱۲ منہ

+ تَشْکُرُوْنَ - شکریہ ادا کرو + ظَلَّلْنَا - ہم نے سایہ کیا + علی - پر اوپر + غمام - بادل + اَنْزَلْنَا - ہم نے اوتارا + مَنَّ - میٹھی ترنجبین + سلوی بٹیر + کُلُوْا - کھاؤ + طَیِّبٰت - نفیس + مَا - جو چیز + رَزَقْنَا - ہم نے تمہیں دیا + مَا - نہیں + ظَلَمُوْا - اونھوں نے ظلم کیا + نَا - ہم پر + لٰکِنْ - لیکن - بلکہ + کَانُوْا - تھے + اَنْفُسَھُمْ - اپنی جانیں + یَظْلِمُوْنَ - ظلم کرتے تھے -

(بامحاورہ معنی) اور (اوس وقت کو بھی یاد کرو) جب کہ تم نے موسےٰ سے کہا تھا کہ ہم لوگ جب تک خدا کو اپنی آنکھوں سے صاف دیکھ نہ لیں تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے پس تمہارے دیکھتے دیکھتے (علیؑ کے نور کی) بجلی نے (جسے میں نے اپنے دیدار کے محال ہونے کے ثبوت میں چمکایا تھا) تمہیں لے ڈالا - پھر میں نے مرجانے کے بعد تمہیں زندہ کیا تاکہ تم (میری اس مہربانی کا) شکریہ ادا کرو - اور میں نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور میٹھا حلوا اور بٹیریں بھیجیں (اور کہا کہ) اس نفیس رزق سے جو میں نے تمہیں دیا ہے کھاؤ - اور اون لوگوں نے ہم (یعنی ہمارے اولیاء محمدؐ و ائمہ اہلبیتِ محمدؐ) پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے -

تنبیہ :- میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ عام محاورہ کے مطابق اپنے احسانات جتلانے کے لئے حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کے زمانہ کے بنواسرائیل کو اونکے بزرگوں کا قائم مقام قرار دے کر خداوند حکیم نے اونکے واقعات کو انھیں کے واقعات کی صورت میں بیان کیا ہے - پس یہاں بھی یہی روش اختیار کی ہے -

(صرف) کُلُوْا اصل میں اُءْکُلُوْا تھا - دوسرے ہمزہ کو تخفیف کے لئے گرادیا - اور پہلے ہمزہ کو اس واسطے لائے تھے تاکہ پہلے حرف پر جزم نہ رہے - اب اوسکی ضرورت باقی نہ رہی اس لئے اوسکو بھی گرادیا - کُلُوْا ہوگیا -

(نحو) و حرف استیناف - اذ اسم ظرف مفعول فیہ - قلتم فعل با فاعل - یا معنی میں ندعو کے جو فعل ہے - نَحْنُ جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل موسیٰ مفعول فعل اپنے فاعل و مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ معترضہ - لن - حرف نفی تاکید - نومن - فعل -

نؤمن جمع ضمیر جمع متکلم کی جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ ل حرف جار۔ ک مجرور۔ دونوں مل کر نومن کا پہلا متعلق۔ حتے حرف جار۔ نری فعل۔ نحن فاعل۔ لفظ اللہ اوس کا پہلا مفعول بہ۔ جھرۃ اوس کا دوسرا مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور۔ جار اور مجرور مل کر نومن کا دوسرا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قلتم کا مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ ف حرف تفریع۔ اخذت فعل۔ کم ذوالحال۔ صاعقہ فاعل۔ و حالیہ۔ انتم مبتداء۔ تنظرون فعل انتم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ فعل اور فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر۔ مبتداء اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال۔ ذوالحال اور حال مل کر مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ و حرف عطف۔ ظَلَّلْنَا فعل با فاعل علی حرف جار۔ کم مجرور۔ دونوں مل کر متعلق۔ غمام مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ و حرف عطف۔ انزلنا فعل با فاعل۔ علی حرف جار۔ کم مجرور۔ دونوں مل کر متعلق۔ المن معطوف علیہ۔ و حرف عطف سلوے معطوف۔ معطوف علیہ اور معطوف مل کر مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ کلوا فعل۔ انتم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ من حرف جار۔ طیبات مضاف۔ ما اسم موصول۔ رزقنا فعل با فاعل۔ کم مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ۔ موصول اور صلہ مل کر مضاف الیہ۔ دونوں مل کر مجرور۔ جار اور مجرور مل کر متعلق کلوا کا۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ۔ و حرف عطف۔ ما حرف نفی۔ ظلموا فعل۔ ھم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ نا ضمیر متکلم کی مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ و لکن حرف عطف۔ کانوا فعل۔ ھم جو پوشیدہ ہے اوس کا اسم۔ انفس مضاف ھم مضاف الیہ۔ دونوں مل کر یظلمون کا مفعول مقدم۔ یظلمون فعل۔ ھم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر کانوا کی خبر۔ کانوا اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔

(ظاہری تفسیر) وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ اور

اوس وقت کو یاد کرو جب کہ تم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ تم جو اپنے نبی ہونے کا دعوے کرتے ہو ہم لوگ اوس کو اوس وقت تک نہ مانیں گے حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً جب تک کہ خدا کو صاف دیکھ (نہ) لیں اور وہ خود (نہ) کہے کہ تم نبی ہو اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ جو صفتیں تم اپنے خدا کی بیان کرتے ہو اونکو نہ مانیں گے یہاں تک کہ تمہارے خدا کو آنکھوں سے صاف دیکھ لیں اور وہ خود بیان کرے اور بعض نے کہا ہے کہ لفظ جَھْرَۃً! رویت یعنی دیکھنے کی صفت نہیں ہے بلکہ اونکے کلام کی صفت ہے اور معنی اس کا یہ ہے کہ "اوس وقت کو یاد کرو جبکہ تم نے علانیہ پکار کر کہا تھا کہ ہم لوگ جب تک تمہارے خدا کو دیکھ نہ لیں تمہاری بات نہ مانیں گے! اور پہلا کلام یعنی رویت کی صفت ہونا قوی ہے۔ فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ پس تم کو موت نے پکڑ لیا وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور تم موت کا سامان دیکھ رہے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ آگ کو دیکھ رہے تھے اس آیت میں خداوند عالم نے (حضرت سرورِ عالم کے زمانہ کے) یہودیوں کو ڈرایا ہے کیونکہ انھوں نے بھی اپنے نبی (حضرت سرورِ عالم) کی مخالفت میں! جنکی پیروی لازم اور جو کچھ وہ لائے تھے اوسکو مان لینا ان پر واجب تھا! اپنے بزرگوں ہی کی چلن اختیار کی تھی کہ کبھی دوسرا خدا بنانے کی اون سے خواہش کی۔ اور کبھی گوسالہ پوجنے لگے اور کبھی کہا کہ ہم ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو دیکھ نہ لیں۔ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِکُمْ اسکی تفسیر میں حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کیا تاکہ اپنی حیات کی مدت پوری کر لو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اونھوں نے ہوش میں آنے کے بعد خواہش کی! کہ نبی بنا دیئے جائیں پس خدا نے اونھیں نبی بنایا۔ پس اس بنا پر اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ میں نے تمہیں زندہ کرنے کے بعد نبی بنایا۔ سوا تھوڑے لوگوں کے باقی کل مفسروں کا اس پر اتفاق ہے کہ (بجلی چمکنے سے) جس طرح قوم موسیٰؑ مر گئی تھی وہ خود نہیں مرے تھے! بلکہ غش کھا گئے تھے کیونکہ خداوند عالم نے دوسری جگہ فرمایا ہے فَلَمَّآ اَفَاقَ یعنی جب موسے چونکے۔ اور چونکنا! غشی کے بعد ہوش آنے پر بولا جاتا ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ تاکہ تم خدا کی

نعمتوں کا شکریہ ادا کرو جن میں سے ایک ! مرنے کے بعد تم کو زندہ کر دینا ہے۔
وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ اور چٹیل میدان میں ہم نے بادل کو تمہارے لئے سائبان بنایا وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى اور تم پر من و سلوے اوتارا! مَنَّ اور سَلْوٰى دونوں کے معنی میں مفسروں میں اختلاف ہے مَنَّ کے متعلق ابن عباس نے کہا ہے کہ وہ ایک چیز تھی جو درختوں پر گرا کرتی ہے۔ اور لوگ اوسکو جانتے ہیں۔ اور مجاہد نے کہا ہے کہ موم کی طرح ایک چیز تھی جو درختوں پر گرا کرتی تھی اور مزا اوس کا شہد کی طرح کا تھا۔ اور وہب نے کہا ہی کہ باریک چپاتیاں تھیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مَنّ ہر اوس نعمت کو کہتے ہیں جسے خدا کسی کو بے زحمت و محنت ! احسان کے طور پر دے۔ اور حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کی حدیث میں ہے کہ وہ کَمَاۃ تھا جس کو اردو میں کھنبی کہتے ہیں اور پانی اوس کا آنکھوں کی بیماریاں دور کرتا ہے۔ سَلْوٰى بعض نے کہا ہے کہ سلوے بٹیر کو کہتے ہیں۔ اور ابن عباس نے کہا ہے کہ وہ بٹیر کے برابر سفید رنگ کی چڑیا تھی (اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر میں ہے کہ مَنّ ! میٹھی ترنجبین تھی اور سلوے بٹیر) كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ لذیذ رزق جو میں نے تمہیں دیا ہے اوسکو کھاؤ۔ اور بعض نے طیبات کا معنی جائز اور حلال کہا ہے۔ اور بعض نے ! وہ جائز چیز جو مزیدار ہو وَ مَا ظَلَمُونَا اور بنو اسرائیل نے جو میری نعمتوں کا کفران (ناشکری) کی اوس سے میرا گھاٹا نہوا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ بلکہ خود اونھیں نے گھاٹا اوٹھایا اور اپنا ہی بگاڑا۔ یہ آیت اس بات کو بتاتی ہے کہ نہ تو کسی کی فرمانبرداری سے خدا کو کوئی فائدہ پہونچتا ہے اور نہ نافرمانی سے کوئی نقصان۔ بلکہ فرماں برداری کا فائدہ اور گناہوں کا نقصان خود اونھیں کی طرف پلٹ آتا ہے۔

من و سلویٰ کا قصہ۔ من و سلوے اوترنے کا سبب یہ ہوا کہ حضرت موسےؑ نے بنو اسرائیل سے فرمایا کہ بیت المقدس جاکر عَمَالِقَہؑ سے لڑو۔ پس وہ ایک چٹیل میدان

من و سلویٰ کا قصہ

ع امام اہلسنت ابن اثیر لغت نہایہ میں لکھتے ہیں کہ عمالقہ ! قوم عاد کے باقیماندہ ظالم تھے جو شام میں رہتے تھے ! ان کے جد اعلے کا نام عِلِیْقْ تھا۔ اور وہ لاوذ بن ارم بن سام بن نوح

ہیں پہونچکر (بیٹھ گئے) اور حضرت موسیٰ سے کہا کہ تم اور تمہارا خدا دونوں جاؤ اور عمالقہ سے لڑو۔ ہم لوگ یہیں بیٹھتے ہیں (پس خداوند عالم نے اونھیں اوسیں گھیر رکھا) وہ میدان نو کوس کا تھا جس میں ۴۰ برس تک حیران و پریشان مارے پھرتے رہے صبح سے چل کر شام کو وہیں پلٹ آتے تھے جہاں سے چلتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ جب وہ (نکلنے کے ارادہ سے) چلتے تھے تو خداوند عالم زمین کو چکر دیدیتا تھا۔ کیونکہ یہ معقول نہیں ہے کہ کثیر تعداد (جو سات لاکھ تھی) چالیس سال چلے اور نو کوس زمین طے نہ کر سکے۔ جب وہ اس چکر میں پڑے تو اپنے فعل (سرکشی) پر پچھتائے اور دھوپ سے تکلیف کی شکایت کی تو خداوند رحیم کی رحمت اونکے شامل حال ہوئی اور اون پر بادل کا سایہ کیا اور من وسلوے اوتارا جو صبح صادق سے آفتاب نکلنے تک اوترتا تھا اور ہر شخص ایک دن کی خوراک لے لیتا تھا۔ اگر اس سے زیادہ لیتا تھا تو سڑ جاتا تھا۔ لیکن جمعہ کے دن دو دن کی خوراک لیتے تھے کیونکہ سنیچر کو نہیں اوترتا تھا۔ اور جو شخص اس وقت سویا رہتا تھا وہ محروم رہتا اور فاقہ کرتا تھا۔ دن کو آفتاب کی روشنی رہتی تھی اور راتوں کو ایک نور کی! جسے خدا پیدا کر دیتا تھا۔ اور جو لڑکا پیدا ہوتا تھا (بعض کپڑے کے) اوسکے بدن پر ایک جھلی ہوتی تھی جو اوسکے ساتھ ساتھ بڑھتی تھی۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اسی میدان میں انتقال کیا تھا[1]

(بقیہ حاشیہ صـ ۱۲۲) علیہ السلام کا بیٹا تھا (مجمع البحرین لغت علق) عجیب بات ہے کہ سرزمینِ شام ہمیشہ ظالموں کا مرکز رہی! بہرحال بیت المقدس جو یہاں پر مذکور ہے اوس سے غالباً غور مقصود ہے جہاں ظالم رہتے تھے اور غور ایک میدان ہے جو دمشق اور بیت المقدس کے درمیان صحراء شام میں واقع ہے (ملاحظہ ہو انوار القرآن جلد ا صـ ۱۳۸ ذکر جابیہ اور اریحاء) اور ممکن ہے کہ خود بیت المقدس ہی مقصود ہو اس بنا پر کہ وہ ظالم! حضرت موسیٰؑ سے جنگ کے ارادہ سے چڑھ آئے ہوں۔ جس طرح ابو سفیان مکہ سے مدینہ پر اور معاویہ شام سے بصرہ پر حضرت نبیؐ اور وصیؑ سے جنگ کے ارادہ سے چڑھ آئے تھے ۱۲ منہ

[1] مجمع البیان جلد ا صـ ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۱۲ منہ

حدیثیں

وَاِذْ قُلْتُمْ سے اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ تک

(بطریق شیعہ) ۱ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب عیون اخبار الرضا علیہ السلام میں بسند معتبر علی بن محمد بن جہم سے روایت کی ہے اوس نے بیان کیا کہ مامون رشید نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ کا یہ کلام نہیں ہے کہ انبیاء معصوم تھے"۔ فرمایا ہاں معصوم تھے"۔ عرض کیا کہ پھر حضرت موسےٰؑ نے کیونکر خدا کے دیدار کا سوال کیا۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کا قابل دیدار نہ ہونا اونکو معلوم نہ ہو یہاں تک کہ اس طرح کا ناممکن سوال کریں تو حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسےٰؑ جانتے تھے کہ خدا دیکھنے کے قابل نہیں ہے۔ لیکن خدا نے (درخت میں آواز پیدا کر کے) جب اون سے باتیں کیں اور اونھوں نے اپنی قوم سے اس کو بیان کیا تو اونھوں نے جواب دیا کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ہم لوگ اس کو ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ اوس کا کلام خود بھی اوسی طرح نہ سُن لیں جس طرح تم نے سُنا ہے۔ پس حضرت موسےٰؑ نے اون سات لاکھ نفوس میں سے ستر آدمیوں کو چُنا اور کوہ طور کے پاس لے گئے اور اونھیں پہاڑ کے نیچے چھوڑ کر خود اوپر چڑھ گئے اور بارگاہ پروردگار میں عرض کیا کہ اون سے باتیں کر! اور اپنا کلام سنا دے۔

عہ علی بن محمد بن جہم کے سوا اس حدیث کے باقی کل راوی معتبر اور جلیل القدر ہیں۔ اور علی بن محمد مذکور ! دشمنِ اہلبیت سنی المذہب تھا۔ اور خدا کا دیدار اس مذہب میں مسلم مسئلہ ہے انکے امام اعظم ابو حنیفہ صاحب شرح فقہ اکبر ص۱۲۷ چھاپہ مصر میں اور امام شوکانی کتاب المسایرہ ص۱۹ چھاپہ مصر میں تصریح کرتے ہیں کہ مومنین قیامت کے دن خدا کو سر کی آنکھوں سے دیکھینگے اور اس مسئلہ میں حنفی اور شافعی دونوں ہمخیال ہیں جیسا کہ فخر الدین رازی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔ پس علی بن محمد بن جہم کا اپنے عقیدہ کے خلاف روایت نقل کرنا اس امر کا نہایت قوی ثبوت ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ضرور فرمایا تھا۔

۱۲ منہ

پس خداوند عالم نے اون سے باتیں کیں اور آواز اس طرح گونجی کہ سب نے اوپر۔ نیچے۔ داہنے۔ بائیں۔ آگے۔ پیچھے ہر طرف سے سنا۔ کیونکہ خدا نے درخت میں آواز پیدا کر کے اوس کو پھیلا دیا۔ پس اونھوں نے کہا کہ ہم لوگ ہرگز نہ مانیں گے کہ یہ کلام خدا ہی کا تھا جب تک خود خدا کو آنکھوں سے دیکھ نہ لیں۔ پس جب اونھوں نے ایسی بڑی بات کہی اور سرکشی کی تو خدا نے اونکے اس ظلم کی وجہ سے بجلی بھیجی جس نے اونھیں لے ڈالا پس حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ خداوندا میں واپس جاکر بنو اسرائیل سے کیا کہوں گا کیونکہ وہ تو یہی کہیں گے کہ تم جھوٹے تھے ہمارے آدمیوں کو لیجا کر مار ڈالا۔ پس خدا نے اونھیں زندہ کر دیا۔ پس (زندہ ہونے کے بعد) اونھوں نے کہا کہ اگر تم خدا سے یہ کہتے کہ وہ اپنے آپ کو تمہیں دیکھادے۔ پس تم اوسکو دیکھکر ہم سے کہتے کہ وہ کیسا ہے تو ہم لوگ اوس کو اچھی طرح پہچان لیتے۔ پس حضرت موسیٰ نے اون سے فرمایا کہ خدا آنکھوں سے دیکھنے کے قابل نہیں ہے۔ اور صورت نہیں رکھتا۔ بلکہ اپنی آیتوں اور نشانیوں (جیسے دنیا کو پیدا کرنا۔ زندہ کرنا۔ مارنا۔ انبیاء کے معجزوں وغیرہ) سے پہچانا جاتا ہے۔ تو اونھوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ آپ خدا سے دیکھنے کی خواہش نہ کریں۔ پس اونھوں نے عرض کیا کہ خداوندا تو نے بنو اسرائیل کی باتیں سنیں اور تو خوب جانتا ہے کہ اونکے لئے کیا مناسب ہے پس وحی ہوئی کہ اے موسےٰ اونکی خواہش کے مطابق سوال کرو۔ اونکی جہالت کی وجہ سے میں تم سے مواخذہ نہ کروں گا۔ پس عرض کیا رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ خداوندا تو اپنے آپ کو مجھے دیکھادے تاکہ میں تجھے دیکھوں ارشاد ہوا کہ لَنۡ تَرٰىنِیۡ وَ لٰكِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ اے موسےٰ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن پہاڑ کی طرف نگاہ کرو اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہ گیا تو سمجھو کہ مجھے دیکھ سکو گے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوۡسٰى صَعِقًا پس جب خدا نے اپنی ایک آیت[ع] کی روشنی پہاڑ پر چمکائی

ع ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار جلد ۷ صـ۶۲ باب انھم آیات اللہ میں انیس حدیثیں لکھی ہیں جن میں لفظ آیات کی جو قرآن میں مذکور ہیں ائمہ اہلبیت رسولؐ کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔ اونمیں سے ایک صحیحہ عبد الرحمن بن کثیر سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور حضرت موسیٰ غش کھاکر گر گئے۔ جب غش سے چونکے تو عرض کیا کہ اپنی قوم کی جہالت سے میں تیری (اگلی) معرفت کی طرف پلٹ آیا ہوں ان کے جاہلانہ عقیدہ سے توبہ کرتا ہوں اور پہلے ہی سے (تیرے قابل دیدار نہ ہونے پر) ایمان لایا ہوا ہوں۔ مامون الرشید نے کہا خدا آپ کو جزائے خیر دے اے ابوالحسن [۱]

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ سے يَظْلِمُونَ تک بسند معتبر حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مَنّ جو اترتا تھا اور سمن گماۃ (کھنبی) تھی جو آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔ اور عجوہ (عمدہ قسم کے خرمے) تھے جو زہر کو دفع کرتے ہیں [۲] علی بن ابراہیم علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص۱۲۵) سے! آپ نے ارشاد فرمایا کہ کلام پروردگار مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ (سورہ آل عمران پ۳ آیت ۷) میں آیات محکمات سے بارہ ائمہ علیہم السلام مقصود ہیں۔ اور متشابہات سے فلاں و فلاں و فلاں! اور محکمات کا معنی صاف اور بے شبہ چیزیں ہیں۔ اور متشابہات کا دھوکے کی چیزیں! پس اس بنا پر اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ خدا نے کتاب (قرآن) بھیجی جسکی صاف اور بے شبہ آیتیں بارہ ائمہ علیہم السلام ہیں۔ جو اُمّ الکتاب یعنی علوم قرآن کے جامع ہیں (مجمع البحرین) اور دھوکے کی تین! پس جن کے دل ٹیڑھے ہیں وہ انھیں دھوکے والوں کی پیروی کرتے ہیں تاکہ دین میں فساد برپا کریں اور قرآن کو اوسکے صحیح معانی سے پھیر دیں حالانکہ اوسکے صحیح معانی کو خدا اور راسخون فی العلم یعنی (حضرت رسولؐ کے بعد) حضرت امیر اور باقی ائمہ علیہم السلام کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس وہ آیت جسکی روشنی کوہ طور پر چمکی تھی انھیں آیتوں میں سے ایک آیت کی روشنی تھی جیسا کہ باطنی تفسیر میں لکھوں گا انشاء اللہ تعالیٰ

[۱] تفسیر برہان جلد ۱ ص۶۴ و تفسیر صافی در تفسیر سورہ اعراف ص۲۰۳ چھاپہ ایران

کہ حضرت موسٰے بنو اسرائیل کو ساتھ لیکر جب دریا سے پار ہو گئے تو ایک میدان
میں پہونچے! بنو اسرائیل نے اون سے کہا کہ آپ نے ہم لوگوں کو مار ڈالا آبادی
سے نکال کر ایسے میدان میں ڈال دیا جہاں نہ درخت ہے نہ سایہ نہ پانی۔ پس
دن کو بادل آتا تھا جو اون پر سایہ کرتا تھا اور رات کو مَنّ گھاسوں اور جھاڑیوں
اور پتھروں پر اوترتا تھا جسے وہ کھاتے تھے اور سہ پہر کو بھونی ہوئی چڑیاں اونکے
دستر خوانوں پر آتی تھیں۔ اور حضرت موسٰے کے پاس ایک پتھر تھا جس کو ان کے
بیچ میں رکھدیتے تھے اور اوس پر عصا مارتے تھے پس بارہ چشمے اوبلنے لگتے
تھے اور ایک ایک چشمہ کا پانی ایک ایک قبیلہ کی طرف جاری ہوتا تھا جس سے وہ
پیتے تھے ۱ے

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰے سے تَشْکُرُوْنَ

(بطریق اہلسنت) آیت تک ۱ ابن عباس کہتے ہیں کہ جہرۃ
سے! ظاہر بظاہر مقصود ہے ۲ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت
موسٰے سے کہا تھا کہ جب تک خدا کو صاف صاف دیکھ نہ لیں تم پر ایمان نہ لائینگے!
وہ ستر آدمی تھے جن کو وہ (کوہ طور پر) لے گئے اور بجلی نے اونکا کام تمام کیا۔
پھر زندہ کئے گئے تا کہ اپنی حیات کی مدت پوری کریں ۳ قتادہ کہتے ہیں
کہ اونکو مارنا! عذاب کے طور پر تھا۔ وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ ۱
ابن عباس کہتے ہیں کہ بادل جو اون پر سایہ کرتا تھا بہت سرد اور صاف
تھا اور قیامت کے دن یہی ہوگا اور جنگ بدر میں فرشتے اسی پر بیٹھکر آئے
تھے ۲ قتادہ کہتے ہیں کہ سفید تھا جس میں پانی نہ تھا اس سے اونکے سروں پر
سایہ رہتا تھا! اور ہر شخص کے پاس صبح صادق (بھور) سے آفتاب نکلنے تک
من و سلوے اوترتا تھا جسکو کھایا کرتے تھے اور مَن برف سے زیادہ سفید! اولوں
کی طرح گرتا تھا پس ہر روز وہ ایک ایک دن کی خوراک لیتے تھے اور جمعہ کے
دن دو دن جمعہ اور سنیچر کی ۳ عکرمہ کہتے ہیں کہ مَن! اگاڑھے رُب (پکائے
ہوئے عرق) کی طرح کی چیز تھی۔ اور سلوے! چڑا (گوریا) سے بڑی چڑیا
تھی ۴ ابن عباس کہتے ہیں کہ سلوے بیٹر کو کہتے ہیں۔ اور ابن مسعود! بیٹر

بحوالہ تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۹۶ و ۹۵ ۱۲ منہ

کی طرح کی چڑیا ہے ابن عباسؓ! وَمَا ظَلَمُوْنَا کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ میں بہت بزرگ ہوں اس سے کہ کوئی مجھ پر ظلم کر سکے بلکہ وہ لوگ اپنے ہی اوپر ظلم کر رہے تھے

(باطنی تفسیر) وَاِذْ قُلْتُمْ سے تَشْكُرُوْنَ تک (۱) بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مراد پروردگار یہ ہے کہ اے بنو اسرائیل اوس دن کو یاد کرو جب کہ تمہارے بزرگوں نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ ہم لوگ تمہاری باتیں نہ مانیں گے جب تک خدا کو صاف صاف دیکھ نہ لیں پس اونکے دیکھتے دیکھتے بجلی نے اونکا خاتمہ کر دیا۔ پھر میں نے اونھیں زندہ کیا تاکہ وہ میرا شکریہ ادا کریں اور توبہ و انابت کریں کیونکہ زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اگر توبہ اور شکرگذاری (یعنی اطاعت و فرمانبرداری) نہ کرینگے تو آخری انجام اس کا ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا ہوگا۔ اور تفصیل اس قصہ کی یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ نے چاہا کہ حق پرستوں کو باطل پرستوں سے جدا کرنے والے فرقان یعنی حضرت سرورِ عالمؐ کی نبوت اور حضرت امیر المومنینؑ اور باقی ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت کا اقرار بنو اسرائیل سے لیں! تو اونھوں نے کہا کہ ہم لوگ ہرگز ہرگز نہ مانیں گے کہ یہ خدا ہی کا حکم ہے جب تک کہ اوس کو صاف صاف دیکھ نہ لیں اور وہ خود اس کو بیان نہ کرے! پس بجلی نے اونھیں ختم کر دیا۔ اور وحی ہوئی کہ اے موسیٰؑ اپنے دوستوں اور اپنے برگزیدہ بندوں کی تصدیق کرنے والوں کی عزت کرنے والا میں ہی ہوں! اور اپنے دشمنوں اور اپنے برگزیدہ بندوں کے حقوق نہ ماننے والوں پر عذاب کرنے والا میں ہی ہوں اور مجھے اسکی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ پس جو بچ رہے تھے اون سے حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ بولو تم کیا کہتے ہو؟ محمدؐ و آل محمدؐ کی نبوت اور امامت کا اقرار کرو ورنہ تم پر بھی بجلی گرے گی۔ جواب دیا کہ اے موسیٰ ان پر جو بجلی گری ہے! ہم کیا جانیں کہ یہ ویسی تھی جیسی برابر گرا کرتی ہے۔ یا محمدؐ و آل محمدؐ کی نبوت و امامت نہ ماننے کی وجہ سے گری۔ اپنے خدا سے کہو کہ انھیں زندہ کر دے تاکہ ہم لوگ اون سے پوچھیں کہ اون پر بجلی کیوں گری۔ پس حضرت موسیٰؑ نے دعا کی اور خدا نے اونھیں زندہ کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا پوچھ لو۔ اونھوں نے

(۱) تفسیر در منثور سیوطی جلد ۱ صفحہ ۷۱ چھاپہ مصر ۱۲ منہ

پوچھا توسب نے جواب دیا کہ محمدؐ کی نبوت اور علیؑ کی امامت نہ ماننے کی وجہ سے ہم پر
بجلی گری - **مرنے کے بعد** ہم لوگوں نے خدائی سلطنت یعنی آسمانوں - حجابوں
عرش - کرسی - بہشت - دوزخ میں محمدؐ اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ علیہم الصلوۃ
والسلام کی حکومت سے بڑھکر کسی کی حکومت نہیں دیکھی - **جب ہم لوگ** بجلی سے
مرے تو ہم لوگوں کو (فرشتے) جہنم کی طرف لے چلے - پس محمدؐ اور علیؑ نے پکار کر کہا کہ ان سے
عذاب روک لو! کیونکہ ہمارے حقوق کا واسطہ دے کر دعا کی جائے گی اور یہ لوگ
زندہ کئے جائیں گے - **پس** اے موسیٰؑ! محمدؐ اور اونکی آل پاک کا واسطہ دیکر
جو آپ نے دعا کی اوسی کی برکت سے ہم لوگ زندہ کئے گئے ہیں - **پس** (اس آیت
میں) خداوندعالم! حضرت سرورعالم کے زمانہ کے بنواسرائیل سے ارشاد فرماتا ہے
کہ محمدؐ و آل محمدؐ (علیہم الصلوۃ والسلام) جن کے واسطہ سے تمہارے بزرگ زندہ
کئے گئے (اون کے بارے میں) تم ایسا کام نہ کرو جسکی وجہ سے تم بھی ہلاک کردیے
جاؤ - **وَظَلَّلْنَا سے یَظْلِمُوْنَ تک** حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنی
تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مراد پروردگار یہ ہے کہ اے بنواسرائیل اوس وقت
کو یاد کرو جب کہ میں نے تمہارے بزرگوں پر بادل سے سایہ کیا جو آفتاب کی گرمی سے
اونھیں بچاتا تھا اور مَنّ یعنی میٹھی ترنجبینؑ اور سلوے یعنی بٹیر بھیجی جسے وہ کھاتے تھے

ع ظاہری تفسیر کی حدیثوں میں بسند معتبر حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ کی فرمائش
ذکر کی گئی جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے الکماۃ من المن والعجوۃ یعنی مَنّ میں کماۃ اور عجوہ
بھی تھا! کیونکہ مِنَ الْمَنِّ کا مِنْ تبعیضیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مَنّ میں کئی چیزیں تھیں ادنھیں
کماۃ (کھمبی) اور عجوہ (نفیس خرمے) بھی تھے اور یہاں پر ترنجبین کا ذکر ہے اور سُنّی حدیثیں اسکی
مؤید ہیں کیونکہ بعض میں گاڑھے رب کی طرح کی چیز لکھی ہے اور بعض میں گوند کی طرح کی - جسکو میں نے
اس خیال سے اوپر ذکر نہیں کیا کہ یہاں کے ذکر سے معلوم ہو جائیگا - بہر حال ان کل حدیثوں
کو ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مَنّ میں ترنجبین (جو رب اور گوند کی طرح کی ہوتی ہے)
اور کماۃ اور عجوہ سب چیزیں تھیں ۱۲ منہ

محمدؐ اور اونکی آل پاک کی عظمت اور بزرگی کی عزت اور توقیر کرو جن کے بارے میں تم لوگوں سے عہد و پیمان لیا گیا ہے تمہارے بزرگوں نے جو اپنے عقیدے بدل دیئے اور جو کچھ کہا گیا تھا اوس کے خلاف کیا اور عہد و پیمان کو پورا نہ کیا تو اس سے ہمارا کچھ نہ بگڑا کیونکہ جس طرح مومن کا ایمان ہماری حکومت کو نہیں بڑھاتا اوسی طرح کافر کا کفر بھی اوس کو نہیں گھٹاتا۔ بلکہ اپنے کفر اور تبدیل عقیدہ سے اونھوں نے خود ہی گھاٹا اوٹھایا۔ پس حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے اپنے زمانہ کے بنو اسرائیل سے فرمایا کہ اے بندگان خدا تم پر لازم ہے کہ ہم اہلبیت کی ولایت (نبوت اور امامت) کا اعتقاد کرو! اور ہم لوگوں کے درمیان میں تفریق نہ کرو کہ بعض کی پیشوائی کا اعتقاد کرو اور بعض کو چھوڑ دو۔ دیکھو خداوند عالم نے دلیلوں کو روشن کرکے تم کو کس قدر موقع دیا ہے اور حق کو پہچاننے کی راہ آسان کر دی ہے۔ پھر تقیہ کی بھی اجازت دی ہے تاکہ دنیاداروں کی شرارتوں سے بچ سکو پھر اگر (جبھی غلطی سے) عقیدہ بدل دوگے تو تم کو توبہ کرنے کا موقع پھر دیا جائیگا اور توبہ قبول کرلیجائیگی پس خدا کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرو [1] [2] شہید رابع (چوتھے شہید) مولانا محمد تقی برغانی علیہ الرحمۃ والرضوان کتاب مجالس المومنین چھاپہ ایران کی دسویں مجلس میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس نور نے ستر کفر بنو اسرائیل کو جلایا صاف کہتا ہوں کہ قواعد مقررہ اور اخبار معتبرہ کے مطابق! وہ حضرت علیؑ بن ابی طالب کا نور تھا اور حضرت نے خطبہ طتنجیہ میں خود بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اَنَا صَاحِبُ الطُّوْرِ وَاَنَا ذٰالِکَ النُّوْرُ الظَّاھِرُ یعنی کوہ طور والا شخص میں ہوں

[2] نئی تحقیقات اور نئی ایجادوں نے بہت سی مذہبی چیزوں کو جو عام عقلوں سے باہر اور دور تھیں آسان اور نزدیک کر دیا ہے۔ اونمیں سے ایک ! برقی قوت (بجلی کی طاقت) ہے جو انسانی قدرتوں کا کرشمہ اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہم آئے دن دیکھ رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص تختہ پانوں تلے نہیں رکھتا اور بجلی کے تار کو چھوتا ہے فوراً مر جاتا ہے۔ یا اگر یہ تار ٹوٹ جاتا ہے تو جس چیز سے چھو جاتا ہے اوسکو ختم کر دیتا ہے۔ جو لوگ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء کے جنگ عظیم کے واقعات سے آگاہ ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اسی برقی تار کے ذریعہ ہزاروں من کے بڑے بڑے جنگی جہاز سمندر میں

[1] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۶۳-۶۴-۶۵-۱۲ منہ

اور میں ہی وہ نور ہوں جو ظاہر ہوا تھا پس معلوم ہوا کہ ظاہری تفسیر کی حدیث میں جو آیت مذکور ہے اوس سے حضرت ہی مقصود ہیں اور توضیح اسکی حاشیہ پر کر آیا ہوں
۳۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے تین حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ اگرچہ ان کی سندیں کمزور ہیں لیکن مضمون انکا اگر تواتر (یعنی یقین دلانے) کی حد کو نہ پہونچا ہو تو استفاضہ (گمان پیدا کرنے) کی حد کو ضرور پہونچگیا ہے۔ اسلئے کہ متعدد معصوم سے ایک مضمون متعدد حدیثوں میں ہونا بے شک اس بات کا گمان پیدا کردیتا ہے کہ یہ بات اونھوں نے فرمائی ہے بلکہ یہ بات اہل دنیا کے عام لوگوں کی خبروں میں بھی حاصل ہے جس سے انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن کج بحث۔ اس واسطے ان کا مضمون معتبر ہے۔ بہر حال ان کا مضمون یہ ہے کہ ذات اقدس پروردگار اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اوس پر ظلم کرسکے! ورحقیقت اوس نے ہم اہلبیتؑ کو اپنی مقدس ذات سے اس طرح چمٹا لیا ہے کہ ہم پر ظلم (ہمارے حقوق برباد) کرنے کو اپنے اوپر ظلم (اپنے حقوق برباد) کرنا سمجھتا ہے۔ اور ہماری ولایت (ریاست وحکومت) ماننے کو اپنی ولایت ماننا قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ

(بقیہ حاشیہ صـ۱۳۰) ڈبو دیئے گئے۔ اور اسی ٹور پیڈو (برقی تار) کے ذریعے ڈوبے ہوئے جہاز نکال کر کنارہ پر اس طرح پھینکے گئے جیسے گیند اوچھالا جاتا ہے۔ اسی برقی روشنی ٹورچ وغیرہ میں ایسی طاقت ہے کہ اوس سے آنکھیں ملانا دشوار ہے اور ملانے والونکی بینائی جاتی رہتی اور سر چکرا جاتا اور بے اختیار ہوکر گر جاتے ہیں۔ کوئی سمجھدار اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ جب انسان کی بنائی چیزیں اتنی طاقت ہے تو خدا کی بنائی ہوئی چیزمیں کتنی طاقت ہونی چاہیئے۔ پس اگر خدا کے برگزیدہ بندے حضرت علی علیہ السلام کے نور کی قوت نے ستر بنو اسرائیل کا بارادہ خداوند حکیم خاتمہ کردیا اور حضرت موسےٰؑ غش کھاکر گر گئے تو کون سی تعجب کی بات ہے۔
فریقین کی کتابوں میں اس مضمون کی بہت سی حدیثیں موجود ہیں کہ محمدؐ وآل محمدؐ صلوات اللہ علیہم اجمعین کا نور دنیا کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پہلے پیدا کیا گیا تھا اور عرش خدا کے داہنے بازو خدا کی تسبیح وتقدیس کررہا تھا (دیکھو ینابیع المودۃ باب صـ۹ وارجح المطالب باب صـ۴۵۹ تا ۴۶۲)

آمَنُوا یعنی تمہارا پیشوا (سردار) خدا ہے اور اوس کا رسولؐ اور ایمان والے یعنی آئمہ اہلبیتؑ ۔ اور ممکن ہے مقصود حضرتؑ کا یہ ہو کہ مبتدا میں لفظ ولی ایک ذکر کیا ہے اور خبریں تین! اللہ! رسول! ائمہ اہلبیت! جو بتا رہا ہے کہ خلق خدا پر ریاست اور حکومت ان تینوں مقدس ہستیوں کی ایک طرح کی ہے۔ یعنی ان مقدس ذات سے مجازی ہی طور پر لا لینے اور مبالغۃً اوسکے حکم میں قرار دے لینے کے بعد اس ولایت کے مفہوم کلی یعنی عام معنی میں تشکیک یعنی کمی اور زیادتی یا کوئی دوسرا فرق نہیں ہے بجز اسکے کہ اوسکی سرداری اصلی ہے اور انکی سرداری اوسکی دی ہوئی جیسا کہ خدا اور غیر خدا کی شان چاہتی ہے۔ اور اس حکومت عامہ پر شواہد بھی حدیثوں میں موجود ہیں جن کا

(بقیہ حاشیہ صا ۱۳۱) پس بشرط صحت حدیث کیا تعجب ہے حضرت امیر علیہ السلام کی اوس فرمائش میں جس کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے سلمان و ابو ذر! میں نے حضرت نوحؑ کو بحکم خدا کشتی پر سوار کیا۔ اور میں نے یونسؑ کو بحکم خدا مچھلی کے پیٹ سے نکالا اور میں نے بحکم خدا موسیٰؑ کو دریا سے پار اوتارا اور میں نے بحکم خدا حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے نکالا۔ اور میں نے بحکم خدا دریاؤں اور نہروں کو جاری کیا اور درختوں کو لگایا۔ اور یوم الظلہ (قیامت کے دن) کا عذاب میں ہوں۔ اور (قبروں سے اوٹھنے کے لئے) مکان قریب سے پکارنے والا میں ہوں۔ جس کو جن اور انسان دونوں سنیں گے۔ اور موسیٰؑ کا خضرؑ میں ہوں اور سلیمانؑ بن داؤدؑ کا معلّم میں ہوں۔ اور قدرت خدا میں ہوں۔ مجھے خدا نے اسم اعظم بتایا ہے جسکے ذریعہ سے اگر چاہوں تو آسمانوں اور زمین اور بہشت و دوزخ کو پھاڑ سکتا ہوں اور آسمانوں پر جا سکتا اور زمین پر اوتر سکتا اور مغرب اور مشرق کی سیر کر سکتا اور عرش پر خدا کے سامنے بیٹھ سکتا ہوں اور کل چیزیں۔ یہاں تک کہ آسمان اور زمین اور آفتاب اور ماہتاب اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور دریا اور بہشت اور دوزخ سب میرے فرماں بردار ہیں جنھیں خدا نے اسم اعظم کی بدولت میرا فرماں بردار بنا دیا ہے۔ میں خدا کا ادنے بندہ ہوں۔ مجھے خدا نہ کہو اس کے سوا میری فضیلت میں جو چاہو بیان کرو۔ میری فضیلتوں کے سویں حصہ کو بھی تم سمجھ نہیں سکتے (بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۳۷۹ باب نادر بحوالہ کتاب عتیق) ہاں خدا اور انسان کی ایجادوں میں فرق یہ ہے کہ خدائی چیزوں کا اثر اختیاری ہوتا ہے اور انسانی ایجادوں کا بے اختیاری۔

ؔ تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۱۲ منہ

ذکر باعث طوالت ہے۔ بحار الانوار جلد ۹ ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ
وَ اُولِی الۡاَمۡرِ میں ایک اپنے لئے اور ایک حضرت رسولؐ اور ائمہؑ کے لئے دو اطیعوا جدا
جدا فرما کر اس امر کیطرف اشارہ فرمایا ہے کہ خدا کی اطاعت کی نوعیت جدا ہے۔ یعنی عبادت
اور تعمیل احکام دونوں کے ساتھ! اور رسولؐ اور ائمہؑ کی اطاعت جدا صرف تعمیلِ
احکام کے ساتھ۔ کیونکہ ان کی عبادت مبالغۃً بھی صحیح نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے
کہ مقصود صرف اسی قدر ہو کہ اوس نے ہم لوگوں کو اپنی مقدس ذات سے اس طرح ملالیا
ہے کہ ہمارے حقوق کی بربادی کو اور ہمارے حقوق کی اداکاری کو اپنے حقوق کی اداکاری
سمجھتا ہے۔ پس کلام پروردگار وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ کا معنی یہ ہے
کہ جن لوگوں نے حضرت سرورِ عالم کی نبوت اور ائمہ اہلبیت علیہم الصلوۃ والسلام کی امامت
نہ مانی اونھوں نے اون پر ظلم نہ کیا بلکہ اپنے ہی اوپر کیا۔

چند فائدے

(پہلا فائدہ) معانی۔ بیان۔ بدیع (معانی) قُلۡتُمۡ۔ اَخَذَتۡکُمُ
وغیرہ میں غائب کو حاضر قرار دے کر حاضر کی ضمیریں! امتنان یعنی
احسان ظاہر کرنے کی غرض سے لائی گئی ہیں جیسا کہ اسکے قبل کی آیتوں میں ذکر کیا گیا
۲ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھۡرَۃً میں اطناب ہے یعنی اس کو اس لئے بڑھایا ہے تاکہ
صاعقہ (بجلی) گرنے کا سبب معلوم ہو جائے وہ یہ کہ اون لوگوں نے امر عظیم (بڑی
بات) کا سوال کیا تھا جو اَن ہونی ہونے کے علاوہ غضب خدا کا سبب بھی تھی۔ اور یہ
بھی ظاہر ہو جائے کہ جب کہ خداوند قادرِ مطلق کی ایک مخلوق کے نور کی چمک کو انسان
برداشت نہیں کر سکتا تو اوس کے جمالِ پاک کا دیدار! اوسکی ظاہری ضعیف آنکھوں کو
کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ ۳ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ میں بھی اطناب ہے یعنی
اس جملہ کو بڑھا کر اس امر کو ظاہر کرنا چاہا ہے کہ بجلی گرنے کے وقت تم غافل نہ تھے تاکہ

معانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲) جو انسان کے نقص کی دلیل ہے۔ پس بجلی کی قوت آگ کی طرح ہر وقت اپنا
اثر ساتھ رکھتی ہے۔ اور یہ انوار اہلبیت کے اثر کا ظہور خدا یا خود اون کے ارادہ پر موقوف ہے۔
اور اسی کا نام معجزہ ہے ۱۲ منہ

تم کو معلوم نہ ہو کہ بجلی سے مرے یا کسی دوسری چیز سے! اور میرے دیدار کے محال ہونے کو سمجھ نہ سکو۔ بلکہ بجلی گرنے کو تم نے دیکھا اس لئے تم کو یقین کرنا چاہیے کہ جب میری پیدا کی ہوئی بجلی کی چمک برداشت نہ کرسکے تو میرے جمال پاک کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے جیسا کہ موسیٰ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ لَنْ تَرَانِي ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔

۴ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ میں اطناب ہے یعنی باوجودیکہ صرف ایک جملہ ثُمَّ أَحْيَيْنَاكُمْ (پھر ہم نے تمہیں زندہ کردیا) مرنے کے بعد زندہ کرنے کو ظاہر کرنے کے لئے کافی تھا لیکن مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ بڑھا کر چند باتوں کو ظاہر کرنا چاہا ہے۔ پہلے اس بات کو کہ جس طرح ہم نے اوس وقت تمہارے بزرگوں کو مرنے کے بعد شکریہ کے لئے اوٹھ کھڑا کیا۔ یقین جانو کہ قیامت کے دن بھی حساب و کتاب کے لئے! مرنے کے بعد زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہوں اور زندہ کروں گا۔ دوسرے اس کو کہ اگرچہ دنیا کے جنجالوں (آفتوں مصیبتوں۔ جھگڑوں) سے چھٹکارا ہو جانے کے لحاظ سے موت اچھی چیز ہے۔ لیکن چونکہ تم جیسے جاہلوں کی نگاہوں میں زندگی اچھی چیز ہے اس لئے تم کو زندہ کردیا تاکہ اسی کو نعمت عظمیٰ سمجھ کر میرا شکریہ ادا کرو (اطاعت و فرماں برداری کرو) تیسرے اس کو کہ چونکہ تم لوگوں نے اب تک جہالت اور سرکشی میں زندگی بسر کی ہے تم

ع۵ اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اگر وہ بجلی کی چمک برداشت کر لیتے تو خدا کو دیکھ سکتے! بلکہ تعلیق محال بر محال (محال کو محال پر موقوف کرنے کے) طور پر اوس جاہل اور ضدی قوم کی تشفی مقصود تھی۔ اور اون کی عقلوں کے مطابق اونکو سمجھا دینا مقصود تھا کہ جب کہ مخلوق کو نہ دیکھ سکے تو خالق کو کیونکر دیکھ سکیں گے! پس سورہ اعراف میں جو جملہ شرطیہ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ہے (یعنی اگر پہاڑ برقرار رہ گیا تو مجھے دیکھ سکو گے) اس جملہ کا منطوق (لفظی معنی) مقصود نہیں ہے یعنی بصورت استقرار! امکانِ دیدار کو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ صرف مفہوم (عقلی معنی) یعنی پہاڑ کے برقرار نہ رہنے سے اپنے دیدار کے عدم امکان کو ظاہر کرنا چاہا ہے ۱۲ منہ

یہ میری بہت بڑی نعمت ہے کہ مرنے کے بعد تم کو پھر زندہ کرکے تمہیں موقع
دیا تاکہ اب بھی میرا شکریہ (اطاعت و عبادت) کرلو کیونکہ پہلی حیات کے بعد
یہ دوسری زندگی نعمت بالائے نعمت اور دوسری حجت ہے جو تم پر تمام ہوچکی
چوتھے اس کو کہ چونکہ تمہاری قوم کے باقی لوگوں کو بھی سمجھا دینا مقصود ہے کہ
میرا دیدار ممکن نہیں ہے اس لئے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کردیا تاکہ تم واپس
جاکر اون سے اپنے واقعہ کو بیان کردو اور وہ تمنائے دیدار اور اس فاسد
عقیدہ سے باز آئیں۔ **پانچویں** چونکہ اَحْیَیْنَا زندہ رکھنے کے معنی میں بھی
استعمال ہوتا ہے جیسے وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَی النَّاسَ جَمِیْعًا (سورہ مائدہ
آیت ۳۲ پ ۶) یعنی جو شخص ایک جان کو زندہ رکھے (ہلاکت سے بچائے) اوس نے
گویا کہ کل لوگوں کو زندہ رکھا۔ اور اسی طرح پہلی پیدائش میں بھی استعمال
ہوتا ہے جیسے ھُوَ الَّذِیْ اَحْیَاکُمْ (سورہ حج پ ۱۷ آیت ۶۶) وہ ذات
مقدس وہی ہے جس نے تم کو زندہ پیدا کیا۔ **اسلئے** اگر صرف ثُمَّ اَحْیَیْنَاکُمْ
فرماتا تو صاف معلوم نہ ہوتا کہ زندگی باقی رکھنا مقصود ہے۔ یا پیدا کرنا۔ یا مرنے
کے بعد زندہ کرنا۔ اس واسطے مِنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ بڑھا کر اس شبہ کو دفع کردیا۔
اور چونکہ مرکر زندہ ہونے والوں کو بنو اسرائیل کے باقی لوگوں کے پاس بھیجنے کو
بھی ظاہر کرنا مقصود ہے اور لفظ اَحْیَیْنَا سے یہ بات ظاہر نہ ہوتی اس لئے اسکی
جگہ پر بَعَثْنَا فرمایا کیونکہ اوس کا معنی جہاں اوٹھ کھڑا کرنا ہے وہاں بھیجنا بھی ہے
پس یہ ایک ہی لفظ دونوں باتوں کو ظاہر کر رہا ہے۔

۵ے **کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ** میں ایک تو ایجاز بالحذف
ہے یعنی چونکہ مقام بتلا رہا ہے کہ یہاں پر "میں نے کہا" ہونا چاہئے اس لئے
کُلُوْا (کھاؤ) کے پہلے جو قُلْنَا (میں نے کہا) ہونا چاہئے وہ گرادیا گیا ہے
کیونکہ بیکار کلام لانا عیب ہے۔ اور دوسرے اطناب ہے۔ یعنی باوجودیکہ
من وسلوے اوتارنے کو ذکر کرنے کے بعد مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ کو ذکر
کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن اس کو التذاذ اور امتنان کی غرض سے ذکر کیا ہے!
مقصود یہ ہے کہ وہ اس سے خوش ہوں اور سمجھیں کہ من وسلوے بہترین غذا ہے

جو اونکو بے زحمت دیگئی ہے وَمَا ظَلَمُوْنَا تا آخر میں التفات ہے یعنی جن لوگوں کے لئے پہلے حاضر کے صیغے اور ضمیریں لائی گئی ہیں اونھیں کے لئے اب غائب کے صیغے اور ضمیریں لائی گئی ہیں۔ پہلے چونکہ اونکی دلجوئی مقصود تھی اس واسطے اون کے بزرگوں کو حاضر قرار دیکر ہم کلامی کی عزت بخشی گئی۔ اور اب چونکہ اونکے ظلم اور جاہلانہ اور مبغوض فعل (محمدؐ و آل محمدؐ کے حقوق نہ پہچاننے) کو ذکر کرنا مقصود ہے اس لئے اون کو غائب قرار دیکر غائب کے صیغے لائے گئے ہیں کیونکہ حکمی غیبوبت (غائب ہونا)! بارگاہ سلطان سے منزلتی دوری (مرتبہ و عزت) کو ظاہر کرتی ہے۔

(بیان) ہے اَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ میں عموم مجاز ہے۔ یعنی اس سے عام معنی مراد لیا گیا ہے جو ہلاک کرنے اور غشی میں ڈالدینے! دونوں کو شامل ہے ہلاک کرنا ستّر بنو اسرائیل کے لئے جو مرگئے تھے اور غشی میں ڈال دینا حضرت موسیٰؑ کے لئے۔ ہے بَعَثْنَا (اوٹھایا) میں تضمین ہے یعنی اس سے اَحْيَيْنَا (زندہ کیا) کا معنی مراد لیا گیا ہے! اور اَحْيَيْنَا کی جگہ پر بَعَثْنَا کہنے کا سبب! فن معانی کے نمبر ۴ کی پانچویں صورت میں بیان کر آیا ہوں کیونکہ بعث کا معنی بھیجنا بھی ہے پس لفظ بَعَثْنَا زندہ کرنے اور بھیجنے دونوں کو ظاہر کر رہا ہے۔

(بدیع) بَعَثْنَا (زندہ کیا) اور مَوْتِكُمْ میں صنعت طباق ہے یعنی حیات اور موت! مقابل کی دو چیزوں کو ایک کلام میں جمع کیا ہے۔

(دوسرا فائدہ) علم کلام۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (اور اوس وقت کو یاد کرو جب کہ تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ جب تک خدا کو ظاہر بظاہر دیکھ نہ لیں تم پر ایمان نہ لائیں گے) ابو القاسم بلخی نے اس آیت کو خدا کے قابل دیدار نہ ہونے کی دلیل قرار دی ہے بیان اس کا یہ ہے کہ یہ آیت انکاری ہے جو دو امروں کو شامل ہے! ایک بنو اسرائیل کا اپنے نبی حضرت موسیٰؑ کے کلام کو نہ ماننا اور اون پر ایمان نہ لانا۔ دوسرے خدا کے دیدار کو تجویز کرنا جس کا مؤید کلام پروردگار ہے فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ (سورہ نساء پ آیت ۵۳) پس بدر ستیکہ

فرار و تجویز کے قائل نہیں سے

بنو اسرائیل نے اس سے بھی بہت بڑی بات ہونے سے چاہی تھی اور کہا تھا کہ ہمیں
خدا کو صاف صاف دیکھا دو! پس اونکے اس ظلم کی وجہ سے اونھیں بجلی نے آ ڈالا
پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان دونوں باتوں کی ناپسندیدگی اور
مبغوضیت کو بتاتی ہے [1] میں عرض کرتا ہوں کہ بلخی کا بیان صحیح ہے کیونکہ
وہی چیز دیکھی جاسکتی ہے جو مجسم ہو یعنی لمبائی۔ چوڑائی۔ موٹائی رکھتی ہو اور کسی
سمت میں اور کسی جگہ ہو! اور ایسی چیز واجب الوجود نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ چیزیں ممکن
کی صفتیں ہیں اور واجب الوجود کے لئے محال ہیں اور جب واجب الوجود نہیں ہوسکتی
تو خدا نہیں ہوسکتی۔ اور چونکہ خدا واجب الوجود ہے اس لئے وہ نہ تو جسم ہے۔ نہ کسی
سمت میں نہ کسی جگہ! اس واسطے دیکھا بھی نہیں جاسکتا! نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔
پس اشاعرہ (حنفیوں اور شافعیوں) اور مجسمہ (حنبلیوں) کا دیدارِ خدا کو جائز
جاننا غلط اور خلافِ عقل اور خدا کو خدائی مرتبہ سے گرا دینا ہے۔ اون کے امام
ابو حنیفہ فقہ اکبر میں [2] لکھتے ہیں وَاللّٰهُ تَعَالٰى يُرٰى فِي الْاٰخِرَةِ وَيَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَهُمْ فِي الْجَنَّةِ بِاَعْيُنِ رُءُوْسِهِمْ (یعنی آخرت میں خدا دیکھا جائیگا اور بہشت
میں مومنین اوس کو سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اور امام شوکانی لکھتے ہیں
اِنَّهٗ تَعَالٰى مَرْئِيٌّ بِالْاَبْصَارِ فِي دَارِ الْقَرَارِ (یعنی خداوند عالم آخرت میں آنکھوں
سے دیکھا جائیگا [3] اور ملا علی قاری حنفی فقہ اکبر کی شرح میں [4] لکھتے ہیں اِجْمَاعُ
اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلٰى اَنَّ رُؤْيَتَهٗ تَعَالٰى بِعَيْنِ الْبَصَرِ جَائِزَةٌ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ عَقْلًا وَوَاقِعَةٌ وَثَابِتَةٌ فِي الْعُقْبٰى سَمْعًا وَنَقْلًا (یعنی کل اہلسنت والجماعت [عہ]
(اشاعرہ) نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ خدا کو آنکھوں سے دیکھنا جائز ہے!
دنیا اور آخرت دونوں میں جائز ہونے کو صرف عقل بتاتی ہے اور آخرت میں جائز

خدا کو دیکھنے کے متعلق اہلسنت کا غلط عقیدہ

---

[1] مجمع البیان جلد ۱ صہ ۴۹ - ۱۲ منہ [2] شرح فقہ اکبر صہ ۲ چھاپہ مصر مطبوعہ ۱۳۲۷ ہجری ۱۲ منہ
[3] المسایرہ مصنفہ امام شوکانی چھاپہ مصر صہ ۱۹ - ۱۲ منہ
[4] شرح فقہ اکبر صہ ۱۱۲ چھاپہ مصر مطبوعہ ۱۳۲۷ ہجری ۱۲ منہ
[عہ] اشاعرہ اپنی ہی جماعت کو اہلسنت والجماعت جانتے ہیں ۱۲ منہ

ہونا قرآن اور حدیث سے بھی ثابت ہے میں عرض کرتا ہوں کہ قرآن کی تو کوئی آیت اس کو نہیں بتاتی ۔ لیکن صحاح ستہ میں چند جعلی حدیثیں ہیں جن میں دیدار کو جائز بتایا ہے ۔ اس غلط عقیدہ کا بھید کھل گیا ۔ شاہ عبد العزیز صاحب کے باپ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن خداوند عالم سب سے پہلے حضرت عمر سے گلے ملیگا اور ہاتھ ملائیگا[1] اور ملا علی قاری صاحب لکھتے ہیں کہ اکثر علماء خواب میں خدا کے دیدار کو جائز جانتے ہیں ۔ اور امام ابو حنیفہ نے خدا کو خواب میں سو مرتبہ دیکھا تھا ۔ اور امام مجسمہ احمد بن حنبل نے ایک مرتبہ ۔ اور حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ایک مرتبہ جوان کی صورت میں[2] پس اگر یہ لوگ دیدار خدا کو محال اور غیر ممکن سمجھتے تو امام احمد بن حنبل کی حضرت رسولؐ سے برابری اور حضرت عمر اور امام اعظم ابو حنیفہ صاحب کی حضرتؐ سے بڑائی کی فضیلت مٹ جاتی ! اگرچہ حضرت سرور عالم کا دیکھنا بھی غلط اور محال ہے لیکن ممکن ہے کہ حضرتؐ کے دیدار کے متعلق بھی حدیث اسی غرض سے بنائی گئی ہو تاکہ حنفیوں اور حنبلیوں نے اپنے اپنے پیشواؤں کے لئے جو فضیلت تراشی ہے وہ غلط نہ سمجھی جائے اور لوگ یہ اعتراض نہ کرسکیں کہ جب حضرت رسولؐ نہ دیکھ سکے تو ان کا دیکھنا کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے ۔

اس عقیدہ کا بھید کھل گیا

(تیسرا فائدہ) مذکورہ بالا آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ دیدار کا سوال در اصل بنو اسرائیل کا تھا اور حضرت موسےٰ علیہ السلام نبی تھے اور جانتے تھے کہ خدا دیکھنے کے قابل نہیں ہے لیکن اپنی جاہل قوم کے اصرار سے ! دیدار خدا کو ناممکن ثابت کرنے کی غرض سے مجبوراً سوال کیا تھا اور اس کا کافی ثبوت سورہ نساء کی آیت فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِن ذَٰلِكَ (تا آخر) ہے جو دوسرے فائدہ میں ذکر کی گئی اور کتاب عیون اخبار الرضاؑ کی حدیث ہے جو ظاہری تفسیر کی حدیثوں میں ذکر کی گئی ۔ اہل توریت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت موسےٰؑ نے دیکھنے کا سوال ایک ہی دفعہ کیا تھا اور یہ سوال وہی تھا جس پر انکی جاہل اور ضدی

دیدار کا سوال در اصل بنو اسرائیل کا تھا

[1] قرۃ العینین نوع سی ام ص۱۵۸ چھاپہ مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ ہجری ۱۲ منہ
[2] شرح فقہ اکبر ص ۱۱۳ چھاپہ مصر ۱۲ منہ

قوم نے انھیں مجبور کیا تھا [1]

(چوتھا فائدہ) اصول دین ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ (پھر ہم نے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کیا تاکہ میرا شکریہ ادا کرو) یہ آیت ایک تو حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے لئے معجزہ ہے اور دوسرے قیامت کے دن بندوں کے زندہ کئے جانے کے متعلق مشرک عربوں پر حجت اور ثبوت ہے جو اس سے انکار کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں کا بیان یہ ہے کہ حضرت سرور عالم عربوں سے فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن سب لوگ (اوسی طرح) زندہ کئے جائیں گے (جس طرح بنو اسرائیل زندہ کئے گئے تھے) اور حضرتؐ کے اس بیان کی یہود اور نصارے تصدیق کرتے تھے باوجودیکہ وہ حضرتؐ کے مخالف تھے اور آپ کی نبوت کو نہیں مانتے تھے (پس بنو اسرائیل کے زندہ کئے جانے کی خبر حضرتؐ کے لئے معجزہ تھی کیونکہ یہ غیب کی خبر تھی حالانکہ حضرتؐ نہ تو پڑھے لکھے تھے اور نہ یہود ونصارے سے میل جول اور معاشرت رکھتے تھے تاکہ اس کا احتمال ہو کہ توریت میں پڑھا ہوگا یا یہود ونصارے سے سُنا ہوگا۔ اور بنو اسرائیل کے زندہ کئے جانے کو مثال میں پیش کر کے قیامت کے حساب وکتاب کے لئے زندہ کئے جانے کی خبر دینی اور یہود ونصارے کا اس خبر کی تصدیق کرنی! مشرک عربوں پر اتمام حجت تھی تاکہ یا تو اس کا اعتقاد کریں یا قیامت کے دن یہ عذر نہ کرسکیں کہ ہمیں اس کی خبر نہیں دی گئی) اور تیسرے ہمارے علمائے شیعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک گروہ نے اس آیت کو رجعت ؏ پر

؏ ہمارے مذہب میں تقریباً ایک سو حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت آخرالزمان علیہ الصلوۃ والسلام کے ظہور کے بعد اہلبیت علیہم الصلوۃ والسلام کے خالص دشمن سزا پانے کے لئے اور اون کے خالص دوست! دشمنوں کی سزا اور حضرات ائمہ معصومین کی بادشاہت پر خوش ہونے کے لئے زندہ کئے جائیں گے! اسی زندہ کئے جانیکو رجعت کہتے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر سورہ بقرہ جلد ا صفحہ ۱۲۸) ۱۲ منہ

[1] مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۴۹ باضافہ ۱۲ منہ

(یعنی حضرت آخر الزمان علیہ الصلوۃ والسلام کے ظہور کے بعد خالص مومنوں کا خوش ہونے کے لئے اور خالص کافروں کا سزا پانے کے لئے زندہ کئے جانے) کا ثبوت قرار دیا ہے۔

(پانچواں فائدہ) علم کلام۔ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (تاکہ تم شکریہ ادا کرو) اس جملہ سے مقصود یہ ہے کہ میں نے مرنے کے بعد تمہیں اس لئے زندہ کیا تاکہ ایمان لاؤ اور اپنے گناہوں سے توبہ کرلو! اور ایمان لانے اور اعمال درست کرنے کو لفظ شکر سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ یہ لفظ ان کل عبادتوں کو شامل ہے جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا یعنی اے آل داؤد شکریہ کے طور پر عمل نیک کرو۔ **سوال:۔** اگر کوئی کہے کہ مرکر زندہ ہونے کے بعد ایمان لانے اور عبادت کرنے کا حکم کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اگر یہ درست ہو تو چاہئے کہ آخرت والوں کو (قیامت کے دن حساب و کتاب کے لئے) اوٹھانے کے بعد بھی عبادت کرنے کا حکم دینا صحیح ہو (حالانکہ ایسا نہیں ہے)

جواب:۔ عبادت کے حکم سے روکنے والی چیز امرنے کے بعد زندہ کرنا نہیں ہے بلکہ خدا کی معرفت کا بدیہی یعنی بے غور و فکر حاصل ہو جانا اور بہشت کی نعمتوں اور جہنم کی تکلیفوں کو آنکھوں سے دیکھ لینا ہے پس دیکھ لینے کے بعد اس حکم کا موقع باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ معرفت اور وجوب اطاعت دلیلوں سے حاصل کی جاتی ہے اور ان چیزوں کو دیکھ لینے کے بعد اس کا موقع باقی نہیں رہتا اور بنو اسرائیل کو نہ تو خدا کی قہری معرفت حاصل ہوئی اور نہ بہشت و جہنم کی نعمتوں اور تکلیفوں کو آنکھوں سے دیکھا کیونکہ انکی یہ موت نیند یا غشی کی طرح کی تھی اس واسطے ان کو زندہ کرنے کے بعد ایمان اور عبادت کا حکم دینا بے شبہ درست تھا۔[۱]

(چھٹاں فائدہ) علم کلام۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ (اور ان لوگوں نے مجھ پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے) چونکہ اس آیت میں خداوند حکیم نے ظلم (بد اعمالی) کی نسبت بنو اسرائیل کی طرف دی ہے اس لئے یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ بد اعمالیوں کے ذمہ دار خود

---

[۱] خلاصہ تفسیر کبیر جلد ا ص۳۵۱ و خلاصہ مجمع البیان جلد ا ص۴۹ - ۱۲ منہ

بندے ہیں اور یہ اونھیں کا فعل ہے خداوند حکیم کو اس سے کوئی لگاؤ نہیں ہے (تفصیل اسکی سورہ بقرہ جلد ا ص ۴۹۱ سے ۵۰۷ تک میں مع حاشیہ کے ملاحظہ فرمائیں) **پس** اشاعرہ کا یہ خیال غلط ہے کہ بندوں کے اچھے اور بُرے کاموں کا کرنے والا خود خدا ہے۔ (تعالی اللّٰہ عن ذالک) **بعض اشاعرہ** اپنے اس غلط خیال کے ثبوت میں کہتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں اور کل اعضاء کو خدا نے پیدا کیا اور کلام کرنے کی قوت اوسی نے دی اور دلوں میں کام کرنے کا ارادہ بھی وہی پیدا کر دیتا ہے۔ جب یہ سب باتیں حاصل ہو جاتی ہیں تو کام انجام پا جاتا ہے کیونکہ یہی چیزیں اوسکی علت تامہ (حاصل ہونے کا پورا اسبب) ہیں اور کسی چیز کا! علت تامہ کے پائے جانے کے بعد حاصل نہ ہونا محال ہے۔ اس لئے اچھے یا بُرے ہر کام کا کرنے والا خدا ہی ٹھہرتا ہے۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (میں نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت یعنی فرماں برداری کے لئے پیدا کیا) میں خداوند حکیم مالک الملوک نے حصر کے طور پر فرمادیا ہے کہ انسان جو اعضاء کا مجموعہ ہے صرف فرماں برداری کے لئے پیدا کیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ مالک حقیقی چاہتا ہے کہ انسان کا کوئی کام اوسکے حکم کے خلاف نہ ہو اور وہ اپنی مخالفت پر راضی نہیں ہے۔ **پس** اگر بندوں کے کل کام خدا کی طرف سے اور اوسکے حکم اور مرضی کے مطابق ہوں تو چاہیئے کہ گناہ ایک ایسا لفظ ہو جس کا وجود دنیا میں نہ ہو اور زنا اور چوری اور ظلم وغیرہ کوئی کام گناہ اور بُرا نہ سمجھا جائے کیونکہ اس بنا پر یہ سب چیزیں خدا کی مرضی کے مطابق ٹھہرینگی اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کو کوئی سمجھدار قبول نہیں کرسکتا اور خود اشاعرہ بھی اس کے پابند نہ ہونگے ورنہ اونکو چاہیئے کہ کسی بُرائی کی شکایت اور فریاد نہ کریں۔ **اس کا دوسرا جواب** یہ ہے کہ اعضاء اور ارادوں[عـه] کی نسبت! اچھے اور بُرے دونوں طرح کے کاموں کی طرف برابر ہے اور یہ اونکے لئے مُعِدّات یعنی حاصل ہونے کے ذریعے ہیں نہ تو اچھے کام کے لئے پوری علت ہیں نہ بُرے کام کے لئے ورنہ چاہیئے کہ ان دونوں میں سے جسکی علت تامہ ہوں وہی انجام پاتا رہے۔ اور دوسرا انجام نہ پائے۔ کیونکہ ایک علت[عـه] تامہ موجبہ سے ایسے دو کام حاصل نہیں

عـه ارادہ کام کرنے کی خواہش ۱۲ منہ عـه علت کی دو قسمیں ہیں ایک مُوجِبہ یعنی بے اختیار دوسری مُوجِدہ یعنی با اختیار! اور چونکہ اشاعرہ انسان کو جو ان اعضاء اور ارادہ کا مجموعہ ہے! اپنے فعل میں

ہو سکتے جو آپس میں مخالفت رکھتے ہوں یہ ممکن نہیں ہے کہ آفتاب دنیا کو روشن بھی کرے اور تاریک بھی اور آگ چیزوں کو گرم بھی کرے اور سرد بھی۔

تحقیقی بات یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں جب کسی چیز کا خیال آتا ہے اور اوس کے دنیاوی و اُخروی نفع اور نقصان کو سمجھ لیتا ہے تو نفس سرکش جس کو قرآن میں نفس امّارۃ بالسوء کہا گیا ہے! اور باطنی رسول یعنی عقل اوس کو مشورہ دینے کے لئے سامنے آجاتے ہیں۔ نفس کہتا ہے کہ دنیاوی لذتیں اختیار کرو (اگرچہ دنیا یا آخرت کا نقصان ہو جائے) اور عقل کہتی ہے کہ خدا کے حکموں پر چلو تاکہ دنیا اور آخرت کے نقصان سے بچو۔ پس اگر یہ شخص دنیا پسند ہے تو نفس کے مشورہ کو ترجیح دیتا اور اختیار کرتا ہے۔ اور اگر خدا پسند ہے تو عقل کے مشورہ کو ترجیح دیتا اور اختیار کرتا ہے۔ اور خدا پسندی یا دنیا پسندی اچھی اور بری تعلیم اور صحبت کا نتیجہ ہے۔ اور اس ترجیح اور اختیار کے بعد اوس کو حاصل کرنے کا ارادہ یعنی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی روک جیسے خوف وغیرہ پیدا ہو گیا تو باوجود ارادہ کے حاصل نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی روک نہ ہوا تو حاصل کرنے کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱) مجبور جانتے اور انھیں چیزوں کو ہر فعل کا علت تامہ بھی کہتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کو علت موجبہ یعنی مجبور علت کہا ۱۲ منہ ۱۲ منہ

ع مجاورت۔ یعنی ہمسایگی اور نزدیکی کا بہت قوی اثر پڑتا ہے۔ لوہا گرم جگہ میں گرم اور سرد جگہ میں سرد ہو جاتا ہے اور ہوا پھولوں پر گذر کر خوشبودار اور فضلہ پر گذر کر بدبو ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسانی طبیعت بھی اچھی تعلیم اور صحبت سے اچھا اور بری تعلیم اور صحبت سے برا اثر لیتی اور خدا پسند یا دنیا پسند ہو جاتی ہے۔ اور ان معلموں اور رفیقوں کو اختیار کرنا اوس کا اختیاری فعل ہے جیسے کنوئیں میں کود پڑنا۔ اگرچہ اثر لینا اختیار سے باہر ہے جیسے کودنے کے بعد ڈوب کر مر جانا۔ اور یہ بات اصول فقہ میں طے ہو چکی ہے کہ اَلْاِضْطِرَارُ بِالْاِخْتِیَارِ لَا یُنَافِی الْاِخْتِیَارَ یعنی اختیار سے حاصل کی ہوئی مجبوری بھی اختیاری ہی سمجھی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے خودکشی کرنے والوں پر آخرت میں عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اور زندہ رہ جانے پر خودکشی کا مقدمہ چلایا جاتا ہے اور مر جانے پر برا کہا جاتا ہے ۱۲ منہ

لئے اعضاء کو حرکت دیتا اور کام میں لاتا ہے اور وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اعضاء کو حرکت دینا اوس کا پورا اختیاری امر ہے۔ اُس کو اختیاری نہ سمجھنے والے اون لوگوں میں داخل ہیں جو کودنے اور گر پڑنے میں فرق نہیں سمجھتے! اور ایسے لوگوں کو کوئی عاقل ہم کلام بنانے کے لائق نہیں سمجھتا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر کام کے انجام پانے کی علت تامہ^ع (پورا سبب) اوس کو حاصل کرنیکی غرض سے اعضاء کا حرکت کرنا ہے جس سے وہ حاصل ہو جاتا ہے اور انکو حرکت دینا انسان کا اختیاری امر ہے خدا کا فعل نہیں ہے۔ اور اعضاء اور ارادہ اوس کے لئے مُعِدّات یعنی ذریعہ و آلۂ حصول ہیں علت تامہ نہیں ہیں ورنہ چاہیے کہ انکے موجود ہونے پر بغیر حرکت اعضاء کے وہ کام انجام پا جائے حالانکہ نہیں ہوتا۔ ہاں باوجود اعضاء اور ارادہ اور حرکت اعضاء کے بعض وقت جو کام انجام نہیں پاتا! تو یہ انجام نہ پانا اس وجہ سے نہیں ہے کہ حرکت اعضاء علت تامہ نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے انجام نہیں پاتا کہ اوس کے بعض ذریعے چھوٹ جاتے ہیں جن سے یا تو کرنے والا بے خبر رہتا ہے یا اون کو اپنے کام سے بے تعلق سمجھکر چھوڑ دیتا ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ

ع۔ جس چیز کی پوری علت (سبب) کئی چیزوں سے مل کر حاصل ہوئی ہو احکماء اون میں سے آخری ہی جزء کو علت تامہ (پورا سبب) کہتے ہیں پس اگر کوئی شخص تنہا حرکت اعضاء کو علت تامہ نہ مانے تو آخری جزء ہونیکی وجہ سے حکماء کے اس خیال کے مطابق بھی وہی علت تامہ ٹھہرتے ہیں ۱۲ منہ

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

(الفاظ کے معانی) وَ۔ اور + اِذْ۔ جب + قُلْنَا۔ میں نے کہا + اُدْخُلُوْا داخل ہو جاؤ + هٰذِهِ۔ اس + قَرْيَةَ۔ گانوں + فَ۔ پس۔ كُلُوْا۔ کھاؤ + مِنْ۔ سے + هَا۔ اوس + حَيْثُ۔ جس جگہ + شِئْتُمْ۔ چاہو + رَغَدًا۔ جی بھر + بَابَ۔ دروازہ + سُجَّدًا۔ سجدہ کرنے والوں کی طرح جھکے ہوئے + قُوْلُوْا۔ کہو + حِطَّةٌ۔ بخشدے + نَغْفِرْ۔ بخشدوں گا + خَطَايَا۔ گناہوں + كُمْ۔ تمہارے + سَ۔ جلد + نَزِيْدُ۔ بڑھاؤں گا + مُحْسِنِيْنَ۔ اچھا کام کرنے والے + بَدَّلَ۔ بدل دیا + اَلَّذِيْنَ۔ اون لوگوں۔ جن لوگوں + ظَلَمُوْا۔ ظلم کیا + قَوْلًا۔ کلام۔ بات + غَيْرَ۔ سوا + اَلَّذِيْ۔ اوس + قِيْلَ۔ کہی گئی + لَهُمْ۔ اون سے + اَنْزَلْنَا۔ اوتارا + عَلٰى۔ اوپر۔ پر + رِجْزًا۔ بلاء۔ عذاب + سَمَاءِ۔ آسمان + بِ۔ بسبب + مَا۔ یہاں پر مصدریہ ہے جسکی وجہ سے كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ میں فسق یعنی مصدر کا معنی پیدا ہو جاتا ہے جس کا خلاصہ بِفِسْقِهِمْ ہے یعنی اونکی بدکاریوں کی وجہ سے + اِسْتَسْقٰى۔ پانی مانگا یا سیرابی کی خواہش کی + لِ۔ واسطے + قَوْمِ۔ گروہ + هٖ۔ اپنی + اِضْرِبْ۔ مارو + بِ۔ کو + عَصَا۔ سونٹا۔ لاٹھی + كَ۔ اپنے + حَجَرَ۔ پتھر + اِنْفَجَرَتْ۔ پھٹ پڑا + اِثْنَتَا عَشْرَةَ۔ بارہ + عَيْنَ۔ چشمہ۔ سوت + قَدْ۔ تحقیق + عَلِمَ۔ جانا۔ سمجھا۔ پہچانا + كُلُّ۔ سب + اُنَاسٍ۔ لوگوں + مَشْرَبَ۔ گھاٹ۔ پانی پینے کی جگہ + اِشْرَبُوْا۔ پیو + رِزْقِ۔ روزی + لَا تَعْثَوْا۔ نہ پھرو + فِي۔ میں + اَرْضِ۔ زمین + مُفْسِدِيْنَ۔ فساد کرتے ہوئے۔

(بامحاورہ ترجمہ) اور (اوس وقت کو یاد کرو) جب کہ میں نے (بنو اسرائیل سے) کہا تھا کہ اس گانوں (بیت المقدس) میں جاؤ اور اوس (کی نعمتوں) سے جہاں چاہو (رہکر) فراغت سے کھاؤ (پیو) اور (اوسکے) دروازے میں جھکے ہوئے اور بخشدے (بخشدے) کہتے ہوئے داخل ہو تو میں تمہارے گناہوں کو بخشدوں گا اور اچھا کام کرنے والوں کے ثواب کا یا اون پر

اپنی نعمتوں کو بڑھا دونگا پس جو بات اون سے کہی گئی تھی بدکاروں نے اوسے بدل دیا پس میں نے اون بدکاروں پر اون کی بدکاری کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔ اور (اوس وقت کو یاد کرو) جبکہ موسےٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تھا تو میں نے اون سے کہا تھا کہ اپنی چھڑی پتھر پر مارو پس (مارا اور) بارہ چشمے (سوتیں) پھوٹ نکلیں اور ہر گروہ نے اپنی سیرابی کی جگہ سمجھ لی (میں نے کہا کہ اپنے) اللہ کی (دی ہوئی) روزی سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

(صرف) قُلْنَا اصل میں قَوَلْنَا تھا واو متحرک اور ماقبل اوس کے فتحہ (زبر) تھا اوس کو الف سے بدل دیا۔ دو ساکن (جزم والے) ایک الف اور دوسرے لام اکٹھا ہوئے الف کو گرا کر قاف کو ضمہ (پیش) دیا تاکہ واو کے گرنے کو بتائے قُلْنَا ہو گیا۔ کُلُوْا اصل میں اُءْکُلُوْا تھا دو ہمزہ ایک جگہ گراں تھے دوسرے کو تخفیف کے لئے گرا دیا۔ اور پہلا ہمزہ اس واسطے لائے تھے کہ ابتدا بسکون لازم نہ آئے اب اوس کی ضرورت باقی نہ رہی اس لئے اوس کو بھی گرا دیا۔ کُلُوْا ہو گیا۔ اِسْتَسْقٰی اصل میں اِسْتَسْقَیَ تھا "ی" متحرک تھی اور ماقبل اوس کے فتحہ اوس کو الف سے بدل دیا اِسْتَسْقٰی ہو گیا۔ تَعْثَوْا اصل میں تَعْثَوُوْا تھا ضمہ (پیش) واو پر گراں تھا اس لئے اوس کو گرا دیا دو واو جزم والے اکٹھا ہوئے اوس میں سے ایک کو گرا دیا تَعْثَوْا ہو گیا۔

(نحو) واو حرف عطف۔ اِذْ اسم ظرف مفعول فیہ۔ قلنا فعل بافاعل ادخلوا فعل۔ انتم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ ھذہ اسم اشارہ مبدل منہ۔ قریۃ بدل۔ مبدل منہ اور بدل ملکر مفعول فیہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قلنا کا مفعول فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے ل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ ف حرف تفریع۔ کلوا فعل۔ انتم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ من حرف جار۔ ھا مجرور۔ دونوں ل کر کلوا کا متعلق۔ حیث مضاف۔

شئتم فعل۔ انتم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ رغدًا مفعول۔
فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مضاف الیہ
مضاف اور مضاف الیہ مل کر کلوا کا مفعول فیہ۔ فعل اپنے فاعل
اور متعلق اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ۔ و حرف عطف۔ ادخلوا
فعل۔ انتم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل اور ذوالحال۔ سجدًا اوس
کا حال۔ باب مفعول فیہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور حال سے
مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ۔ و حرف عطف۔ قولوا فعل۔ انتم جو پوشیدہ
ہے اوس کا فاعل۔ فعل اور فاعل ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ۔ حطۃ خبر مبتدا
محذوف یعنی سؤالنا (ہمارا سوال) کی۔ مبتداء اور خبر ملکر جملہ فعلیہ خبریہ۔ نغفر
فعل۔ انا جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ خطایا مضاف۔ کم
مضاف الیہ۔ دونوں مل کر مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے
ملکر جملہ فعلیہ ہو کر شرط محذوف یعنی ان تقولوا ذالک (اگر تم اسکو کہو گے) کی جزاء۔ و
حرف عطف۔ سنزید فعل۔ انا جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل
المحسنین مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ۔ ف
حرف تفریع۔ بدّل فعل۔ الذین موصوف۔ ظلموا فعل۔ ہم جو
پوشیدہ ہے۔ اوس کا فاعل فعل اور فاعل ملکر جملہ فعلیہ ہو کر الذین کی
صفت۔ موصوف اور صفت ملکر بدّل کا فاعل۔ قولاً موصوف
غیر مضاف۔ الذی اسم موصول۔ قیل فعل۔ ھو جو پوشیدہ
ہے اوس کا نائب فاعل۔ ل حرف جار۔ ہم مجرور۔ دونوں مل کر قیل
کا متعلق۔ فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر
صلہ۔ موصول اور صلہ ملکر مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر
قولاً کی صفت۔ موصوف اور صفت ملکر بدّل کا مفعول۔ فعل
اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ۔ ف حرف تفریع انزلنا
فعل با فاعل۔ علی حرف جار۔ الذین موصوف۔ ظلموا فعل۔ ہم
جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ فعل اور فاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر

صفت ۔ موصوف اور صفت ملکر مجرور ۔ جار اور مجرور ملکر انزلنا کا
متعلق ۔ رجزًا موصوف ۔ من حرف جار ۔ سماء مجرور ۔ جار اور
مجرور ملکر متعلق کائنًا کا ہوکر رجزًا کی صفت ۔ موصوف اور صفت
ملکر مفعول ۔ ب حرف جار ۔ ما مصدریہ ۔ کانوا فعل ۔ ھم جو پوشیدہ
ہے اوس کا فاعل جس کو اسم کہتے ہیں ۔ یفسقون فعل ۔ ھم جو پوشیدہ
ہے اوس کا فاعل ۔ فعل اور فاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر کانوا کی خبر ۔
کانوا اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر مجرور ۔ جار اور مجرور
ملکر انزلنا کا دوسرا متعلق ۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے
ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ۔ و حرف عطف ۔ اذا اسم ظرف مفعول مقدم ۔ استسقٰے
فعل ۔ موسٰی فاعل ۔ ل حرف جار ۔ قوم مضاف ۔ ہ مضاف الیہ ۔ دونوں
ملکر مجرور ۔ دونوں مل کر متعلق استسقٰے کا ۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق
سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ۔ ف حرف تفریع ۔ قلنا فعل با فاعل ۔ اضرب
فعل ۔ انت جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل ۔ ب حرف جار ۔ عصا
مضاف ۔ کَ مضاف الیہ ۔ دونوں ملکر مجرور ۔ جار اور مجرور ملکر ضرب
کا متعلق ۔ حجر اوس کا مفعول ۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق اور مفعول سے
ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر مقولہ یعنی قلنا کا مفعول ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول
سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ۔ ف حرف تفریع ۔ انفجرت فعل ۔ من حرف جار ۔
ہ مجرور ۔ دونوں ملکر اوس کا متعلق ۔ اثنتا عشرۃ مبدل منہ ۔ عینًا
بدل ۔ دونوں ملکر اوس کا فاعل ۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ
فعلیہ خبریہ ۔ قد حرف تحقیق ۔ علم فعل ۔ کل مضاف ۔ اناس مضاف
الیہ ۔ دونوں ملکر فاعل ۔ مشرب مضاف ۔ ھم مضاف الیہ ۔ دونوں
ملکر مفعول ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ۔ کلوا
فعل ۔ انتم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل ۔ فعل اور فاعل ملکر جملہ فعلیہ
انشائیہ ہوکر معطوف علیہ ۔ و حرف عطف ۔ اشربوا فعل ۔ انتم جو
پوشیدہ ہے اوس کا فاعل ۔ فعل اور فاعل ملکر جملہ انشائیہ ہوکر معطوف ۔ من

حرف جار۔ رزق مضاف۔ لفظ اللہ مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ ملکر مجرور۔ جار اور مجرور ملکر کلوا اور اشربوا کا متعلق۔ و حرف عطف لا حرف نہی۔ تعثوا فعل۔ انتم جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل اور ذوالحال۔ فی حرف جار۔ ارض مجرور۔ دونوں ملکر لا تعثوا کا متعلق مفسدین حال۔ ذوالحال اور حال ملکر فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ۔

(قرائۃ) حِطَّۃٌ بعض قاریوں نے اسکو منصوب یعنی حِطَّۃً پڑھا ہے؟ اس بناء پر یہ مفعول مطلق ہوگا فعل محذوف کا اور اصل یوں ہوگی **وقولوا** حُطَّ عَنَّا حِطَّۃً یعنی کہتے جاؤ کہ خداوندا ہمارے گناہ بخشدے جو حق بخشنے کا ہے[1] نَغْفِرْ ابوجعفر اور نافع نے اسکو یَغْفِرْ نون کی جگہ پر "ی" اور "ر" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی خدا تمھارے گناہ بخشدیگا؟ اور باقی قاریوں نے نغفر نون اور "ر" کو جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور بہتر یہی ہے کیونکہ اس کے قبل جو صیغے متکلم کے لائے گئے ہیں جیسے ظللنا۔ انزلنا۔ رزقنا۔ ظلمونا۔ قلنا۔ وغیرہ) اون کے مناسب نغفر؟ متکلم ہی کا صیغہ ہے[2]

(ظاہری تفسیر) کل مفسرون کا اس پر اتفاق ہے کہ لفظ قریہ سے یہاں پر بیت المقدس مقصود ہے اور کلام پروردگار اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ (سورہ مائدہ پ۶ آیت ۲۱) اس کی تائید کرتی ہے اور ابن زید نے کہا ہے کہ اس سے اریحا مقصود ہے جو بیت المقدس کے نزدیک ایک بستی تھی جس میں قوم عاد کے بچے ہوئے لوگ آباد تھے جنھیں عمالقہ کہتے ہیں جن کا سردار عوج بن عنق تھا۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے اُذْكُرُوْا اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا یاد کرو اوس وقت کو جب میں نے تمھارے بزرگوں سے کہا تھا کہ اس گانوں میں جاؤ اور اوس سے جہاں سے جی چاہے فراغت سے کھاؤ (پیو) رغد سے مقصود

[1] اعراب القرآن جلد ۱ ص ۱۱ چھاپہ مصر ۱۳۵۵ھ

[2] مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ ...

یہ ہے کہ من وسلوی کے علاوہ اس گانوں کی کھانے پینے کی چیزوں کو جی بھر کے کھاؤ پیو۔ اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ یہاں کے جانوروں کو کھاؤ اور یہاں کے مال کو اپنی ملکیت میں لے لو۔ اور اس سے اون پر نعمتوں کو تمام کرنا مقصود ہے۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا اور دروازہ میں جھکے ہوئے داخل ہو۔ مجاھد کہتے ہیں کہ جس دروازہ میں داخل ہونے کا حکم ہوا تھا وہ بیت المقدس کا آٹھواں دروازہ ہے جسکو باب حطہ کہتے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ بہ نسبت گانوں (اریحا) کے دروازہ کے؟ باب قبہ کے مراد ہونے پر آیت کی دلالت قوی ہے کیونکہ بنو اسرائیل حضرت موسے کی زندگی میں اس گانوں میں داخل نہیں ہوئے۔ اور آیت کا آخری ٹکڑا یعنی فَبَدَّلَ الَّذِينَ تا آخر۔ بتاتا ہے کہ وہ جس حکم کے خلاف اوس دروازہ میں داخل ہوا کرتے تھے وہ حضرت موسے کی زندگی میں دیا گیا تھا۔ اور فبدل کی ف بتاتی ہے کہ اوس حکم کی مخالفت فوراً کی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اون کا دروازہ میں داخل ہونا حضرت موسے کی زندگی کا واقعہ ہے۔ اور سُجَّدًا کا معنی ابن عباس نے شدت انحناء یعنی بہت زیادہ جھکنا بیان کیا ہے۔ اور بعض نے خضوع (حضور قلب) اور تواضع (فروتنی) کہا ہے اور بعض نے دروازہ میں داخل ہونے کے بعد نعمتوں کے بدلے شکریہ کا سجدہ کرنا کہا ہے۔ اور حِطَّةٌ کے متعلق حسن بصری اور قتادہ اور اکثر اہل علم نے کہا ہے کہ (یہ لفظ مُرَادٌ وَيَدٌ وغیرہ کی طرح اسم فعل ہے اور) معنی اس کا حُطَّ عَنَّا ذُنُوبَنَا ہے یعنی ہمارے گناہ بخشدے۔ وَهُوَ اَمْرٌ بِالْاِسْتِغْفَارِ یعنی قُولُوا حِطَّةٌ امر باستغفار ہے یعنی اس جملہ سے اون کو حکم دیا گیا تھا کہ گناہوں کی بخشائش چاہیں۔ اور ابن عباس نے کہا ہے کہ اون کو حکم دیا گیا تھا کہ کہیں کہ یہ امر حق ہے۔ اور عکرمہ نے کہا ہے کہ اونکو حکم دیا گیا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کہیں کیونکہ گناہوں کی بخشائش اسی کلمہ

سے ہوتی ہے اور چونکہ یہ کل باتیں گناہوں کی بخشائش کا ذریعہ ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ ان سب کو حطہ کہا جائے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ نَحْنُ بَابُ حِطَّتِكُمْ یعنی تم لوگوں کی بخشائش کا ذریعہ ہم اہلبیت ہی ہیں۔ (تفصیل اس کی حدیثوں میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ) ف

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی تم کو ثواب کا جس قدر حق حاصل ہے خداوند عالم اپنے فضل وکرم سے اوس سے زیادہ دے گا جیسے دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ یعنی اون کی مزدوری پوری دے کر اپنے فضل سے اوس پر اضافہ کر دیگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جو احسانات اون پر کر چکا ہے جیسے من وسلوے دنیا اور بادل سے سایہ کرنا وغیرہ اون کے علاوہ اور بھی احسان کرے گا۔ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ پھر اون لوگوں کی سرکشیوں کو بیان کر رہا ہے کہ بدکاروں نے خدا کی مخالفت کی اور جو نہ کرنا چاہیئے تھا اوس کو کیا۔ اور جو بات کہنے کو کہی گئی تھی اوس کی جگہ پر دوسری بات کہنے لگے۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ دوسری بات کیا تھی بعض نے کہا ہے کہ سریانی زبان میں حطا سمقاثا کہنے لگے اور بعض نے خطا سمقاثا کہا ہے جس کا معنی "جو ملا ہوا سرخ گیہوں" ہے۔ اور اس سے مقصود اون کا خدا کی مخالفت اور مسخراپن تھی اور مذاق اوڑانا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مسخراپن سے حطّہ کے بدلے حِنطہ (گیہوں) کہنے لگے۔ اور اون کو حکم دیا گیا تھا کہ دروازہ میں جھک کر داخل ہوں اور دروازہ بھی نیچا کر دیا گیا تاکہ جھکنے پر مجبور ہو جائیں لیکن وہ اپنے پیچھے ہاتھ ٹیک کر چوتڑوں کے بل داخل ہوئے اور اس میں بھی حکم خدا کی مخالفت کی۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ پس ان ظالموں پر جنھوں نے قول اور فعل دونوں میں مخالفت کی اون کی بدکاریوں کی وجہ سے میں نے آسمان سے عذاب نازل کیا ابن عباس ابو قتادہ اور حسن بصری نے کہا ہے کہ رجز سے عذاب مقصود ہے

اور ابن زید نے کہا ہے کہ طاعون سے مارے گئے (عذاب یہی طاعون تھا) ایک گھنٹہ میں اون کے چوبیس ہزار بزرگ اور سردار مر گئے (بزرگوں میں) صرف انبیاء باقی رہ گئے پس علم اور عبادت اون کے درمیان سے اوٹھ گئی۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اون کے درمیان سے صاحبان علم وفضل کو اوٹھا لینا ہی اون پر عذاب قرار دیا گیا **میں عرض کرتا ہوں** کہ ابن زید کا یہ بیان ماننے کے لائق نہیں ہے کیونکہ اگر اون سرکشوں میں یہ علماء اور عبادت گذار بھی داخل تھے تو ایسی صورت میں بہ نسبت جاہلوں کے ؟ عذاب میں مبتلا کئے جانے کے زیادہ حقدار وہی تھے اور اون کو مار ڈالنے میں اصلی نگاہ اس پر تھی کہ ایسے خبیث سرکش فنا ہو جائیں؟ نہ اس پر کہ علم اور عبادت فنا ہو جائے؟ اور اگر یہ لوگ سرکشوں میں داخل نہ تھے تو ایک تو گنہگاروں کی وجہ سے بے گناہوں خاص کر کے بزرگان دین پر عذاب نازل کرنا غیر معقول اور خلاف انصاف ہے اور دوسرے ذریعہ ہدایت یعنی علم اور عبادت کو فنا کر دینا خداوند عالم کی حکمت اور غرض خلقت جن وانسان کے مخالف ہے جسکو اوس نے آیۂ کریمہ **مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ** میں بیان فرمایا ہے اور تیسرے سبب عذاب یعنی جہالت اور گمراہی اور مخالفت اور نافرمانی میں اضافہ کر دینا ہے اور یہ باتیں حکیم علی الاطلاق کیلئے محال ہیں۔ **وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ** یعنی جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کیلئے پانی مانگا؟ **استسقی** کی پہلی سین طلب کے معنی میں ہے یعنی سیرابی چاہی۔ اور چونکہ لفظ استسقی پانی مانگنے کو ظاہر کر رہا ہے اس لئے پانی کو ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح چونکہ جملہ **اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ** (پتھر پر چھڑی مارو) مارنے کے حکم کو ظاہر کر رہا ہے اس لئے **فَضَرَبَ** (پس مارا) کہنے کی ضرورت نہ سمجھ کر اس کو چھوڑ دیا (اس کو فن معانی بیان میں ایجاز بالحذف کہتے ہیں) **اور قوم سے** بنو اسرائیل مقصود ہیں جن کے لئے پانی اوسوقت مانگا تھا جبکہ وہ (بیت المقدس یا اریحا کے لق ودق خشک میدان) میں حیران وپریشان مارے پھر رہے تھے اور حضرت موسیٰؑ سے پیاس کی شکایت کی تھی۔ پس خدا نے حکم دیا کہ اپنی چھڑی (جو عصائے موسیٰؑ کے نام سے مشہور رہی ہے)

عصائے موسیٰ کس چیز کا تھا۔

چشموں والا پتھر کیسا تھا۔

پتھر پر مارو۔ **یہ چھڑی** بہشتی آس کی لکڑی تھی (ان کے سسر) حضرت شعیب علیہ السلام نے انھیں دی تھی۔ اور حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے دس ہاتھ لمبی اور دو شاخہ تھی اون دونوں شاخوں سے اندھیرے میں روشنی پیدا ہوتی تھی۔ (جادوگروں کے مقابلہ کے وقت) وہی چھڑی اژدہا بنگئی تھی۔ حضرت موسیٰ نے اس سے پتھر پر مارا اور اوس سے چشمے پھوٹ نکلے۔ **اس پتھر** کے متعلق مفسروں میں اختلاف ہے **وہب بن منبہ** نے کہا ہے کہ پتھریلی زمین میں متعدد پتھروں پر چھڑی مارتے تھے اون سے چشمے پھوٹ نکلتے تھے اور پانی نالیوں میں جاری ہو کر بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کی طرف ایک ایک نالی جایا کرتی تھی۔ اور **ابن عباس** نے کہا ہے کہ پتھر ایک ہی اور ہلکا تھا یہ لوگ جہاں کہیں جاتے اوسکو جھولی میں رکھ کر ساتھ لے جایا کرتے تھے اور جہاں ٹھہرتے تھے حضرت موسیٰ اوس پر چھڑی مارتے اور اوس سے پانی جاری ہوتا تھا؟ اور یہ کلام بہتر ہے کیونکہ الحجر پر عہد کا الف لام بھی اس کے معین ہی ہونے کو بتا رہا ہے اور **ابو مسروق** نے کہا ہے کہ چھوٹا سا نرم پتھر تھا جس میں بارہ گڑھے تھے ہر گڑھے سے صاف میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہوتا تھا اور روزانہ چھ لاکھ آدمیوں کو سیراب کرتا تھا جب اوسکو کہیں لے جانا چاہتے تھے تو حضرت موسیٰ اوس پر چھڑی مارتے تھے بس پانی بند ہو جاتا تھا۔ **اور ایک حدیث** میں ہے کہ وہ سر کی شکل کا چوکور پتھر تھا جس سے چھڑی مارنے پر پانی جاری ہوتا تھا۔ اور یہ لوگ جہاں کہیں جاتے تھے اپنے قیام کی جگہ سے اوتنے ہی فاصلہ پر اوسکو پاتے تھے جتنے فاصلہ پر پہلی منزل میں پایا تھا۔ **فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا** سورہ اعراف میں **انفجرت** کی جگہ پر **انبجست** ہے اور انبجاس کا معنی پتلی دھار سے نکلنا ہے (اور انفجار کا معنی موٹی دھار سے نکلنا) لیکن ان دونوں بیانوں میں مخالفت نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ چھڑی مارنے پر پہلے پتلی دھار سے نکلتا ہو پھر موٹی دھار سے؟ یا تھوڑی ضرورت کے وقت پتلی دھار سے نکلتا ہو اور زیادہ ضرورت کے وقت موٹی دھار سے؟ یا لے چلنے کے وقت

پتلی دہار سے نکلتا ہو اور رکھنے کے وقت موٹی دہار سے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ انفجار اور انبجاس کے معنی میں جو فرق بیان کیا گیا ہے ثابت نہیں ہے کیونکہ علاوہ اس کے کہ قاموس اور مصباح المنیر اور مجمع البحرین اور صراح اور منجد میں اس فرق کا کوئی ذکر نہیں ہے؟ انبجاس کی تفسیر خود لفظ انفجار سے کی گئی ہے بلکہ قاموس اور منجد میں عَیْنٌ بَجِیْسٌ کا معنی غَزِیْرَۃٌ (بھرپور اوبلنے والا چشمہ) لکھا ہے۔ پس اس بنا پر دونوں لفظوں کا معنی ایک ہی یعنی موٹی دہار سے اوبلنا ٹھہرتا ہے اور کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا تاکہ جواب دینے کی حاجت ہو۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ سے مُفْسِدِيْنَ تک ہر قبیلہ نے اپنے سیرابی کی جگہ معلوم کی۔ میں نے اون سے کہا کہ مَنّ و سلوے وغیرہ جو تم کو دیا گیا ہے اوسے کھاؤ اور ان چشموں سے پانی پیو۔ یہ کل؟ رزقِ خدا ہے جو تمھیں بے زحمت اور بے محنت دیا گیا ہے۔ اور باوجودیکہ عثو کا معنی فساد کرتے پھرنا ہے۔ لیکن چونکہ ہوسکتا ہے کہ کوئی کام بظاہر فساد معلوم ہوتا ہو لیکن واقع میں اوس میں کوئی مصلحت (فائدہ) ہو اس لئے اس لفظ کے بعد مفسدین بھی فرمادیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ بنو اسرائیل کی شرارتوں میں کوئی فائدہ نہ تھا ان کا ظاہر اور باطن دونوں خراب تھا۔ سوال جو پتھر اوپر ذکر کیے گئے اون سے اس قدر پانی کیونکر نکل سکتا ہے۔ جواب اس سے اسقدر پانی نکلنا خدا کی روشن نشانیوں سے تھا؟ جسکی قدرت کاملہ غیر محدود ہے جو چاہے کرسکتا اور جس چیز کا چاہے سبب بنا سکتا ہے یہ بھی حضرت موسیٰ کیلئے ایک معجزہ تھا جسکو اوس نے اونہیں دیا اور ایک نعمت بھی جو اونکو اور اون کی قوم کو دی تھی اور ایسا شبہہ بے دین ہی کرسکتے ہیں جن سے پہلے معرفت ذات و صفات پروردگار اور اوسکی وسعت قدرت کے متعلق گفتگو کرنی چاہیئے[1]

حدیثیں

(بطریق شیعہ) ان آیتوں کی شیعی حدیثیں باطنی حدیثوں سے زیادہ مناسبت

رکھتی ہیں اس لئے انشاء اللہ تعالےٰ وہیں لکھی جائیں گی۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ سے قِيْلَ لَهُمْ تک (بطریق اہلسنت) لہ قتادہ کہتے ہیں کہ قریہ سے بیت المقدس مقصود ہے۔ لہ وَادْخُلُوا الْبَابَ ابن عباس۔ مجاہد۔ قتادہ۔ کہتے ہیں کہ اس باب (دروازہ) سے بیت المقدس کا ایک دروازہ مقصود ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس دروازہ کو باب حطہ کہتے ہیں اور پہلے (مسلمانوں اور یہودیوں اور نصرانیوں کا) قبلہ یہی تھا۔ لہ سُجَّدًا ابن عباس۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ اون کو حکم ہوا تھا کہ جھک کر داخل ہوں لیکن وہ (بیچے جھک کر) چوتڑوں کے بل کھسکتے ہوئے داخل ہوئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ دروازہ اس لئے چھوٹا بنایا گیا تھا تاکہ وہ مجبوراً جھکیں۔ لہ قُولُوا حِطَّةٌ ابن عباس وغیرہ کئی مفسروں نے کہا ہے کہ اون سے کہا گیا تھا کہ حطہ (میرے گناہ بخشدے) کہتے ہوئے داخل ہوں اور عکرمہ نے کہا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہوئے داخل ہوں۔ لہ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ اس کی تفسیر میں قتادہ اور ابن عباس نے کہا ہے کہ تم میں سے جو لوگ پہلے نیکوکار تھے اون کا ثواب بڑھاؤنگا اور جو بدکار

عہ (اہلسنت) باطنی تفسیر کی حدیثوں میں بطریق اہل سنت بھی حدیثیں انشاء اللہ لکھی جائینگی جن کا مضمون یہ ہے کہ ائمہ اہلسنت کی مثال اس امت میں باب حطہ کی مثال ہے جس میں داخل ہونے کا حکم یہودیوں کو دیا گیا تھا اور تعظیماً جھک کر داخل ہونا اون کے گناہوں کی بخشائش کا ذریعہ قرار دیا گیا تھا لیکن اونھوں نے سرکشی کی اور داخل نہ ہوئے اور عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ پس اون حدیثوں کے مضمون کو ابن عباس کے اس بیان اور خداوند عالم کی فرمائش فبدل الذین ظلموا (تا آخر) سے ملا دینے سے چند نتیجے نکلتے ہیں لہ ائمہ اہلبیت کا باب حطہ اور قبلۂ عالم قرار پانا لہ اون کی موالات یعنی اعتقاد امامت اور پیروی میں داخل ہونیکا سبب مغفرت ہونا لہ دنیا والوں کا اون کی امامت کو نہ ماننا اور سرکشی کرنی اور اون کو مستحق تعظیم نہ سمجھنا اور اون کی جگہ پر دوسروں کو اونکے بدلے

تھے اون کے گناہ بخش دونگا۔ ۲۶؎ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا پس
اونھوں نے مذاق اوڑایا اور مسخراپن کیا اور بقول ابن عباس اور
مجاہد کے حنطہ (گیہوں) کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ اور بقول ابن
مسعود کے حِطَّی سُمْقَاثًا اِزْبَۃً مَزْبًا کہتے ہوئے داخل ہوئے یعنی
گُھنا ہوا سرخ گیہوں جس میں سیاہ جو ملا ہوا ہو۔ ۲۷؎ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ
ظَلَمُوْا رِجْزًا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ رجز سے عذاب مقصود ہے
اور ابو العالیہ کہتے ہیں کہ غضبِ خدا مقصود ہے (ان دونوں کا حاصل
قریب قریب ایک ہی ہے کیونکہ خدا انسان کی طرح غصہ نہیں کرتا بلکہ عذاب
ہی اوس کا غصہ ہے) اور سعید بن مالک اور اسامہ بن زید
اور خزیمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ اس سے یہی طاعون مقصود ہے جو اوس
عذاب کا باقیماندہ حصہ ہے جسمیں بنو اسرائیل مبتلا کئے گئے تھے۔ پس جہاں ہو
وہاں کے لوگوں کو وہاں سے نکلنا نہ چاہیئے اور باہر کے لوگوں کو وہاں جانا
نہ چاہیئے۔ ۲۸؎ وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ ابن عباس اور
قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ بنو اسرائیل چٹیل میدان میں جب پیاسے ہوئے
تو حضرت موسیٰ نے خدا سے پانی مانگا حکم ہوا کہ پتھر پر چھڑی مارو مارا اور
بارہ چشمے (سوتیں) جاری ہوگئیں بارہ قبیلوں کیلئے ہر ایک کا چشمہ جدا جدا تھا اور
ہر قبیلہ اپنے چشمہ کو جانتا تھا۔ ۲۹؎ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۔
ابن عباسؓ اور ابو العالیہ نے لا تعثوا کا معنی لا تسعوا (کوشش
نہ کرو) بیان کیا ہے اور ابو مالک اور قتادہ نے لا تمشوا اور لا
تسیروا (نہ چلو نہ پھرو) پس پہلی تفسیر کی بنا پر آیت کا معنی زمین میں فساد

(حاشیہ صفحہ ۱۵۵) میں قرار دینا ہے اس سرکشی کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہونا۔ صحیح بخاری
میں حضرت سرور عالمؐ کی حدیث ہے آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ ایک ایک ہاتھ اور ایک ایک
بالشت ناپ کر اگلی امتوں (یہود ونصاریٰ) کی پیروی کروگے (دیکھو صحیح بخاری جلد ۴
کتاب الاعتصام باب لتتبعن سنن من قبلکم صفحہ ۱۲۶ چھاپہ مصر) ۱۲ منہ

کرنے کی کوشش نہ کرو" ہوگا۔ اور دوسری تفسیر کی بنا پر "زمین میں فساد نہ کرتے پھرو"۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب حضرت موسٰےؑ نے پانی مانگا (اور ملا) تو بنو اسرائیل سے کہا کہ لو گدہو پیو۔ حکم ہوا کہ میرے بندوں کو گدہا نہ کہو[۱]

در منثور جلد اول صفحہ ۷۰ ۱۲ منہ

باطنی تفسیر کی حدیثیں

بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے (بطریق شیعہ) آپ نے ان آیتوں کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ مراد پروردگار یہ ہے کہ اے بنو اسرائیل اوس وقت کو یاد کرو جبکہ میں نے تمھارے بزرگوں سے کہا تھا کہ اس قریہ[۲] (گانوں) یعنی اریحا[۳] میں جاؤ جو شام کے شہروں سے تھا اور یہ واقعہ اوسوقت کا ہے جبکہ بنو اسرائیل اوس چٹیل میدان سے نکل چکے تھے پس حکم ہوا کہ اس گانوں کی نعمتوں سے جہاں چاہو کر بے زحمت جی بھر کے کھاؤ پیو اور اس گانوں کے دروازہ[۴] میں جھک کر داخل ہو۔ خدا نے اس کو محمدؐ اور علیؑ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی مثال قرار دی تھی اور حکم دیا تھا کہ تعظیم کے ارادے سے سجدہ کرنیوالوں کی طرح جھک کر داخل ہوں اور اون دونوں بزرگوں کی بعیت کو پھر تازہ کریں اور اون کی موالات (پیشوائی) اور اوس عہد و پیمان کو یاد کریں جو ان دونوں بزرگوں کے بارے میں اون سے لیا گیا تھا اور حِطّۃٌ یعنی یہ کہتے ہوئے داخل ہوں کہ ان حضرات کی مثال کی تعظیم کے ارادہ سے ہمارا جھکنا اور ان کی پیشوائی کا اعتقاد کرنا ہمارے گناہوں کی بخشائش اور (نامہ اعمال سے) مٹائے جانے کا ذریعہ ہے۔ خداوند مالک الملوک ارشاد فرماتا ہے

---

[۲] تفسیر بغوی اور خازن میں ہے کہ ہر آبادی کو قریہ کہتے ہیں (خواہ شہر ہو یا دیہات) ۱۲ منہ

[۳] تفسیر کبیر میں ہے کہ اس قریہ سے بیت المقدس مقصود نہیں ہوسکتا بلکہ اریحا ہی مقصود ہے کیونکہ حضرت موسٰیؑ نے بیت المقدس میں داخل ہونے سے پہلے میدان شام ہی میں انتقال کیا تھا (جس میں اریحا تھا) ۱۲ منہ

[۴] یعنی دروازہ جس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ ۱۲ منہ

کہ اگر ایسا کروگے تو تمھارے اگلے گناہ بخشدونگا۔ اور اعتقادِ پیشوائی پر باقی رہنے سے تمھارے اون گناہوں کو بھی بخشدونگا جنکو پیشوائی کا اعتقاد نہ رکھنے والے نہیں کرتے تھے (اور تم نے کئے ہیں) اور تمھارے مرتبے اور ثواب بھی بڑھادونگا۔ لیکن اونھوں نے قول وفعل دونوں میں مخالفت کی۔ نہ تو کہنے کی بات کہی اور نہ کرنے کا کام کیا۔ اور دروازہ میں چوتڑوں کے بل داخل ہوئے اور (بجائے حطّہ کے) حطّاً سمقاثا کہتے ہوئے داخل ہوئے جس کا معنی یہ ہے کہ حطہ کہنے اور (محمدؐ اور علیؑ کی) تعظیم کے لئے جھک کر داخل ہونیسے؟ سرخ گیہوں (خراب گیہوں) کھانا ہمیں زیادہ پسند ہے۔ پس اون ظالموں پر جنھوں نے قول اور فعل کو بدلا اور خدا اور محمدؐ اور علیؑ اور اون کی آل پاک کی پیشوائی کو نہ مانا ہیں نے اون کی اس بدکاری کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا اور وہ عذاب طاعون تھا جس سے ایک دن میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی مر گئے؟ اور وہی لوگ مرے جن کے بارے میں خدا جانتا تھا کہ ہرگز ایمان نہ لائینگے اور توبہ نہ کریں گے اور جن کے متعلق جانتا تھا کہ توبہ کرینگے یا اون کی نسل سے مومن پیدا ہونگے جو خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی بنوت اور اون کے وصی اور بھائی علیؑ کی امامت کا اقرار کرینگے وہ اس آفت سے بچ رہے۔ **پھر ارشاد فرماتا ہے کہ** اے بنواسرائیل اوسوقت کو یاد کرو جبکہ تمھارے بزرگ اوس چٹیل خشک میدان میں پیاسے ہوئے اور ڈاڑھیں مار کر رونے اور کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم لوگ پیاس سے مرے؟ تو موسیٰ نے عرض کیا کہ اے پروردگار؟ محمدؐ سیّد الانبیاء اور علیؑ سیّد الاوصیاء اور فاطمہ سیّدۃ النساء اور حسنؑ سیّد الاولیاء اور حسینؑ افضل الشہداء اور اون کی عترت اور جانشینوں کا واسطہ جو پاکوں کے سردار ہیں کہ اپنے ان بندوں کو سیراب کر؟ تو میں نے حکم دیا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو؟ چنانچہ اونھوں نے مارا اور بارہ چشمے جاری ہوئے اور (حضرت) یعقوب کی اولاد سے بارہوں قبیلوں نے اپنے اپنے سیرابی کی جگہ پہچان لی جنمیں دوسرے اون سے جھگڑتے نہ تھے۔ **اور** اللہ نے (میں نے) کہا کہ اس رزق سے جو میں نے تمھیں دیا ہے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد کرنے کی کوشش نہ کرو اور گناہگار

نہ ہو۔ (معصوم ارشاد فرماتے ہیں) کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہم اہل بیت کی محبت پر ثابت قدم رہتا ہے خداوند عالم اوسکو اپنی محبت کا شربت پلاتا ہے جسکے بعد وہ اوسکے بدلے میں نہ تو کسی دوسرے کو چاہتا ہے اور نہ کسی کو اوسکے برابر اور اپنا ناصر و مددگار سمجھتا ہے۔ اور جو شخص ہماری محبت میں سختیاں جھیلے گا خداوند عالم میدان قیامت میں اوسکو ایسی جگہ رکھے گا کہ وہ اپنے درجوں کو دیکھتا اور (شوق میں) اون سے آنکھیں لڑاتا رہے گا اور (بہشت میں) ہر ایک کو ایسا وسیع مقام ملے گا جسکی وسعت دنیا کے برابر ہوگی۔ اور اوس سے کہا جائیگا کہ تو نے محمدؐ اور اون کی آل پاک کی محبت میں جو تکلیفیں برداشت کی ہیں خدا نے اون کے بدلے میں تجھے یہ مرتبے دیئے ہیں اور تجھے اختیار دیا ہے کہ جس کو چاہے قیامت کی سختیوں سے نکال لے۔ پس وہ نگاہ دوڑائیگا اور دنیا میں جس جس نے اوسکے ساتھ بھلائی کی ہوگی خواہ زبان سے یا فعل سے یا اوس کی بدگوئی کو روکا ہوگا یا اوس سے اچھی طرح ملا ہوگا یا ہمدردی کی ہوگی اون سب کو وہ اس طرح چن لے گا جس طرح کھرا روپیہ کھوٹے میں سے چن لیا جاتا ہے۔ پھر اوس سے کہا جائیگا کہ ان کو بہشت میں لے جاکر جہاں جی چاہے جگہ دیدے۔ پس وہ پہونچا دے گا۔ پھر اوس سے کہا جائے گا کہ قیامت والوں میں سے جسے تیرا جی چاہے جہنم میں ڈالدے پس وہ نگاہ دوڑائے گا اور کچھ لوگوں کو گھیر کر لائے گا۔ پس کہا جائے گا کہ جس جگہ جی چاہے ڈالدے پس وہ جس کو جس طبقے میں چاہے گا ڈالدے گا۔ پس خداوند عالم اون بنواسرائیل سے جو حضرت سرور عالمؐ کے وقت موجود تھے ارشاد فرماتا ہے کہ جب تمھارے بزرگوں کو محمدؐ و آل محمدؐ کی پیشوائی کے اعتقاد کا حکم دیا گیا (حالانکہ یہ لوگ اوسوقت موجود نہ تھے) تو تم تو غرض خدا سے زیادہ نزدیک ہو کیونکہ محمدؐ و آل محمدؐ کو دیکھ رہے ہو پس ان کی پیشوائی کا اعتقاد حاصل کرکے خدا کی بارگاہ میں اچھی سے اچھی عزت حاصل کرو۔ اور اوسکے غضب سے نزدیکی اور اوسکی رحمت سے دوری نہ چاہو۔ (۲) عیاشی علیہ الرحمہ سلیمان جعفری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت

امام رضا علیہ السلام نے قُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ (تا آخر) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ نَحْنُ بَابُ حِطَّتِكُمْ (ہم تمھارے باب حطہ ہیں) ہم اہلبیت ہیں ۳ اور زید شحام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مقصود ہیں جنھوں نے اہل بیت رسولؐ کے حقوق کے بارے میں اون پر ظلم کیا (اونکے حقوق غصب کئے) پس اون پر عذاب نازل کیا گیا۔ ۵ ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے ائمۂ اہل بیت کے باب حطہ کی طرح ہونے کے متعلق بحار الانوار جلد ۷ ص ۳۳ تا ۴۳ میں بطریق شیعہ آٹھ حدیثیں نقل کی ہیں جن کا مضمون باختلاف عبارت یہ ہے کہ یہ حضرات مثل باب حطہ کے سبب بخشائش ہیں اور جس نے ان کو اختیار نہ کیا وہ کافر ہے۔

قُولُوا حِطَّةٌ (بطریق اہلسنت) ۱ ابن ابی شیبہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ (اس کے سوا کوئی دوسری بات) نہیں ہے کہ ہم اہلبیت کی مثال اس امت میں مثل سفینۂ نوح کے ہے اور مثل باب حطہ کے ہے جو بنو اسرائیل میں تھا۔ ۲ دار قطنی ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ علی علیہ السلام باب حطہ ہیں جو اوس میں داخل ہوا وہ مومن ہے اور جو اوس سے باہر رہا وہ کافر ہے۔ ۳ حضرت ابو ذر غفاری

---

۱ یہ اہل سنت کے بہت بڑے جلیل القدر محدث اور صاحب صحیح بخاری اور صاحب صحیح مسلم کے استادِ حدیث تھے (دیکھو کتاب الرجال بین الصحیحین چھاپہ دکن ص ۲۵۹ - ۱۲ منہ

۲ یہ بھی بہت جلیل القدر محدث تھے ان کی تعریف میں صاحب مشکوۃ نے مندرجۂ ذیل الفاظ لکھے ہیں امام علامہ مشہور۔ یکتائے زمانہ۔ بزرگ عصر۔ امام وقت۔ استاد علم حدیث ورجال۔ صاحب صدق وامانت۔ اور وثاقت وعدالت وصحت اعتقاد۔ وسلامتی مذہب۔ وعالم علوم غیر حدیث بھی۔ جیسے علم قران ومذاہب فقہاء وادب وشعر؟ علم حدیث میں امیر المومنین تھے۔ ۱۲ منہ

سے ۲ تفسیر درمنثور علامہ سیوطی جلد ا آخر ص ۷۱ چھاپہ مصر ۱۲ منہ سے ۳ ارجح المطالب باب اول ص ۴۲۲ - ۱۲ منہ

بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے اہل بیت کی مثال تمہارے درمیان میں مثل باب حطہ کے ہے جو بنو اسرائیل میں تھا جو اوس میں داخل ہوا اوسکے گناہ بخشدیے جائینگے [۱] اس آخری حدیث کو بزاز۔ اور طبرانی اور ابن صباغ مالکی اور ابو یعلی۔ اور امام احمد بن حنبل۔ اور ابن مغازلی۔ اور حموینی۔ سات علماء جلیل القدر اہلسنت نے جن میں سے امام احمد بن حنبل کی مسند صحاح ستہ میں داخل ہے؟۔ ابو الطفیل عامر بن واثلہ۔ اور حضرت ابو ذر غفاری۔ اور ابن عباس۔ اور سلمہ بن اکوع۔ اور ابو سعید خدری پانچ صحابی سے نقل کیا ہے۔ اور اس کے راویوں میں سعید بن جبیر اور حبیش بن معتمر۔ اور سعید بن مسیب۔ اور رافع مولے ابو ذر۔ اور سلیم بن قیس ہلالی جیسے پانچ جلیل القدر تابعی بھی داخل ہیں [۲] اسلئے یہ کل؟ سات روایتیں ہوئیں دو [۲] اور پانچ [۳] کیونکہ اس کے راوی پانچ صحابی ہیں اور ممکن ہے کہ یہ حدیث تواتر لفظی کی حد تک پہونچی ہوئی ہو جو حدیث کی صحت اور اعتبار کی اعلائی حد ہے۔

[۱] دیکھو ینابیع المودۃ باب ہم ذکر حدیث سفینہ و باب حطہ صفحہ ۲۴ ۱۲ منہ

[۲] دیکھو ینابیع المودۃ بر نشان بالا ۱۲ منہ

چند فائدے

(پہلا فائدہ) معانی۔ بیان۔ بدیع۔ (معانی) وَاِذْ قُلْنَا (جب ہم نے کہا ۱۲) وَاِذِ اسْتَسْقٰی (جب پانی مانگا ۱۲ منہ)۔ اور فَانْفَجَرَتْ (پھوٹ نکلے ۱۲ منہ)۔ اور کُلُوْا (کھاؤ ۱۲ منہ) میں ایجاز بالحذف یعنی بتانے والے قرینہ کی وجہ سے پہلے اور دوسرے لفظ سے پہلے اُذْکُرُوْا (یاد کرو) گرا دیا گیا ہے۔ اور تیسرے لفظ کے پہلے فَضَرَبَ (پس مارا) اور چوتھے لفظ سے پہلے وَقُلْنَا (اور ہم نے کہا) [۲] اُدْخُلُوْا۔ داخل ہو جاؤ۔ قُوْلُوْا کہو۔ میں امر وجوب کے لئے ہے یعنی داخل ہونے اور حطہ کہنے کے واجب ہونے کو بتاتا ہے۔ اور ثبوت اس کا مخالفت کرنے پر عذاب نازل

---

[۵] جو حدیث بعینہ ایک الفاظ سے کئی سندوں سے منقول ہو اور یقین کا سبب ہو اوسکو متواتر لفظی کہتے ہیں اور جس کے الفاظ بدلے ہوئے ہوں لیکن مضمون سب کا ایک ہی ہو اوسکو متواتر معنوی کہتے ہیں اور قوت میں اسکا مرتبہ لفظی کے بعد ہے اور متواتر حدیث کو نہ ماننا سبب کفر ہے دیکھو خطبہ ہوا بقیون مقدمہ صفحہ ۱۵ سطر ۱۹ مع حاشیہ) ۱۲ منہ

کرتا ہے اور لَا تَعْثَوْا (فساد نہ کرتے پھرو) میں نہی یعنی منع حرمت کے لئے ہے یعنی
اس کے حرام ہونے کو بتاتا ہے۔ اور فَکُلُوْا (کھاؤ) اور اضْرِبْ (ار) اور کُلُوْا
اور اِشْرَبُوْا (پیو) میں امر اباحت کیلئے ہے یعنی ان فعلوں کے جائز ہونیکو بتاتا ہے
۲ اِذْ قُلْنَا جب ہم نے کہا اور اِذِ اسْتَسْقٰی جب پانی مانگا۔ میں اعلیٰ یعنی بہت
بڑے کا ادنے یعنی بہت چھوٹے سے تخاطب (ہمکلام ہونا) تالیف قلب یعنی دلجوئی
کے لئے ہے تاکہ حکم کی تعمیل پر خوشی سے آمادہ ہو جائیں۔ لیکن بنو اسرائیل جیسے
سرکش۔ ضدی۔ نڈر کا آمادہ ہونا تو درکنار۔ مسخراپن کرنے لگے۔ اور چونکہ خداوند
عالم عالم الغیب ہے اور انجام کو جانتا تھا اس لئے اوس کا یہ حکم صرف دنیا کو ان کی سرکشی
دیکھا دینے اور خود اون پر حجت تمام کرنے کی غرض سے تھا۔ اور یہ تخاطب اور دلجوئی
اون کی سرکشی اور بدذاتی کے انتہائی درجہ پر پہونچے ہوئے ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے۔
اسی وجہ سے وہ عذاب کے فوراً مستحق ہو گئے ۳ فَکُلُوْا مِنْهَا (اوس شہر
کی نعمتیں کھاؤ) میں ایجاز جامع ہے یعنی مِنْ اور هَا۔ صرف دونوں لفظوں سے
کھانے کی کل نعمتوں کو بیان فرما دیا ہے اور حَیْثُ شِئْتُمْ (جس جگہ رہ کر چاہو)
سے اس امر کو ظاہر فرمایا ہے کہ شہر اریحا میں کھانے کی کل نعمتیں ہر جگہ موجود تھیں۔
اور رَغَدًا (جی بھر کے) سے اس امر کو ظاہر فرمایا ہے کہ یہ نعمتیں ہر جگہ اس قدر
موجود تھیں کہ بنو اسرائیل جن کی تعداد چھ لاکھ تھی جس جگہ سے چاہتے جی بھر کے
کھا سکتے تھے ۴ فَکُلُوْا مِنْهَا میں اضمار مقام اظہار میں ہے یعنی نعمتوں کو
ذکر کرنے کے بدلے صرف ایک ضمیر یعنی هَا فرما دیا ہے تاکہ کلام میں بیکار طول نہ ہو
اور ایجاز جامع کی صورت میں کلام میں نفاست پیدا ہو جائے ۵ مِنْ رِّزْقِ
اللّٰہِ (رزقِ خدا سے) میں اطناب ہے یعنی باوجودیکہ کھانے پینے کی چیزیں
بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہیں جنکو سمجھنے کے لئے صرف کُلُوْا وَاشْرَبُوْا (کھاؤ پیو)
جو اس سے پہلے مذکور ہے کافی تھا لیکن غافلوں کو ہشیار کرنے اور نعمتوں کو حاصل
کرنے میں اون کی عاجزی اور اپنی طرف سے ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے کلام کو بڑھا دیا ہے
تاکہ رزق کو صرف اپنی تدبیر اور اپنی محنت اور کوشش کا نتیجہ نہ سمجھیں کیونکہ اگر خدا کے
ارادہ اور مصلحت کو کوئی دخل نہ ہوتا تو دنیا میں کوئی شخص فقیر اور محتاج نہ ہوتا بلکہ

سب مالدار ہی ہوتے اس لئے کہ اس کی کوشش ہر شخص کرتا ہے ۶؎ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ میں بھی اطناب ہے بیان اس کا یہ ہے کہ عثو کا معنی فساد کرتے پھرنا ہے۔ باوجود اس کے مُفْسِدِیْنَ کو بیان کرنا؟ فساد کی شدت مبغوضیت اور نہایت درجہ باعث غیظ و غضب ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ اور چونکہ لَا تَعْثَوْا میں خطاب زمین والوں سے ہے اس لئے فِی الْاَرْضِ (زمین میں) کہنے کی ضرورت نہ تھی باوجود اس کے اس کو دو غرضوں سے ذکر کیا ہے۔ ایک اس بات کو ظاہر کرنے کیلئے کہ فساد کرنے والوں کو فساد کرنے کا موقع زمین ہی میں مل سکتا ہے کیونکہ امتحان کی جگہ چونکہ زمین ہی ہے اس لئے خداوند کریم نے اولاد آدمؑ کو اس میں آزاد کر رکھا ہے اور اپنے اچھے اور برے افعال کا ان کو مالک و مختار بنا دیا ہے۔ دوسرے اس کو ظاہر کرنے کے لئے کہ زمین میں فساد کرنا غرض خدا میں خلل پڑنے کا سبب ہے کیونکہ اہل زمین کو خدا نے اپنی معرفت اور عبادت کے لئے پیدا کیا ہے پس فتنہ و فساد اگر جان جانے کا سبب ہو تو خدا پرستوں کی تعداد میں کمی ہو جائے گی۔ اور اگر جان نہ جائے تو کم سے کم بے اطمینانی اور حواس کی پریشانی کا سبب ہوگا جسکی وجہ سے اوسکے بندے اوس کی عبادت کی طرف توجہ کرنے اور باطمینان بجا لانے سے مجبور ہو جائینگے۔ تیسرے اس کو ظاہر کرنے کے لئے کہ فتنہ و فساد کا موقع دنیا ہی میں مل سکتا ہے آخرت میں نہیں۔ کیونکہ زیادہ تر اس کا سبب تین چیزیں ہوتی ہیں زن (عورت) زر (مال) زمین۔ اور آخرت میں اہل بہشت بہشتی نعمتیں اسقدر پائیں گے کہ دوسری چیزوں کی اونھیں خواہش ہی نہ ہوگی۔ اور اہل جہنم اوسکی تنگ و تاریک اور دہکتی ہوئی کوٹھریوں میں تنہا تنہا اس طرح مبتلا بلا رہوں گے کہ اونکو اپنی جانوں ہی کے لالے پڑے ہوں گے۔ زن۔ زر۔ زمین کی فکر تو اون سے منزلوں دور ہوگی۔ اور ان کی ہوس کو خواب میں بھی نہ دیکھیں گے۔ ۷؎ اَلْبَابَ میں الف اور لام عوض کا ہے۔ پس ظاہری تفسیر کی بنا پر لفظ القریہ کا عوض ہوگا یعنی اُدْخُلُوْا بَابَ الْقَرْیَۃِ (یعنی شہر کے دروازہ میں داخل ہو جاؤ) اور باطنی تفسیر کی بنا پر لفظ علم یا مدینۃ علم و ہدایت کا یعنی اُدْخُلُوْا بَابَ الْعِلْمِ (یعنی علم کے دروازہ میں داخل ہو جاؤ) یا اُدْخُلُوْا بَابَ مَدِیْنَۃِ الْعِلْمِ (یعنی

شہر علم کے دروازہ میں داخل ہو جاؤ) وَاَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا (یعنی میں شہر علم ہوں اور علیؑ اوسکے دروازہ ہیں تم اون کو اختیار کرلو۔ ۸ حِطَّۃٌ میں ایجاز بالقصر ہے یعنی کم لفظ سے زیادہ معنی ادا کرنا۔ ظاہری تفسیر میں ذکر کیا گیا کہ یہ لفظ اسم فعل ہے یعنی حُطَّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا (ہمارے گناہ ہم پر سے گرا دے) اس پورے جملہ کا نام حطہ رکھدیا گیا ہے جیسے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا نام حوقلہ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نام بسملہ۔ پس یہ ایک لفظ پورے جملہ کے معانی ادا کر رہا ہے ۹ فَاَنْزَلْنَا سے یفسقون تک اس میں بھی اطناب ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ باوجودیکہ مختصر عبارت یعنی فَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِفِسْقِھِمْ (میں نے ظالموں پر اون کی بدکاری کی وجہ سے عذاب کیا) سے مطلب ادا ہو جاتا؟ لیکن فَاَنْزَلْنَا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ کو بڑھا کر دو امروں کی طرف اشارہ کیا ہے ایک اس کی طرف کہ وہ طاعون جس میں وہ مبتلا کئے گئے اون معمولی بیماریوں میں سے نہیں تھا جن میں لوگ عام طور سے مبتلا ہوا کرتے ہیں بلکہ عذاب تھا جسکو خدا نے بھیجا تھا۔ دوسرے اس کی طرف کہ آسمانی بلا جو عذاب کی صورت میں بھیجی گئی ہو؟ دنیاوی معمولی بلاؤں سے بہت زیادہ سخت ہوتی ہے اوس سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ خود خدا ہی رحم کرے۔ اور بِفِسْقِھِمْ کی جگہ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ اس لئے فرمایا کہ لفظ فسق جو مصدر اور اسم مصدر ہے ماہیت بدکاری کو بتاتا ہے اور جس طرح بہت سی بدکاریاں فسق کہلاتی ہیں اوسی طرح ایک بدکاری بھی فسق کہلاتی ہے اور ایک فرد کے موجود ہونے سے ماہیت موجود ہو جاتی ہے۔ اور خداوند عالم رحیم و کریم ہے۔ ایک گناہ صغیرہ کی وجہ سے عذاب نہیں کرتا۔ اور یفسقون فعل مضارع پر کانوا بڑھا دینے سے استمرار یعنی ہمیشگی کو بتاتا ہے پس مصدر کی جگہ پر اس جملہ کو لاکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بنو اسرائیل؟ صرف ایک مخالفت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہیں کئے گئے بلکہ برابر مخالفتیں کرتے رہے اور وہی اس عذاب کا سبب ہوئیں جنمیں تبدیل حکم و کلام خدا بھی داخل ہے۔

(بیان) ۱۰ آنا بت میں یا تو عموم مجاز ہے یا استعارہ بالکنایہ؟ بیان اس کا

یہ ہے کہ چونکہ قرآن مقدس کے خطابات اوسکے نزول کے وقت سے قیامت تک کے لوگوں کو شامل ہیں خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مسلمان یا دوسرے جیسا کہ تفسیری حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے اُدْخُلُوا کا خطاب جس طرح یہودیوں کو شامل ہے اوسی طرح مسلمانوں کو بھی؟ پس اس بنا پر لفظ اَلْبَاب میں عموم مجاز ہوگا یعنی اس لفظ کا معنی دروازہ ہوگا جسمیں وسعت دیکر دو فرد ہیں قرار دیگئی ہیں ایک[۱] صرف بنو اسرائیل کیلئے دوسری[۲] کل مکلف بندوں کے لئے خواہ مسلمان ہوں یا غیر بنو اسرائیل کے لئے دروازہ اریحا یا بیت المقدس جو اوسکی حقیقی فرد ہے۔ اور سب کے لئے ابواب مدینۂ علم یعنی حضرت علیؑ اور باقی ائمہ علیہم الصلوۃ والسلام جو اوسکے مجازی افراد ہیں اور اوسکے معنی میں وسعت دیکر اوسمیں داخل کئے گئے ہیں اور حضرت عمر کے کلام کی بنا پر جسمیں اونھوں نے صحابہ سے بیان کیا ہے کہ بنو اسرائیل تو گذر گئے ان آیتوں میں خطاب اب تم لوگوں سے ہے[۱] اور حدیث نمبر ۲ بطریق شیعہ بھی اس کی تائید کرتی ہے[۲]۔ اس میں استعارہ بالکنایہ ہوگا یعنی لفظ اَلْبَاب سے جو بنو اسرائیل کے قصہ میں دروازہ اریحا یا بیت المقدس میں استعمال کیا گیا ہے؟ صرف ابواب مدینۂ علم یعنی ائمہ اہلبیت مجازاً مقصود ہونگے اگرچہ اس لفظ سے دروازہ اریحا یا بیت المقدس کو بھی مراد لینا جائز ہے۔ بہر حال ائمہ اہلبیت علیہم الصلوۃ والسلام اس لفظ سے دونوں صورتوں میں مقصود ہیں۔ ۲؎

وَاِذْ قُلْنَا۔ اور فَبَدَّلَ اسمیں جمع مع التفریق ہے۔ یعنی خطاب اُدْخُلُوا اور کُلُوا۔ اور قُوْلُوا میں کل بنو اسرائیل کو داخل کر لیا ہے اور تبدیل اور انزال عذاب میں جدا کر دیا ہے یعنی فرما دیا ہے کہ ان میں جو نیکوکار تھے اونھوں نے میرے حکم کو نہیں بدلا اور نہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔ بلکہ تبدیل کرنیوالے اور عذاب میں مبتلا ہونیوالے وہی تھے جو ان میں بدکار تھے۔ جیسا کہ ظاہری تفسیر میں ذکر کیا گیا کہ تبدیل کرنیوالے (منجملہ چھ لاکھ کے) چوبیس ہزار تھے جن پر عذاب نازل کیا گیا۔ ۳؎ فَبَدَّلَ سے یَفْسُقُوْنَ تک میں ارصاد ہے اور ارصاد یہ ہے کہ شروع کا کلام۔ آخر کے کلام کو بتائے۔ پس حکم خدا جھک کر داخل ہونے اور کلام خدا حِطَّۃٌ (کی تبدیل) کو جو فسق اور بدکاری ہے یہ بتاتی ہے کہ ان پر

لہ ملاحظہ تفسیر ... انوار القرآن ... لہ ملاحظہ تفسیر ...

فسق ہی کی وجہ سے عذاب نازل کیا گیا جسکو بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ظاہر کر رہا ہے
۱۲ قَوْلًا۔ اور قِیلَ میں لفظی صنعتوں میں سے صنعت اشتقاق ہے جو جناس
ناقص کی ایک قسم ہے۔ یعنی ایک حرف کے فرق سے قول سے قیل بنایا گیا ہے۔
علم اصول فقہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اُدْخُلُوا
(دوسرا فائدہ) اَلْبَابَ (دروازہ میں داخل ہو جاؤ) میں اُدْخُلُوا جو امر کا
صیغہ ہے وہ داخل ہونے کے واجب ہونے کو اس وجہ سے بتا رہا ہے کہ سجدہ کی حالت
میں داخل ہونا دشوار ہے پس چاہیئے کہ دشوار کام کا حکم واجب ہوئے میں عرض کرتا ہوں
کہ کسی فعل کی دشواری کو اوسکے واجب ہونے کی دلیل قرار دینی غلط ہے۔ اگر دشواری
سبب وجوب ہو تو چاہیے تھا کہ نماز صبح کی دو رکعتیں واجب نہ ہوتیں۔ اور نماز شب
کی گیارہ رکعتیں واجب۔ اور نماز تراویح جو اہلسنت کے یہاں رات بھر پڑھی جاتی ہے
واجب تر ہوتیں۔ حالانکہ نہ تو نماز صبح غیر واجب ہے اور نہ یہ نمازیں واجب اگر
دشواری سبب وجوب ہوتی تو چاہیئے تھا کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ اپنی
مشہور حدیث اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَحْمَزُهَا (بہترین اعمال وہ ہے جو
زیادہ کھلے) میں لفظ افضل کی جگہ پر لفظ اَوْجَبُ فرماتے۔ یعنی زیادہ واجب
وہ اعمال ہیں جو زیادہ کھلیں۔ بلکہ اس آیت میں وجوبِ دخول کو بتانیوالی چیز
وضع ہے۔ یعنی امر کا صیغہ اوس فعل کے واجب ہونے کو بتانے کے لئے بنایا گیا ہے
جس کا حکم دیا گیا ہے اور وجوب اوس کا حقیقی معنی ہے۔ چنانچہ امام اہلسنت شوکانی
صاحب لکھتے ہیں کہ ذَهَبَ الْجُمْهُورُ اِلٰى اَنَّهَا حَقِيْقَةٌ فِى الْوُجُوْبِ
فَقَطْ وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْحَاجِبِ وَالْبَيْضَاوِىُّ قَالَ الرَّازِىُّ وَهُوَ
الْحَقُّ ۲ یعنی اکثر علماء نے اس کو اختیار کیا ہے کہ صیغہ امر کا حقیقی معنی صرف وجوب ہے
اور ابن حاجب اور قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ یہ خیال صحیح ہے اور (فخر الدین)
رازی نے کہا ہے کہ یہی حق ہے۔" اس کے بعد لکھا ہے کہ شافعی نے اسی کو اختیار
کیا ہے۔ اور (ابوالحسن) اشعری نے اپنے شاگردوں کو یہی بتایا تھا۔" پس معلوم
ہو گیا کہ رازی صاحب کے نزدیک بھی حق یہی ہے جسکو آیت مذکورہ کی تفسیر کے وقت
بھولے ہوئے تھے۔ اور یہ مسئلہ بھی علم اصول فقہ میں طے ہو چکا ہے کہ اصل یہ ہے

ا ۔ تفسیر کبیر جلد اول ص ۳۷۰
۲ ۔ اجابۃ بصر ص ۱۲۰
[illegible] ارشاد الفحول ... فصل ... ص ۱۲۰

کہ جب تک مجازی معنی کے مراد ہونے کو بتانیوالا کوئی قرینہ نہ ہو؟ لفظ کا حقیقی (اصلی) ہی معنی مراد لیا جاتا ہے۔ اور یہاں پر چونکہ کوئی قرینہ نہیں ہے اس لئے ظاہری تفسیر کی بنار پر دروازہ میں داخل ہونے؟ اور باطنی تفسیر کی بنار پر باب علم و معرفت یعنی ائمہ اہلبیت رسالت کی امامت کے اعتقاد اور اون کی اطاعت و فرمانبرداری کے واجب ہونے کو خود صیغہ اُدْخُلُوا ہی بتا رہا ہے۔

(تیسرا فائدہ) علم کلام **قُوْلُوا حِطَّۃٌ** (کہو کہ ہمارے گناہ بخشدے) فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ قاضی (ابو بکر باقلانی) نے کہا ہے کہ خداوند عالم نے بنو اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ دروازہ میں داخل ہونے کے وقت حطہ کہتے جائیں کیونکہ توبہ (پچھتاوا اور شرمندگی کو کہتے ہیں جو) دل کی چیز ہے دوسرے ل کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ پس اگر کسی شخص کا گناہ مشہور ہو گیا ہو اور وہ دل سے توبہ کر چکا ہو تو اوسکو چاہیئے کہ جو لوگ اوسکے گناہ کو سمجھ چکے ہیں اون پر اپنے توبہ کو ظاہر کردے تاکہ بدنامی سے نکل جائے بغیر اس کے توبہ پوری نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی باطل امر کا اعتقاد رکھتا ہو اور لوگوں کو اوس کا یہ اعتقاد معلوم ہو اور وہ اوس اعتقاد کو چھوڑ کر صحیح عقیدہ اختیار کرے تو اوسکو بھی اپنے سابق اعتقاد کو چھوڑنے اور نیا عقیدہ اختیار کرنے کا اعلان کر دینا چاہیئے تاکہ بدنامی اور لوگوں کی نفرت جاتی رہے اور محبت پیدا ہو جائے[1]

توبہ کا اعلان کرنا چاہیئے

(چوتھا فائدہ) فقہ **قُوْلُوا حِطَّۃٌ** (کہو کہ ہمارے گناہ بخشدے) عدالت کا معنی فقہار نے یہ لکھا ہے کہ وہ ایک ملکہ[5] ہے جو خدا کی مخالفت کرنے سے انسان کو بچاتا ہے۔ اور ایسا ملکہ رکھنے والے کو عادل کہتے ہیں۔ اور حکم اوسکا یہ ہے کہ اوسکی گواہی مقبول ہے۔ اور اوسکی باتیں سچی سمجھی جاتی ہیں اور اوسکے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے وغیرہ وغیرہ اور **فاسق** اوسکو کہتے ہیں جو ایسا ملکہ نہ رکھتا ہو۔ اور

عدالت و فسق کا معنی اور حکم

---

[5] ملکہ ایک ٹھوس قوت یا دل میں جمی ہوئی صفت ہے جسکی وجہ سے انسان کے کل کام خدا کی مرضی کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ اور یہ قوت یا صفت بعض لوگوں میں تو پیدائشی ہوتی ہے اور زیادہ لوگوں میں اطاعت خدا کی مہارت حاصل ہو جانے کے بعد حاصل ہوتی ہے

[1] تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۳۷۱ چھاپہ مصر

حکم اوس کا یہ ہے کہ نہ تو گواہی اوس کی قبول کی جاتی ہے نہ کوئی بات مانی جاتی ہے اور نہ اوسکے پیچھے نماز جائز ہے۔ اور فسق ہے ایک مرتبہ گناہ کبیرہ اور کئی مرتبہ گناہ صغیرہ کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ ایک مرتبہ گناہ کبیرہ اور کئی مرتبہ گناہ صغیرہ کرنے سے پتہ ملجاتا ہے کہ یہ شخص ملکہ عدالت نہیں رکھتا۔ اور گناہ کبیرہ اون گناہوں کو کہتے ہیں جن سے قرآن مجید میں منع کیا گیا ہے یا اون میں مبتلا ہونیکی برائی اور سزا بیان کی گئی ہے جیسے اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا یعنی جو لوگ مومن مرد اور مومنہ عورتوں کو بے قصور تکلیف پہونچاتے ہیں وہ بدنامی اور کھلا گناہ اپنے سر لیتے ہیں (سورہ احزاب پ ۲۲ آیت ۵۸) اور گناہ صغیرہ وہ گناہ ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ جیسے ظالم کے ظلم پر راضی رہنا۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلرَّاضِیْ بِالظُّلْمِ اَحَدٌ مِّنَ الظَّلَمَۃِ یعنی ظلم پر راضی رہنے والا بھی ظالم ہی ہے۔ اور جس شخص کا فسق اور گناہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے ہے جب تک اوسکی توبہ کا یقین نہ ہو اوسکے فسق کا حکم باقی رہتا ہے۔ کیونکہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ لَا تَنْقُضِ الْیَقِیْنَ اَبَدًا بِالشَّکِّ وَاِنَّمَا تَنْقُضُہٗ بِیَقِیْنٍ اٰخَرَ یعنی یقین کو شک سے ہرگز نہ توڑنا بلکہ یقین ہی سے توڑنا۔ اسواسطے چاہیئے کہ جو شخص اپنے گناہوں سے توبہ کرے وہ توبہ کا اعلان کر دے تاکہ حکم فسق اوس پر سے اوٹھ جائے کیونکہ جب تک اوسکی توبہ کا یقین نہ ہو جائے فسق کا حکم باقی رہے گا۔

(پانچواں فائدہ) علم کلام نَغْفِرْ لَکُمْ (میں تمہارے گناہ بخشدونگا) رازی صاحب لکھتے ہیں کہ خداوند عالم نے نَغْفِرْ لَکُمْ (وعدہ بخشش) کو احسان کے مقام میں ذکر کیا ہے۔ پس اگر توبہ کا قبول کرنا عقلاً واجب ہوتا جیسا کہ معتزلہ (اور شیعے) کہتے ہیں تو احسان نہ ہوتا بلکہ واجب کو ادا کرنا ہوتا۔ اور واجب کے ادا کرنے کو احسان کے مقام میں ذکر کرنا درست نہیں ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ توبہ کو قبول کرنا عقلاً واجب بھی ہے اور اوسکے وعدہ کو احسان کے مقام میں ذکر کرنا بھی درست ہے۔ رازی صاحب نے یہاں پر سخت دھوکا کھایا ہے

یا دھوکا دیا ہے کیونکہ وعدۂ قبولِ توبہ۔ اور خود قبول کو ایک چیز قرار دے کر معتزلہ پر اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ واجب؟ قبول کرنا ہے۔ اور احسان تین چیزیں ہیں ۱۔ قابلِ سزا گنہگار کیلئے توبہ کو ذریعۂ نجات قرار دینا ۲۔ توبہ کی ہدایت کرنی ۳۔ قبول کرنے اور بخشدینے کا وعدہ کرنا اور یہ چیزیں احسان اس وجہ سے ہیں کہ منشا ان کا صرف اوس کی رحمت اور محبت ہے اسلئے کہ مالک اور آقا کی مخالفت کرنے والا بخشے جانے کا حق نہیں رکھتا۔ خاص کر کے ایسا شخص جو برابر مخالفت کرتا رہا ہو۔ اور قبول اس وجہ سے واجب ہے کہ اوس نے ایک[۱] تو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے پس اگر قبول نہ کرے تو یہ حکم لغو اور بیکار ہوگا اور خداوند حکیم لغو اور بیکار کام نہیں کرتا اور[۲] دوسرے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے اگر قبول نہ کرے گا تو اوس کا اعتبار اور اوس پر بھروسہ باقی نہ رہیگا جو انتظام دنیا کے بگڑ جانے کا سبب ہے اس واسطے اپنے وعدہ کو پورا کرنا اوس پر عقلاً واجب ہے اس کے علاوہ وعدہ خلافی کو اپنے بندوں کے لئے عیب سمجھتا ہے اور اوس کی برائی بیان کی ہے اور پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس جس چیز کی مذمت کی ہے اور اوسکو اپنے معیوب بندوں کے لئے پسند نہیں کرتا اپنی مقدس ذات کے لئے کیونکر پسند کرسکتا ہے۔ اسی لئے فرما دیا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ یعنی یہ یقینی بات ہے کہ خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا خلاصہ یہ کہ نغفر لکم وعدہ بخشش ہے جسکو اوس نے مقامِ احسان میں بیان فرمایا ہے۔ اور معتزلہ اور شیعے قبول توبہ کو واجب کہتے ہیں نہ وعدہ قبول توبہ کو۔ تعجب ہے کہ رازی صاحب جیسے رکن مذہب اہلسنت نے وعدہ قبول اور خود قبول میں کوئی فرق نہیں سمجھا۔ حالانکہ خود ہی لکھتے ہیں کہ نغفر لکم (وعدہ بخشش) کو مقام احسان میں ذکر کیا ہے۔ اور قبول کو معتزلہ واجب جانتے ہیں اور اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ادا رواجب یعنی قبول کو مقام احسان میں ذکر کرنا درست نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(چھٹواں فائدہ) علم قرآن۔ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (اون کی بدکاری کی وجہ سے عذاب نازل کیا گیا) فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ابو مسلم نے کہا ہے کہ اس آیت میں فسق سے وہی ظلم مقصود ہے جس کو اس سے پہلے ذکر کیا ہے۔ پس یہ تکرار دو دفعہ ذکر کرنا تاکید کے لئے ہے۔ لیکن یہ کلام

غلط ہے اور) حق یہ ہے کہ یہاں پر تکرار ہی نہیں ہے **پہلے** اس وجہ سے کہ ظلم دو طرح کا ہوتا ہے ایک صغیرہ؟ جس میں انبیاء کے مبتلا ہونے کا ذکر خدا نے قرآن میں کیا ہے ۔ اور دوسرا کبیرہ جس کو اوس نے آیہ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ میں ظلم عظیم فرمایا ہے۔ **پس** اگر ہر ظلم عظیم ہوتا تو لفظ عظیم کو ذکر کرنا بیکار کی تکرار ہوتی اور ظلم کو پہلے ذکر کرکے فسق کو ذکر کرنا بتاتا ہے کہ اون کا ظلم؟ کبیرہ تھا صغیرہ نہ تھا۔ **دوسرے** اس وجہ سے کہ احتمال ہے کہ تبدیل کی وجہ سے وہ ظالم کہے گئے لیکن عذاب تبدیل کی وجہ سے نازل نہیں ہوا بلکہ اون گناہوں کی وجہ سے ہوا جن کو اونھوں نے تبدیل سے پہلے کیا تھا لہ میں **عرض** کرتا ہوں کہ نہ تو ابو مسلم کا کلام صحیح ہے کہ یہ تکرار تاکید کے لئے ہے۔ اور نہ فخر رازی کا کلام صحیح ہے کہ یہ تکرار اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ ظلم اونکا گناہ کبیرہ تھا بلکہ صحیح یہ ہے کہ دو جگہ ذکر ظلم اور ایک جگہ ذکر فسق تینوں؟ تین مطلب کو بتارہے ہیں۔ بیان اس کا یہ ہے کہ فَبَدَّلَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا میں لفظ ظَلَمُوۡا اس بات کو بتارہا ہے کہ حکم خدا یعنی جھلگر داخل ہونے اور کلام خدا یعنی حطہ کہنے؟ ان دونوں کو بدل دینا ظلم تھا اور فَاَنۡزَلۡنَا عَلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا میں لفظ ظلموا اس بات کو بتارہا ہے کہ منجملہ چھ لاکھ بنو اسرائیل کے اونھیں پر عذاب نازل کیا گیا جنہوں نے ظلم کیا تھا اور وہ تعداد میں چوبیس ہزار تھے کیونکہ بے گناہ پر عذاب نازل کرنا ظلم ہے اور خدا ظلم نہیں کرتا اور بِمَا کَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ یہ بتارہا ہے کہ اس عذاب کے نازل ہونے کا سبب تبدیل اور اس سے پہلے کے گناہ سب ملکر ہوئے جیساکہ میں علم معانی کے نمبر ۹ میں بیان کر آیا ہوں نہ صرف اگلے گناہ۔ جیساکہ فخر رازی نے اپنے کلام کی حقیقت کی دوسری وجہ میں بیان کیا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ یہ تبدیل گناہ کبیرہ تھی یا گناہ صغیرہ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسکو دیکھنا چاہیئے کہ جھکگر داخل ہونے اور حطہ کہنے کا حکم توریت میں تھا یا حضرت موسےٰؑ پر وحی ہوئی تھی اور اونھوں نے بیان کیا تھا؟ پس اگر توریت میں تھا تو اوسکی مخالفت گناہ کبیرہ ہوگی ۔ اور اگر توریت میں نہ تھا تو گناہ صغیرہ ہوگی۔ کیونکہ میں چوتھے فائدہ میں بیان کر آیا ہوں کہ آسمانی کتاب کے حکم کی مخالفت

لہ [illegible] دو جگہ ظلم اور [illegible] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۷ چھاپہ مصر ۱۲ منہ

گناہ کبیرہ ہے اور نبی کے حکم کی مخالفت گناہ صغیرہ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ احکام جنکی مخالفتیں اونھوں نے مصر سے نکلنے کے بعد کیں توریت میں داخل نہ تھے کیونکہ توریت کی تختیاں حضرت موسیٰؑ کو اس سے پہلے اوس وقت مل چکی تھیں جب کہ وہ چالیس شبیں پوری کرنے کے لئے طور پر تشریف لے گئے تھے اور یہ احکام اور مخالفتیں دریا پار ہونے کے وقت اور اوس کے بعد کے ہیں جب کہ وہ لق و دق میدان میں داخل ہو چکے تھے اس لیے یہ مخالفتیں گناہ صغیرہ تھیں اور اون پر جو عذاب نازل ہوا اوس کا سبب گناہ کبیرہ تھا کیونکہ کئی گناہ صغیرہ مل کر اس کا سبب ہوئے اور کئی صغیرہ مل کر کبیرہ ہو جاتے ہیں۔ رہ گیا رازی کا یہ کلام کہ خدا نے انبیاء کے گناہ صغیرہ میں مبتلا ہونے کو قرآن میں ذکر کیا ہے۔ تو یہ اکدم غلط ہے۔ اسلئے کہ میں بیسویں اور اکیسویں مقدمہ میں صـ۱۰۶ سے صـ۱۳۷ تک۔ اور اس تفسیر کی پہلی جلد صـ۶۲ سے صـ۱۳۷ تک رسالہ عصمت انبیاء میں پوری تفصیل سے لکھ آیا ہوں کہ انبیاء اور اوصیاء گناہ نہیں کرتے تھے نہ صغیرہ نہ کبیرہ کیونکہ وہ معصوم تھے۔ رہ گیا لفظ ظلم وغیرہ جو اون کے حال میں بعض جگہ پایا جاتا ہے تو بفرض اسکے کہ ترتیب قرآن کے وقت اپنے عیوب چھپانے کی غرض سے دوسروں کے واقعے کو ان سے چسپاں نہ کیا گیا ہو؟ اس لفظ سے یا تو اون کا بے موقع کام مراد لیا جاتا یا اونکی امت کا گناہ کرنا یا بطور فروتنی کے اونکا اپنے لیئے اس لفظ کو استعمال کرنا وغیرہ (ملاحظہ ہو مقدمہ ۲۰ صـ۱۲۰ نتیجہ کلام و مقدمہ ۱۲۱ صـ۱۳۹ نتیجہ کلام۔ و مقدمہ ۲۷ صـ۱۸۹ نتیجہ کلام۔

(ساتواں فائدہ) فقہ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (پس جو کچھ کہا گیا تھا ظالموں نے اوس کو بدل دیا) فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ ثابت کیا ہے کہ عبادتوں میں جو چیز جن لفظوں سے بیان کی گئی ہے اونھیں لفظوں سے اوس کو پڑھنا چاہیے۔ دوسرے لفظوں سے بدل کر پڑھنا جائز نہیں ہے پس تکبیرۃ الاحرام میں اَللّٰهُ اَكْبَرُ کی جگہ پر اَللّٰهُ اَعْظَمُ مثلاً باوجودیکہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے نہیں کہہ سکتے۔ اور الحمد اور سورہ وغیرہ کو فارسی (یا اردو یا دوسری) زبانوں میں نہیں پڑھ سکتے

تفسیر کبیر جلد۱ صفحہ ۳۷۲ مصر ۱۲

عبادتوں کے الفاظ کو بدلنا جائز نہیں ہے

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ بیان درست ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں عقلی نہیں ہیں بلکہ
تعبدی (خالص خدائی تجویز) ہیں جن کو بدلنے کے لئے اوسکی اجازت کی ضرورت ہے

(آٹھواں فائدہ) علم القرآن - فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ کیا
وجہ ہے کہ یہاں پر ادخلوا الباب سجدا کو پہلے ذکر
کیا ہے اور قولوا حطۃ کو اوسکے بعد اور سورہ اعراف میں اس کا اُلٹا پھر جواب
دیا ہے کہ بنو اسرائیل میں دو طرح کے لوگ تھے ۱ گنہگار ۲ فرمانبردار۔ اور
گنہگاروں کا فریضہ یہ ہے کہ پہلے گناہوں کی بخشائش کی تدبیر کریں اوس کے
بعد عبادتوں میں مشغول ہوں کیونکہ گناہوں سے توبہ عبادتوں پر مقدم ہے
اور فرمانبرداروں کا وظیفہ یہ ہے کہ پہلے عبادتوں میں مشغول ہوں اوسکے بعد
فروتنی کے طور پر توبہ کریں تاکہ گھمنڈ اور اپنی بڑائی کا خیال پیدا نہ ہو۔
پس یہاں پر فرمانبرداروں کے حال کے مناسب پہلے دخول باب کو ذکر
کیا ہے جو عبادت ہے اوس کے بعد حطہ کہنے کو جو طلب بخشائش ہے۔ اور سورہ
اعراف میں گنہگاروں کے حال کے مناسب پہلے طلب بخشائش کو ذکر کیا ہے
اوس کے بعد عبادت کو۔ میں عرض کرتا ہوں کہ فرمانبرداروں اور گنہگاروں کا

ع (آزاد خیال مسلمان) افسوس ہے آزاد خیال سُنی اور شیعہ مسلمانوں کی مذہبیت
پر کہ دنیاوی بادشاہوں کے ناقص قوانین کے آگے سر جھکاتے ہیں حالانکہ ان بادشاہوں کا ادنیٰ سا
کسی طرح کا احسان نہیں ہے۔ اور جس حقیقی بادشاہ کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اوس کے
کامل و ٹھوس قوانین سُن کر تیوری چڑھاتے اور نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اسی طرح جسمانی مرض
کی اصلاح کرنے والے اطبار اور ڈاکٹروں کی رایوں کو بے تامل قبول کرتے اور اون کے
نسخوں کو بے عذر استعمال کرتے ہیں حالانکہ اونکی غلطیوں کو بھی جانتے ہیں اور باطنی و روحانی
بیماریوں کے بے خطا معالج (خداوند عالم حقائق) کے روحانی نسخوں کو دیکھ کر
ناک بھوں چڑھاتے اور کان پٹ پٹاتے اور اعتراض کرنے پر تُل جاتے
ہیں خدا ان کی ہدایت کرے اور عقل سلیم عطا کرے۔
۱۲ منہ

جو فریضہ بیان کیا ہے اس پر ثبوت پیش کرنا دشواری سے خالی نہیں ہے اور
اگر اس کو درست مان لوں جب بھی ان دونوں جملوں کی ترتیب میں اختلاف کا
سبب؟ قرآن جمع کرنے والوں کی عدم قابلیت اور اون انوار مقدسہ سے
کنارہ کشی بھی ہو سکتی ہے جن کے گھر میں قرآن اوتارا گیا اور جن کے حق میں
خداوند عالم نے مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ فرمایا (ملاحظہ ہو بائیسواں مقدمہ
ص ۱۴۰ سے ص ۱۴۵ تک)

(نواں فائدہ) اخلاق ۔ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

(زمین میں فساد نہ کرتے پھرو) اس آیۃ میں فتنہ وفساد
کی مبغوضیت ظاہر فرمائی ہے ۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ وَالْفِتْنَةُ
اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ[1] (اور فساد کرنا قتل کر دینے سے بدتر ہے) کیونکہ قتل
کر دینے سے صرف ایک جان جاتی ہے اور بندگان خدا میں فساد پھیلانے
سے ہزاروں جانیں تلف ہو جاتی ہیں **اسی وجہ سے** احضرت سرور عالم
صلے اللہ علیہ وآلہ اپنی مشہور وصیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ چغلخور؟ جو لوگوں
میں دشمنی ڈالتا ہے بہشت میں نہ جائیگا[2] اور دوسری حدیث صحیح میں ارشاد
فرماتے ہیں کہ بدترین اشخاص وہ شخص ہے جو چغلخوری کر کے لوگوں میں جدائی
ڈالتا ہے اور اون میں ایسے عیوب بیان کرتا ہے جن سے وہ پاک ہیں[2]

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا
رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَ
فُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ
هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا
سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ
مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

[1] سورہ بقرہ پ۲ آیت ۱۹۱ ۔ ۱۲ منہ [2] عین الحیات فصل ۷ بیان مذمت حسد ص ۲۴۵ چھاپہ سلطان المطابع لکھنؤ
۱۲ منہ

النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

(الفاظ کے معانی) وَ - اور + اِذْ - جب + قُلْتُمْ - تم نے کہا + یَا - اے + لَنْ - ہرگز نہیں + نَّصْبِرَ - ہم لوگ برداشت کرینگے + عَلٰی - پر + طَعَامٍ - کھانا + وَّاحِدٍ - ایک + فَ - پس + اُدْعُ - مانگو + لَ - واسطے + نَا - ہمارے + رَبَّ - مالک + کَ - اپنے + یُخْرِجْ - نکالے + مِنْ - سے + مَا - چیز + تُنْۢبِتُ - اوگاتی ہے + اَرْضُ - زمین + بَقْلِ - سبزی + قِثَّا - کھیرا - ککڑی + فُوْمِ - لہسن + عَدَسِ - مسور + بَصَلِ - پیاز + قَالَ - کہا + اَ - کیا + تَسْتَبْدِلُوْنَ - بدلنا چاہتے ہو + اَلَّذِیْ - ایسی چیز + ھُوَ - وہ + اَدْنٰی - چھوٹی معمولی - پست + خَیْرٌ - اچھی + اِھْبِطُوْا - جاؤ - اُترو + مِصْرً - شہر + اِنَّ - البتہ + کُمْ - تم + سَاَلْتُمْ - تم نے مانگا + ضُرِبَتْ - ڈال دیگئی + ھُمْ - وہ - اُن + ذِلَّۃُ - رسوائی + مَسْکَنَۃُ - محتاجی + بَآءُوْا - پلٹ گئے + بِ - طرف + غَضَبٌ - قہر - عذاب + ذٰلِکَ - یہ + بِ - بسبب + کَانُوْا - وہ تھے + یَکْفُرُوْنَ - انکار کرتے ہیں + بِ - سے + اٰیٰتِ - نشانیاں + یَقْتُلُوْنَ - جان مارتے ہیں + بِغَیْرِ - بے + حَقِّ - سبب - وجہ + عَصَوْا - گناہ کیا + یَعْتَدُوْنَ - حد سے بڑھ جاتے تھے -

(بامحاورہ معنی) اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے موسےٰ سے کہا تھا کہ ہم لوگ ایک طرح کے کھانے پر ہرگز نہیں رہ سکتے - آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ ساگ اور ککڑی اور لہسن اور مسور اور پیاز (وغیرہ) زمین سے اوگنے والی چیزیں ہمارے لئے پیدا کردے تو (موسےٰ نے) کہا کہ کیا اچھی چیز (من وسلویٰ) کے بدلے ان معمولی چیزوں کو لینا چاہتے ہو (اچھا تو) کسی شہر میں اُتر پڑو - پھر جو کچھ تم نے مانگا ہے البتہ تمہارے لئے موجود ہے - اور اُن پر رسوائی اور مفلسی ڈال دی گئی اور خدا کے (قہرو) غضب کی طرف پلٹ گئے - یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ خدا کی نشانیوں سے انکار کرتے اور پیغمبروں کی بے وجہ جانیں مارتے

تھے اور خدا کی نافرمانی کرتے اور اپنی حد سے بڑھ جاتے تھے۔

(ضروری معذرت) چونکہ اکثر حضرات مومنین، علماء اور غیر علماء نے شکایت کی کہ تفسیر میں طول بہت ہو رہا ہے اور یہ فرمایا کہ علم صرف اور علم نحو کے قواعد بالکل چھوڑ دیئے جائیں اور علم معانی بیان کے قواعد صرف وہی لکھے جائیں جن سے بافائدہ معنی پیدا ہوتا ہو۔ اس لئے میں یہاں سے تحریر کو مختصر کروں گا۔ علم صرف ونحو اور علم معانی بیان کے ضروری قاعدوں کو ذکر کروں گا نہ بالکل چھوڑوں گا نہ زیادہ طول دوں گا۔

(قرائت) اِهْبِطُوا بعض نے اس کے "ب" کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہی بہتر ہے۔ اور بعض نے پیش کے ساتھ۔ قِثَّاۗءِ بعض نے اس کے "ق" کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے پیش کے ساتھ۔ مِصْرًا بعض نے اس کو دو زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے مِصْرَ ایک زبر کے ساتھ۔ النَّبِيّٖنَ بعض نے اس کو نَبِیْئِیْنَ ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے نَبِیِّیْنَ ہمزہ کی جگہ "ی" کے ساتھ[1]

(صرف) اَدْنٰی؛ بعض نے اس کی اصل اَدْنَوَ واؤ کے ساتھ کہی ہے اور بعض نے اَدْنَأَ ہمزہ کے ساتھ؛ بہرحال نون کے زبر کی وجہ سے واؤ یا ہمزہ الف سے بدل دیا گیا۔ بَاۗءُوْ؛ اصل میں بَوَءُوْا تھا واؤ کے قبل فتحہ (زبر) تھا اس لئے اوس کو الف سے بدل دیا بَاۗءُوْا ہوگیا۔ نبیین؛ جمع ہے نَبِیٌّ کی۔ جو اصل میں نَبِیْءٌ تھا تخفیف یعنی ہلکا کرنے کی غرض سے ہمزہ کو "ی" سے بدل کر پہلی "ی" سے ملا دیا؛ نَبِیٌّ ہوگیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اسکی اصل نَبِیْوٌ تھی "و" پر ضمہ (پیش) تھا بوجھل ہونے کی وجہ سے اوس کو گرا دیا اور "و" کو "ی" سے بدل کر پہلی "ی" سے ملا دیا۔

تنبیہ:۔ نَبِیْءٌ کا معنی بعض نے خبر دینے والا لکھا ہے۔ اور بعض نے خدا کی راہ؟ یعنی اوس تک پہونچانے والا۔ اور نَبِیْوٌ کا معنی بلند مرتبہ۔ عَصَوْا؛ اصل میں

---

[1] اعراب القرآن ابو البقاء عکبری چھاپہ مصر ص ۲۲ ۱۲ منہ

عَصَیُوا تھا "ی" کے قبل زبر تھا اس لئے اوس کو الف سے بدل دیا۔ اب دو حرف جزم والے ایک الف دوسرا واؤ اکٹھا ہوئے الف کو گرا دیا عَصَوا ہو گیا
یُخْرِجْ کو جزم اس وجہ سے ہے کہ اُدْعُ (خواہش کرو) صیغۂ امر کا جواب (نہو) کا ہے۔ طبری علیہ الرحمہ نے اُدْعُ لَنَا کے بعد دَقُلْ لَہٗ (اوس سے کہو) صیغۂ امر کو پوشیدہ فرض کر کے یُخْرِجْ کو اوس کا جواب قرار دیا ہے حالانکہ اُدْعُ کے ہوتے ہوئے اسکی ضرورت نہیں ہے اور اس کا مفعول شَیْئًا پوشیدہ ہے۔ یہ جملہ اصل میں یُخْرِجْ لَنَا شَیْئًا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ تھا یعنی ہمارے لئے زمین سے اوگنے والی چیزوں میں سے کچھ پیدا کردے۔ مِمَّا تُنْبِتُ میں مَا یا تو اَلَّذِیْ (اوس چیز) کے معنی میں ہے اور تُنْبِتُ جملہ ہو کر اوس کا صلہ ہے؟ یا نکرہ موصوفہ (اور کوئی چیز) کے معنی میں ہے اور تُنْبِتُ جملہ ہو کر اوسکی صفت ہے۔ یہ مَا، مَاءِ مصدریہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں تُنْبِتُ؟ اِنْبَاتُ (اوگانے) کے معنی میں ہوگا۔ اور اوگانا؟ معنی مصدری عَرَضْ ہے اور مفعول یعنی شَیْئًا جو پوشیدہ ہے وہ جوہر ہے اور مِمَّا میں مِنْ بیانیہ ہے جو شَیْئًا اور مَاتُنْبِتُ کی عینیت یعنی ایک چیز ہونے کو بتاتا ہے۔ حالانکہ جوہر عرض نہیں ہو سکتا۔ مِنْ بَقْلِھَا میں مِنْ بیانیہ ہے جو اوگنے والی چیزوں کی قسم بتانے کے لئے لایا گیا ہے اور وہ مَا (چیز) کے حال کی جگہ پر ہے اور اصل اوسکی کَائِنًا مِنْ بَقْلِھَا تھی۔ یعنی چاہئے کہ وہ اوگنے والی چیز ساگ اور ترکاریوں کی قسم سے ہو۔ اور مِمَّا کا بدل بھی ہو سکتا ہے۔ مَا سَاَلْتُمْ اسم موصول اور صلہ مل کر اِنَّ کا اسم ہے اور اَلَّذِیْ (وہی چیز) کے معنی میں ہے۔ اور نکرہ موصوفہ یعنی کوئی چیز کے معنی میں نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اپنے مطلوب کی قسم بنو اسرائیل نے معین کردی تھی۔ اور معین چیز کے لئے لفظ نکرہ لانا غلط ہے۔ بِغَضَبٍ جار و مجرور مل کر مَغْضُوْبًا کا متعلق

ع۵ جو چیز خود موجود ہو جیسے آدمی۔ جانور۔ درخت۔ پتھر وغیرہ اوس کو جوہر کہتے ہیں۔ اور جو چیز دوسرے میں ہو کر پائی جاتی ہے اوس کو عرض کہتے ہیں۔ جیسے رنگ۔ مزہ۔ بو۔ سردی۔ گرمی وغیرہ۔ اور خود پائی جانے والی چیز چونکہ دوسری چیز میں ہو کر نہیں پائی جا سکتی اس واسطے ایسی چیز اوسکی صفت نہیں ہو سکتی ۱۲ منہ

ہے جو بآؤ کے فاعل کا حال ہے۔ بِغَیْرِ الْحَقِّ مفعول مطلق یعنی قتلاً کا متعلق ہے
وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ
(ظاہری تفسیر) خداوند عالم اس سے پہلے اپنی نعمتوں کو ذکر کرنے کے بعد بنو اسرائیل کی ناشکریوں اور بیوقوفیوں کو بیان کر رہا ہے کہ (باوجودیکہ وہ بہترین غذا یعنی من و سلوے کھا رہے تھے) موسےؑ سے کہنے لگے کہ ہم لوگ ایک طرح کا کھانا کھاتے کھاتے گھبرا گئے ہیں۔ اب اس کو برداشت نہیں کر سکتے فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ پس ہماری خاطر سے اپنے خدا سے خواہش کیجئے کہ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ (تا آخر) ہمارے لئے زمین سے اوگنے والی چیزوں میں سے ساگ اور ککڑی اور لہسن اور مسور اور پیاز پیدا کر دے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اوس چٹیل میدان میں دن کو اون پر بادل سایہ ڈالے رہتا تھا اور کھانیکو من و سلوے ملتا تھا۔ پس اونھوں نے اس سے اُکتا کر چاہا کہ ویسی ہی زندگی بسر کریں جیسی مصر میں بسر کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ سب آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا تھا اس واسطے چاہا کہ کھانے کی چیزیں ایسی ہو جائیں جن میں محنت اور کام کرنے کی ضرورت ہو اور فقیر مالداروں کے مددگار بن جائیں۔ پس حضرت موسےؑ نے اون سے فرمایا کہ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ کیا معمولی اور خراب قسم کی چیز، اچھی چیز کے بدلے لینا چاہتے ہو۔ مفسروں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اَدْنٰی (خراب) اور خَیْرٌ (اچھی)، سے کیا مقصود ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اَدْنٰی سے زراعت اور محنت کی پستی اور خَیْرٌ سے بے محنت کی نعمت یعنی من و سلوے مقصود ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اَدْنٰی سے کم قیمت اور خَیْرٌ سے زیادہ قیمتی چیز مقصود ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ خواہش گناہ تھی یا نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ گناہ نہ تھی کیونکہ اونھوں نے ایک جائز چیز کے بدلے دوسری جائز چیز چاہی تھی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ گناہ تھی کیونکہ جو چیز خدا نے اون کے لئے پسند کی تھی اوس پر راضی نہ رہے اِسی وجہ سے اس آیت میں اونکی مذمت (برائی) بیان کی گئی ہے۔ اور یہی کلام اچھا ہے۔

بنو اسرائیل کا پیاز وغیرہ مانگنا

اِهْبِطُوا مِصْرًا ^عه^ فَإِنَّ لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ کسی شہر میں اُتر پڑو جو چیزیں مانگی ہیں یقیناً تمہیں ملینگی کیونکہ ایسی چیزیں آبادیوں ہی میں پیدا ہوتی ہیں خشک میدانوں میں نہیں ہوسکتیں۔
حسن بصری اور ربیع نے کہا ہے کہ مصر سے وہی شہر فرعون مقصود ہے جس سے نکلے تھے۔ اور ابو مسلم اور ابن زید نے کہا ہے کہ بیت المقدس مقصود ہے۔ اور قتادہ اور سدی اور مجاہد نے کہا ہے کہ غیر معین شہر مقصود ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ مصراً کا نکرہ ہونا جو غیر معین کو بتاتا ہے آخری کلام کی تائید کرتا ہے۔ اس کے بعد ان میں سے جن لوگوں نے سینچر کے دن کے بارے میں خداوند عالم کی مخالفت کی تھی اور انبیاء کو قتل کیا تھا اونکی سرکشی اور اوسکی سزا کو ذکر فرمارہا ہے کہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ اور ذلت اور محتاجی اون پر ڈال دی گئی جو جدا نہیں ہوسکتی۔ حسن بصری اور قتادہ کہتے ہیں کہ ذلت سے جزیہ مقصود ہے اور عطا کہتے ہیں کہ رسوائی مقصود ہے۔ اور مسکنة سے کنگالپن (بھکمنگوں کا سا دل ہونا) مقصود ہے (نہ فقیر و محتاج ہونا)۔ اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ یہودی عام طور سے کنجوسی کرتے ہیں تاکہ جزیہ بڑھا نہ دیا جائے۔ بعض مفسروں نے کہا ہے کہ یہ آیت مالداری کی فضیلت ظاہر کرتی ہے کیونکہ اس میں فقیری ؟ مذمت کے مقام میں ذکر کی گئی ہے لیکن یہ کلام درست ^عه^ نہیں ہے

عه مفسروں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ جس شہر میں جانیکا حکم ہوا تھا وہ کون سا شہر تھا۔ اور ہر ایک نے اپنے دعوے پر دلیلیں ذکر کی ہیں جن کو فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ا ص ۲۷۳ میں نقل کیا ہے۔ جن کو یہاں پر ذکر کرنا وقت کو برباد کرنا ہے۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی صحیح السند حدیث میں غیر معین شہر مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی شہر میں چلے جائیں اور قرآن میں بھی مِصْرًا کو نکرہ (غیر معین) رکھنا اسی کو بتارہا ہے۔ اور اکثر مفسروں نے اسی کو اختیار کیا ہے ۱۲ منہ

عه حدیث صحیح سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ذلت سے رسوائی اور مسکنة سے مالی محتاجی مقصود ہے اور یہ حدیث آگے ذکر کی جائیگی۔ لیکن اگر مان لیا جائیگا کہ اس میں دلی محتاجی مقصود ہے۔ جب بھی مالداری کی فضیلت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں

کیونکہ اس میں دل کی فقیری (کنگالپن) مقصود ہے اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ
بعض یہودی باوجودیکہ مالدار ہوتے ہیں لیکن دل اون کا غنی نہیں ہوتا۔ اور
حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلغِنٰی عَنِ النَّفْسِ یعنی
دولتمندی دل سے ہوتی ہے (شیخ سعدی شیرازی نے اسی کا ترجمہ کیا ہے کہ
تونگری بدل است نہ بمال) ابن زید کہتے ہیں کہ خدا نے یہودیوں کی عزت
کو ذلت سے بدل دیا اور نعمت کو محتاجی سے اور اپنی خوشنودی کو غضبناکی سے
اور یہ چیزیں اون کے کفر کی سزائیں تھیں۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ اور خدا
کے غضب میں مبتلا ہو کر پلٹے بعض نے کہا ہے کہ غضب سے دنیا کی بلائیں ور

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۷) اَلْفَقْرُ یُخْرِسُ الْفَطِنَ عَنْ حُجَّتِہٖ وَالْمُقِلُّ غَرِیْبٌ فِیْ بَلَدِہٖ یعنی محتاجی
سمجھدار شخص کو اپنی حقیت ثابت کرنے سے گونگا کردیتی ہے (بیان نہیں کرسکتا۔ یا اوسکی باتوں پر توجہ
نہیں کی جاتی) اور فقیر اپنے شہر میں بھی بیکس ہوتا ہے۔ اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام صحیفہ کاملہ
میں ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ صُنْ وَجْھِیْ بِالْیَسَارِ وَلَا تَبْتَذِلْ جَاھِیْ بِالْاِقْتَارِ پروردگارا
مالداری سے میری آبرو کی حفاظت کر۔ اور محتاجی میں مبتلا نہ کرنا جس سے میری عزت برباد ہو جائے اور
خطرہ میں پڑ جائے۔ کیونکہ اہل دنیا ہمیشہ مالداروں کی عزت کرتے رہے اگرچہ جاہل اور بے کمال رہے
ہوں۔ اور محتاجوں کو ذلیل سمجھتے رہے اگرچہ علامۂ زمانہ اور اعلےٰ درجہ کے باکمال رہے ہوں۔
ابن میثم علیہ الرحمہ شارح نہج البلاغۃ نے جو محقق حلی صاحب شرائع الاسلام کے شاگرد اور علامہ حلی علیہ الرحمہ
کے ہم سبق اور بہت بڑے کامل بزرگ تھے اپنے حسب حال دو شعر نظم فرمائے ہیں وہ یہ ہیں ؎
طَلَبْتُ فُنُوْنَ الْعِلْمِ اَبْغِیْ بِہِ الْعُلٰی ✦ فَقَصَّرَ بِیْ عَمَّا طَلَبْتُ بِہِ الْقِلُّ
میں نے علم کی کل شاخوں کو بزرگی کی غرض سے حاصل کیا لیکن ناداری نے مجھے گھٹا دیا۔
تَبَیَّنَ لِیْ اَنَّ الْعُلُوْمَ جَمِیْعَھَا ✦ فُرُوْعٌ وَاَنَّ الْمَالَ ھُوَ الْاَصْلُ
پس مجھے معلوم ہو گیا کہ کل علوم شاخیں ہیں اور سب کی جڑ مال ہے۔
اور ایک شاعر کہتا ہے لَعَمْرُکَ اَنَّ الْمَالَ قَدْ یَجْعَلُ الْفَتٰی ✦ سَنِیًّا وَاَنَّ الْفَقْرَ بِالْمَرْءِ قَدْ
یُزْرِیْ۔ تیری زندگی کی قسم یہ یقینی بات ہے کہ مال ایک کو عزیز بناتا ہے اور محتاجی دوسرے کو ذلیل کرتی ہے
وَمَا رَفَعَ النَّفْسَ الدَّنِیَّۃَ کَالْغِنٰی ✦ وَمَا وَضَعَ النَّفْسَ النَّفِیْسَۃَ کَالْفَقْرِ اور کمینوں کو

آخرت کا عذاب مقصود ہے۔ اور بعض نے صرف اخروی عذاب؛ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ غضب میں اس وجہ سے مبتلا ہوئے کہ خدا کی حجتوں سے برابر انکار کرتے رہے بعض نے آیات سے انبیاء کو مراد لیا ہے اور بعض نے انجیل اور قرآن کو؛ اسی وجہ سے اس کے بعد گیارھویں رکوع آیت ۹ میں فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ فرمایا ہے یعنی وہ لوگ دُہرے غضب میں پڑ کر پلٹے۔ ایک حضرت عیسیٰؑ اور انجیل کے انکار کی وجہ سے۔ اور دوسرے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ اور قرآن کے انکار کی وجہ سے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ صرف حضرت سرور عالم مقصود ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں کہ لفظ آیَاتٌ جمع ہے اور لفظ جمع متعدد سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس لئے آخری کلام کی بنا پر اس لفظ میں ائمہ اہلبیت علیہم الصلوۃ والسلام بھی داخل ہوں گے۔ اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی صحیح السند حدیث اسکی تائید کر رہی ہے جس کا کچھ حصہ اس کے قبل کی آیت کی تفسیر میں ذکر کیا گیا اور کچھ آگے ذکر کیا جائیگا انشاء اللہ تعالےٰ۔ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ اور یہ غضب اس وجہ سے تھا کہ انبیاء کو برابر قتل کرتے رہے۔ جیسے حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ وغیرہ کو۔ اور لفظ بِغَيْرِ الْحَقِّ کو بڑھانے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ انبیاء کو قتل کرنا کبھی جائز بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ لفظ صفت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور مقصود یہ ہے کہ یہ فعل اون سے ایسا سرزد ہوا جو کبھی جائز نہیں ہو سکتا (اس لئے کہ وہ معصوم تھے اون سے خطا ممکن نہ تھی تاکہ اوس کے بدلے میں اون کو قتل کرنا جائز ہوتا) ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ یہ سب کچھ میں نے اون کے گناہوں اور حد سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۸) دولتمندی کیطرح کسی دوسری چیز نے عزت نہیں دی۔ اور شریفوں کو محتاجی کیطرح کسی دوسری چیز نے ذلیل نہیں کیا۔ مختصر یہ کہ محتاجی کی وجہ سے صاحبان کمال ہمیشہ ذلیل سمجھے گئے اور مالداری کی وجہ سے جاہل اور بے کمال ہمیشہ بزرگ سمجھے گئے۔ حضرت امیرؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَنْزَلَنِي الدَّهْرُ ثُمَّ اَنْزَلَنِي حَتّٰى قِيْلَ عَلِيٌّ وَمُعَاوِيَةُ یعنی زمانہ نے مجھے اس قدر گھٹایا کہ میرے مقابلہ میں معاویہ کا نام لیا جانے لگا ۱۲ منہ

گذر جانے کی وجہ سے کیا لہ

حدیثیں

(بطریق شیعہ) ا جو حدیث بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے اس کے قبل کی آیتوں کی تفسیر میں گذر چکی ہے اوس میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ کلام پروردگار اِذْ قُلْتُمْ یَا مُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ سے مقصود یہ ہے کہ اوسکی بھی یاد کرو جو تمہارے بزرگوں نے موسٰی سے کہا تھا کہ ہم ایک طرح کے کھانے پر نہیں رہ سکتے ہمیں کئی طرح کا کھانا ملنا چاہئے پس آپ اپنے خدا سے کہئے کہ ہمارے لئے ککڑی۔ ساگ۔ لہسن۔ مسور۔ پیاز پیدا کر دے۔ تو موسٰی نے اون سے کہا کہ اچھے کھانے کے بدلے بُرا کھانا چاہتے ہو (اچھا تو) اس میدان کے شہروں میں سے کسی شہر میں جاؤ تمہاری خواہش کی چیزیں وہیں ملینگی فَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ پس اون پر رسوائی اور محتاجی ڈالدیگئی جسکی وجہ سے خدا اور اوس کے مومن بندوں کے نزدیک ذلیل ہو گئے۔ ذلت اور مسکنت میں پڑنے سے پہلے؟ جو وہ آیات خدا سے انکار اور بے قصور انبیاء کو قتل کرتے رہے اوسکی وجہ سے غضب اور لعنت خدا میں مبتلا ہو کر پلٹے۔ اور خدا نے اون سے بیزار ہو کر اونھیں اونکی حالتوں پر چھوڑ دیا یہانتک کہ ہر طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو گئے۔ اور حد سے گذر گئے اور خدا کے حکموں کو چھوڑ کر شیطان کے حکموں پر چلنے لگے۔
حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اسکے بعد حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے یہودیوں سے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے بزرگوں نے کیا تھا تم نہ کرنا اور خدا کی نعمتوں سے آزردہ نہ ہونا اور اگر تم میں سے کسی کو اوسکی خواہش کے خلاف خدا رزق دے تو دوسری چیز نہ

لہ مجمع البیان جلد ۱ صہ ۵۳ ۱۲ منہ

مانگے کیونکہ شائد یہ دوسری چیز اوسکی ہلاکت کا سبب ہو۔ بلکہ چاہیئے یوں کہے
کہ خداوندا محمدؐ و آل محمدؐ کے حق کا واسطہ جو چیز مجھے پسند نہیں ہے اگر میرے
حق میں بہتر اور میرے دین کے بارے میں مناسب ہے تو مجھے اوس پر صبر عطا کر
اور مجھے قوت دے کہ اوسے برداشت کروں اور خوشی سے قبول کروں۔ اور
اگر کوئی دوسری چیز بہتر ہو تو مجھے عطا فرما اور ہر حال میں اپنے حکم پر راضی رہنے
کی توفیق دے پس جب یوں کہوگے تو جو چیز تمہارے حق میں بہتر ہوگی
خدا عطا کرے گا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے بندگان خدا گناہوں پر
جھک پڑنے اور اون کو چھوٹی اور معمولی چیز سمجھنے سے ڈرو۔ اس لئے
کہ گناہ کرنے والوں سے بیزار ہو کر خدا اون کو اونکی حالت پر چھوڑ دیتا
ہے جسکی وجہ سے وہ بڑے سے بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور گناہ
کرتے کرتے نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ وصی رسولؐ اللہ (حضرت علی
علیہ السلام) کی امامت اور حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ کی نبوت
سے دست بردار ہو جاتے ہیں پھر (رفتہ رفتہ) خدا کی وحدانیت سے انکار
اور دین خدا میں الحاد (بے دینی) کرنے لگتے ہیں۔

۵۱ اسحاق بن عمار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ
آپ نے کلام پروردگار وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ کی تفسیر میں ارشاد
فرمایا کہ قسم خدا کی اونھوں نے نہ تو انبیاء کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا نہ
تلواروں سے؟ بلکہ اون سے حدیثیں سُن کر اون کو برباد کیا تھا اور اون سے
مال وزر لئے تھے۔ پس یہی قتل کرنا تھا اور یہی بے اعتدالی اور گناہ[۵۱]
میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث کے بیچ کی عبارت یوں ہے وَلَكِنْ سَمِعُوا
أَحَادِيثَهُمْ فَأَذَاعُوهَا فَأَخَذُوا عَلَيْهَا اور اسمیں دو احتمال ہیں۔
ایک یہ کہ یہودیوں نے اون سے حدیثیں سُنیں اور لوگوں میں پھیلایا اور
اس پر مزدوری لی۔ تو اس بنا پر مال دنیا حاصل کرنے کی غرض سے حدیثوں

۵۱ تفسیر برہان جلد ۱ ص ۶۶-۶۷ ۱۲ منہ

کو بیان کرنا برائی میں قتلِ نبی کا ہم پلہ قرار پاتا ہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ انکی خبریں ان کے دشمنوں میں پھیلایا کرتے اور اون دشمنوں سے دنیاوی فائدے حاصل کیا کرتے تھے۔ اس بنا پر ان خبروں کا دشمنوں تک پہونچانا قتل کے برابر قرار پاتا ہے۔

(بطریق اہلسنت) وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ (تا آخر) ۱ مجاہد کہتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے من وسلوے سے ساگ وغیرہ بدل کر لیا تھا ۲ قتادہ کہتے ہیں کہ اوس میدان میں صرف ایک قسم کے کھانے سے گھبرا گئے تھے اور اپنی اگلی بسر اوقات یاد کر کے اوسی کی خواہش کی تھی۔ ۳ ابن عباس کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کے محاورہ میں فُوم کا گیہوں اور روٹی ہے۔ اور مجاہد اور عطا نے روٹی کہی ہے۔ اور حسن بصری اور ابو مالک نے گیہوں۔
۴ ابن عباس کی دوسری حدیث میں اس کا معنی ثُوم یعنی لہسن بیان کیا گیا ہے اور ربیع نے بھی یہی کہا ہے۔ ۵ ابن مسعود صحابی فُومِھَا کی جگہ پر ثُومِھَا پڑھا کرتے تھے۔ اور ابن عباس بھی یوں ہی پڑھتے تھے۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی ۱ مجاہد کہتے ہیں کہ اَدْنٰی سے خراب مقصود ہے اِھْبِطُوْا مِصْرًا ۱ ابن عباس کہتے ہیں کہ مِصْرًا سے کوئی شہر (غیر معین) مقصود ہے ۲ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ شہر مصر مقصود ہے جس میں فرعون رہتا تھا ۳ اعمش مصرًا کی جگہ پر مِصْرَ بغیر تنوین

ع۵ (صحابہ قریش کے جاسوس تھے) حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے صحابہ میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودیوں سے خط وکتابت رکھتے اور حضرت کی خبریں اون تک پہونچایا کرتے تھے اور اون سے مالی نفع کی امید میں رکھتے تھے جنمیں سے طلحہ اور زبیر بھی تھے (تفسیر درمنثور علامہ سیوطی جلد ۲ صہ ۲۹۱ بروایت عکرمہ) اور امام سُدی کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ احد میں شکست کے بعد حضرت عثمان ؟ یہودی اور حضرت طلحہ ؟ نصرانی ہو جانے کا ارادہ رکھتے تھے (لوامع التنزیل وانوار نعمانیہ بحوالہ تفسیر سُدی) ۱۲ منہ

(دوز بر) کے پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے صالح بن علی کا شہر مقصود ہے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۱ ابن عباس اور حسن بصری کہتے ہیں کہ ذلۃ سے جزیہ مقصود ہے۔ اور ابو العالیہ کہتے ہیں کہ مسکنۃ سے فاقہ مقصود ہے بَاؤُ بِغَضَبٍ ۱ ضحاک نے بَاؤُا کا معنی مستحق ہونا لیا ہے ۲ اور قتادہ نے پلٹنا يَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ ۱ ابن مسعود کہتے ہیں کہ بنو اسرائیل دن بھر میں تین سو انبیاء کو قتل کرتے اور شام کو بازار میں سبزی وغیرہ بیچا کرتے تھے ۲ ابن مسعود کہتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اوس پر ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا کسی نبی نے اوس کو قتل کیا ہو۔ یا وہ گمراہ کرنے والا امام (پیشوا) ہو یا (ناحق آدمیوں کا ہاتھ۔ پاؤں۔ ناک۔ کان وغیرہ کاٹنے والا ۱

چند فائدے

معانی۔ بیان۔ بدیع (معانی) أَتَسْتَبْدِلُونَ

(پہلا فائدہ) (تا آخر) میں "أ" یعنی ہمزہ؟ استفہام انکاری کا ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ اچھی نعمت کے بدلے میں بری چیز نہ لینی چاہئے کیونکہ یہ خلاف عقل ہے پس یہ آیت یہودیوں کی مذمت میں نازل ہوئی ہے اور ائمہ ہدے؟ برگزیدگانِ خدا؟ اوسکی حقیقی نعمت؟ اور معصومِ مطلق کو چھوڑ کر پیشوایان ضلالت (گمراہی) وسبب خسرانِ امت؟ اور گمراہ کن خطاکاروں کو اختیار کرنا اوس سے بدتر ہے جو یہودیوں نے کیا کیونکہ اونھوں نے ایک نعمت کو چھوڑ کر دوسری چیز جو اختیار کی اگرچہ پہلی چیز سے بری تھی لیکن نعمت تھی۔ اور اِنھوں نے حقیقی اور اعلا نعمت (یعنی اہلبیتؑ رسالت) کو چھوڑ کر مجسم نکبتؑ کو اختیار کیا۔ اسی کے متعلق خداوند جلّ وعلاؔ ارشاد فرماتا ہے أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ

معصوم کو چھوڑ کر خطاکاروں کو اختیار کرنا ... [illegible]

۱ تفسیر در منثور سیوطی جلد ۱ ص ۷۲ و ۷۳ – ۱۲ منہ ۲ مصیبت اور گمراہی اور عذاب جان ۱۲ منہ

يَصْلَوْنَهَا وَ بِئْسَ الْقَرَارُ (سورہ ابراہیم پ۱۳ رکوع ۱۷ آیت ۲۸-۲۹) یعنی کیا اون لوگوں کو نہیں دیکھتے جنھوں نے نعمتِ خدا کو کفر سے بدل لیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اوتار دیا جس میں وہ جائیں گے اور وہ ان کا بُرا ٹھکانا ہے۔ تفسیر برھان جلد ا صنعہ ۵۴۰ میں تیرہ حدیثیں مذکور ہیں جنمیں اہلبیت عصمت و طہارت نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ نعمتِ خدا ہم لوگ ہیں ہماری ہی بدولت لوگ بہشت میں پہونچ سکتے ہیں اور جو لوگ بدلے میں لیئے گئے اون پر لفظ کفر اوسی طرح بولا گیا ہے جس طرح عمرو بن عبدود پر بروز خندق حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے بَرَزَ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ اِلَى الْكُفْرِ كُلِّهٖ فرمایا تھا یعنی مجسم کفر (عمرو بن عبدود) کیطرف مجسم ایمان (حضرت علیؑ) نکلے ہیں۔ حالانکہ عمرو مذکور صرف گمراہ تھا؟ اور یہ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے؟

اہلبیت مجسم نعمت اور اون کے دشمن مجسم کفر

فَادْعُ لَنَا ہمارے لیئے مانگیئے؟ اس میں اُدْعُ امر کا صیغہ ہے جو فعل کے واجب ہونے کو بتاتا ہے؟ لیکن صیغۂ امر سے کسی چیز کو چاہنے والوں کے تین درجے ہیں ۱؎ جس سے چاہا ہے اوس سے یہ بڑا ہو ۲؎ اوس کے برابر ہو ۳؎ اوس سے چھوٹا ہو؟ مشہور یہ ہے کہ پہلی قسم کا مانگنا امر اور حکم کہلاتا ہے جسکی تعمیل شرعاً و عقلاً و اخلاقاً واجب ہے۔ اور دوسری قسم کا مانگنا التماس کہلاتا ہے جسکی تعمیل اخلاقاً واجب ہے لیکن اصول فقہ کے قاعدے سے شرعاً واجب نہیں ہے۔ اور تیسری قسم کا مانگنا سوال اور دعا کہلاتا ہے جسکی تعمیل نہ شرعاً واجب ہے نہ عقلاً۔ نہ اخلاقاً۔ لیکن بعض علماء نے یہ شرط بڑھائی ہے کہ بڑا اگر بڑا بن کر حاکمانہ طریقہ سے چاہے تو تعمیل واجب ہے اور اگر برابر کا یا چھوٹا بن کر مانگے تو خود صیغہ اوس کی تعمیل کے واجب ہونے کو نہیں بتائیگا اگرچہ اخلاقاً واجب ہو۔ خلاصہ یہ کہ اُدْعُ لَنَا تیسری قسم میں داخل ہے جسکی تعمیل حضرت موسیٰؑ پر واجب نہ تھی۔ باوجود اس کے اونھوں نے مجبتاً نہ مانگا۔ اور خدا نے بھی مجبتاً نہ قبول کیا۔ لیکن یہودیوں کی فطری اخباثت نے اون کو سرکشی پر ہمیشہ آمادہ رکھا یہاں تک کہ ذلت اور مسکنت اور غضب خدا میں مبتلا ہو گئے۔ اِهْبِطُوْا مِصْرًا

(کسی شہر میں جا اُترو) اس میں اِھْبِطُوْا اگرچہ امر کا صیغہ ہے جو فعل کے واجب ہونے کو بتاتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ اِھْبِطُوْا اون کے سوال کے جواب میں واقع ہوا ہے اور اون کی ایسی خواہش کے پوری ہونے کی صورت کو بتاتا ہے جو واجب نہ تھی؟ اس واسطے یہ بھی شہر میں جانے کے واجب ہونے کو نہیں بتائیگا۔ وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ میں کَانُوْا بڑھا کر اس بات کو بتایا ہے کہ سرکشی انکی ہمیشہ باقی رہی باوجود متعدد سزاؤں کے جو اوپر ذکر کی گئیں شرارت سے باز نہ آئے؟ میں عرض کرتا ہوں کہ ان کی بد ذاتی آج بھی باقی ہے۔ اور حضرت سرور عالم اور اونکے اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نہایت درجہ دشمن ہیں۔ اور اونکی پیروی کی وجہ سے مسلمانوں کے؟

اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ (ہمارے لئے اپنے خدا سے مانگیئے) یہودی باوجودیکہ حضرت موسیٰ پر ظاہر میں ایمان لاچکے تھے مگر باطنی خباثت باقی تھی اور سرکشی چھوڑنے اور بندگی کے لئے سر جھکانے پر راضی نہ تھے۔ اتنی نرمیوں اور دلجوئیوں اور خاطر و مداراتوں پر بھی بد ذاتی نے اونھیں رَبِّیْ (میرے پروردگار) کی جگہ پر رَبَّكَ (اپنے پروردگار) کہنے اور اوسکی ربوبیت (خداوندی) کی اپنی طرف نسبت دینے کو گوارا نہ کرنے پر مجبور کیا۔ جسکو خداوند حکیم نے بعینہٖ اس غرض سے نقل کیا ہے تاکہ سمجھنے اور عبرت لینے والے اونکی انتہائی بد باطنی کو سمجھیں اور عبرت لیں ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اس میں حضور سے غیبت کی طرف التفات ہے یعنی پہلے اون کو حاضر قرار دے کر قُلْتُمْ۔ اِھْبِطُوْا۔ سَاَلْتُمْ سے خطاب کیا گیا۔ اور ہم کلامی کی عزت بخشی گئی ہے۔ لیکن جب وہ سرکشیوں سے باز نہ آئے تو ذلیل اور مردود بارگاہ قرار دے کر غائب کے صیغے استعمال کئے گئے۔ کیونکہ حضوری عزت کو بتاتی ہے۔ اور غیبت ذلت کو۔ پس اس میں ایک تو اونکی ذلت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے اس امر کی طرف کہ اونکی اولاد جو زمانہ حضرت رسولؐ میں تھی اس آیت کے نزول کے وقت تک ذلیل نہیں سمجھی گئی تھی پس اون سے خطاب ہے کہ تم اپنے بزرگوں کا رویہ اختیار نہ کرنا ورنہ تم بھی راندۂ بارگاہ ہو کر ذلت اور مسکنت میں ڈال دیئے جاؤگے فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ اس میں متعلق فعل یعنی لَكُمْ (تمہارے لئے) کو فعل یعنی سَاَلْتُمْ سے پہلے التذاذ (لذت دینے۔ خوش کرنے) کے لئے ذکر کیا ہے۔ اور اس سے اونکی دلجوئی مقصود ہے

(بیان) اِذْ قُلْتُمْ (جب کہ تم نے کہا) اس میں اون کے بزرگوں کے فعل کو اونکی طرف مجازاً نسبت دی گئی ہے اور وجہ اس کی اس کے قبل کئی جگہ ذکر کی گئی۔ مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ

(جن چیزوں کو زمین اوگاتی ہے) باوجودیکہ ہر چیز کا اصلی پیدا کرنے والا خدا ہی ہے۔ جیسا کہ خود ہی ارشاد فرمایا ہے خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (زمین کی کل چیزوں کو تمہارے لئے پیدا کیا) لیکن اس آیت میں اوگانے کی نسبت زمین کی طرف مجازاً دے کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اوس نے اپنی قدرت کی چیزوں میں اپنی مخلوقات کو بھی کسی قدر دخل دیا ہے۔ جیسے پانی۔ ہوا۔ آفتاب وغیرہ کو؟

(دوسرا فائدہ) سوال کیونکر جائز ہے کہ خداوند عالم انبیاء کو قتل کرنے سے کافروں کو نہ روکے۔ جواب اس واسطے جائز ہے کہ جو فضیلتیں اور اعلےٰ درجے قتل کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں وہ اون کے لئے حاصل ہو جائیں اور ایسی صورت میں حفاظت نہ کرنے کو خِذلان (ساتھ چھوڑ دینا۔ مدد نہ کرنا) نہیں کہتے۔ اور اسی طرح اولیاء اور مومنوں اور فرماں برداروں کو مارے جانے سے نہ بچانا بھی خذلان نہیں کہلاتا۔ اور حسن بصری کہتے ہیں

ع معجزہ حضرت امیرؑ ایک مخالف نے ایک چیونٹی شیشی میں خوب مضبوط بند کیا۔ دوسرے دن حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور شیشی جیب میں لیتا آیا۔ عرض کیا کہ کیا آپکا دعوےٰ یہ ہے کہ رزق آپ تقسیم کرتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ عرض کیا میری شیشی کی چیونٹی کا رزق دے چکے فرمایا دیکھ لے میں دے چکا۔ شیشی جو نکالی تو دیکھا کہ چیونٹی منہ میں ایک دانہ لئے ہوئی ہے (حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام قاضی الحاجات مشہور ہیں۔ جب میں خراسان سے بارادۂ عتبات عالیات عراق طہران پہونچا تو وہاں حضرتؑ کو خواب میں دیکھا کہ ایک خشک تالاب کے کنارے تشریف رکھتے ہیں۔ یہ تالاب میری بستی میں ہے۔ میں آپکی خدمت میں حاضر ہوا اسلام عرض کیا۔ آپ نے جواب سلام کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں بندوں کے رزق کی فکر میں یہاں بیٹھا ہوں۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے۔ میں نے دست مبارک کو لیکر بوسہ دیا آنکھوں سے لگایا۔ اور سینہ اور پیٹ پر بہت اطمینان سے ملا اوس کے بعد آنکھ کھُل گئی۔ حدیث میں ہے کہ حضرت رسولؐ اور اہلبیتؑ کو خواب میں دیکھنا اونھیں کو دیکھنا ہے کیونکہ شیطان ان حضراتؑ کا ہم شکل نہیں بنتا پس جب کہ خداوند عالم نے اپنی مقدورات میں پست ترین مخلوقات کو دخل دے دیا ہے تو اعلےٰ ترین مخلوقات کو دخل دینے سے تعجب یا انکار کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ۱۲ منہ عفی عنہ توضیح اسکی یہ ہے کہ واقعی انسان روح ہے۔ جو کبھی جسم خاکی دنیاوی اور کبھی جسم مثالی اخروی میں تبدیل مکان کرتی رہتی ہے۔ دنیاوی زندگی صرف اس واسطے دیگئی

اسے جانے کہ انبیاء کی حفاظت واجب ہے یا نہیں

کہ کوئی نبی ایسی لڑائی میں نہیں مارا گیا جس کا خدا نے حکم دیا تھا۔ بلکہ جو بھی مارا گیا ہے غیر جنگ میں (اپنی جگہ پر) مارا گیا ہے (**غالباً مقصود ان کا یہ ہے** کہ جب خدا اون کو لڑنے کا حکم دے تو اونکی حفاظت اوس پر واجب ہے۔ اور اگر حکم نہ دے تو واجب نہیں ہے) **طبرسی علیہ الرحمہ** ارشاد فرماتے ہیں کہ صحیح جواب یہ ہے کہ جس شریعت کو بندوں تک پہونچانے کا اوس کو حکم دیا گیا ہے؟ جب تک اوس کو پہونچا نہ لے۔ اوس کے قتل پر کسی کو قدرت دینی جائز نہیں ہے؟ ورنہ لازم آئیگا کہ بندوں کے پاس جس غرض سے یہ شریعت بھیجی گئی اور جو فائدے اور مصلحتیں اوس میں تھیں؟ اون کو (نبی کے مارے جانے اور شریعت کے نہ ملنے کی وجہ سے) حاصل نہ کرسکے۔ اور اگر پہونچا چکا ہے تو مارے جانے سے اوسکی حفاظت واجب نہیں ہے لہ **میں عرض کرتا ہوں**

۱ یہ جواب اوس مسلم مسئلہ کی بنا پر ہے جو علم اصول فقہ میں طے ہوچکا ہے کہ عقاب بلا بیان یعنی حکم بیان نہ کرنا اور عدم تعمیل پر عذاب کرنا؟ اور تفویت غرض بعثت یعنی جس غرض سے انبیاء کو بھیجا ہی اوس کو پورا کرنے سے پہلے اون کو دنیا سے اوٹھا لینا عیب اور ناجائز ہے۔

۲ یہ کہ لفظ "صحیح" سے اگر طبرسی علیہ الرحمہ کی غرض یہ ہے کہ اوپر کے دونوں جواب مجمل ہونے کی وجہ سے

لہ مجمع البیان جلد ا صـ ۱۲ نمبر

ص۳ اور اوسکی ضرورت نہیں رہتی یعنی جانا

(بقیہ حاشیہ صـ ۱۸۶) تاکہ وہ ذخیرہ حاصل کرلے جو آخرت میں کام آئیگا؟ اس لئے اس زندگی کی ضرورت اور عزت اوسی وقت تک ہے جب تک یہ ذخیرہ حاصل نہیں کیا ہے۔ علم خدا میں جو آخری وقت اوس کے حاصل کرنے کا معین ہے اوسکے پہونچنے پر یہ زندگی لیجاتی ہے ۵۔ لیکن اوس وقت کو کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ کسی کا کسی کو مار ڈالنا اپنی لاعلمی کی وجہ سے اوسکی لازمی حیات کو اپنے دانست میں قطع کرکے غرض خدا کو مٹا دینا ہے جو نہایت درجہ مبغوض ہے۔ اور قبل از وقت موت دیکر خدا اپنی غرض کو برباد نہیں کرتا۔ اور وقت پہونچ جانے کے بعد اوسکی حفاظت اوس پر واجب نہیں ہے لیکن قاتل مستحق سزا ہے چونکہ اوس وقت کو نہیں جانتا اور خذلان کا معنی؟ مدد اور ہمدردی کی ضرورت ہوتے ہوئے ساتھ چھوڑ دینا اور مدد نہ کرنا ہے۔ اور انبیاء و اولیاء وغیرہ کا مارا جانا چونکہ اون کے لئے حیات ابدی میں بہت بڑے فائدوں کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے جن کو حاصل کرنے کے لئے یہ چند روزہ مجازی حیات اونھیں عاریت دیگئی۔ اور اس کو ایک دن واپس ہی کردینا ہے۔ اور اوسی وقت تک اوسکی حفاظت ضروری ہے جب تک غرض حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے اسکی حفاظت بہرحال ضروری نہیں ہے۔ اور خداوند عالم چونکہ عالم الغیب ہے اس لئے اوس وقت کو وہ خوب جانتا ہے جسکے پہونچنے

درست نہیں ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ شریعت کو پہونچانے اور نہ پہونچانے کی حالتوں میں تفصیل کر دیجائے تو فرمائش انکی درست ہے۔ اور اگر ان دونوں جوابوں کو بہرحال غلط ٹھہرانا مقصود ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا جواب وجوب حفاظت اور عدم وجوب کے وقتوں کو معین کر رہا ہے۔ اور ان دونوں موقت حکموں کی وجہ بیان کر رہا ہے ؟ اصل عدم حفاظت کی وجہ بیان نہیں کرتا۔ اسلئے اصل سوال کا جواب ؟ پہلا ہی اچھا ہے اور حسن بصری کا جواب کمزور ہے۔

(تیسرا فائدہ) **فخر الدین رازی** لکھتے ہیں کہ غذا بدلنے کی خواہش کی چار وجہیں ہو سکتی ہیں ۱) ایک طرح کی غذا یعنی صرف من وسلوے چالیس برس کھاتے کھاتے اُکتا گئے تھے ۲) بچپن ہی سے کئی طرح کی چیزیں کھانے کی عادت ہو گئی تھی۔ اور عادت کی چیز اگرچہ معمولی ہو بہ نسبت اچھی چیز کے جس کی عادت نہ ہو زیادہ مرغوب ہوتی ہے ۳) شائد وہ اوس چٹیل میدان میں عرصہ تک رہنے سے گھبرا گئے تھے اور ان چیزوں کی خواہش کو شہر میں جانے کا حیلہ قرار دیا تھا کیونکہ یہ چیزیں شہروں ہی میں ملتی ہیں ۴) ایک طرح کے کھانے کی عادت سے بھوک بند اور معدہ خراب ہو جاتا ہے اور کئی طرح کی چیزیں کھاتے رہنے سے بھوک بڑھتی اور لذت بھی حاصل ہوتی ہے اس لئے اونھوں نے یہ عاقلانہ فعل کیا تھا لہ

(چوتھا فائدہ) **فخر الدین رازی** لکھتے ہیں کہ من وسلوے کا اچھا ؟ اور بنو اسرائیل کی مطلوب چیزوں کا خراب ہونا۔ دینی بھلائیوں کے لحاظ سے نہ تھا کیونکہ اگر اس لحاظ سے ہوتا تو خدا قبول نہ کرتا۔ بلکہ دنیاوی بھلائیوں کے لحاظ سے تھا۔ اور یہ بھی کہنا درست نہیں ہے کہ پیاز لہسن وغیرہ سے من وسلوے واقعاً اچھا تھا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک کھانا ایک گروہ کے نزدیک اچھا ہو اور دوسری قوم کے نزدیک خراب۔ بلکہ من وسلوے کو اچھا اس وجہ سے کہا کہ یا تو اوس کا ملنا یقینی تھا (کیونکہ برابر پا ہی رہے تھے) اور پیاز وغیرہ کا ملنا یقینی نہ تھا۔ یا یہ بے محنت ومشقت کے گھر بیٹھے مل رہا تھا اور پیاز وغیرہ محنت ومشقت سے

غذا بدلنے کی خواہش کیوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷) تک اوس کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ اور چونکہ مارا جانا فوز عظیم (بہت بڑے فائدے) کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اس لئے اوس وقت کے گذر جانے کے بعد خدا کا مارے جانے سے انبیاء وغیرہ کی حفاظت نہ کرنا خذلان نہیں ہے بلکہ عین ہمدردی ہے۔ بلکہ ایسے وقت میں حفاظت کرنا ہی خذلان اور فوز عظیم سے محروم کر دینا ہے ۱۲ منہ لہ تفسیر کبیر جلد ۱

حاصل ہوتی ہے [۱] میں عرض کرتا ہوں کہ حسن و قبح اشیاء یعنی چیزوں کی اچھائی اور برائی عقلی ہے۔ جسکو بے شعور اشاعرہ اہلبیت عصمت و طہارت کی فضیلتوں کو مٹانے اور اون کے حقوق برباد کرنے اور بے کمال جاہلوں کو بڑھانے اور ایک بزرگ مقام پر ناحق جگہ دینے کے لئے نہیں مانتے۔ اور ترجیح مرجوح بر راجح یعنی بے کمال جاہلوں کو باکمال علماء علم لدنی سے بڑھا دینے کی عقلی برائی سے انکار کرتے ہیں۔ اور اسی بنا پر رازی صاحب بھی پیاز لہسن وغیرہ جیسی بدمزہ اور بدبو اور مضر اور خون کو جلانے والی اور صفرا و سودا پیدا کرنے والی چیزوں کو من و سلوے جیسی بہترین اور لذیذ ترین اور نافع ترین غذا کی ذاتی اچھائی سے انکار کرتے ہیں۔ اور آیت اَتَسْتَبْدِلُوْنَ (تا آخر) مذمت اور بیان حماقت کے مقام میں نازل ہوئی ہے اور کسی کی رغبت اور نفرت سے کسی چیز کی ذاتی اچھائی اور برائی نہیں بدلتی۔ اور عام محاورہ اور دستور کے مطابق اس آیت میں اس امر کو بیان کرنا مقصود ہے کہ واقعی اچھی چیز یعنی من و سلوے کو چھوڑ کر پیاز لہسن وغیرہ کو پسند کرنا اور بدلے میں لینا جسکی واقعی پستی کو بچے تک جانتے ہیں کسی عاقل کا کام نہیں ہے۔ اسلئے من و سلوے کی فضیلت کا سبب تین چیزیں ہیں۔ ایک ذاتی اچھائی۔ دوسرے یقینی ملنا۔ تیسرے بے محنت ملنا۔

(پانچواں فائدہ) فخر رازی نے ضُرِبَتْ عَلَیْہِمُ الذِّلَّۃُ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ضُرِبَتْ کا معنی یا تو اَحَاطَتْ (گھیر لیا) ہے یا لَزِمَتْ (چمٹ گئی) اور ذِلَّتْ کا معنی رسوائی ہے؟ جزیہ نہیں ہے کیونکہ ان پر شروع اسلام میں جزیہ قرار نہیں دیا گیا تھا۔ اور مَسْکَنَۃُ کا معنی فقر اور فاقہ اور سخت تکلیف ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ آیۃ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے لئے معجزہ ہے کیونکہ حضرت نے غیب کی جو خبر دی تھی ویسا ہی ہوا۔ اور بَآءُوْ بِغَضَبٍ میں بَاءَ کا ایک معنی رَجَعَ (پلٹا) ہے لیکن برائی کے ساتھ پلٹنے کے مقام میں بولا جاتا ہے۔ اور دوسرا معنی چھا جانا ہے پس بَآءُوْ بِغَضَبٍ کا معنی "اون پر غضب خدا چھا گیا" ہوگا اور یہ معنی زجاج نے بیان کیا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس معنی کے لحاظ سے اس جملہ کا معنی اِسْتَوَوْا عَلٰی غَضَبِ اللہِ (وہ غضب خدا پر چھا گئے) ہوگا۔ اور یہ درست نہیں ہے۔ اور تیسرا معنی اِسْتَحَقُّوْا (غضب خدا کے مستحق ہوئے) ہے اور غضب خدا بدلا لینے کے ارادہ کو کہتے ہیں [۲] (میں عرض کرتا ہوں کہ غضب خدا

[۱] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۷ و ۳۷۸ ۱۲ منہ [۲] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۹ چھاپہ مصر ۱۲ منہ

خود سزا دینا ہے کیونکہ ارادہ خدا اوس کے فعل سے جدا کوئی چیز نہیں ہے)

(چھٹاں فائدہ) **علم کلام** کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ (بنو اسرائیل آیاتِ خدا کے ساتھ کفر کرتے تھے) معتزلہ (اور شیعے) کہتے ہیں کہ کافروں میں کفر خدا نے نہیں پیدا کیا۔ کیونکہ جس طرح اوس نے انھیں ذلت اور مسکنت پیدا کر دی اگر اوسی طرح کفر بھی پیدا کر دیتا؟ تو کفر کو ذلت اور مسکنت کا سبب قرار دینے سے بہتر یہ تھا کہ ذلت اور مسکنت کو کفر کا سبب قرار دیتا (جس کا مطلب یہ ہے کہ اوس نے انہیں رسوا اور محتاج کر دیا تاکہ وہ کافر ہو جائیں [۱] رازی صاحب نے اس کا مختصر سا جواب علم اور داعی یعنی ارادہ سے دیا ہے؟ ان کا جواب مع سوال کے انوار القرآن جلد ۱ صفحہ ۴۶۵ سے ۴۷۰ تک اور صفحہ ۴۹۱ سے ۵۰۶ تک میں تفصیل سے لکھ آیا ہوں وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

(ساتواں فائدہ) **چند سوالوں کے جواب جنکو رازی صاحب نے ذکر کیا ہے** **سوال ۱** یَکْفُرُوْنَ (کفر کرتے تھے)، میں قتل انبیاء بھی داخل تھا پھر اس کو جدا کر کے کیوں ذکر کیا؟ **جواب۔** کفر سے یہاں پر جہالت اور آیاتِ خدا سے انکار کرنا مقصود ہے۔ اس لئے قتل انبیاء اس میں داخل نہیں ہے۔ **میں عرض کرتا ہوں** کہ علم معانی بیان میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ تخصیص بعد تعمیم یعنی عام کے بعد خاص کو اہمیت اور عظمت اور بزرگی کی زیادتی ظاہر کرنے کے لئے ذکر کرتے ہیں **پس** چونکہ قتلِ انبیاء کفر کی بڑی فرد ہے اس لئے باوجودیکہ یہ بھی کفر میں داخل ہے اسکی انتہاء درجہ کی برائی اور مبغوضیت کو ظاہر کرنے کے لئے اس کو عام سے نکال کر جدا ذکر کیا ہے۔ **سوال ۲** قتلِ انبیاء تو ہمیشہ ناحق ہی ہوا کرتا ہے (کیونکہ وہ معصوم تھے سبب قتل میں مبتلا ہو نہیں سکتے تھے) پھر لفظ بِغَیْرِ الْحَقِّ (ناحق) بڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ **پہلا جواب۔** اپنے علم اور اعتقاد کے لحاظ سے قتل دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک [۱] حق۔ دوسرے [۲] ناحق (اگرچہ حق یا ناحق ہونے کے اعتقاد کا ذریعہ اور سبب غلط ہو) **پس** چونکہ یہودیوں نے قتل انبیاء کے ناحق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے اونھیں قتل کیا تھا (اور واقع میں بھی ناحق ہی تھا) اس لئے لفظ بِغَیْرِ الْحَقِّ اس واسطے ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے اعتقاد میں بھی خطا کار اور ظالم تھے۔ **دوسرا جواب۔** یہ لفظ تاکید کے لئے ہے (یعنی قتل انبیاء جو ناحق تھا اوس کے ناحق

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۸۷ - ۱۲ منہ

(حاشیہ:) خدا نے کافروں میں کفر پیدا کیا ہے — قتل انبیاء کو کفر سے جدا کر کے کیوں بیان کیا — قتل انبیاء میں ناحق کی قید کیوں بڑھائی

ہونے کو کھول دینے کے لئے اس کو بڑھایا ہے) **تیسرا جواب** - اگر صرف قتل کو ذکر کرتا اور
"بِغَیْرِ الْحَقِّ" کو ذکر نہ کرتا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ خدا بھی تو انبیاء کو قتل کرتا ہے ؟ اس واسطے اس لفظ کو
ذکر کیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ خدا کا قتل کرنا حق ہوتا ہے اور غیر خدا کا قتل کرنا ناحق - **میں عرض**
کرتا ہوں کہ تیسرا جواب درست نہیں ہے کیونکہ دوسرے فائدے کے حاشیہ میں اس امر
کی طرف اشارہ کر آیا ہوں کہ ممکن الوجود چیزیں جن کی زندگی چند روزہ ہے ہمیشہ باقی رہنے
والی نہیں ہیں اور حیات اونھیں معین مدت کے لئے بضرورت دی گئی ہے - پس یہ نعمت اونکے
پاس اوسی زمانہ تک کے لئے مستعار (منگنی) ہے جب تک وہ غرض پوری ہوجائے جسکے لئے دی گئی

اوس مدت کے پوری ہوجانے کے بعد اوس کو واپس لے لینا ؟ معین وقت سے پہلے واپس لینا
اور بے انصافی اور ظلم یا بے موقع فعل نہیں کہلاتا - کیونکہ اس سے زیادہ زمانہ تک اوس کے پاس
رہنے و بہنے کی بنا اور قرار داد ہی نہ تھی - **اور** خداوند عالم حیات کو اوسی وقت واپس لیتا ہے
جب اوسکی مدت پوری ہو جاتی ہے اور اسکو موت طبعی سے تعبیر کرتے ہیں ؟ قتل نہیں کہتے -
اور دوسرے مارنے والے خواہ حق سے ماریں جیسے جرم کی سزا میں یا ناحق یعنی بے وجہ
اور ظالمانہ ؟ چونکہ یہ لوگ اوس معین وقت کو نہیں جانتے اس لئے اپنی دانست میں اوس کے
رشتۂ حیات کو وقت معین سے پہلے قطع کر کے اوس کو نقصان پہونچانا اور لطفِ زندگی سے
محروم کر دینا چاہتے ہیں - اس لئے عام محاورہ میں اس کو قتل کہتے ہیں - موت طبعی نہیں کہتے
اور دوسرے الفاظ میں یوں عرض کروں کہ معین وقت گذر جانے پر اپنی دی ہوئی نعمت کو واپس
لینے کا حق خود صاحبِ نعمت یعنی خدا ہی رکھتا ہے کسی غیر کو اس کا حق نہیں ہے اس بنا پر خدا
کا واپس لینا موت طبعی کہلاتا ہے اور غیر کا لینا قتل ؟ **خلاصہ** یہ کہ خدا کا مارنا قتل ہی نہیں کہلاتا
تاکہ کوئی اعتراض ہوسکے - جسکے جواب میں تیسرا جواب درست ہو -

فخر رازی کہتے ہیں کہ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ کانُوا یَکْفُرُونَ سے یَعْتَدُونَ تک میں خداوند عالم
نے عذاب کو ذکر کرنے کے بعد ؟ اوسکے سبب کو سلسلہ سے ترتیب وار بیان کیا ہے ؟ پہلے اونکی
جہالت اور انکارِ آیات کو بیان کیا ہے جو خدا کے حق سے تعلق رکھتا ہے - پھر اوس کو جو برائی
میں اس سے نزدیک ہے یعنی قتلِ انبیاء - پھر اون گناہوں کو جو اونھیں کی ذاتوں تک محدود
رہتے ہیں - پھر اون گناہوں کو جن سے دوسروں کو تکلیف پہونچتی ہے جیسے ظلم اور حد سے گذر جانا
اور یہ ترتیب بہت اچھی ہے **میں عرض کرتا ہوں** کہ رازی صاحب کا بیان غلط اور آیت

کے ظاہری معنی کے خلاف ہے۔ اور اپنے فاسد عقیدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اونھوں نے اس غلط راستہ کو جان کر اختیار کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ خداوند عالم نے عذاب کا سبب انکار آیات اور قتل انبیاء کو قرار دیا ہے۔ اور انکار اور قتل کا سبب ؟ عصیان اور حد سے گذر جانے کو ؟ اور مراد خدا کا حاصل یہ ہے کہ سرکشی اور حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے اونھوں نے آیتوں سے انکار اور انبیاء کو قتل کیا اور انکار اور قتل کی وجہ سے میں نے اون پر عذاب کیا۔ رازی صاحب کا چونکہ عقیدہ یہ تھا کہ بندوں کے بڑے کاموں کا بھی کرنے والا خدا ہی ہے اس لئے سرکشی اور حد سے تجاوز کرنے کو اونکی طرف سے نسبت دینے سے ہچکے اور سیدھی راہ چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کیا۔ حالانکہ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (اونھوں نے سرکشی کی اور حد سے گذر گئے تھے) میں ان دونوں فعلوں کی نسبت خداوند عالم نے صاف صاف اونھیں کی طرف دی ہے۔ پس پہلے ذالک سے عذاب کی طرف اشارہ کیا ہے اور دوسرے ذالک سے انکار اور قتل کی طرف۔

سوال ۳۳ کیا وجہ ہے کہ یہاں پر بِغَيْرِ الْحَقِّ میں لفظ حق کو معرفہ یعنی الف لام کے ساتھ ذکر کیا ہے اور سورہ آل عمران (پ ۴ آیت ۱۱۲ رکوع ۳) بِغَيْرِ حَقٍّ میں نکرہ۔

جواب۔ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ برحق قتل کا سبب تین چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ایمان کے بعد کفر (یعنی مرتد ہو جانا) دوسرے زنا محصنہ (یعنی شوہردار عورت) اور بی بی والے مرد کا زنا کرنا۔ تیسرے ناحق کسی کو قتل کرنا اور ان کو مومن جانتے تھے۔ پس خدا نے معرفہ سے انھیں تینوں سببوں کو مراد لیا ہے (یعنی الف لام اوس کا عہد ذہنی کا ہے جس سے ان تینوں سببوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو مومنوں کے ذہنوں میں تھے) اور نکرہ سے ہر سبب کو مراد لیا ہے خواہ یہ تین ہوں یا غیر[1]

(آٹھواں فائدہ) علم کلام ۔ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۔ يَقْتُلُوْنَ ۔ عَصَوْا ۔ يَعْتَدُوْنَ میں کفر۔ قتل۔ سرکشی۔ حد سے گذر جانے کی نسبت خدا نے بنو اسرائیل کی طرف دی ہے۔ اور خداوند حکیم کی مقدس اور منزہ ذات اس سے بہت اجل (بہت بزرگ) اور ارفع (بہت بلند) ہے کہ اپنا قصور دوسروں کے سر منڈھے اور غیر کی طرف نسبت دینے میں جھوٹ بولے۔ اس واسطے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں

بندوں سے اپنے فعل میں خود مختار ہیں

[1] تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۳۸۰ کل مضامین ۱۲ منہ

کہ اپنے اچھے یا بُرے فعل میں ہر شخص پورا پورا اختیار رکھتا ہے۔

(نواں فائدہ) علم اخلاق ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ (سے) يَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ (تک) اس آیت کے ظاہری معنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء کو قتل کرنے کی سزا صرف ذلت اور محتاجی ہے؟ حالانکہ ایسا نہیں ہے؟ بلکہ مقصود پروردگار صرف دنیاوی نقصان کو بیان کرنا ہے۔ کیونکہ اہل دنیا کی نگاہوں میں بہت زیادہ وقعت؟ دنیا ہی کے نفع اور نقصان کی ہے جیسا کہ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ یہ لوگ یہاں کی لذتوں کے حاصل کرنے میں خدا کے عذاب کی بالکل پروا نہیں کرتے اور یہاں کے نقصانوں سے بچنے کے لئے ممکن کوششیں اوٹھا نہیں رکھتے اور اپنی زبان حال سے یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

اس جگہ چین سے گزرتی ہے ∴ عاقبت کی خبر خدا جانے

قتل انبیاء کی برائی اور اُخروی عذاب کا اندازہ؟ عام مومنوں کے قتل کی برائی اور اُخروی عذاب سے اچھی طرح ل سکتا ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (سورہ مائدہ پ۶ آیت ۳۲) جو شخص کسی کو مار ڈالے بغیر اس کے کہ اوس نے کسی کی جان ماری ہو یا زمین میں فساد کیا ہو گویا کہ اوس نے سب لوگوں کو مار ڈالا اور حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر پوری زمین اور پورے آسمان کے لوگ مل کر کسی مسلمان (مومن) کی جان ماریں یا مارے جانے پر راضی ہوں تو خداوند عادل سب کو منہ کے بل جہنم میں ڈالے گا۔ ۲؎ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ گنہگار خدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو کسی مومن کو مارے یا قتل کرے ۳؎ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ کسی کی جان مار کر (دنیا میں کسی عذاب میں مبتلا نہیں ہوتے) اون کے حال سے تم دھوکا نہ کھانا کیونکہ اوسکی جان مارنے والی بھی ایک ایسی چیز ہے جو کبھی مرنے والی نہیں ہے اور وہ جہنم کی آگ ہے ۴؎ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خداوند عالم سب سے پہلے جان مارنے والوں کے مقدمہ کا فیصلہ کرے گا ۵؎ اور جسکی جان ماری ہے اوس کا کل گناہ اس کے نامہ عمل میں لکھدیا جائیگا ۶؎ اور ہر جان کے بدلے ایک ایک لاکھ مرتبہ قتل کیا جائیگا ۷؎ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مومن کی ناحق جان مارے تو مرنے کے وقت اوس سے کہا جائے گا کہ چاہے یہودی ہو کر مر یا نصرانی یا مجوسی ہو کر (یعنی اب تیرا مسلمان رہنا بیکار ہے جب تک کہ توبہ نہ کرے اور خون کا بدلہ نہ دے)

۸؎ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان اپنے دین پر اوسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کسی مومن کی جان نہیں ماری ہے۔ اور جو شخص کسی مومن کو جان کر قتل کرتا ہے اوس کو توبہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی ہے۹؎ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ تین طرح کے لوگ بہشت میں نہیں جا سکتے۔ ایک جان مارنے والا۔ دوسرے شراب اور تاڑی پینے والا تیسرے چغلخور بلکہ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مومن کے حق میں ایسی بات کہے جس کی وجہ سے وہ مارا جائے وہ بھی قاتل ہی کے حکم میں ہے[۱] یہیں سے سمجھنا چاہیے کہ جب عام مومنوں کے قتل کا یہ حکم ہے تو انبیاء کے قتل کا کیا حکم ہوگا۔

(دسواں فائدہ) اصول فقہ اِھْبِطُوْا مِصْرًا (کسی شہر میں چلے جاؤ) اِھْبِطُوْا صیغہ امر کا ہے جو فعل کے واجب ہونے کو بتاتا ہے اور آیت کریمہ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ (مقدس زمین میں داخل ہونا ان پر حرام ہے؟ چالیس برس تک اس چٹیل میدان میں مارے پھرینگے) میں خدا نے شہر میں داخل ہونے کو پہلے حرام قرار دیا تھا۔ اوس کے بعد اِھْبِطُوْا سے اس کی اجازت دی اور اصول فقہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اَمْرٌ بَعْدَ الْحَظْرِ یعنی منع کے بعد حکم صرف اباحت یعنی جائز ہونے کو بتاتا ہے۔ اس لئے اِھْبِطُوْا؟ شہر میں داخل ہونے کے وجوب کو نہیں بتائیگا

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰي وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ وَاِذْ اَخَذْ

[۱] عین الحیات ینبوع سیوم جدول چہارم صفحہ ۳۰۲ ذکر مذمت تحقیر مومنان کل نمبر ۱۲ منہ

ع۵ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو لوگ ایمان لائے۔ اَلَّذِيْنَ هَادُوْا۔ جو لوگ یہودی ہو گئے؟ ان دونوں جملوں میں فعل ماضی لا کر اون کے انبیاء کے بعد اونکی حالتوں کے بدلنے کی طرف اشارہ کیا ہے جو آگے بیان کی جائیگی۔ اور نصارے اور صابئین کے لئے اسم لا کر اونکی حالتوں کے باقی رہنے کی طرف اشارہ کیا ہے واضح ہو کہ حکیم کا کوئی فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر حالتوں کی تبدیل کو ظاہر کرنا مقصود نہ ہوتا تو دو جماعتوں کے لئے فعل اور دو جماعتوں کے لئے اسم لانا بے وجہ

مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

(الفاظ کے معانی) اِنَّ ۔ البتہ ۔ یقیناً + اَلَّذِیْنَ ۔ جو لوگ + اٰمَنُوْا ۔ ایمان لائے مسلمان ہوئے + وَ ۔ اور + ھَادُوْا ۔ یہودی ہوئے + نَصَارٰی ۔ نصرانی ۔ عیسائی + صابِئِیْنَ ۔ ایمان کے جھوٹے دعویدار + مَنْ ۔ جو شخص + اٰمَنَ ۔ ایمان لائے + ب ۔ ساتھ + یَوْم ۔ دن + اٰخِر ۔ آخرت ۔ قیامت + عَمِلَ ۔ کام کرے + صَالِحًا ۔ اچھا + ف ۔ پس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴) **اور بیان تبدیل** یہ ہے کہ صدر اسلام میں کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف تین جزو ۱۔ وحدانیت ۲۔ رسالت ۳۔ قیامت کا اعتقاد اور اقرار کافی تھا اور نجات اخروی کی شرط اور جزو اعظم یعنی اعتقاد و اقرار امامت ائمہ اثنا عشر کی تلقین اور تاکید حضرت سرور عالم برابر کرتے رہے ۔ زمانہ ائمہ سے پہلے مرنے والوں کے لئے صرف اعتقاد و اقرار اوسی طرح کافی تھا جس طرح انبیاء سابقین کے لئے کافی تھا جس کو میں اس تفسیر کی پہلی جلد صفحہ ۳۱ تا ۳۴ میں لکھ آیا ہوں ؟ اور ان کا زمانہ پانے والوں کے لئے اعتقاد و اقرار کے ساتھ اونکی اطاعت و پیروی بھی لازم کی گئی تھی ۔ **اور اٰمَنُوْا** ؟ ایمان سے بنایا گیا ہے جس کا معنی تصدیق کرنا اور سچے دل سے جھکنا اور پیروی کرنا ہے (منجد) پس حضرت رسولؐ کے بعد جس جماعت نے اُنکی امامت کی تصدیق نہ کی اور اُنکے آگے سر اطاعت نہ جھکایا اور پیروی نہ کی وہ صرف اسلام پر باقی رہی ! اور مسلمان کہی گئی ؟ اور جن لوگوں نے تصدیق و اطاعت و پیروی کی اور اونکی سابق حالت بدلی وہ مومن کہلائے اور لفظ اٰمَنُوْا سے تعبیر کئے گئے ۔ **اسی طرح** لفظ ھَادُوْا ؟ ھَوْدٌ سے بنایا گیا ہے جس کا معنی پلٹنا ہے ۔ **پس** چونکہ یہودی حضرت موسٰیؑ کے صحیح دین سے اپنی سرکشی کی وجہ سے پلٹ گئے اس لئے یہودی کہلائے اور لفظ ھَادُوْا سے تعبیر کئے گئے اور چونکہ نصاریٰ اپنے خیال میں

+ لَ - واسطے + هُمْ - اون + اَجْرُ - بدلا - ثواب + عِنْدَ - نزدیک + رَبّ - پالنے والا - مالک + لَا - نہیں + خَوْفٌ - ڈر + عَلٰی - اوپر + هُمْ - وہ + یَحْزَنُوْنَ - غمگین ہونگے - رنجیدہ ہونگے + اِذْ - جس وقت + اَخَذْنَا - ہم نے لیا + مِیْثَاقَ - عہد - پیمان - وعدہ + کُمْ + تم + رَفَعْنَا - ہم نے بلند کیا - اوٹھایا + فَوْقَ - اوپر + طُوْرَ - مشہور پہاڑ - خُذُوْا - لو + مَا + چیز + اٰتَیْنَا - ہم نے دی + قُوَّۃٍ - زور + اُذْکُرُوْا - یاد رکھو - یاد کرو + فِیْ - میں - کا - اوس - اس + لَعَلَّ - تاکہ + تَتَّقُوْنَ - ڈرو - پرہیزگار بن جاؤ + ثُمَّ - پھر - اس کے بعد + تَوَلَّیْتُمْ - پھر گئے منہ موڑا + مِنْ - سے + بَعْدُ - بعد + ذَالِکَ - اس - یہ + لَوْ - اگر + لَا - نہیں + فَضْلُ - مہربانی + رَحْمَتُ - مہربانی - نرمی + لَ - ضرور - البتہ + کُنْتُمْ - ہو جاتے + خَاسِرِیْنَ - گھاٹا اوٹھانے والے + قَدْ - تحقیق - البتہ - یقیناً + عَلِمْتُمْ - جان لیا - سمجھ لیا + اِعْتَدُوْا - حد سے گذر گئے + سَبْتُ - سنیچر + قُلْنَا - ہم نے کہا + کُوْنُوْا - ہو جاؤ + قِرَدَۃً - بندر + خَاسِئِیْنَ - مردود ذلیل + جَعَلْنَا - ہم نے کر دیا + ھَا - اوس + نَکَالُ - خوف کی چیز + بَیْنَ - درمیان + یَدَیْھَا - اوسکے دونوں ہاتھ + (بَیْنَ یَدَیْھَا - اوس کے سامنے) خَلْفَ - پیچھے - بعد + مَوْعِظَۃً - نصیحت + مُتَّقِیْنَ - پرہیزگاروں +

(بامحاورہ ترجمہ) مومنوں کے لئے اور یہودیوں اور نصرانیوں اور منافقوں[عہ] میں سے جو لوگ خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں گے اور اچھا کام کرینگے اونکے لئے بے شک اونکا اجر و ثواب اون کے خدا کے پاس ہے اور (قیامت کے دن) اون پر کسی طرح کا ڈر نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے (توریت پر عمل کرینگے کا) وعدہ لیا تھا اور تم پر کوہ طور کو اوٹھایا تھا اور (کہدیا تھا) کہ جو چیز (توریت) ہم نے تمہیں دی ہے اوسے

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۵) اپنے نبی کی پیروی پر اور صابئی اپنے سابق باطل عقیدہ پر باقی رہے۔ اس وجہ سے لفظ نصاریٰ اور صابئی سے جو اسم ہے اور استمرار کو بتا رہا ہے تعبیر کئے گئے۔ مجمع البیان میں یہودیوں کو یہودی کہنے کی دوسری وجہیں بھی لکھی ہوئی ہیں جو صاحب دیکھنا چاہیں اوسمیں ملاحظہ کریں ۱۲ منہ

عہ چونکہ صابئون کا معنی صحیح السند حدیث میں "ایمان کا جھوٹا دعوی کرنے والے" لکھا ہوا ہے"۔ اس لئے میں نے اوس کو منافق سے تعبیر کیا ہے کیونکہ منافق وہی ہے جو ایمان کا جھوٹا دعویدار ہو ۱۲ منہ

پوری طرح اختیار کرو اور جو کچھ اوس میں ہے اوسے یاد رکھو تاکہ پرہیزگار بن جاؤ۔ پھر اس کے بعد تم (اپنے وعدہ سے) پھر گئے۔ پس اگر خدا کی مہربانی اور رحمت تم پر نہ ہوتی (اور توبہ کرنے کی مہلت نہ دیتا) تو تم (سب کے سب) گھاٹا اوٹھانے والوں سے ہو جاتے اور تم اون لوگوں کو بھی اچھی طرح جانتے ہو جو تمہاری قوم میں سے (سرکشی پر باقی رہے اور توبہ نہ کیا اور) سینچر کے دن حد سے گذر گئے (اور خدا کے حکم کے خلاف شکار کھیلنے چلے گئے) پس ہم نے اون سے کہا کہ (اے) راندۂ درگاہ بندر ہو جاؤ (اور وہ ہو گئے) پس ہم نے اس واقعہ کو اون (شوخ چشموں کے لئے) جو اوس وقت موجود تھے اور جو بعد کو ہونے والے تھے ڈرانے والا قرار دیا۔ اور ڈرنے والوں کیلئے نصیحت اور عبرت۔

(قرائت) صابئین یہ لفظ قرآن میں جہاں جہاں آیا ہے؟ نافع نے تمام؟ بغیر ہمزہ کے صابین اور صابون پڑھا ہے۔ اور باقی کل قاریوں نے صابئین اور صابئون اور یہی درست ہے [۱]

(صرف) ھَادُوْا؟ اصل میں ھَوَدُوْا تھا۔ "و" کے قبل زبر تھا اس لئے اوس کو الف سے بدل دیا ھَادُوْا ہو گیا مِیْثَاقْ؟ اصل میں مِوْثَاقْ تھا "و" کے قبل زیر تھا اسلئے اوس کو "ی" سے بدل دیا مِیْثَاقْ ہو گیا۔ خُذُوْا؟ اصل میں اُؤْخُذُوْا تھا۔ ثقل یعنی گرانی کی وجہ سے دوسرے ہمزہ کو گرا دیا۔ اور پہلا ہمزہ اس واسطے لائے تھے تاکہ شروع میں حرف ساکن (جزم والا) نہ رہے اب اوسکی ضرورت باقی نہ رہی اس لئے گرا دیا خُذُوْا ہو گیا۔ اٰتَیْنَا؟ اصل میں أَأْتَیْنَا تھا دوسرے ہمزہ کے پہلے زبر تھا اس لئے اوس کو الف سے بدل دیا اٰتَیْنَا ہو گیا اِعْتَدَوْا؟ اصل میں اِعْتَدَوُوْا تھا ضمہ (پیش) "و" پر گراں تھا اس لئے اوسکو گرا دیا

[عہ] یہاں پر لفظ نکال کا ترجمہ "عذاب" سے کرنا جیسا کہ فرمانی ترجمہ میں ہے درست نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ کو اوس وقت کے موجود اور بعد میں پیدا ہونے والے بے قصوروں کے لئے عذاب قرار دینا ایک تو اس وجہ سے غلط ہے کہ وہ مبتلا نہیں کئے گئے۔ دوسری اس وجہ سے غلط ہے کہ بے قصور پر عذاب کرنا عقلاً و شرعاً صحیح نہیں ہے۔ ہاں عذاب مراد لینا اوس صورت میں البتہ صحیح ہے جب کہ مَا بَیْنَ یَدَیْہِ سے گذشتہ گناہ اور مَا خَلْفَھَا سے اوس وقت کے گناہ مراد لئے جائیں۔ جیسا کہ بعض مفسروں نے کہا ہے اور لوگ مراد نہ لئے جائیں۔ جیسا کہ فرمانی ترجمہ میں ہے ۱۲

[۱] مجمع البیان جلد ۱ ص ۵۳۔ ۱۲ منہ

جزم والے دو حرف ایک جگہ جمع ہوئے ایک کو گرادیا اِعْتَدَا ہوگیا۔ مُتَّقِیْنَ ؟ اصل میں مُوْتَقِیْنَ تھا "و اور ت" ایک جگہ جمع ہوئے "و کو ت" سے بدل کر ت میں ملا دیا۔ متقین ہوگیا (نحو) مَنْ ؟ شرط کے معنی میں بتدا کی جگہ پر ہے اور خبر اوسکی اٰمَنَ ؟ اور جواب اوس کا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ ہے جو جملہ اِنَّ حرف مشبہ بفعل کی خبر ہے۔ اور اٰمَنَ کے بعد مِنْهُمْ پوشیدہ ہے جو اوس کا متعلق ہے اور اوس کا معنی یہ ہے کہ یہود و نصارے وغیرہ سے جو ایمان لائے گا اوس کو ثواب ملے گا۔ اور مَنْ ؟ اَلَّذِیْنَ کا بدل بھی ہو سکتا ہے۔ فَلَهُمْ خبر مقدم ہے۔ اور اَجْرُهُمْ مبتدا موخر۔ اَجْرُهُمْ ذوالحال ہے اور عِنْدَ بتقدیر ثابتاً اوس کا حال یعنی ثابتاً عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ وَرَفَعْنَا ؟ رَفَعْنَا کا مفعول مطلق ہے۔ خُذُوْا کے پہلے قَائِلِیْنَ پوشیدہ ہے جو رَفَعْنَا کی ضمیر کا حال ہے اور خُذُوْا جملہ اوس کا مقولہ ہے جسے مفعول بہ کہتے ہیں۔ بِقُوَّةٍ ؟ عَازِمِیْنَ کے متعلق ہے جو خُذُوْا کے فاعل کا حال اور پوشیدہ ہے۔ فَضْلُ اللهِ ؟ مبتدا ہے اور خبر اوسکی حَاضِرٌ ہے جو پوشیدہ ہے۔ اِعْتَدَوْا مِنْكُمْ ؟ میں مِنْكُمْ کا تعلق کَائِنِیْنَ سے ہے جو اِعْتَدَوْا کے فاعل کا حال ہے۔ فِی السَّبْتِ ؟ اِعْتَدَوْا کے متعلق ہے۔ خَاسِئِیْنَ ؟ کُوْنُوْا کے فاعل کا حال ہے اور قِرَدَةً کی صفت بھی ہو سکتا ہے۔

(ظاہری تفسیر) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (جو لوگ ایمان لائے) اس میں اختلاف کا ہے کہ ان مومنوں سے کون لوگ مقصود ہیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ لوگ مقصود ہیں جو حضرت عیسٰی پر ایمان لانے کے بعد نہ یہودی ہوئے اور نہ (حرف) نصرانیت پر باقی رہے اور نہ صابئی ہوئے بلکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ کے (نبی بن کر) ظاہر ہونیکے منتظر رہے اور بعض نے کہا ہے کہ دین کے طلب گار مقصود ہیں جن میں سے حبیب نجار اور قس بن ساعدہ۔ اور زید بن عمرو بن نفیل۔ اور ورقہ بن نوفل۔ اور براء۔ اور ابوذر غفاری اور سلمان فارسی اور بحیرا راہب۔ اور وفد نجاشی (یعنی نجاشی کے بھیجے ہوئے لوگ) ہیں جو حضرت پر مبعوث برسالت ہونے سے پہلے ایمان لائے تھے۔ پس بعض نے حضرت کا زمانہ پایا اور پیروی کی اور بعض نے بعثت (نبی ہونے) سے پہلے ہی انتقال کیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سابق امتوں کے مومن مقصود ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ امت محمدی کے مومن مقصود ہیں اور سُدّی نے کہا ہے کہ سلمان فارسی اور وہ نصارے مقصود ہیں جن کی

تعلیم سے مسلمان اپنا اگلا مذہب (مجوسیت) چھوڑ کر حضرت سرور عالمؐ کی بعثت سے پہلے نصرانی ہوئے تھے اور اونھوں نے ان کو حضرت کے نبی ہونے کی خبر دی تھی اور بیان کیا تھا کہ اگر حضرت کا زمانہ پائیں گے تو آپ پر ایمان لائیں گے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (انیں سے جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائے) اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں اٰمَنَ کے بعد جو مِنْهُمْ پوشیدہ ہے اوسکی ضمیر کسؔ کی طرف پھرتی ہے اور مَنْ اٰمَنَ اَلَّذِيْنَ هَادُوْا (تا آخر) کی خبر ہے؟ مقصود یہ ہے کہ ان میں سے جو ایمان لائے؟ کیونکہ مومن کا دوبارہ ایمان لانا بے معنی ہے عہ اور بعض نے کہا ہے کہ مِنْهُمْ کی ضمیر سب کی طرف پھرتی ہے پس مومنوں کے لئے اٰمَنَ کا معنی ایمان پر باقی رہنا ہوگا اور یہود و نصاریٰ اور صابئین کے لئے نئے حال پر حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ اور قرآن پر ایمان لانا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ خدا اور اگلی کتابوں پر ایمان لانے کے بعد حضرت سرور عالمؐ پر ایمان لانا مقصود ہے کیونکہ پہلا ایمان بغیر اس ایمان کے ادھورا ہے اور شاہد اس پر کلام پروردگار ہے۔ ارشاد فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ* اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (یعنی جو شخص ایمان لائے اور عمل نیک کرے اور ایمان لائے اوس پر جو محمدؐ پر نازل کی گئی ہے)

اور ابن عباس کی روایت ہے کہ یہ آیت (جس میں گفتگو در پیش ہے) منسوخ کر دی گئی ہے اور ناسخ اسکی آیت کریمہ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ہے (یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کی خواہش کرے تو وہ اوس سے مقبول نہ ہوگا۔ لیکن اس کا منسوخ ہونا (عقل اور شرع سے) دور ہے کیونکہ جو خبر وعدوں سے تعلق رکھتی ہو اوس کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہے صرف احکام شرعیہ ہی منسوخ ہوتے ہیں جو مصلحت کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہ حدیث ابن عباسؓ کی نہیں ہے (بلکہ جھوٹی ہے جس کی

عہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی حدیث جو آگے انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگی اسی کی تاکید کرتی ہے ۱۲ منہ عہ حضرات ناظرین اس بات کو ہمیشہ کے لئے یاد رکھیں کہ تفسیر مجمع البیان کے مصنف اگرچہ ہمارے مذہب شیعہ کے عالم تھے اور بہت جلیل القدر بزرگ تھے لیکن اپنی وقتی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر اونھوں نے اس میں زیادہ تر علماء اہلسنت کے اقوال نقل کئے ہیں اور اقوال حضرات ائمہ اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بہت کم نقل کیا ہے۔ اس لئے اس تفسیر کے مضامین کو اہلسنت کی تفسیر سمجھنی چاہیے اور معتبر تفسیر

نسبت اونکی طرف دے دیگئی ہے) اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس آیۃ کا حکم ثابت ہے (منسوخ نہیں ہوئی ہے) اور اس سے مقصود یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور صابئین جو صرف زبان سے ایمان لائے ہیں اور دل سے ایمان نہیں لائے ہیں۔ جب وہ نفاق کے بعد ایمان لائیں اور عناد (عداوت) کے بعد فرمانبردار ہو جائیں تو اون کے لئے بھی ویسا ہی اجر و ثواب ہے جیسا اون لوگوں کے لئے ہے جو پہلی ہی دعوت پر بغیر عناد اور نفاق کے ایمان لائے۔ کیونکہ مسلمانوں میں سے ایک گروہ نے کہا تھا کہ جو لوگ نفاق اور عداوت کے بعد ایمان لائیں گے اون کو ثواب کم ملے گا؟ خداوند عالم نے اونھیں کا جواب دیا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ثواب سب کو برابر دیا جائیگا۔ اٰمَنَ بِاللّٰہِ سے اوسکی وحدانیت اور صفات (کمال) اور عدالت پر ایمان لانا مقصود ہے۔ اور اَلْیَوْمِ الْاٰخِرِ سے قیامت برپا ہونے اور قبروں سے اوٹھنے اور محشر میں اکٹھا ہونے اور بہشت اور دوزخ کے موجود ہونے پر ایمان لانا۔ اور عَمِلَ صَالِحًا سے وہ عبادتیں مقصود ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے اور گناہ چھوڑنے کو اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ ان کا چھوڑنا بھی عمل خیر ہی ہے۔ اور اَجْرُ سے ثواب مقصود ہے۔ اور عِنْدَ رَبِّھِمْ سے خدا کے خزانہ میں موجود ہونا اور لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ کی ایک تفسیر؟ انوار القرآن جلد اول صا۲۱۷ میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ کریں۔ اور ایک تفسیر یہ ہے کہ جو بداعمالیاں کر چکے ہیں اونکی وجہ سے اون پر خوف؟ اور جو اچھے اعمال چھوڑ گئے ہیں اون کا اونھیں رنج نہ ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عقبے میں اونھیں خوف؟ اور دنیا پر اونھیں رنج نہ ہوگا۔ اس کے بعد بنو اسرائیل سے ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ اور اوس وقت کو بھی یاد کرو جب کہ میں نے تم سے عہد و پیمان لیا تھا کہ میری وحدانیت اور عدالت کا اعتقاد کرو گے اور میں نے روشن دلیلیں قائم کر دیں جو اون کو اور انبیاء کی سچائی کو بتاتی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ[۱] توریت کو موسےٰ سے لینے کا عہد لیا گیا تھا وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ابن زید کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اوس وقت ہوا جب حضرت موسےٰؑ کوہ طور سے تختیاں لے کر پلٹے اور اون سے کہا کہ تختیاں لایا ہوں جن میں توریت اور حلال و حرام چیزیں لکھی ہوئی ہیں ان پر عمل کرو۔ تو اونھوں نے جواب دیا کہ آپ کی باتیں کون مانے گا (یعنی ہم لوگ نہ مانیں گے) پس

[۱] اس سے دو معنی مقصود ہے جو اوپر بیان کیا گیا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ (بنو اسرائیل پر پہاڑ بلند کیا گیا)

(بقیہ حاشیہ صا۱۹۹) جسکو میں احادیث اہلبیت عصمت و طہارت سے نقل کیا کرتا ہوں ۱۲ منہ

پس خداوند عالم نے فرشتوں کو بھیجا اونھوں نے پہاڑ کا ٹکڑا اونکے سروں پر بلند کیا پس حضرت موسےؑ نے فرمایا کہ جو کچھ کہتا ہوں اوسے مانو ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائیگا پس اونھوں نے توریت لے لیا اور پیشانی کی ایک کروٹ سے سجدہ میں جھک گئے اور اوپر والی آنکھ سے پہاڑ کو دیکھنے لگے۔ اسی وجہ سے یہودی اب بھی ایک ہی کروٹ سے سجدہ کرتے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ میثاق سے حضرت موسیٰؑ کی یہی فرمائش مقصود ہے۔ جو اونھوں نے بنو اسرائیل سے کہی تھی کیونکہ پہاڑ اوٹھانے ہی کی حالت میں اون سے کہا گیا تھا کہ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ یعنی توریت جو میں نے تمہیں دی ہے اوسے پوری طرح یقین کے ساتھ بغیر شک اور دغدغہ کے اختیار کرو۔ اور یہ کلام ابن عباس اور قتادہ اور سدی کا ہے اور ہمارے علماء میں سے عیاشی علیہ الرحمہ نے اس آیت کی تفسیر میں جو حدیث نقل کی ہے اوس کا معنی بھی قریب قریب یہی ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے اسکی تفسیر پوچھی گئی کہ قوت سے قوت بدن مقصود ہے یا قوت دل؟ تو فرمایا دونوں اور بعض نے کہا ہے کہ سچے دل سے عمل کرنا مقصود ہے اور ابو علی اور اصم نے قوۃ کا معنی قدرت اور اختیار لیا ہے اور اُذْکُرُوْا مَا فِیْہِ میں فیہ کی ضمیر اوس ما کی طرف پھرتی ہے جو مَآ اٰتَیْنَا میں ہے اور مقصود یہ ہے کہ توریت میں جو احکام ہیں اونکو یاد کرو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ توریت کے حلال وحرام پر عمل نہ کرنے میں جو عذاب ہے اوس کو یاد کرنے کا حکم ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث کا مضمون بھی یہی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اون احکام پر عمل کرنا اور اون کو نہ چھوڑنا مقصود ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ توریت میں میں نے ثواب اور عذاب کے جو وعدے کیے ہیں اور (اپنی فرمانبرداری پر) رغبت دلائی اور (مخالفت سے) ڈرایا ہے اوس کو قبول اور اوس میں غور اور فکر کرو۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اگر تم ایسا کروگے اور میرے عذاب سے ڈروگے اور میری فرمانبرداری کروگے اور جن گناہوں میں پھنسے ہوئے ہو اونکو چھوڑ دوگے تو پرہیزگار بن جاؤگے ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ پس جو عہد و پیمان میں نے تم سے لیا تھا اور تم نے وعدہ کیا تھا اوسے تم نے پس پشت ڈال دیا اور اوس سے منہ موڑ لیا فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ پس اس عہد و پیمان کے توڑنے کے بعد (بھی خدا نے توریت دیکر تم پر فضل وکرم اور مہربانی کی) اگر وہ فضل وکرم نہ کرتا اور توریت نہ دیتا اور نعمت اسلام عطا نہ کرتا وَرَحْمَتُہٗ اور اوسکی فرمانبرداری سے منہ موڑنے کے بعد تمہارے گناہوں کو بخش کر تم پر مہربانی نہ کرتا۔ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ تو تم گھاٹا اوٹھانے والوں سے ہو جاتے ابو العالیہ کہتے ہیں کہ فضل خدا؟ ایمان ہے۔ اور رحمت خدا

قرآن - پس اس جملہ کا معنی یہ ہوگا کہ (اے بنو اسرائیل) اگر میں ایمان لانے پر تمہیں قدرت نہ دیتا اور
اوس سے روکنے والی چیز کو دفع نہ کرتا تو تم گھاٹا اوٹھاتے - اور ایمان اور توبہ کو جسکی وجہ سے ان کو (گھاٹے
سے) نجات ہوئی اپنا فضل اس وجہ سے قرار دیا ہے کہ اوسی نے انھیں اسکی طرف بلایا اور اس پر
قدرت دی اور رغبت دلائی - اور یہ احتمال ہے کہ یہ معنی ہو کہ اگر میں اپنے فضل (مہربانی) سے تمہاری
سرکشی کے بعد تمہیں (توبہ کرنے کی) مہلت نہ دیتا اور اوسے قبول نہ کرتا تو تم گھاٹا اوٹھاتے - اور یہ
بھی احتمال ہے کہ معنی اس کا یہ ہو کہ تمہارے سروں پر پہاڑ بلند کرنا میری مہربانی تھی کیونکہ اوسی کے خوف
سے تم نے توبہ کیا اور ایمان لائے اگر ایسا نہ کرتا تو تم گھاٹا اوٹھاتے وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا
مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ اور تم اونکو جانتے ہو جو تم میں سے حد سے گذر گئے اور سنیچر کے دن شکار کرنے سے جو
میں نے منع کیا تھا اوس کو نہ مانے واقعہ یوں ہے کہ مچھلیاں سنیچر کے دن پناہ لینے کے لئے (کنارے)
آتی تھیں - پس یہ لوگ اونکو گھیر لیتے اور اتوار کے دن پکڑتے تھے اور یہی انکا ظلم اور حد سے گذرنا تھا کیونکہ
گھیر لینا ہی شکار کرنا ہے - اور حسن بصری کہتے ہیں کہ سنیچر ہی کے دن پکڑ لیتے تھے اور باوجود منع کرنے
کے اس کو جائز جانتے تھے (اور ناجائز چیز کو جائز جاننا کفر ہے اس واسطے عذاب کے مستحق ہوگئے)
فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ (پس ہم نے اون سے کہا کہ بندر بن جاؤ تم بھلائی سے دور
ہو اور مردود بارگاہ) اس آیت میں حکم دینے کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہم نے اونھیں
بندر بنا دیا ابن عباس کہتے ہیں کہ اون کو بندروں کی صورت میں مسخ کرنا اون پر عذاب تھا پس وہ
(بندروں کی طرح) چیخا کئے اور تین دن زندہ رہے نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ اس تین دن میں انکے
بچہ پیدا ہوا اس کے بعد خدا نے اونھیں مار ڈالا ؟ ایک ہوا اوٹھی اوس نے اونھیں پانی میں ڈال کر
ڈبو دیا - اور جس امت کو خدا نے مسخ کیا اوسے مار ڈالا ؟ یہ بندر اور سور جو موجود ہیں ؟ حضرت آدم
کی نسل سے نہیں ہیں ؟ بلکہ بنو اسرائیل انکی صورت پر مسخ کئے گئے تھے ؟ اور اس پر کل مسلمانوں کا

بنو اسرائیل کا شکار کرنا اور ان کا بندر بننا

ف مسخ اور نسخ میں فرق یہ ہے کہ جو روح جس بدن میں تھی اگر اوسی میں رہے اور اوس بدن کی صورت
بدل دی جائے تو اس کو مسخ کہتے ہیں - اور اگر روح اپنا پہلا جسم چھوڑ کر دوسرے جسم میں داخل ہو
جیسا کہ تناسخ والے عقیدہ رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد روح دوسرے جسم میں داخل ہو کر دوبارہ دنیا میں
آتی ہے تو اسے نسخ کہتے ہیں اس لئے بنو اسرائیل کے بندر ہونے کو مسئلہ تناسخ سے کوئی
تعلق نہیں ہے ۱۲ منہ

اتفاق ہے بندروں اور سوروں میں سے کوئی بھی اولاد آدم سے نہیں ہے۔ مسخ شدہ لوگوں کے اگر اولاد ہوتی تو آدمؑ کی اولاد سے ہوتی (حالانکہ مسخ ہونے کے بعد اون سے اولاد نہیں ہوئی) اور مجاہد کی دو طرح کی باتیں نقل کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ واقع میں مسخ نہیں کئے گئے بلکہ مثال کے طور پر یہاں بندر کہے گئے جس طرح مثال کے طور پر سورہ جمعہ میں حمار (گدھے) کہے گئے۔ اور دوسرا کلام یہ ہے کہ صرف اون کے دل مسخ کردیئے گئے کہ وہ نہ تو وعظ قبول کرتے تھے اور نہ ملامت سے ڈرتے تھے لیکن یہ دونوں کلام آیت کے ظاہری معنی کے خلاف ہے۔ اور اکثر مفسروں نے ظاہری ہی معنی کو اختیار کیا ہے اس لئے یہ دونوں کلام بے ضرورت قبول نہیں کیا جاسکتا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ علاوہ اس کے دوسرے کلام سے خدا پر جبر لازم آتا ہے کہ اوس نے ان کے دلوں کو بے حس کرکے وعظ اور ملامت قبول کرنے سے باز رکھا اور محروم کردیا اور جبر دینا خدا کی مقدس ہستی کے لئے عیب اور ناجائز ہے۔

خَاسِئِيْنَ کا معنی "بھلائی سے دور" ہے۔ اور مجاہد نے اس کا معنی ذلیل اور مردود یعنی رانده بارگاہ لیا ہے۔ تنبیہ:۔ ان آیتوں میں چند چیزیں مقصود ہیں ۱ ان کے بزرگوں کو لگاتار نعمتیں دے کر اپنی حجتیں تمام کرنی ۲ ان کے بزرگوں کا خدا کی روشن آیتوں اور کھلے معجزوں کو دیکھنے کے بعد بھی انبیاء سے عداوت رکھنا اور بار بار کفر اور سرکشی کرنا تاکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ کو تسلی ہو جائے اور اپنے زمانہ کے یہودیوں کی مخالفتوں اور مکاریوں سے دل تنگ اور اونکے انکار نبوت اور کفر اور عداوت سے غمگین نہ ہوں ۳ اون کے بزرگوں کی خبروں سے آگاہ ہو کر اون کو ان خبروں سے حضرت آگاہ کریں اور اونکے کفر و الحاد اور نفس پرستی پر اون پر حجت تمام کریں اور اوس عذاب سے ڈرائیں جو اون کے بزرگوں پر نازل کیا گیا فَجَعَلْنٰهَا پس میں نے اوس کو قرار دیا؟ اسکی ضمیر "ھا" کے متعلق بعض نے کہا ہے کہ اوس امت کی طرف پھرتی ہے جو مسخ کی گئی اور وہ قریہ اُبُلّہ کے لوگ تھے جو دریا کے کنارے آباد تھے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث میں بھی یہی ہے۔ اور زجاج نے کہا ہے کہ مسخہ یعنی عذاب مسخ کی طرف پھرتی ہے اور ابن عباس نے لفظ عقوبت (عذاب) کی طرف پھیرا ہے۔ اور بعض نے اوس قریہ کی طرف جس کے لوگوں نے سرکشی کی تھی۔ نَكَالًا اس کا معنی بعض نے عذاب کہا ہے اور بعض (بدنامی کی) شہرت اور فضیحتی اور بعض نے عبرت اور نصیحت کی چیز لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا ابن عباس کہتے ہیں کہ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا سے اوس وقت کے موجود لوگ مقصود ہیں اور مَا خَلْفَهَا سے بعد میں پیدا ہونے والے۔ اور حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام

سوفات کی نسل ونانت عمر لمن کی ہے

سے بھی یہی منقول ہوا ہے۔ دونوں بزرگوں نے ارشاد فرمایا کہ مَا بَیْنَ یَدَیْھَا سے وہ لوگ مقصود ہیں جو اونہیں دیکھ رہے تھے اور مَا خَلْفَھَا سے ہم لوگ اور یہ واقعہ ہم لوگوں کے لئے نصیحت ہے پس اسی بنا پر مَا جو زیادہ تر غیر عاقل پر بولا جاتا ہے) مَنْ کے معنی میں ہوگا (جو ذوی العقول یعنی عقل والوں جیسے انسان وغیرہ پر بولا جاتا ہے) اور آیت کا معنی یہ ہوگا کہ میں نے اس عذاب کو اون لوگوں کے لیے بھی عبرت اور نصیحت کی چیز قرار دی جو اوس وقت موجود تھے۔ اور اون لوگوں کے لئے بھی جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور دوسرا معنی ابن عباس کی دوسری حدیث میں یہ ہے کہ میں نے اس مسخ کو اون گناہوں کے بدلے میں بھی عذاب قرار دیا۔ جو اونھوں نے شکار سے پہلے کئے تھے۔ اور اونکے بدلے میں بھی جن کو بعد کیا۔ اور یہ حدیث اس امر کو بتاتی ہے کہ شکار کے بعد عذاب کرنے میں خدا نے جلدی نہیں کی۔ اور اس معنی کی بنا پر لِمَا کا لام سبب کے معنی میں ہوگا۔ اور تیسرا معنی عکرمہ نے یہ بیان کیا ہے کہ مَا بین ید یہا سے عذاب شدہ دیہات کے آگے کی بستیاں مقصود ہیں۔ اور مَا خَلْفَھَا سے اونکے پیچھے کی۔ اور چوتھا معنی مجاہد نے بیان کیا ہے کہ مَا بَیْنَ یَدَیْھَا سے اگلے گناہ مقصود ہیں اور ما خلفہا سے وہ جنکی وجہ سے (بلکہ جن کے بعد) وہ ہلاک کئے گئے۔ وَمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی چونکہ پرہیزگار اور خدا ترس ہی لوگ اس واقعہ سے نصیحت قبول کرینگے۔ اس لئے گویا یہ اونھیں کے لیے موعظہ اور نصیحت ہے۔

تنبیہ:- اس آیت میں اس امر کیطرف اشارہ ہے کہ جو شخص ویسا کریگا جیسا بنو اسرائیل نے کیا تو وہ بھی اوسیطرح عذاب میں مبتلا کیا جائیگا جس طرح وہ مبتلا کئے گئے پس تم لوگ ایسے افعال سے پرہیز رکھو[1]

حدیثیں

(بطریق شیعہ) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ تک متعلق صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ خدا (کی وحدانیت) پر اور علی ابن ابی طالب اور اونکی اولاد پاک کی امامت پر جسکو خدا نے اون پر واجب کیا ہے ایمان لاچکے ہیں؟ اور یہودی اور نصرانی جو اپنے کو دین خدا

---

[1] مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۵۴ و ۵۵ - ۱۲ منہ

پرستش سمجھتے ہیں اور صابئین جو خیال کرتے ہیں کہ دین خدا اختیار کر چکے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں (ان آخری تین فرقے والوں میں سے) جو لوگ ایمان لائیں گے اور کفر کو اپنے دلوں سے نکال دیں گے اور یہ کل اہل ایمان آئندہ اپنے ایمان پر باقی رہیں گے۔ اور خدا نے جو محمدؐ اور علیؑ اور اونکے خلفاء (ائمہ) طاہرین کے بارے میں ان لوگوں سے عہد و پیمان لیا ہے اوس کو پورا کرینگے۔ اور عمل نیک کریں گے تو اون کے لئے اون کے پروردگار کے پاس آخرت میں ثواب رکھا ہوا ہے۔ اور قیامت میں جب فاسق ڈریں گے اوس وقت ان کے لئے کسی طرح کا خوف نہ ہوگا۔ اور جب مخالفین غمگین ہوں گے ان کو کسی قسم کا غم نہ ہوگا۔ کیونکہ انھوں نے خدا کی کوئی ایسی مخالفت نہیں کی جو خوف اور غم کا سبب ہوتی ہے (دیکھو) ایک مرتبہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ خدا کے خوف سے (بہت) ڈر گیا (اور اوس کی رحمت و انصاف سے مایوس ہوگیا) ہے تو آپ نے پوچھا تیرا کیا حال ہے۔ عرض کیا میں خدا سے ڈر رہا ہوں؟ ارشاد فرمایا کہ اے بندہ خدا اپنے گناہوں اور اون ظلموں سے جو بندوں پر کیئے ہیں خدا کے انصاف سے ڈر؟ اور جن چیزوں کا اوس نے تجھے حکم دیا ہے اونمیں اوسکی فرمانبرداری کر اور جو چیزیں تیرے لئے مفید ہیں اون میں اوسکی مخالفت نہ کر؟ اس کے بعد اوس سے (کسی دوسرے امر میں) نڈر؟ کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اوس کے استحقاق سے زیادہ اوس پر عذاب نہیں کرتا ہاں اگر تجھے اس کا ڈر ہو کہ آئندہ تیری حالت اور اعتقادات بدل نہ جائیں جو انجام کی برائی کا سبب ہوں اور تو انجام کی برائی سے پناہ چاہتا ہو۔ تو بس اتنا سمجھ لے کہ تو جو اچھا کام کرتا ہے وہ خدا کی مہربانی اور توفیق دینے سے ہے اور جو برا کام کرتا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ خدا نے تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیا ہے (اور مہربانی کی نظر تیری طرف سے پھیر لی ہے۔ اور یہ بات دینی باتوں میں جرأت اور بے پروائی سے ہوتی ہے۔ اس واسطے اس سے کنارہ اور دینی حکموں کو معمولی چیز نہ سمجھ) ۲ بسند موثق حسن بن علی بن فضال بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ نصارے کو نصارے کیوں کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا اس وجہ سے کہ وہ شام کے ایک شہر میں رہتے تھے جس کا نام ناصرہ تھا؟ جہاں جناب مریم اور حضرت عیسےٰؑ مصر سے پلٹ کر رہ گئے تھے ۳ علی بن ابراہیم علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے) ارشاد فرمایا کہ صابئی؟ نہ تو مجوسی ہیں نہ یہودی نہ نصرانی نہ مسلمان بلکہ وہ ستارہ پرست ہیں۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ سے لِلْمُتَّقِيْنَ تک۔

۱؎ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ (تم پر طور کو بلند کیا) بسند صحیح عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جس پہاڑ پر درخت و گھاس وغیرہ نہ ہو اوس کو صرف طور کہتے ہیں اور جس پر ہو اوس کو طور سیناء کہتے ہیں۔ اور جس پر حضرت موسیٰؑ گئے تھے وہ طور سیناء تھا کیونکہ اوس پر زیتون کے درخت تھے۔

۲؎ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ (جو کچھ ہیں نے تمہیں دیا ہے اوسے مضبوطی سے اختیار کرو) بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے اس کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ بدن اور دل دونوں کی قوت (یعنی پوری پابندی اور کامل اعتقاد) سے اختیار کرو۔

۳؎ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ (جو اوس میں ہے اوسے یاد کرو) بسند معتبر عبداللہ حلبی بیان کرتے ہیں کہ (توریت کے) احکام کے چھوڑنے میں جو عذاب ہے اوسے یاد کرو۔

۴؎ كُونُوا قِرَدَةً (بندر بن جاؤ) بسند معتبر عبدالصمد بن مدار بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے جب سنیچر کے دن حکم خدا کی مخالفت کی تو خدا نے اونھیں بندر بنا دیا ۵؎ بسند مرسل ضعیف محمد بن سالم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے سنیچر کے دن کو یہودیوں کے لئے محترم قرار دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو شخص خدا کے خوف سے اس دن کی عزت کرے گا اوس کو خدا داخل بہشت کرے گا اور جو شخص اس کی توہین کرے گا اور (اس میں) جو چیز حرام کی گئی ہے اوس کو حلال سمجھے گا اوسے جہنم میں داخل کرے گا۔ اور یہودی مستحق عذاب اس وجہ سے ہوئے کہ اونھوں نے اس دن مچھلیوں کو پھنسایا اور کھایا پس خدا اون پر غضب ناک ہوا اور بندر بنا دیا بغیر اس کے کہ اونھوں نے خدا کے ساتھ کفر کیا ہو یا حضرت موسیٰؑ کے لائے ہوئے دین میں شک کیا ہو (یعنی صرف ایک حکم کے نہ ماننے سے مرتد ہو گئے تھے) ۶؎ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا تا آخر۔ عیاشی علیہ الرحمہ زرارہ سے وہ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا سے وہ لوگ مقصود ہیں جو دوسرے شہروں میں اوس وقت موجود تھے اور ان گناہگاروں پر عذاب ہوتے دیکھا تھا اور مَا خَلْفَهَا سے ہم لوگ (یعنی اونکے بعد والے) مقصود ہیں اور ہم لوگوں کے لئے اس واقعہ میں نصیحت ہے لہ

(بطریق اہلسنت) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا سے يَحْزَنُونَ تک ۱؎ مجاھد کہتے ہیں کہ الَّذِينَ آمَنُوا سے وہ عیسائی مقصود ہیں جن کی وجہ

لہ تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۶۶ و ۶۷ کل نمبر ۱۲ ۱۲ منہ

حضرت سلمان فارسی نے اپنا اگلا دین چھوڑ کر دین عیسوی اختیار کیا تھا۔ حضرت سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے سلمان سے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہماری نبوت کی خبر سننے سے پہلے دین عیسوی پر مرے اوس کے لئے خیر و بھلائی ہے۔ اور جس نے میری نبوت کی خبر سُنی اور مجھ پہ ایمان نہ لایا وہ جہنم میں جلائے گا۔ ۲؎ ابن مسعود کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت موسٰے نے کہا تھا اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ (پروردگار اہم لوگوں نے تیری طرف راہ پائی) اس وجہ سے لفظ هُدْنَا سے یہود نکال کر یہودیوں نے اپنا نام رکھ لیا۔ ۳؎ اور چونکہ حضرت عیسٰے نے اپنے اصحاب سے کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ (خدا کے مددگار بن جاؤ) فرمایا تھا اس لئے وہ نصارے کہے گئے ۴؎ اور ابن عباس کہتے ہیں کہ جس قریہ میں حضرت عیسٰے رہتے تھے اوس کا نام ناصرہ تھا اس وجہ سے وہاں کے لوگ نصارے کہلانے لگے ۵؎ اور مجاہد کہتے ہیں کہ صابئی نہ تو یہودی ہیں نہ نصرانی بلکہ مشرکوں میں سے ایک گروہ ہیں جو آسمانی کتاب نہیں رکھتے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ سے اَلْخَاسِرِيْنَ تک ۱؎ قتادہ کہتے ہیں کہ طور وہ پہاڑ ہے جسکے نیچے بنو اسرائیل تھے۔ پس وہ ان کے سروں پر بلند کیا گیا اور اون سے کہا گیا کہ میرا حکم مانو ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا۔ ۲؎ ابن عباس کہتے ہیں کہ مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ میں قوت سے کوشش اور اعتقاد مقصود ہے ۳؎ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اُذْكُرُوْا مَا فِيْهِ سے مقصود یہ ہے کہ جو کچھ توریت میں ہے اوس کو پڑھو اور اوس پر عمل کرو ۴؎ ابن عباس کہتے ہیں کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ سے مقصود یہ ہے کہ تاکہ تم لوگ اپنے فاسد عقیدہ سے نکل جاؤ؟ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ ۱؎ ابن عباس کہتے ہیں کہ عَلِمْتُمْ ؟ عَرَفْتُمْ کے معنی میں ہے یعنی سرکشی کرنے والوں کو پہچانتے ہو؟ اور یہ فرمائش اونکو گناہوں سے ڈرانے کے لئے ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس سے ڈرو کہ جو عذاب سنیچر کے دن گناہ کرنے والوں پر نازل کیا گیا تم پر بھی نازل کیا جائے۔ اون لوگوں نے جرأت کی اور سنیچر کے دن شکار کیا پس میں نے اون کے اس گناہ کی وجہ سے اونھیں بندروں کی صورت میں بنا دیا اور جو لوگ مسخ کئے گئے اون میں سے کوئی بھی تین دن سے زیادہ زندہ نہ رہا اور ان تین دنوں کے اندر اونھوں نے نہ کھایا نہ پیا نہ بچے جنے۔ اور ابن عباس کی دوسری حدیث میں ہے کہ بندر اور سور جو اس وقت موجود ہیں اونھیں کی نسل سے ہیں جو مسخ کئے گئے تھے اور حسن بصری کہتے ہیں کہ نسل اونکی ختم ہو گئی۔ لیکن حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی صحیح السند حدیث میں بھی یہی ہے کہ اون سے بچہ پیدا نہیں ہوا۔ اور بندر وغیرہ جو آج موجود ہیں

اونکی نسلوں سے نہیں ہیں اس لئے ابن عباس کی پہلی ہی حدیث درست ہے)

۲ اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ اون کا بدن مسخ نہیں ہوا بلکہ دل مسخ ہوا اور وہ بندر نہیں بنائے گئے بلکہ یہ مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس طرح مَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا میں لفظ حمار (گدہا) مثال کے طور پر لایا گیا ہے ۳ قتادہ کہتے ہیں کہ مچھلیاں اونکے لئے حلال تھیں لیکن صرف سنیچر کے دن اون کا کھانا اس لئے حرام کیا گیا تھا تاکہ فرمانبردار اور سرکش پہچان لئے جائیں پس وہ تین گروہ ہو گئے ایک گروہ نے اس وجہ سے چھوڑا کہ اس دن کھانا گناہ ہے اور دوسرے گروہ نے اس وجہ سے چھوڑا کہ خدا کا حکم واجب التعظیم ہے اور تیسرے گروہ نے سرکشی کی اور برابر خدا کی مخالفت کرتے رہے پس خدا نے اونھیں بندروں کی صورت پر مسخ کردیا اور مرد اور عورت (انسان) ہونے کے بعد دُم دار بندر ہو گئے اور بندروں کی طرح چیختے پھرتے تھے ۴ ابن عباس کہتے ہیں کہ خاسئین کا معنی ذلیل ہے ۵ ابن عباس کہتے ہیں کہ نکال کا معنی عذاب ہے اور مَا بَيْنَ يَدَيْهَا اور مَا خَلْفَهَا سے اگلے اور پچھلے گناہ مقصود ہیں اور انکی دوسری روایت میں موجود اور پیدا ہونے والے لوگ مقصود ہیں ۶ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ مُتَّقِيْنَ سے امت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ مقصود ہے۔ اور ابن عباس کہتے ہیں کہ متقین سے مسخ ہونے والوں کے بعد کے لوگ مقصود ہیں جو پیدا ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے[1]

(باطنی تفسیر) وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ کا بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ (اے بنو اسرائیل) اوس وقت کو بھی یاد کرلو جب کہ میں نے تم سے عہد و پیمان (وعدہ) لیا تھا کہ تم توریت اور فرقان پر جسے میں نے موسےٰ کو دیا تھا اور اوس کتاب پر عمل کروگے جو خاص محمدؐ اور علیؑ اور باقی ائمہ طاہرینؑ کے ذکر میں ہے کیونکہ سردار خلق اور (دین) حق کو برقرار رکھنے والے یہی لوگ ہیں۔ اور تم سے وعدہ لیا تھا کہ محمدؐ اور آل محمدؐ (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کی نبوت اور امامت کا تم خود بھی اقرار کروگے۔ اور اپنی آنے والی نسلوں تک بھی اس

---

[1] تفسیر در منثور علامہ سیوطی جلد ۱ صفحہ ۷۵ و ۷۶ ۔ ۱۲ منہ

بات کو پہونچاؤگے اور اون سے کہدوگے کہ ہر طبقہ والے اپنی اولاد کو ہدایت کرتے رہیں کہ وہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ) پر ایمان لائیں اور علیؑ ولی اللہ کے بارے میں وہ خدا کا جو حکم اون سے بیان کریں اوسکو مانیں۔ اور علی (علیہ السلام) کے بعد کے خلفار کے بارے میں جو کچھ خبر دیں اوسکو قبول کریں (کیونکہ) وہ خدا کے حکموں کو برقرار رکھنے والے ہیں۔ لیکن تم لوگوں نے اس سے انکار کیا اور اس کو بڑی بات سمجھی وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ (پس) میں نے جبرئیل کو حکم دیا پس اونھوں نے فلسطین کے پہاڑ سے ایسا ٹکڑا کاٹا جو تمہارے بزرگوں کو ڈھانک سکتا تھا جس کی لمبائی اور چوڑائی تین تین میل تھی اور اونکے سروں پر بلند کیا۔ اور (حضرت) موسٰےؑ نے اون سے کہا کہ جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے اوسے اختیار کرو؟ ورنہ یہ پہاڑ تمہارے سروں پر گرا دیا جائیگا پس (جو سرکش تھے اونھوں نے) جبراً قہراً قبول کیا لیکن فرمانبرداروں نے خوشی سے قبول کیا اور سجدہ کیا اور اپنی پیشانیوں کو خاک پر ملا۔ اور (سرکشوں نے) جن کی تعداد زیادہ تھی زمین پر پیشانی نہیں رکھی بلکہ رخسارہ رکھا کیونکہ دل سے خدا کا سجدہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ چاہتے تھے کہ (ایک آنکھ سے) دیکھتے رہیں کہ پہاڑ اون پر گرتا ہے یا نہیں۔ اور فرمانبرداروں نے خوشی سے سجدہ کیا پس حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ شیعوں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا کا شکریہ ادا کرو کہ اوس نے سجدہ میں زمین پر پیشانی رکھنے کی تمہیں توفیق دی جس طرح بنواسرائیل کے اچھوں نے رکھی تھی؟ نہ اوس طرح جس طرح اونکے کافروں نے (رخسارہ) رکھا تھا۔

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ اس امر بزرگ یعنی محمدؐ اور علیؑ اور اونکی آل پاک کے متعلق حکموں کو سختی سے اختیار کرو اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے اونکو چھوڑو وَاذْکُرُوْا مَا فِیْهِ اور اونکو اختیار کرنے پر جو کچھ ثواب میں نے معین کیا ہے اور چھوڑنے اور انکار کرنے پر جس عذاب کا وعدہ کیا ہے اوسے یاد کرو۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم ایسی مخالفت سے بچو جو عذاب کا سبب ہے اور ثواب کے حقدار بن جاؤ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ ان ہدایتوں کے بعد بھی تمہارے بزرگ میرے حکموں پر عمل کرنے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے سے پلٹ گئے فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ پس اگر خدا کی رحمت اور مہربانی اونکے شامل حال نہ ہوتی یعنی اگر توبہ کرکے گناہ بخشوانے کی اونھیں مہلت نہ دیتا تو وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ گھاٹے میں پڑ جاتے کیونکہ کفر کی وجہ سے آخرت اونکے ہاتھوں سے نکل ہی چکی تھی اگر میں اونکو ہلاک کرنے میں جلدی کرتا تو دنیا کی نعمتوں سے

بھی محروم رہ جاتے اور دلوں میں حسرت لے کر جاتے پس مہلت دینے کے بعد سعادتمند ایمان لائے اور ان سے مومن پیدا ہوئے جنھوں نے دنیا میں اچھی زندگی بسر کی اور خدا کی فرمانبرداری کی وجہ سے بلند درجے حاصل کئے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ سچے دل سے محمدؐ و آل محمدؐ علیہم الصلوٰۃ والسلام کا واسطہ دیکر خدا سے دعا کرتے کہ گناہوں اور لغزشوں سے انھیں بچائے تاکہ ان روشن معجزوں کو دیکھنے کے بعد وہ دشمنی کی روش اختیار نہ کریں تو خداوند عالم اپنے فضل و کرم سے ضرور قبول کرتا لیکن نفسانی خواہشوں اور دنیاوی لذتوں کی محبتوں میں اندھے ہو رہے تھے اس لئے اس میں کوتاہی کی وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ اور بے شک تم ان لوگوں کو بھی جانتے ہو جو سنیچر کے دن حد سے گذر گئے (یعنی حکم خدا کی پروا نہ کی اور) مچھلیوں کا شکار کیا۔ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ پس میں نے انھیں بندر بنا دیا اور ہر بھلائی سے دور پڑ گئے فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا پس میں نے اس مسخ (بندر بنانے) اور لعنت (ہر بھلائی سے دور کر دینے) کو گناہگاروں کے لئے عذاب اور ان لوگوں کے لئے جنھوں نے انھیں مسخ ہوتے دیکھا تھا بُرے ارادوں سے روکنے والا قرار دیا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت و عبرت قرار دی تاکہ وہ خود بھی ناجائز فعلوں سے بچتے رہیں اور دوسروں کو بھی وعظ و نصیحت کرتے اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے رہیں۔ **شکار کا قصہ** ۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ بنو اسرائیل دریا کے کنارے آباد تھے اور خداوند عالم نے ان کو اور انبیاءِ بنی اسرائیل علیہم السلام کو سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کر دیا تھا۔ پس بنو اسرائیل نے اس دن شکار جائز کرنے کے لئے یہ حیلہ نکالا کہ کناروں پر ایسے گڑھے کھودے جن میں مچھلیاں گر کر نکل نہ سکتی تھیں پس سنیچر کو مچھلیاں ان میں گرتی تھیں اور اتوار کو یہ لوگ ان کو پکڑتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم لوگوں نے سنیچر کو شکار نہیں کیا بلکہ اتوار کو کیا۔ حالانکہ وہ دشمنانِ خدا جھوٹ بولے کیونکہ مچھلیوں کو گڑھوں میں گھیر لینا ہی شکار ہے جو سنیچر کو واقع ہوتا تھا۔ اپنے اسی دستور پر وہ باقی رہے یہاں تک کہ بہت مالدار بن گئے اور دولت مندی کی وجہ سے مال و متاع اور عورتوں سے خوب لذتیں اٹھانے لگے اور یہ تعداد میں کچھ اوپر اسی ہزار تھے ؟ ایک

ستر ہزار ان ناجائز حرکتوں میں مبتلا ہوئے۔ اور باقی نے اس کو ناپسند کرکے اس سے پرہیز کیا۔ اس قصہ کو خداوند عالم نے سورہ اعراف پ۹ آیت ۱۶۳ میں بھی ذکر کیا ہے ارشاد فرماتا ہے وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ یعنی اے رسول ان سے اوس آبادی کا حال تو پوچھو جو دریا کے کنارے پر تھی۔ بہرحال ان میں سے ایک جماعت (یعنی پرہیز کرنے والوں) نے انھیں نصیحت اور ملامت کی اور خدا کے عذاب اور قہر وغلبہ سے ڈرایا تو اون سرکشوں نے جواب دیا کہ جن کو خدا ہلاک اور تباہ و برباد کرنے والا ہے اونھیں کیوں ڈراتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ دو غرضوں سے ایک یہ کہ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اچھی باتوں کی رغبت دلائیں اور بری باتوں سے منع کریں تاکہ خدا دیکھ لے کہ ہم لوگ اس فعل میں تمہارے مخالف ہیں اور اس کو ناپسند کرتے ہیں اور دوسرے اس غرض سے کہ شائد تم میں سے کوئی ہماری نصیحتوں سے فائدہ اوٹھائے اور اس فعل سے پرہیز کرے اور اسکے عذاب سے بچ جائے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ جب وہ حد سے گذر گئے اور نصیحت و ملامت کرنے والوں کے کلام پر توجہ نہ کی اور اون لوگوں نے جو کچھ اوپر دس ہزار تھے اونکی سرکشی دیکھی اور راہ پر آنے سے ناامید ہوئے تو ایک نزدیک کی آبادی میں چلے گئے تاکہ اگر ان پر عذاب نازل ہو تو ہم لوگ اوس میں نہ پڑ جائیں۔ پس خدا نے اون ستر ہزار سرکشوں کو اوسی رات بندر کی صورت پر مسخ [۱] کردیا۔ پرہیزگاروں نے دیکھا کہ ان کا شہرپناہ بند ہے نہ تو کوئی شہر سے نکلتا ہے نہ اوسمیں جاتا ہے تو یہ لوگ گئے اور شہرپناہ کی دیوار پر چڑھکر نگاہ کیا تو دیکھا کہ عورتیں اور مرد سب کے سب بندر ہوگئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی گود میں گھسے جارہے ہیں۔ پس ان لوگوں نے اپنے اپنے عزیزوں اور ملاقاتیوں سے پوچھا کہ کیا تم فلاں مرد۔ اور تم فلاں عورت ہو تو وہ رو دیئے اور سروں سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ وہ اسی حال پر تین دن زندہ رہے اوسکے بعد خدا نے آندھی اور بارش کو اون پر مسلط کیا اوس نے اونھیں دریا میں ڈال دیا اور اونمیں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ اور آج کل جو تم بندر دیکھتے ہو یہ اونکے ہمشکل ہیں نہ تو خود وہی [۲] ہیں اور نہ اونکی نسل سے ہیں۔

بجو اسرائیل بندر بنا دیئے گئے

---

[۱] صورت بدل دی ۱۲ منہ [۲] اگرچہ عادۃً اکثر ذی روح کا بہت زیادہ زمانہ تک زندہ رہنا دشوار ہے اس لئے اس جملہ کے فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن چونکہ خدا قادر مطلق ہے اور دوسروں کی

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب خداوند عالم نے مچھلیوں کا شکار کرنے سے بنو اسرائیل کو مسخ کردیا؟ تو اسی سے سمجھ لو کہ خداوند قہار کے نزدیک اون لوگوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے اولاد رسول اللہ صلے اللہ علیہم اجمعین کو قتل کیا اور اونکی ہتک حرمت کی؟ خدا نے اگرچہ اون سب کو مسخ نہیں کیا لیکن آخرت میں جو عذاب اونکے لئے مہیا گیا ہے وہ اس عذاب مسخ سے بہت زیادہ ہے۔

بعض لوگوں نے عرض کیا کہ اے فرزند رسولؐ میں نے اس طرح کی حدیث سُنی (اور اوسے بیان کیا) تو بعض دشمنوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگر قتل حسینؑ بُرا تھا تو اوسکو مچھلیوں کے شکار سے بہت زیادہ بُرا ہونا چاہئے۔ پس کیا وجہ ہے کہ خدا نے شکار کرنے والوں پر عذاب کیا اور اونکو چھوڑ دیا تو آپ نے جواب دیا کہ ان دشمنوں سے کہو کہ شیطان کے گناہ تو اون لوگوں کے گناہوں سے بہت زیادہ تھے جو اوسکے بہکانے سے کافر ہوگئے۔ پس کیا وجہ ہے کہ خدا نے اون کافروں جیسے قوم نوح کو طوفان میں ڈوبا کر ختم کردیا اور شیطان کو ہلاک نہیں کیا حالانکہ وہ اس کا زیادہ مستحق تھا کیونکہ اوسکی بداعمالیاں ان کافروں کی بداعمالیوں سے بہت زیادہ تھیں۔ دیکھو خدا حکیم ہے اوس کا ہر فعل حکمت کے مطابق ہوتا ہے جس کو چاہتا ہے ہلاک کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ اسی طرح شکار کرنے والوں کو مسخ کیا اور حضرت سید الشہداء صلوات اللہ علیہ کے قاتلوں کو چھوڑ دیاؑ کیونکہ وہ مناسب وقت اور حکمت

قاتلین اولاد رسولؐ کا عذاب بنو اسرائیل سے بہت زیادہ ہوگا - ان قاتلوں پر عذاب فوراً کیوں نہیں نازل ہوا -

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۱) نصیحت اور عبرت کے لئے خود اونھیں مسوخات کو قیامت تک زندہ رکھ سکتا تھا۔ اور بعض جانور طویل العمر بھی ہوتے ہیں جیسے کرگس جو ایک ہزار برس تک زندہ رہتا ہے۔ اس لئے اس سوال کی گنجائش تھی کہ آجکل کے بندر وہی ہیں جو مسخ کئے گئے تھے یا دوسرے ہیں اس واسطے معصوم نے اس کا جواب سوال سے پہلے دیدیا کہ یہ نہ تو وہ خود ہیں اور نہ اونکی نسل سے ۱۲ منہ

ع۵ کتب شیعہ میں سے جلاء العیون مصنفہ مولانا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ اور کتب اہلسنت میں سے وسیلۃ النجاۃ اس وقت میرے سامنے ہے ان دونوں کتابوں میں معجزات بعد شہادت کے ذکر میں لکھا ہوا ہے کہ شہداء کربلا کے قاتلوں میں سے بہت سے عذاب دنیا میں بھی مبتلا ہوئے بہتیروں کو مختار علیہ الرحمہ نے قتل کیا اور کچھ پیاس میں مبتلا ہو کر مرے۔ اور کچھ اندھے ہوئے اور کچھ کے مُنہ کالے ہو گئے۔ لیکن نہ تو انمیں سے کوئی مسخ کیا گیا اور نہ کل پر ایک دفعہ عذاب

مصلحت کو خوب جانتا ہے اوسکے فعلوں پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور وہ دوسرونکے فعلوں پر اعتراض کرسکتا ہے میں عرض کرتا ہوں کہ شیطان کو چھوڑ رکھنے میں بہت بڑی مصلحت یہ ہے کہ دوسروں کا امتحان ہو جائے کہ اوسکے حکموں پر چلتے ہیں یا خدا کے حکموں پر؟ اور حزب (گروہ) شیطان میں داخل ہوتے ہیں یا گروہ حضرت رسولؐ و اہلبیتؑ رسولؐ میں؟ اور قاتلوں کو چھوڑ رکھنے میں کئی مصلحتیں بڑی تھیں جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے ایک دشمنان اہلبیتؑ پر اتمام حجت؟ جو اون قاتلوں کی اس بدعت پر بے دھڑک اظہار رضامندی کر رہے ہیں دوسری دوسروں کا امتحان کہ اونکے فعل سے آزردہ ہیں یا راضی۔ تیسرے ایمان لغیب کا ثواب؟ کیونکہ اگر وہ کھلے عذاب میں مبتلا کردیئے جاتے تو بہت سے مومن جو اون پر عذاب اور اونکی باطل پرستی کو روشن دیکھکر ایمان لاتے؟ اوتنے ثواب کے مستحق نہ ہوتے جتنا حضرت سید الشہداء کی حقیت کو عقلی دلیلوں سے سمجھکر آج ثواب کے حقدار ہو رہے ہیں۔ چوتھے منافقوں کا اظہار؟ اگر وہ مسخ کردیئے جاتے تو بہت سے کفار جن کو اظہار رضامندی پر مختار علیہ الرحمۃ والرضوان کی بے پناہ اور حق پرست تلوار نے موت کے گھاٹ اوتار کر تابوت جہنم میں جگہ دیا وہ اپنی رضامندی کی پاداش نہ چکھ سکتے اور نفاق اونکی عیب پوشی کر لیتا۔ اور بہتیرے جن کا باطنی کفر آج کھل گیا ہے اور ان بدعتوں پر علانیہ اظہار خوشنودی و رضامندی کر رہے ہیں عذاب ناگہانی دنیاوی کے خوف سے زبانیں بند رکھتے اور اونکا باطنی کفر پردہ میں رہتا اور بہت سے مومنوں کو دھوکھا دے سکتے۔ پانچویں مومنوں کے محترم نفوس کی حفاظت؟ اگر سب پر عذاب نازل کر دیا جاتا تو بہت سے مومن جو اونکی نسلوں سے آج دنیا میں موجود ہیں اور اون پر لعنت کر رہے ہیں اور حضرت سید الشہداء کے ہمدرد اور اونکے مصائب پر اونکی آنکھیں خونبار ہیں وہ تلف ہو جاتے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۲) نازل کیا گیا کیونکہ اس میں وہی مصلحتیں تھیں جو پانچوں وجہوں میں ذکر کی گئی ہیں اسی وجہ سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے حدیث مذکورۂ متن میں مجمل طور پر یوں ارشاد فرمایا ہے کذالک ھولاء الصائدون فی السبت والقاتلون للحسین یفعل اللہ فی الفریقین مایعلم انہ اولی بالصواب والحکمۃ یعنی سینچر کے دن شکار کرنے والوں اور حضرت حسینؑ کے قاتلوں کے ساتھ خدا وہی کریگا جسکو مناسب اور حکمت کے مطابق جانیگا ۱۲ منہ

(حدیث کا بقیہ) بنو اسرائیل اور اسی طرح دوسرے گنہگار اپنی بداعمالیوں کے ارادہ کے وقت ؟ اگر محمد و آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کا واسطہ دیکر گناہوں سے حفاظت کی دعا کرتے تو خدا اونکی حفاظت کرتا لیکن خدا نے اونکے دلوں میں یہ خیال نہ ڈالا اور اسکو بیکار سمجھا) کیونکہ لوح محفوظ (یعنی اوسکے علم) میں یہ بات گذر چکی تھی کہ وہ ان بداعمالیوں کو کرکے رہیں گے (اور میرے خیال دلانے پر عمل نہ کرینگے) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ (میرے پدر بزرگوار) حضرت امام زین العابدینؑ نے جب یہ حدیث (بنو اسرائیل کے متعلق) بیان کی تو حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا کہ اے فرزند رسولؐ بزرگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اولاد پر عذاب کرنا یا اونکی ملامت کرنی کیونکر جائز ہوسکتی ہے حالانکہ خود خداوند عادل نے ارشاد فرمایا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (سورہ انعام پ آیت ۱۶۵) یعنی کوئی شخص دوسروں کی بداعمالیوں کا بوجھ نہ اوٹھائیگا ‌پس باوجود اسکے اس قصہ کے اکثر جملوں میں حاضر کے صیغے اور ضمیریں لاکر خداوند عالم نے حضرت رسولؐ کے زمانہ کے یہودیوں کو مخاطب بناکر اونکی مذمت کیوں کی) تو حضرت سید سجاد علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ اسکی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن عرب کے محاورہ میں نازل ہوا ہے اور اونھیں کے محاورہ کے مطابق اسمیں اون سے خطاب کیا گیا ہے (اور عربوں کا دستور ہے کہ قبیلہ کے (چند شخصوں کے) کام کو اوسکے ہر شخص کا کام سمجھتے اور اوس پر الزام رکھتے ہیں اسیوجہ سے مثلاً چند) بنو تمیم کے لوٹ کو اوس قبیلہ کی ہر فرد کا جرم قرار دیکر بے تعلق شخص سے ؟ مظلوم کہتا ہے کہ تم نے ہمارے شہر کو لوٹا ؟ یا تم نے ایسا کیا ؟ اسی طرح قبیلہ کا ہر شخص خود بھی کہتا ہے کہ تمہارے شہر کو ہم نے لوٹا (اگرچہ لوٹ میں شریک بھی نہ رہا ہو) پس ان آیتوں کے خطابات اسی محاورہ ؏ کے مطابق ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ اپنے بزرگوں کی اون بدکاریوں پر راضی تھے

؏ ایسا محاورہ ہر جگہ اور ہر زبان میں جاری ہے کہ چند شخصوں کے اچھے یا برے فعل کو دوسرے شہر والے کرنے والوں کے شہر کیطرف۔ اور دیہات والے دیہات کی طرف۔ اور شہر کے ایک محلہ والے دوسرے محلہ والوں کی طرف۔ اور ہر محلہ کے ایک خاندان والے دوسرے خاندان والوں کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ یہ امر کسی پر مخفی نہیں ہے ۱۲ منہ

اور اچھا فعل سمجھتے تھے۔ اسی لئے ان فعلوں کی نسبت اونکی طرف دینی صحیح تھی لہ

چند فائدے

(پہلا فائدہ) معانی۔ بیان۔ بدیع (معانی) بلا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ تک میں دو چیزیں قابل ذکر ہیں ایک یہ کہ مسند الیہ یعنی الذین امنوا۔ اور الذین ھادوا۔ اور نصارٰی۔ اور صابئین میں جو فعلیت اور اسمیت میں تفرق کی ہے یعنی پہلے دونوں لفظوں کو فعل یعنی اٰمنوا اور ھادوا سے تعبیر کیا ہے اور آخری دونوں کو اسم سے؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنوں اور یہودیوں کے تبدیل اعتقاد کیطرف اشارہ کرنا چاہا ہے یعنی مومنوں کا اپنے سابق باطل مذہب کو چھوڑ کر مذہب حق اختیار کرنے کی طرف اور یہودیوں کا اپنے سابق حق مذہب کو چھوڑ کر باطل کی طرف؟ کیونکہ جملہ فعلیہ حدوث یعنی تازگی کو بتاتا ہے۔ اور نصارٰے اور صابئین کے اپنے سابق مذہب پر اپنے خیال اور عقیدہ میں باقی رہنے کی طرف کیونکہ اسم ثبات اور قرار کو بتاتا ہے۔ اس مضمون کی تفصیل اسکے قبل حاشیہ میں لکھ آیا ہوں دوسرے یہ کہ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ؟ اَلَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ کی خبر ہے۔ اور اس سے انھیں تینوں فرقوں کے ایمان لانیکی مطلوبیت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اور ثبوت اس کا دو چیزیں ہیں ایک تحصیل حاصل یعنی حاصل کی ہوئی چیز کو پھر حاصل کرنے کی کوشش کرنے کا عقلاً محال ہونا جس کا معنی یہ ہے کہ جو

لہ امام اہلسنت فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ا صفہ ۳۷ میں لکھتے ہیں کہ صابیوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ پوری دنیا کا پیدا کرنے والا خدا ہے لیکن اوس نے حکم دیا ہے کہ ان ستاروں کی تعظیم کی جائے اور نماز اور دعا اور تعظیم کے لئے اونھیں قبلہ قرار دیا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خدا نے آسمانوں اور ستاروں کو پیدا کیا اور اس دنیا کو ستاروں نے پیدا کیا اور بھلائی اور برائی اور صحت اور بیماری اور کل انتظامات اس دنیا کے انھیں ستاروں سے متعلق ہیں۔ یہ تصرفات وہی کرتے ہیں۔ اور یہی عقیدہ کسدانیوں کا تھا جن کی رد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے قابل پرستش نہ ہونے کو اونکے ڈوبنے سے ثابت کیا تھا ۱۲ منہ لہ تفسیر برہان جلد ا صفہ ۶۷ تا ۶۹۔ ۱۲ منہ

لوگ ایمان لا چکے ہیں اونکا دوبارہ ایمان لانا غلط ہے کیونکہ حاصل ہو چکا ہے۔ اس لئے مَنْ اٰمَنَ
میں وہ داخل نہ ہوں گے۔ دوسرے الذین کو امنوا اور ھادوا دونوں کے لئے جدا جدا
ذکر کرنا۔ کیونکہ اگر مومن۔ اور یہودی۔ اور نصارےٰ اور صابئین سب کو ایک حال میں شریک
کرکے ایمان لانے کا حکم سب پر جاری کرنا مقصود ہوتا تو صرف ایک الذین لانا کافی تھا اور مکرر
لانا لغو اور بیکار ہوتا جو شان حکیم کے لئے عیب ہے۔ پس مکرر لانا بتا رہا ہے کہ سب کو ایک حال
قرار نہیں دیا ہے اور مَنْ اٰمَنَ صرف آخری تینوں فرقوں سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ زِیَادَۃُ
الْمَبَانِیْ تَدُلُّ عَلٰی زِیَادَۃِ الْمَعَانِیْ یعنی الفاظ کی زیادتی مطلب کی زیادتی کو بتاتی ہے۔
اسی دوسری دلیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے ؟ صرف زبان سے ایمان
لانے والے یعنی منافق مراد نہیں ہو سکتے ؟ کیونکہ فساد عقیدہ میں چونکہ یہود وغیرہ کے
شریک حال یہ بھی ہیں اسلئے صرف اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَادُوْا (تا آخر) کافی تھا؟ اور
دوسرے اَلَّذِیْنَ کو لانے کی ضرورت نہ تھی؟ حالانکہ لایا گیا اور عمل صالحا سے لاھم
یحزنون تک چاروں فرقوں سے تعلق رکھتا ہے ؟ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ تا آخر اور عمل صالحا
جو مَنْ بمعنی اِنْ حرف شرط کے تحت میں ہے ؟ جملہ شرطیہ ہے۔ اور علماء علم اصولِ فقہ اگرچہ اسمیں
اختلاف رکھتے ہیں کہ جملہ شرطیہ مفہوم رکھتا ہے یا نہیں ؟ لیکن میرے نزدیک حق یہ ہے کہ
اسکی بہت زیادہ فردیں مفہوم رکھتی ہیں اور بعض فرد جس کا مفہوم رکھنا مشکوک ہے وہ عام اغلب
سے ملحق کردیجائیگی پس۔ اس بنا پر اس آیت کا منطوق یعنی لفظی معنی یہ ہوگا کہ ثواب اور خوف
اور غم سے پناہ ایمان لانے والوں کے لئے خاص ہے ؟ اور مفہوم یعنی عقلی معنی یہ ہوگا کہ جو لوگ
ایمان نہیں رکھتے نہ تو اون کے لئے ثواب ہے اور نہ خوف اور غم سے پناہ اور نجات ؟
رہ گیا یہ سوال کہ آیا اجر اور عدم خوف وحزن ؟ ایمان اور عمل صالح کا مخلوط یعنی یکجائی جواب
ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تینوں چیزیں اونھیں لوگوں کے لئے حاصل ہونگی جو ایمان کے
ساتھ ساتھ عمل خیر بھی کریں پس نہ تو یہ چیزیں بغیر عملِ خیر کے صرف ایمان لانے والوں کے
لئے حاصل ہونگی اور نہ بغیر ایمان کے صرف عمل خیر کرنے والوں کے لئے۔ یا لف ونشر مرتب ہی
جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے والے بہرحال ایمان کا ثواب پائیں گے اور بہشت میں
جائیں گے اگرچہ بداعمالیوں کی سزا جھیلنے کے بعد سہی۔ لیکن آخرت کی سختیوں کے خوف سے
نجات اور عالم برزخ اور عرصۂ قیامت کے آرام سے محروم ہونے کے غم سے پناہ اونھیں لوگوں کو

حاصل ہوگا جو ایمان کے بعد عمل خیر بھی کر چکے ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصول مذہب شیعہ جو عقل اور قرآن وحدیث سے نکالے گئے ہیں؟ یہ بتاتے ہیں کہ ان آیتوں کا بطریق لف ونشر مرتب ہونا ہی صحیح ہے کیونکہ مومن یعنی پانچوں اصول دین پر اعتقاد واقرار رکھنے والوں کا بہشت میں جانا واجب ہے؟ اگر رحمت پروردگار اور شفاعت اہلبیتؑ اطہار اپنی شور پشتی اور شوخ چشمی سے نصیب نہ ہوئی تو بد اعمالیوں کی سزائیں جھیلنے کے بعد؟ اور اگر خوش نصیبی سے نصیب ہوئی تو بغیر جھیلے ہوئے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَةَ نَبِيِّكَ وَاَهْلَبَيْتِهِ الطَّاهِرِيْنَ بِحَقِّكَ عَلَيْهِمْ وَبِحَقِّهِمْ عَلَيْكَ **پس** مَنْ اٰمَنَ کا جواب لَهُمْ اَجْرُهُمْ ہوگا۔ اور عَمِلَ صَالِحًا کا جواب لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ **دفع شبہ** اس مقام پر شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اوپر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخرت کی سختیوں سے بچانے اور غم اور خوف کے دفع کرنے میں ایمان کوئی اثر نہیں رکھتا اور بہشت کے حاصل ہونے میں عمل نیک کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ تو کیا یہی صحیح ہے **جواب** اس کا یہ ہے کہ جس طرح حصول بہشت اور ثواب میں ایمان اور عمل نیک دونوں ہی اثر رکھتے ہیں اوسی طرح سختیوں سے۔ بچانے اور خوف وغم کے دفع کرنے میں بھی **لیکن** ہر ایک کا جو خاص اثر جدا جدا ہے ان آیتوں میں بظاہر اوسی کو ظاہر کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ بد اعمالیوں کی سزا کے بعد یا پہلے بہر حال دخول بہشت کا واجب ہونا ایمان کا خاص اثر ہے۔ اور قیامت و برزخ کی سختیوں سے بچانا اعمال نیک کا خاص اثر۔ اور خدا چاہتا ہے کہ اوس کا ہر بندہ دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں آرام اور عزت حاصل کرے اس واسطے ایمان اور اعمال نیک دونوں ہی کا حکم دے کر دونوں کے عام اور خاص اثر کو ذکر کر کے اونکی طرف رغبت دلا رہا ہے۔ کیونکہ وہ رحمٰن ورحیم ولطیف ہے۔

۱۳ خُذُوْا (لو) اور اُذْكُرُوْا (یاد کرو) میں صیغہ امر وجوب کے لئے ہے یعنی حکم خدا کو اختیار کرنے اور یاد رکھنے کے واجب ہونے کو بتاتا ہے اور كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ میں تسخیر؎ یعنی صورت بدل دینے کو ظاہر کرنے کے لئے ہے ۱۴ وَاِذْ اَخَذْنَا واجب

؎ امر یعنی حکم دو طرح کا ہوتا ہے ایک[1] تکوینی دوسرا[2] تشریعی؟ جو حکم مخلوقات کی پیدائش اور حالات کی تبدیل سے تعلق رکھتا ہے اوسکو امر تکوینی کہتے ہیں۔ اور یہ بندوں کے اختیار سے باہر اور خدا ہی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اور جو حکم اون کے فعلوں سے تعلق رکھتا ہے

میں نے وعدہ لیا) اور خُذُوْا (اختیار کرو) میں ایجاز بحذف ہے۔ یعنی کلام کو مختصر کرنے کی غرض سے؟ پہلے لفظ کے پہلے اُذْکُرُوْا (یاد کرو) ہونا چاہیئے تھا جو گرا دیا گیا ہے اور دوسرے لفظ کے پہلے قُلْنَا (میں نے کہا) ہے فضل (بخشش) اور رحمۃ (مہربانی) میں ایجاز جامع ہے یعنی پہلا لفظ اون کل نعمتوں کو شامل ہے جو بنو اسرائیل کو دی گئیں جیسے انبیاء کو ان میں پیدا کرنا۔ اون کے دشمن فرعون اور قبطیوں کو ہلاک کرنا۔ اون کو ڈوبنے سے بچا لینا۔ من وسلویٰ بھیجنا۔ اونکی مطلوبہ چیزیں پیاز وغیرہ دینی۔ توریت بھیجنا۔ ان کا بار بار شرارت کرنا اور اوس کا بار بار ان کے گناہوں کو بخشنا۔ اور انکی ہدایت کے مختلف ذریعے بتا کر راہ راست اختیار کرنے کو ان کے لیئے آسان کر دینا وغیرہ۔ اور دوسرا لفظ ہر اوس نعمت کا سبب ہے جو انہیں دی گئی اور جو آئندہ دی جاتی اگر یہ سرکشی نہ کرتے اور اُن لوگوں نے پایا جو فرماں بردار رہے۔ اسی واسطے دونوں لفظوں کو ذکر فرمایا ہے تاکہ لفظ فضل نعمتوں کو بتائے اور لفظ رحمت سبب نعمت کو؟ جس کا خلاصہ؟ اپنے کامل احسان کو ظاہر کرنا ہے کہ میں نے اپنی نعمتیں اور نعمتوں کا سبب؟ انہیں دونوں ہی کا مالک بنا دیا۔ تاکہ اگر ہدایت قبول کرنا چاہیں تو اونکے لئے آسانی ہو جائے اور یہ چیزیں ہدایت کی طرف اونھیں رغبت دلائیں۔ اور اگر سرکشی اختیار کریں تو میری حجت اون پر پوری طرح تمام ہو جائے۔ اور سزا کے موقع پر کسی طرح کا عذر نہ کر سکیں لطیف اشارہ لفظ رحمت کو خسران کے مقابل میں ذکر کرنے سے اس امر کی طرف نہایت نفیس اشارہ نکلتا ہے کہ خدا کا کسی سے صرف اپنی رحمت کو روک لینا ہی نقصان کا سبب ہے پس اون لوگوں کا کیا حال ہوگا جن پر خدا غضب ناک بھی ہو جن کو سورہ الحمد میں مغضوب علیہم سے تعبیر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر سورہ الحمد میں ص۱۲۸ کا حاشیہ) بیان اس کا یہ ہے کہ لفظ رحمۃ؟ زیادہ تر لفظ غضب کے مقابل میں بولا جاتا ہے۔ اور رحمت نعمتوں کا سبب ہے اور غضب نقصانوں کا اور مقابلہ یہ چاہتا ہے کہ سبب کے مقابل میں سبب یعنی رحمت کے مقابل میں غضب لایا جاتا اور یوں فرماتا (لَوْلَا) رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِنَ الْمَغْضُوْبِيْنَ یعنی اگر خدا کی رحمت تم پر نہ ہوتی

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۷) (جیسے واجب۔ حرام۔ مستحب۔ مکروہ۔ مباح جن کو احکام خمسہ تکلیفیہ کہتے ہیں اور جیسے کسی فعل کا صحیح یا باطل ہونا جن کو احکام وضعیہ کہتے ہیں؟) اوسکو امر تشریعی کہتے ہیں۔ پس آیت مذکورہ میں کُوْنُوْا جو امر کا صیغہ ہے یہ تکوینی ہے اور اس سے یہ مقصد نہیں ہے کہ اونکو حکم دیا گیا کہ وہ خود بندر بن جائیں کیونکہ یہ بات اون کے اختیار سے باہر تھی بلکہ مقصود یہ ہے کہ میں نے بنا دیا ۱۲ منہ

بنو اسرائیل کو نعمت اور سبب نعمت دونوں ہی دیئے گئے۔

صرف نظر رحمت پھیر لینا نقصان کا سبب ہے

تو تم مغضوب لوگوں میں داخل ہو جاتے ۔ باوجود اسکے ؟ اوس کے مقابل میں خسران کو ذکر کیا ہے جو اوسکے مقابل کے لفظ یعنی غضب کا سبب یعنی نتیجہ ہے ؟ اسس لئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نقصان اور گھاٹا اوٹھانے کے لئے غضب کی ضرورت نہیں ہے ؟ بلکہ اسس کے لئے صرف رحمتِ خدا کا شامل حال نہ ہونا ہی کافی ہے ۔ اور نقصانِ دنیا و آخرت کے لئے دو سبب ہیں ۔ ایک رحمتِ خدا کا شامل حال نہ ہونا ؟ دوسرے اوس کا غضب ناک ہونا ۔ اس کا مؤید مضمون جلد ا صـــ ۲۲۷ میں بھی گذر چکا ہے ۔

(بیان) ۱ فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ ۔ اور لَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ میں تعریض ہے یعنی پہلے میں لَهُمْ کو ۔ اور دوسرے میں هُمْ کو پہلے ذکر کیا ہے جو انحصار کا معنی پیدا کرتا ہے اور اسس کا لفظی معنی یہ ہے کہ اجر و ثواب اور عدم خوف و غم اونھیں کے لئے ہے جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اور اس کا مفہوم یعنی عقلی معنی یہ ہے کہ جو لوگ ایمان اور عمل خیر اختیار نہ کرینگے وہ اجر و ثواب وغیرہ نہ پائیں گے اور تعریضی معنی زمانۂ حضرت رسول صلے اللہ علیہ و آلہٖ کے یہود اور نصاریٰ کے لئے یہ ہے کہ تم لوگ چونکہ ایمان اور عمل نیک نہیں رکھتے اس لئے اجر و ثواب اور خوف و غم سے نجات اوس وقت تک نہ پاؤ گے جب تک ان دونوں چیزوں کو اختیار نہ کرو ۔

(بدیع) ۱ رَحْمَتُهٗ ۔ اور خَاسِرِيْنَ میں تقابل خفی ہے کیونکہ رحمت کے مقابل میں اوسکے مقابل یعنی نقمت یا غضب کا سبب ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ لطیف اشارہ میں ذکر کیا گیا ۔ ۲ خوف ۔ اور حُزن میں بھی تقابل خفی معنوی ہے ۔ کیونکہ اہلسنت کے جلیل القدر عالم قاضی بیضاوی صاحب تفسیر بیضاوی آیۂ غار کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کسی ہونے والی بات کا ناپسندیدہ اثر جو دل پر پڑتا ہے اوس کو خوف کہتے ہیں اور گذری ہوئی بات کے ناپسندیدہ اثر کو حُزن [ع] (رنج) کہتے ہیں ؟ پس ان دونوں لفظوں میں معنوی تقابل ؟ زمانہ میں ہے ۔

خوف اور حزن کا فرق

[ع] ہجرت کے موقع پر اگر حضرت ابوبکر کو کسی ہونے والی بات (یعنی حضرت رسولؐ یا اپنی گرفتاری کا ڈر ہوتا تو خدائے فصیح و بلیغ لَا تَخَفْ (نہ ڈرو) فرماتا ؟ اسس لئے بجائے لَا تَخَفْ کے لَا تَحْزَنْ فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اسس واقعہ میں کسی گذری ہوئی ناپسند بات کا رنج تھا ۔ رہ گیا اس کا پتہ لگانا کہ وہ ناپسندیدہ بات کیا تھی ؟ تو تاریخ

۳ نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا ؏ اور مَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ میں
بھی تقابل معنوی خفی ہے کیونکہ ما بین یدیھا اور ما خلفھا سے گناہ مقصود ہے جو عاصی (گنہگار)
کا فعل ہے ؏ اور عاصی ؏ متقین کا مقابل ہے۔ اور باوجودیکہ مقام اس کا تھا کہ نَكَالًا لِلْعَاصِين
وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ فرماتا یعنی یہ واقعۂ مسخ گنہگاروں کے لئے عذاب تھا اور پرہیزگاروں
کے لئے عبرت اور نصیحت ؏ لیکن عَاصِين کی جگہ پر اوسکے مسبب یعنی گناہ کو ذکر کرنے کی دو
وجہیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ چاہتا ہے کہ اپنی پے درپے رحمت اور حلم و بردباری کو اور
اس بات کو ظاہر کرے کہ میں نے اون پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کی اور صرف ایک
گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں کیا بلکہ اونھیں توبہ کرنے اور مخالفتوں سے باز آنے اور
اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا بہت کچھ موقع دیا لیکن جب وہ کسی طرح نہ مانے اور گناہ

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۹) اور حدیث سے صرف اس کا پتہ ملتا ہے کہ وہ ؏ حضرتؐ کا
گرفتاری سے بچتے جانا تھا اور دشمنوں کا حضرتؐ کو نہ پانا ؏ جسکے لئے حضرت ابوبکر نے بغیر مرضی خدا
و رسولؐ اندھیری رات میں زحمت گوارا کی اور حضرتؐ کا پیچھا کیا تھا اور حضرتؐ نے سمجھا کہ
کوئی کافر آرہا ہے جسکی وجہ سے دوڑے اور پائے مبارک زخمی ہوا (تاریخ طبری و درمنثور
جلد ۲ ص۲۴ بحوالہ ابن مردویہ و حافظ ابونعیم ؏ و عمدۃ التحقیق ذکر حدیث عمر در ہجرت ابوبکر و
مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ ص۲۳۱ در مسند ابن عباس و فتح الباری شرح صحیح بخاری ذکر
ہجرت بحوالہ ترمذی و نسائی و حاکم و مناقب خوارزمی) اور آیت مبارکہ غار اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا میں "ہ" ضمیر مفرد لانا بھی یہی بتاتا ہے کہ حضرت سرور عالمؐ مکہ سے تنہا روانہ ہوئے تھے
اس لئے وہ روایت جعلی ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ آپ ؏ حضرت ابوبکر کو ساتھ لیکر روانہ
ہوئے تھے۔ اگر ساتھ لے لیا ہوتا تو جیسے خداوند حکیم نے دو ہی لفظوں کے بعد اِذْ هُمَا
فِي الْغَارِ میں تثنیہ کی ضمیر فرمایا ہے یہاں بھی اَخْرَجَهُمَا فرماتا ؏ پس آیت غار ؏ اسی
حدیث کو صحیح بتاتی ہے جو متعدد حوالوں کے ساتھ اوپر ذکر کی گئی ؏ جس کا حاصل یہ ہے کہ
حضرت سرور عالم بحکم خدا مکہ سے تن تنہا روانہ ہوئے ؏ حضرت ابوبکر نے پتہ لگا کر پیچھا کیا حضرتؐ سمجھے
کہ کوئی کافر آرہا ہے اس وجہ سے دوڑے ؏ انگوٹھے میں پتھر سے ٹھوکر لگی اور زخمی ہوا۔ پہلے حضرتؐ
تنہا تھے اس لئے اَخْرَجَهُ (اون ایک کو کافروں نے نکالا) فرمایا اور غار میں حضرت ابوبکر

کرتے ہی رہے تا آنکہ گذشتہ اور آئندہ گناہ مل کر اس قدر ہو گئے کہ اونھوں نے اونھیں موردِ غضب اور مستحق عذاب بنا دیا۔ پس اگر عاصین فرماتا تو یہ مطالب ظاہر نہ ہوتے۔

اور دوسرے ایک لطیف امر کیطرف اشارہ اور ایک اعتراض کو دفع فرمایا ہے وہ یہ کہ لفظ عاصی؟ اسم فاعل ہے جو عَصٰیؔ سے مشتق ہوا یعنی نکلا ہے؟ اور علماء میں اختلاف ہے کہ کسی ذات پر لفظ مشتق جیسے اسم فاعل اور اسم مفعول وغیرہ کے بولنے کے لئے اوسکے مصدر کے معنی کا اوس ذات میں پایا جانا ضروری ہے یا نہیں۔ جیسے چور کو سارق (چور) کہنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ چوری کرتا رہے اسلئے چوری نہ کرنے کی حالت میں اوسکو سارق (چور) نہیں کہہ سکتے؟ یا چوری کرتے رہنا ضروری نہیں ہے۔ اسلئے چوری نہ کرنے کی حالت میں بھی اوسکو سارق کہہ سکتے ہیں بلکہ کہتے ہیں اور عام محاورہ میں ایسا استعمال جاری ہے۔

بعض نے ضروری سمجھا ہے اور بعض نے نہیں۔ اور صحیح یہی ہے پس اس بنا پر جو لوگ گذشتہ زمانہ میں گناہ کر چکے ہوں اون کو زمانہ گناہ کے لحاظ سے آج عاصی یا فاسق یا ظالم کہہ سکتے ہیں اگرچہ زمانۂ گناہ طویل ہو گیا ہو یا گنہگار توبہ کر چکا ہو اسی وجہ سے خداوند مقدس نے گذشتہ زمانہ کے گنہگاروں کو بھی دینی پیشوائی جیسے گرانقدر منصب کا حقدار اور لائق نہ سمجھکر ارشاد فرما دیا ہے لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ یعنی میرا یہ عہد (منصب) ظالموں تک نہیں پہونچ سکتا

خلاصۂ کلام یہ کہ مذکورۂ بالا آیت میں عاصین کی جگہ پر گناہوں کو ذکر کرکے ایک تو اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عذاب کا سبب گناہ ہوتا ہے؟ لفظ عاصی (گنہگار) کا بولا جانا نہیں ہوتا۔ دوسرے اپنی مقدس ذات کو اس اعتراض سے بچایا ہے جو کوئی کر سکتا تھا کہ ذکر عذاب کے ساتھ لفظ عاصی کا ذکر مناسب نہیں ہے کیونکہ لفظ عاصی اوس وقت بھی بولنا صحیح ہے جب کہ وہ توبہ کر چکا ہو اور معلوم ہے کہ اوس زمانہ میں وہ عذاب کا مستحق نہیں ہے۔ پس ایک لفظ عاصی کو چھوڑ کر اس اعتراض کے جواب کی زحمت سے اپنے اولیاء اور فرمانبرداروں کو سبکدوش کر دیا تعالیٰ و تقدس۔ اور متقی کے متعلق یہ گفتگو نہیں آسکتی کیونکہ عبرت اور نصیحت وہی قبول کرے گا جو موعظہ کے وقت خوفِ خدا رکھتا ہو اور اسکے لئے گذشتہ زمانہ کی پرہیزگاری فائدہ نہ دے گی اگر اس وقت خوف نہ رکھتا ہو۔

(بقیہ حاشیہ صـ ۲۲۰) بھی تھے اس لئے ھا (وہ دونوں) فرمایا؟ توضیح اسکی انشاء اللہ تعالیٰ آیت غار کی تفسیر میں آئیگی ۱۲ منہ

۱؎ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سے مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ تک کل آیتیں اتمام حجت میں بلاغت کے اعلےٰ درجہ تک پہونچی ہوئی ہیں کیونکہ مہربان مالک جو سرکش غلام کو اوسی کے فائدہ کے لئے راہ پر لگانا اور مطیع و فرمانبردار بنانا چاہتا ہو اوسکو اپنے نصائح میں کئی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے ۱؎ فرمانبرداری پر نعمتیں دینے اور تکلیف سے حفاظت کرنے کا وعدہ ۲؎ لالچ دلاکر فرمانبرداری کی رغبت دلانی ؟ ان دونوں امروں کو اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سے لَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ تک میں ادا فرمایا ہے ۳؎ اونکی سرکشیوں اور اپنی مہربانیوں اور بخششوں کو یاد دلا تاکہ شرمندہ ہوکر دل اونکے اطاعت پر آمادہ ہوں اس کو وَاِذۡ اَخَذۡنَا سے خٰسِرِیۡنَ تک میں ظاہر فرمایا ہے جس میں اس کی بھی جھلک دکھادی ہے کہ اگر سرکشی کرتے رہوگے تو وہ عذاب (سر پر پہاڑ گرانا) جو تمہارے بزرگوں کے سروں سے ہٹاچکا ہوں تمہارے سروں پر گرادونگا ۴؎ عبرت و نصیحت کے لئے دوسروں کے واقعات سے آگاہ کردینا اور اس غرض سے کہ موٹی سمجھ والوں پر بھی حجت تمام ہوجائے صاف کھول کر کہ دینا کہ یہ واقعات وہ ہیں جو عذاب کے طور پر نازل کئے گئے تھے ان سے نصیحت لو ورنہ تم بھی انہیں میں بتلا کئے جاؤگے ؟ اس کو الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا سے لِلۡمُتَّقِیۡنَ تک سے ادا فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تین آیتوں میں ترغیب اور ترہیب (دھمکی) رحمت اور نعمت اور عذاب عبرت اور نصیحت ؟ کو تدریجاً نہایت خوش اسلوبی سے جمع فرمادیا ہے۔ کلام الملوک ملوک الکلام یعنی بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔

(دوسرا فائدہ) اصول دین۔ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ (مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ کا معنی خدا پر ایمان لانے کی خواہش ہے اور) خدا پر ایمان لانے میں وہ ایمان بھی داخل ہے جو اوس چیز سے تعلق رکھتا ہے جسکو خدا نے واجب کیا ہے یعنی رسولوں پر ایمان لانا۔ اور وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ سے آخرت پر ایمان لانے کی خواہش نکلتی ہے اور) اس میں وہ ایمان داخل ہے جو آخرت کے کل احکام سے تعلق رکھتا ہے۔

پس یہ دونوں کلام اون کل چیزوں کو شامل ہے جو دین سے تعلق رکھتی ہیں ؟ دنیاوی احکام کو بھی اور اخروی ثواب و عذاب کو بھی لہ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ کلام کئی وجہ

اصول دین

لہ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۰ چھاپہ مصر ۱۲ منہ

درست نہیں ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ خدا پر ایمان اور رسول پر ایمان دونوں عین یعنی ایک نہیں ہیں تاکہ ایک کا حصول دوسرے کے حصول کو چاہتا ہو۔ اسلئے بقول رازی صاحب کے رسول پر ایمان لانیکی ضرورت اس وجہ سے ہوگی کہ خدا نے واجب کیا ہے۔

پس اس پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ رسالت کے علاوہ بھی تو واجبات خدا بہت ہیں جن پر ایمان لانا واجب ہے؟ رازی صاحب نے اونکو کیوں چھوڑ دیا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ خدا پر ایمان جن ایمانوں کو شامل ہے ایمان بہ آخرت بھی اونھیں ایمانوں میں داخل ہے۔

کیونکہ یہ بھی واجب ہے۔ اور جب یہ ایمان بخدا میں داخل ہے تو جدا کر کے بیان کرنا بیکار فعل ہے جو شانِ پروردگار کے مناسب نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ خدا کے کل حکموں پر ایمان لانا واجب ہے خواہ وہ واجبات ہوں یا مستحب یا حرام یا مکروہ یا مباح۔ رازی صاحب نے وجوب ایمان کو واجبات کے ساتھ کیوں خاص کر دیا۔ صحیح یہ ہے کہ اس مقام پر مرادِ پروردگار صرف اصول دین کو بیان کرنا ہے۔ کل دینی باتوں پر ایمان لانے کی مطلوبیت کو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ اور پانچ اصول دین میں سے صرف دو یعنی ایمان بخدا اور ایمان بآخرت کو اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ یہ دونوں بقیہ تین کے لئے بمنزلہ جڑ کے ہیں۔ کیونکہ ایک تو ہر سمجھدار جانتا ہے کہ بادشاہ اور رعایا کے درمیان حکّام ہوا کرتے ہیں اور خدا سے بادشاہ حقیقی اور ہمارے درمیان میں بھی ضرور ہونا چاہیئے؟ اس لئے خدا کی معرفت کے ساتھ ساتھ رسول کی معرفت بھی بدلالت التزامی قہراً حاصل ہو جائیگی اور دوسرے چونکہ یہ خدائی پیغام حضرت سرورِ عالم بحیثیت رسالت پہونچا رہے تھے اس لئے کفار جب حضرتؐ کی وساطت سے اس کو قبول کرتے اور خدا پر ایمان لاتے تو اس ایمان کے ساتھ ساتھ حضرتؐ کی رسالت پر بھی ایمان لاتے۔ اور امامت چونکہ رسالت کی شاخ ہے اس لئے ائمہ کی معرفت حضرت رسول صلے اللہ علیہم اجمعین کی معرفت کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ اور چونکہ ایمان بخدا؟ مطابقی اور تضمنی اور التزامی تینوں دلالتوں میں سے کسی دلالت سے یہ نہیں بتاتا کہ خداوند مالک الملوک اچھے اور برے اعمال کا بدلا دنیا میں نہ کرے گا بلکہ اوسکے لئے ایک خاص زمانہ اور خاص جگہ مقرر کیا ہے جسکو قیامت کہتے ہیں؟ اور موت اور برزخ اور قیامت کے تفصیلی حالات کو بھی نہیں بتاتا جن کا ایک

مختصر بیان اس دوسری جلد کے ۵۸ تا ۶۶ میں گذر چکا ہے۔ اسلیئے یوم آخر پر ایمان لانے کو خاص کر کے ذکر کرنے کی ضرورت ہوئی کیونکہ یہ اصول دین کا پانچواں رکن ہے تاکہ لوگ اس پر بھی ایمان لائیں اور اسکی تفصیلوں کو حضرت سرور عالم سے پوچھیں جو خدا کی اطاعت پر آمادہ کرنے اور اوسکی مخالفتوں سے ڈرانے میں بہت زیادہ دخل رکھتے ہیں۔ اور چونکہ جزا اور بدلے کے بارے میں ہر شخص کی عقل یہ حکم کرتی ہے کہ حاکم کو انصاف ور ہونا چاہیئے کیونکہ خلاف حق فیصلہ کرنا ظلم اور ناپسندیدہ ہے اور ہر شخص اس کو غیظ و غضب کی نگاہ سے دیکھتا اور دل سے نفرت کرتا ہے یہاں تک کہ جماعت اشاعرہ جو خلافِ عقل ظلم کی برائی کا زبان سے اقرار نہیں کرتے وہ بھی اپنے یا اپنے کسی عزیز و محبوب کے حق میں حکام کے ناحق فیصلہ کو دشمنی کی نگاہ سے دیکھتے اور لعنت اور نفرین کرتے ہیں۔

اسلیئے یوم آخر پر ایمان ؟ اصول دین کے دوسرے رکن یعنی عدالتِ خدا پر ایمان لانے کو بدلالت التزامی بتاتا ہے۔ **خلاصہ** یہ کہ ایمان[1] بخدا ؟ رسالت[2] اور امامت[3] پر ایمان لانے کو بتاتا ہے۔ اور ایمان[4] یوم آخر ؟ عدالت[5] خدا پر ایمان لانے کو۔ یہی پانچوں اصول دین ہیں۔ **نفیس اشارہ**۔ یہ تو معلوم ہے کہ یوم آخر سے قیامت کا دن مراد لیا گیا ہے۔ مولانا ابوالحسن شریف مقدمہ مراۃ الانوار صہ ۲۲۹ لغت یوم میں لکھتے ہیں کہ روز قیامت کے علاوہ بہت سی تفسیری حدیثوں میں یوم آخر سے (عدم سابق ارواح کا آخری دن یعنی) عالم ذر مراد لیا گیا ہے (جسکو یوم الست بھی کہتے ہیں (جس میں اقرار و اعتقاد امامت ائمہ اثنا عشر کا عہد و پیمان لیا گیا تھا۔ اور (تبلیغ حضرت سرور[ص] عالم کا آخری دن یعنی) یوم غدیر مراد لیا گیا ہے جس میں امام برحق حضرت علی علیہ السّلام کی امامت کا اعلان کیا گیا تھا۔ اور (دنیا کی سرکشانہ روش اور مذاہب باطلہ کے زور اور رواج کا آخری دن یعنی) روز ظہور حضرت امام آخرالزمان علیہ السّلام مراد لیا گیا ہے جس کو یوم رجعت بھی کہتے ہیں پس میں عرض کرتا ہوں کہ اس بنا پر ممکن ہے کہ یہاں بھی خداوند حکیم نے یوم آخر باشتراک[1] معنوی یا لفظی[2] ایک ہی استعمال میں چاروں معنی مراد لیا ہو ۱ عالم ذر ۲ یوم غدیر

یوم آخر = امامت، رجعت، قیامت

---

[1] اس طرح کا استعمال جائز ہے ملاحظہ ہو اسی جلد کا چھٹاں فائدہ صہ ۵۶ و ۵۷ ۔ ۱۲ منہ

[2] اگر یوم آخر کا معنی آخری دن قرار دیکر یہ چاروں دن اوسکی چار فردیں قرار دیجائیں تو اشتراک

۳ یوم رجعت امام آخرالزمانؑ ۴ برزخ کا آخری دن یعنی قیامت ۶ اور مقصود یہ ہو کہ جو شخص خدا اور امامتِ ائمہ اثنا عشر اور رجعت اور قیامت پر ایمان لاکر عمل نیک کرے اوس کے لئے اجر و ثواب اور خوف و غم سے امان ہے۔ رہ گیا ایمان برسالت؟ تو اوپر بیان کیا گیا کہ وہ ایمان بخدا کے ساتھ ساتھ ہے۔ سوال۔ اگر کوئی پوچھے کہ ایمان برسول کو خاص کرکے کیوں نہ بیان کیا تو جواب یہ ہے کہ یہاں پر خطاب چار قسم کے لوگوں سے ہے ۱ الذین آمنوا یعنی مسلمانوں سے ۲ الذین ھادوا یعنی یہودیوں سے ۳ نصاریٰ سے ۴ صابئیون سے جو اپنے اور خدا کے درمیان ستاروں کو واجب التعظیم جانتے ہیں اور رسالت کا اعتقاد یہ سب رکھتے ہیں پہلے تین فرقے اکثر انبیاءِ خدا کی رسالت کا۔ اور صابئی جو خدا کو مانتے ہیں اور باوجود اس کے ستاروں کی تعظیم اور پوجا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ جن کو روحانیہ کہتے ہیں حضرت شیثؑ اور حضرت ادریسؑ کی رسالت کے معتقد ہیں۔ اور دوسرا گروہ جس کو ثنویہ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی رسالت کے معتقد ہیں لہ اور اہتمام اوسی چیز میں کیا جاتا ہے جو اوس وقت اختلافی ہو یا آئندہ ہونے والی ہو اور اس مقام پر ایسی چیزیں چار تھیں ؟ مسلمانوں میں دو ایک امامتِ ائمہ برحق۔ دوسرے رجعتِ حضرت آخرالزمان علیہ السلام اور باقی تینوں فرقوں میں دو۔ ایک وحدانیت۔ کیونکہ یہودی حضرت عزیر کو ابن اللہ اور خدائی میں شریک کہتے ہیں۔ اور نصرانی حضرت عیسےٰؑ کو اور صابئی ستاروں کو جیسا کہ پہلے فائدہ کے شروع میں حاشیہ پر لکھا گیا۔ دوسرے قیامت۔ کیونکہ انھیں سے اکثر جیسے حرمانیہ اور تناسخیہ یعنی آریہ وغیرہ اس کو نہیں مانتے۔ اس واسطے خداوند عالم الغیب نے صرف انھیں چیزوں میں اہتمام اور تاکید کی غرض سے دو جملوں میں چاروں چیزوں کو ادا فرمادیا۔

(بقیہ حاشیہ صـ ۲۲۴) معنوی ہوگا۔ اور اگر ہر ایک کو؟ یوم آخر کا جدا جدا مستقل معنی قرار دیا جائے تو اشتراک لفظی ہوگا ۱۲ منہ ع۵ یہ چیز ایسی عظیم الشان ہے کہ خداوند مالک الملوک نے آیت کریمہ قُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (یونس پ۱۱ آیت ۲۰) میں اسکے انتظار کا حکم دیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں غیب سے (حضرت) حجت قائم (علیہ السّلام) مقصود ہیں (تفسیر برہان جلد ۱ صـ ۵۶) ۱۲ منہ لہ کتاب بحر اللآلی صـ ۱۰۳ و ۱۰۶ مصنفہ ملا محمد مہدی تنکابنی بحوالہ نفائس الفنون مصنفہ ملا محمد بن محمود آملی ۱۲ منہ

(تمیسرا فائدہ) تفسیر میثاق - وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ - فخر الدین رازی نے میثاق کی تفسیر میں کئی کلام نقل کئے ہیں۔ بعض نے خدا کی ہستی اور انبیاء کی سچائی پر عقلی دلیلیں کہا ہے - اور بعض نے کوہ طور کا بنو اسرائیل کے سروں پر بلند کیاجانا[1] لیکن یہ سب غلط ہے کیونکہ میثاق کا معنی عہد و پیمان یعنی وعدہ ہے - اس لئے اوسکی صحیح تفسیر ؟ وحدانیت خدا اور رسالت

عہ (دہریہ کا اعتراض مع جواب کے) فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ بعض بے دینوں نے کہا ہے کہ بھاری چیز زمین سے اوپر بے سہارے ٹھہر نہیں سکتی اسلئے کوہ طور کے ؟ سروں پر بلند کئے جانیکا واقعہ غلط اور دور از عقل ہے - جواب اس کا یہ ہے کہ خدا قادر مطلق ہے سب کچھ کرسکتا ہے[2] میں کہتا ہوں کہ زمین اور ستاروں کا فضاء میں ٹھہرا رہنا بھی خدا ہی کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے - اور رخز مغز فلاسفہ کا ؟ جذب مرکزی کو ماننا اون خرافات میں سے ہے جو اونکے بخارات معدہ سے پیدا ہوئی ہیں اور اوس کا کوئی ثبوت اونکے پاس نہیں ہے لیکن چونکہ عوام الناس کو ایسی چیزیں دھوکے میں ڈال سکتی ہیں جو اونکے حس عہ اور عقل سے باہر ہوں اسلئے حکماء حمقاء کی رد کے لئے وہ چشم دید تاریخی واقعہ ہی بہتر ہے جس کو دنیا نے دیکھا اور فاضل قرمانی نے اخبار الدول صفحہ ۱۷۰ حال مطیع میں اور علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۷ حال مطیع میں لکھا ہے کہ مطیع بن مقتدر عباسی کی خلافت کے زمانے میں سنہ ۳۴۶ ہجری میں شدید زلزلہ کی وجہ سے رے (طہران) کا ایک دیہات زمین سے کٹ کر اوٹھا اور اپنی پوری آبادی کے ساتھ دو پہر تک آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہرا رہا اوس کے بعد گرا اور زمین میں دھنس گیا

(دہریہ کا دوسرا اعتراض مع جواب کے) فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ بعضوں نے کہا ہے کہ بنو اسرائیل کے سروں پر پہاڑ اوٹھانا جائز نہیں تھا - کیونکہ یہ ؟ ایمان پر مجبور کرنا ہے - اور شرعی باتوں میں جبر دینا جائز نہیں ہے - قاضی (ابوبکر باقلانی) نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس بلند کرنے کا بہت بڑا اثر ؟ اور سکے گرنے کا ڈر تھا لیکن جب وہ دیر تک بنی

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۰ - ۱۲ منہ [2] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۱ - ۱۲ منہ

عہ آنکھ - کان - ناک - زبان - ہاتھ وغیرہ سے سمجھنے کو حس کہتے ہیں ۱۲ منہ

تفسیر میثاق

قدرت خدا

زلزلہ سے پوری بستی زمین و آسمان کے درمیان

پہاڑ اوٹھانا اور جبر

محمد مصطفیٰ اور امامت ائمہ ہدیٰ کے اعتقاد و اقرار کا وعدہ ہے جو عالم ذر اور خم غدیر میں لیا گیا تھا۔ اور دوسرے معانی غلط ہیں اسلئے کہ خانہ وحی و تنزیل سے نہیں نکلے ہیں

چوتھا فائدہ) علم کلام۔ فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ (ابو علی، جبائی نے کہا ہے کہ کلام پروردگار خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ یعنی جو کچھ میں نے دیا ہے اوسکو مضبوطی سے اختیار کرو۔ یہ بتا رہا ہے کہ انسان میں قدرت اور اختیار اکام کرنے کے پہلے سے حاصل ہے؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶) جگہ ٹھہرا رہا اور نہ گرا اور اون سب نے دیکھا کہ آسمان بھی اسی طرح ٹھہرا ہوا ہے تو ہو سکتا ہے کہ خوف اونکے دلوں سے نکل گیا ہو اور یہ بلند کرنا جبر کی حد سے نکل چکا ہو[له] میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جواب غلط ہے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو طور کو اون پر بلند کرنا اونکو ڈرانے اور حجت تمام کرنیکے لئے تھا یا اسلئے نہ تھا اگر اسلئے نہ تھا تو اس فعل کی لغویت ثابت ہوتی ہے جس سے ذات پروردگار منزہ اور پاک ہے اور اگر اسی لئے تھا تو اس کو ایسی حالت پر رکھنا کہ خوف جاتا رہے غلط ہے۔ اس لئے کہ خوف کا باقی رہنا ضروری ہے۔

پس صحیح جواب یہ کہ اِلجاء اور تہدید میں فرق ہے اِلجاء مجبور کردینے کو کہتے ہیں جسمیں انسان بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے جیسے کسی کو خوب جکڑ کر ڈال دیں۔ **اور تہدید** دھمکی کو کہتے ہیں اگرچہ جان مارنے کی دھمکی دیجائے؟ اسمیں انسان مجبور نہیں ہوتا بلکہ جس فعل پر دھمکی دیجاتی ہے اوسکو اپنے ارادہ سے کرتا یا چھوڑتا ہے؟ اور کوہ طور کو اونکے سروں پر بلند کرنا اسی قسم کا تھا اور قرآن مقدس میں ثواب یا عذاب کے جتنے وعدے کئے گئے ہیں سب اسی قسم کے ہیں اور یہ طریقہ نہ عقلاً برا ہے نہ شرعاً نہ عرفاً۔ اور عام طور سے لوگوں میں مروج بھی ہے اور ایسی دھمکی کے مطابق عمل کرنے والا جزا اور سزا کا مستحق بھی سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ بغیر دھمکی کے اطاعت کرنے والوں کے ثواب سے اس کا ثواب کم اور مخالفت کرنے والوں کے عذاب سے اس کا عذاب زیادہ ہو۔ **اور جو چیز** عقلاً اور شرعاً اور عرفاً بری ہے وہ الجاء یعنی اس طرح مجبور اور بے اختیار کردینا ہے کہ اس شخص کو اوسکے خلاف کرنا محال اور قدرت سے باہر ہو۔

له تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۱ - ۱۲ منہ

کیونکہ جس میں قوت نہ ہو اوس سے کہنا کہ "قوت سے پکڑو" اور جس کے پاس قلم نہ ہو اوس سے کہنا کہ "قلم سے لکھو" صحیح نہیں ہے اس کا جواب میرے علماء (اشاعرہ) نے یہ دیا ہے کہ یہاں پر قوت سے اعتقاد اور سچی نیت مقصود ہے اور یہ دونوں کبھی کام سے پہلے بھی حاصل رہتے ہیں لہٰ میں عرض کرتا ہوں کہ ظاہری تفسیر کی حدیثوں میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی فرمائش نقل کر آیا ہوں کہ قوت سے قوت بدن اور قوت قلب دونوں مقصود ہیں۔ اور اس بنا پر جبائی اور رازی دونوں کی تفسیریں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں حضرتؑ کی فرمائش میں سے جبائی نے قوت بدن یعنی قدرت و اختیار لیا اور رازی نے قوت قلب یعنی اعتقاد اور ثبات و قرار کو۔ لیکن جبائی کی غرض یہ ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت کریں کہ بندے اپنا کام اپنے ارادہ و اختیار سے خود کرتے ہیں اوسمیں خدا کی شرکت ؟ فاعل یعنی کرنے والے کی حیثیت سے نہیں ہوتی بلکہ صرف عمل نیک میں سامان مہیا کر کے آسانی پیدا کرنے والے کی حیثیت سے ہوتی ہے اور یہ بات اس آیت سے ثابت ہے لیکن چونکہ رازی صاحب کے دماغی تصرفات کی آخری حد یہیں تک ہے کہ ہر طرح کا اعتراض ذکر کر کے اوس کے جواب میں غلط یا صحیح کچھ کہکر پیچھا چھوڑا لیا جائے اسلئے اپنے اس منصب کو اونہوں نے پورا کر لیا۔ اگرچہ اعتراض اپنے حال پر باقی رہ گیا کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ فاعل[ع] مضطر یعنی بے اختیاری سے کام کرنے والے ؟ جیسے آگ کو جلانے اور پانی کو ڈوبانے کا حکم دینا غلط اور سراسر بے عقلی ہے جکو رازی صاحب اور اونکے مرید اشاعرہ کے سوا موٹی عقل کا آدمی بھی تجویز نہیں کر سکتا۔ پھر خداوند عالم جو حکیم علی الاطلاق ہے فاعل مضطر کو لفظ خُذُوا (اختیار کرو) سے حکم کیونکر دے سکتا ہے۔ اسلئے اگر یہ میں لفظ قوۃ کو چھوڑ کر لفظ خُذُوا (لے لو ؟ اختیار کرو ؟) ہی کو اس مطلب کی دلیل قرار دوں تو کافی ہے۔ کیونکہ اگر بنو اسرائیل میں لے لینے اور اختیار کر لینے کی قابلیت نہ ہوتی تو یہ خطاب

بندوں کے کام میں خدا شریک نہیں ہے

ع؁ فاعل یعنی کام کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک اپنے کام میں مجبور جیسے آگ جلانے پر اور پانی ڈوبانے پر مجبور رہے ؟ ایسے فاعل کو فاعل مُوجَب اور فاعل مضطر کہتے ہیں۔ دوسرے اپنے کاموں کو اپنے ارادہ اور اختیار سے کرنے والا۔ جیسے آدمی۔ جانور وغیرہ ہر ذی روح ؟ ایسے فاعل کو فاعل مختار کہتے ہیں ۱۲ منہ

لہٰ تفسیر کبیر جلد ۱ صـ ۳۷۱ ۱۲ منہ

ویسا ہی ہوتا جیسے آگ کو جلانے کا حکم دینا۔

(پانچواں فائدہ) علم کلام فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (اگر خدا کا فضل اور اوسکی رحمت تم پر نہ ہوتی تو البتہ تم گھاٹا اوٹھانے والوں سے ہو جاتے) رازی صاحب لکھتے ہیں کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ فضل خدا حاصل ہونے سے خسران (نقصان) دفع ہو جاتا ہے اسلئے نقصان کا پایا جانا یہ بتائیگا کہ لطفِ خدا حاصل نہیں ہوا اور (کافروں کے لئے چونکہ خسران یعنی اخروی نقصان ثابت ہے اسلئے) ماننا پڑے گا کہ خداوند عالم نے دینی الطاف سے اون کو کچھ بھی حصہ نہ دیا۔ اور یہ بات معتزلہ (اور شیعوں کے) عقیدے کے خلاف ہے۔ اس کا جواب کعبی نے یہ دیا ہے کہ خدا نے اپنے فضل میں سب کو برابر کا حصہ دار بنایا ہے؟ کوئی اوس سے فائدہ اوٹھاتا ہے کوئی نہیں اوٹھاتا؟ اور ایسے مقام پر کہہ سکتے ہیں کہ اگر فلاں تمہیں مال نہ دیتا تو تم بھیک مانگتے؟ لیکن یہ جواب کمزور ہے۔ کیونکہ اہل لغت نے صاف صاف لکھا ہے کہ لَوْلَا؟ ایک چیز کے موجود ہونے کے وقت دوسرے کے معدوم ہونے کو بتاتا ہے۔ پس خسران کا موجود ہونا فضل ولطف کے نہ ہونے کو بتائے گا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ کعبی کا جواب اور رازی کی سمجھ دونوں کھوٹی اور معیوب ہے کیونکہ ہر عربی دان جانتا ہے کہ لَوْلَا کا لفظی معنی اگرچہ یہی ہے کہ اگر اسکے مدخول یعنی بعد والے لفظ جیسے آیت میں فضل اور رحمت؟ کا معنی نہ پایا جائے تو جزا یعنی خسران کا معنی پایا جائے گا۔ لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا استعمال وہیں پر ہوتا ہے جہاں اسکے مدخول کا معنی پایا جاتا ہو۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ملازمہ ایک طرف سے ہے یعنی فضل کے موجود ہونے کی صورت میں خسران ضرور معدوم ہوگا نہ یہ کہ خسران کے موجود ہونے کے زمانہ میں فضل ضرور معدوم ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں۔ یوں عرض کروں کہ بلحاظِ مقام استعمال لَوْلَا[ع] یہ بتاتا ہے کہ میرے مدخول کا وجود

ع امام فن نحو ابن ہشام مغنی اللبیب میں اور عالم علم لغت لویس عیسائی لغت منجد میں لکھتے ہیں کہ لَوْلَا تَدْخُلُ عَلٰی جُمْلَةٍ اِسْمِيَّةٍ فَفِعْلِيَّةٍ لِرَبْطِ اِمْتِنَاعِ الثَّانِيَةِ لِوُجُوْدِ الْاُوْلٰى۔ یعنی لَوْلَا دو جملوں پر داخل ہوتا ہے پہلا اسمیہ ہوتا ہے اور دوسرا فعلیہ؟ اور فائدہ اس کا دوسرے جملہ کے عدم کو پہلے جملہ کے وجود سے ملا دینا ہے؟ اور مولانا فخر الدین طریحی علیہ الرحمہ

کہ لطفِ خدا کافروں کے لئے نہیں ہے

جزاء کے عدم کا علت تامہ ہے نہ یہ کہ جزاء کا وجود دخول کے عدم کا علت تامہ ہے۔
پس لَوْلَا زَیْدٌ لَغَرِقْتَ (زید اگر موجود نہ ہوتا تو تم ڈوب جاتے) اوس وقت
بولتے ہیں جب عمرو کو ڈوبنے سے بچانے والا سوا زید کے کوئی دوسرا موجود نہ ہو؟ اور زید
اوس کو نکال بھی لے اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ عمرو کا ڈوب جانا زید کے موجود نہ ہونیکو
بتاتا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ زید کے کوشش بلیغ کرنے پر بھی عمرو ڈوب جائے۔ اسلئے

(بقیہ حاشیہ ص۲۲۹) نے بھی مجمع البحرین میں یہی لکھا ہے اور امام فن معانی بیان سعدالدین
تفتازانی نے بھی مختصر المعانی بیان تقیید مسند بشرط ص۱۰۵ میں یہی لکھا ہے اور مثال میں لَوْلَا عَلِیٌّ
لَھَلَکَ عُمَرُ کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ معنی اس کا یہ ہے کہ علی علیہ السلام کا وجود سبب تھا عدم ہلاکت عمر
کے لئے۔ یہ کسی نے نہیں لکھا ہے کہ دوسرے جملہ کے پائے جانے کی صورت میں پہلے جملہ کے عدم
کو بتاتا ہے **لیجئے یہ بھید کھل گیا** میں اب تک یہ سمجھتا تھا کہ یہ اعتراض امام اشاعرہ کی
کج فہمی کا نتیجہ ہے کہ لَوْلَا تُفِیْدُ اِنْتِفَاءَ الشَّیْءِ لِثُبُوْتِ غَیْرِہٖ؟ جکو اونہوں نے تفسیر کبیر میں
لکھا ہے اوس میں شے اور غیر سے دھوکا کھا کر شے سے پہلا جملہ سمجھا ہے اور غیر سے دوسرا؟
لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ اپنے فاسد عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے امام صاحب خیانت اور حق
پوشی کو بھی جائز جانتے تھے۔ کیونکہ ابھی میں نے ان کے امام شوکانی کی کتاب ارشاد الفحول فی
علم الاصول بحث امر ص۹۴ سطر ۲۹ چھاپہ مصر مطبوعہ ۱۳۴۹ھ کو دیکھا؟ وہ اسی عبارت تفسیر
کبیر کو لکھکر لکھتے ہیں کہ فَھُنَا[1] تُفِیْدُ اِنْتِفَاءَ الْاَمْرِ لِوُجُوْدِ الْمَشَقَّۃِ یعنی فرمائش حضرت سرور
عالم صلی اللہ علیہ وآلہ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ میں لولا مشقت کے ہونیکی
وجہ سے امر کے نہ ہونے کو بتا رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ شے سے دوسرے

[1] یعنی لولا کا فائدہ؟ ایک شے کے نہ پائے جانے کو اوس کے غیر کے پائے جانے کے
وقت؟ بتاتا ہے ۱۲ منہ [2] پس لولا یہاں پر یہ بتا رہا ہے کہ مشقت کے پائے جانیکی وجہ
سے امر معدوم رہا۔ یعنی چونکہ مسواک کے واجب کر دینے میں مشقت تھی اس لئے حضرتؐ نے اس کو
واجب نہیں کیا ۱۲ منہ [3] اگر اپنی امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت داتون
کرنے کو اوس پر واجب کر دیتا ۱۲ منہ

اس کا ڈوب جانا اوس کے نہ ہونے کو بتا نہیں سکتا۔ **خلاصہ جواب** یہ ہوا کہ لطف و فضلِ خدا کے برابر کے حصہ دار مسلم اور کافر سب ہیں بلکہ ابتدا ربعثتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ میں اس کے پورے مالک کفار ہی تھے۔ کیونکہ لطف وفضل ؟ اسبابِ ہدایت فراہم کرنے کو کہتے ہیں اور ابتدا ربعثت میں سوا حضرت علی علیہ السلام اور حضرت خدیجہ علیہا السّلام کے سب اسکے محتاج تھے کیونکہ کوئی مسلمان نہ تھا۔ اور ہدایت یافتہ یعنی مسلمانوں کے لئے اسبابِ ہدایت فراہم کرنا تحصیلِ حاصل ہے جو غلط ہے **پس** کفار میں سے جس نے اپنی عقل کو اپنا پیشوا بنایا اوس نے لطف وفضل سے فائدہ اوٹھایا اور جس نے خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی وہ خسران میں رہا **پس** معتزلہ اور شیعوں کا عقیدہ صحیح ہے اور اشاعرہ کا غلط۔

(چھٹاں فائدہ) علم کلام ۔ طبرسی علیہ الرحمۃ والرضوان کلام پروردگار مَنْ اٰمَنَ سے یَحْزَنُوْنَ تک کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ عَمِلَ صَالِحًا کو مَنْ اٰمَنَ پر عطف کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا معنی ؟ دل سے تصدیق اور اعتقاد کرنا ہے اور جن لوگوں نے عَمِلَ صَالِحًا کے علیحدہ ذکر کرنے کو تاکید اور فضیلت کے لئے سمجھا ہے اونھوں نے ظاہری معنی کو چھوڑا ہے [۱] **توضیح اسکی** یہ ہے کہ علماء فریقین میں ؟ ایمان کے معنی میں اس امر میں اختلاف ہے کہ عمل نیک جیسے نماز روزہ وغیرہ بجالانا ایمان کے معنی میں داخل ہے یا نہیں۔ ہمارے علماء میں سے اگلے اسکو داخل سمجھتے تھے۔ **لیکن پچھلے** داخل نہیں سمجھتے۔ داخل سمجھنے والوں کے نزدیک عمل نیک نہ کرنے والے مومن نہیں ہیں۔ اور داخل نہ سمجھنے والوں کے نزدیک مومن

عمل ایمان میں داخل نہیں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۰) جملہ کا اور غیر سے پہلے جملہ کا مراد ہونا امام الاشاعرہ پر بھی پوشیدہ نہ تھا کیونکہ علم اصول کی ہر کتاب میں اس حدیث سے گفتگو کی گئی ہے یہاں تک لکھنے کے بعد میں نے تفسیر کبیر کی ورق گردانی شروع کی تو اوسکی جلد ۵ صفحہ ۱۱۸ آیت وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ کی تفسیر میں رازی صاحب نے میرے جواب کا اقرار کر لیا لکھتے ہیں کہ هَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰى کا جواب ہے جو اوس سے پہلے ذکر کر دیا گیا ہے اور معنی اس کا یہ ہے کہ اگر یوسف خدا کی دلیلیں دیکھ نہ لئے ہوتے تو زلیخا سے لپٹنے کا ارادہ کرتے اور اونھوں نے ارادہ نہیں کیا؟ یہ آیت ویسی ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے کُنْتَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ لَوْلَا اَنَّ فُلَانًا خَلَّصَكَ یعنی فلاں شخص اگر تم کو نہ بچاتا تو تم مرجاتے ۱۲ منہ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ [۱] مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۵ - ۱۲ منہ

ہیں لیکن فاسق ہیں ۔ اور علماء اہلسنت میں سے اشاعرہ اور جہم بن صفوان داخل نہیں
جانتے ؟ اور خوارج داخل جانتے ہیں۔ اور ابوالہذیل اور دونوں جبائی کہتے ہیں کہ عمل نیک ؟
ایمان کا پورا معنی ہے ۔ اور ہر ایک نے اپنے اپنے دعوے پر دلیلیں ذکر کی ہیں جن کو
ذکر کرنا بے فائدہ طول دینا ہے ۔ **تحقیق** یہی ہے کہ ایمان کا معنی ؟ اصول دین کا اعتقاد
کرنا ہے اور اعمال نیک اسکے معنی میں داخل نہیں ہیں ۔ اور ثبوت اس کا یہی ہے کہ قرآن مقدس
کے بہت سے مقامات میں ذکر ایمان کے بعد حرف عطف لاکر عمل نیک ذکر کیا گیا ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ اعمال ؟ ایمان میں داخل نہیں ہیں ۔ اور حدیثیں بھی ان آیتوں کے مطابق
بہت ہیں ۔ اور وہ حدیثیں بھی اس مطلب کی تائید کرتی ہیں جن میں بداعمال معتقدِ اصول
دین کی شفاعت کا وعدہ کیا گیا ہے ۔

(ساتواں فائدہ) سوال و جواب اِعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ

جن لوگوں نے تم میں سے سنیچر کے دن بے اعتدالی کی ۔ سوال ۔ جب سنیچر کے دن شکار
کرنے سے وہ روک دیئے گئے تھے تو اس میں کیا مصلحت تھی کہ کنارہ پر مچھلیاں سنیچر
ہی کو آتی تھیں اور باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں ۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا خود
ہی فتنہ پھیلانا اور گمراہ کرنا چاہتا تھا ۔ جواب ۔ رازی صاحب جواب دیتے ہیں کہ
(ہم) اہلسنت عـه کے مذہب کے مطابق ؟ گمراہ کرنیکا ارادہ خدا کے لئے جائز ہے ۔
لیکن معتزلہ (اور شیعوں) کے مذہب کے مطابق جواب یہ ہے کہ ثواب بڑھا دینے کی غرض سے
احکام میں سختی کرنی ممدوح ہے ۔ میں عرض کرتا ہوں کہ دوسرا جواب یہ ہے کہ بہت
سی رعایتوں کے بعد جو قبل اسکے ذکر کی گئیں ؟ خداوند مالک الملوک نے اونکے لئے یہ آخری
امتحان مقرر کیا تھا تاکہ اون پر بھی حجت تمام ہو جائے اور اہل دنیا بھی اونکی سرکشی
کی انتہائی حد کو سمجھ لیں کہ باوجود اتنی رعایتوں اور مہربانیوں کے بھی اپنی شرارتوں سے باز
نہ آئے اسی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوئے ۔ اور چونکہ یہ ممانعت آخری امتحان کے لئے تھی ؟
اسلئے مچھلیاں روک دی گئیں اگر دوسرے دنوں میں بھی کنارہ پر آتیں تو اونکے لئے نہیں

عـه اگرچہ معتزلی بھی کھرے سُنی ہیں لیکن چونکہ بہت سے فرعی مسئلوں میں اشاعرہ کی بے عقلیوں میں
شریک نہیں ہیں (جیسے اسی مسئلہ میں) اس وجہ سے یہ لوگ اونکو سُنی نہیں سمجھتے ۱۲ منہ

دنوں میں شکار کافی ہو جاتا اور امتحان کا موقع باقی نہ رہتا اگرچہ ایک ہی دن کنارے آتیں کیونکہ اوپر ذکر کیا گیا کہ ایک ہی دن کے شکار سے وہ مالدار ہو گئے تھے اور چونکہ نہ تو مچھلی کھانا اونکو لازم تھا اور نہ اونکی زندگی اوس پر موقوف تھی کیونکہ شہر میں آباد تھے؟ اسلئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ زندگی کیونکر بسر کرتے۔

تنبیہ: ۱ ایک ہی جسمیت کی صورت بدل دینے کو مسخ کہتے ہیں؟ اور مسخ؟ اسکے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے تاکہ مجاہد کا بنو اسرائیل کے مسخ ہونے سے انکار صحیح سمجھا جائے ۲ باطنی تفسیر کی صحیح السند حدیث میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ پرہیزگاروں نے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھکر جب اون کو دیکھا اور اون سے پوچھا کیا تم فلاں اور فلاں ہو تو وہ سب رو دیئے اور سر کے اشارے سے کہا کہ ہاں۔ اسلئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسخ ہونے کے بعد جب انمیں عقل اور سمجھ باقی نہ رہی اور اپنے مبتلا ر عذاب ہونے کو سمجھ نہ سکے تو اس عذاب کا فائدہ کیا ہوا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ حدیث صحیح کے مطابق ان میں عقل اور سمجھ کا باقی رہنا تو معلوم ہی ہوا؟ بہت بڑا فائدہ انکے مسخ ہونے میں دوسروں کی نصیحت تھی جسکو خدا نے موعظۃ للمتقین سے ادا فرمایا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝

(الفاظ کے معانی) وَ - اور + اِذْ - وقت + قَالَ - کہا + مُوْسٰے - نبی + لِقَوْمِہٖ - اپنی
قوم سے + اِنَّ - البتہ - بے شک + اَللّٰہَ - خدا + یَاْمُرُ - حکم دیتا ہے + کُمْ - تم کو + اَنْ - یہ کہ
+ تَذْبَحُوْا - ذبح کرو + بَقَرَۃً - ایک گائے + قَالُوْا - اونہوں نے کہا + اَ - کیا + تَتَّخِذُ -
لیتے ہو + نَا - ہم لوگوں کو + ھُزُوًا - ہنسی - مذاق + اَعُوْذُ - پناہ چاہتا ہوں + بِ - ساتھ
سے + اَکُوْنَ - ہو جاؤں + مِنَ - سے + جَاھِلِیْنَ - نادانوں - بے عقلوں + اُدْعُ - چاہو
+ لَ - واسطے + رَبَّ - مالک - پروردگار + کَ - اپنے - تمہارے + یُبَیِّنْ - بیان کرے
+ مَا - کیا + ھِیَ - یہ + ہٗ - وہ + یَقُوْلُ - کہتا ہے + ھَا - وہ + لَا - نہیں + فَارِضٌ -
بوڑھی + بِکْرٌ - بچھیا - کمسن + عَوَانٌ - ادھیڑ + بَیْنَ - درمیان + ذٰلِکَ - اس + فَ -
پس + اِفْعَلُوْا - کرو + مَا - جو کچھ - جس - جو چیز + تُؤْمَرُوْنَ - حکم دیے جاتے ہو
+ لَوْنُ - رنگ - صفراء - زرد + فَاقِعٌ - خالص + تَسُرُّ - خوش کرے -
نَاظِرِیْنَ - دیکھنے والے + تَشَابَہَ - شبہ - دھوکا میں پڑ گئی + عَلٰی - پر - اوپر
اِنَّا - البتہ ہم لوگ + اِنْ - اگر + شَآءَ - چاہے + لَ - ضرور + مُھْتَدُوْنَ - ٹھیک
راہ پر آنے والے ہیں + ذَلُوْلٌ - سدھی ہوئی + تُثِیْرُ - کریدتی ہو - جوتتی ہو + اَرْض
- زمین + تَسْقِیْ - سینچتی ہو + حَرْثَ - کھیت + مُسَلَّمَۃٌ - بے عیب + شِیَۃَ - دھبہ
+ اَلْئٰنَ - اب - اس وقت + جِئْتَ - تو لایا + حَقِّ - ٹھیک + ذَبَحُوْا - اونہوں
نے ذبح کیا + مَا - نہیں + کَادُوْا - قریب تھے + یَفْعَلُوْنَ - کرتے ہیں +

(بامحاورہ ترجمہ) اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسےٰ نے اپنی قوم سے کہا
تھا کہ یقین جانو کہ خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو تو اونھوں نے کہا
کیا آپ ہم لوگوں سے ہنسی کر رہے ہیں۔ موسےٰ نے کہا میں خدا سے پناہ چاہتا ہوں
کہ بے عقلوں سے ہو جاؤں (بے عقلی کی باتیں کروں) اونہوں نے کہا اپنے خدا سے
دعا کیجیے ہمیں بتا دے کہ گائے کیسی ہو؟ کہا فرما رہا ہے کہ نہ بوڑھی ہو نہ بچہ بلکہ درمیانی
عمر کی ادھیڑ ہو۔ پس جو حکم تمہیں دیا جا رہا ہے اوسکو کر گذرو۔ کہا اپنے پروردگار سے
دعا کیجیے کہ بیان کرے کہ اوس کا رنگ کیسا ہو؟ کہا فرما رہا ہے کہ کھلتے ہوئے زرد
رنگ کی ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کر دے۔ کہا ہماری خاطر سے اپنے پروردگار سے
دعا کیجیے کہ بیان کرے کہ کیسی ہو۔ البتہ گائے شبہ میں پڑ گئی۔ اور (ابکی دفعہ) اگر خدا نے

چاہا تو یقیناً ہم لوگ (اوسکی) ٹھیک پہچان پالینگے ؟ کہا فرما رہا ہے کہ ایسی ہو جو نہ تو زمین جوتتی ہو نہ کھیت سینچتی ہو ؟ بالکل بے عیب ہو ؟ دوسرے رنگ کا دھبہ بھی نہ رکھتی ہو ؟ کہا اب ٹھیک بات آپ نے بتائی ؟ پس سب نے وہ گائے ذبح کی حالانکہ اون سے ذبح کرنے کی امید نہ تھی۔ (صرف) یَأْمُرُ اصل میں یَأْمُرُ تھا ہمزہ پر جزم تھا اور "ی" پر زبر اس واسطے ہمزہ کو الف سے بدل دیا۔ تَتَّخِذُ کی اصل تَوْتَخِذُ تھی "و" اور "ت" ایک جگہ اکٹھا ہوئے "و" کو "ت" سے بدل کر دوسری "ت" سے ملا دیا تَتَّخِذُ ہوگیا۔ تُثِیْرُ اصل میں تُثْوِرُ تھا کسرہ (زیر) "و" پر گراں تھا اس لیئے اوسکو "ث" کو دیدیا۔ اب اوسکے قبل کسرہ ہوا اسلیئے اوسکو "ی" سے بدل دیا تُثِیْرُ ہوگیا (نحو) اَنْ تَذْبَحُوْا کا اَنْ مصدریہ ہے اصل میں بِاَنْ تھا ؟ "ب" تخفیف کے لئے گرادی گئی ؟ اب یہ جملہ حالت نصب میں یَأْمُرُ کا مفعول ہے۔ هُزُوًا مصدر ہے اور تین طرح سے پڑھا جاتا ہے هُزُءً ۔ هُزْءً ۔ هُزُوً ۔ بہرحال یہ اَتَتَّخِذُ کا دوسرا مفعول ہے اور پہلا مفعول نَا ضمیر متکلم کی ہے۔ اور واقع میں یہ مضاف الیہ ہے کیونکہ اصل میں تَتَّخِذُنَا ذَوِیْ هُزُوٍ تھا (یعنی کیا آپ ہم لوگوں کو ہنسی مذاق والا آدمی سمجھتے ہیں) اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصدر مفعول کے معنی میں ہو۔ یعنی هُزُوً ؟ مَهْزُوٌّ بِہٖ کے معنی میں ہو (یعنی جس سے ہنسی کی جائے) مَا ؟ اسم موصول ہے استفہام (دریافت) کے معنی میں اور ترکیب میں مبتدا ہے۔ اور خبر اوسکی لَوْنُهَا مضاف اور مضاف الیہ مل کر ؟ اور جملہ ہو کر یُبَیِّنْ کا مفعول ہے۔ مَا مبتدا ہے۔ ھِیَ اوسکی خبر۔ دونوں مل کر جملہ ہو کر یُبَیِّنْ کا مفعول ہے۔ لَا فَارِضٌ اور لَا بِکْرٌ ؟ بَقَرَۃٌ کی دو صفتیں ہیں اور عَوَانٌ تیسری صفت ؟ مَا تُؤْمَرُوْنَ میں مَا اسم موصول ؟ الذی کے معنی میں ہے اور تُؤْمَرُوْنَ اوسکا صلہ ؟ جس میں سے بِہٖ گرادیا ہے جسکی ضمیر اسم موصول کی طرف پھرتی تھی اور موصول اور صلہ مل کر اِفْعَلُوْا کا مفعول بہ ہے۔ فَاقِعٌ لَوْنُهَا ؟ ہو سکتا ہے کہ فَاقِعٌ ؟ صَفْرَاءُ کی صفت ہو ؟ اور لَوْنُهَا مضاف اور مضاف الیہ مل کر اوس کا فاعل۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لَوْنُهَا مضاف اور مضاف الیہ مل کر مبتداء موخر ہو ؟ اور فاقع خبر مقدم۔ تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ ؟ جملہ ہو کر بقرہ کی دوسری صفت ہے۔ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَمُهْتَدُوْنَ میں اِنْ شَاءَ اللّٰہُ شرط ہے اور اوس کا جواب اِنَّا لَمُهْتَدُوْنَ ہے۔ لَا ذَلُوْلٌ [illegible]

کی پہلی صفت ہے۔ اور تُثِیْرُ الْاَرْضَ جملہ ہو کر ذَلُوْلٌ کی ضمیر یعنی ھِیَ کا حال ہے۔ اور
لَا تَسْقِی الْحَرْثَ بقرہ کی دوسری صفت ہے۔ اور مُسَلَّمَۃٌ تیسری صفت۔ اور لَاشِیَۃَ
فِیْھَا جملہ ہو کر چوتھی صفت۔ اَلْاٰنَ جِئْتَ کا مفعول فیہ ہے۔ اور بِالْحَقِّ اوس کا مفعول
یعنی اصل میں اس کو جِئْتَ الْحَقَّ قرار دینا چاہیے۔

(ظاہری تفسیر) یہ آیتیں بھی اونھیں آیتوں میں سے ہیں جن میں اس کا
ذکر ہے کہ خداوند عالم نے بنو اسرائیل پر کیا کیا نعمتیں نازل کیں اور اونھوں نے
اونکے مقابلہ میں کس کس طرح کفران اور عصیان (ناشکری اور مخالفت) یا کفر اور گناہ
اختیار کیا۔ اب خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ اے بنو اسرائیل اپنی اوس
بے وفائی کو بھی یاد کرو جو تم نے اپنے اوس وعدۂ اطاعت و فرمانبرداری کو پورا نہیں
کیا جس کو میں نے اوس وقت لیا تھا جبکہ موسٰیؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ
یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً یعنی خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔
تو اونھوں نے کہا کہ آپ ہم لوگوں سے مسخراپن کرتے ہیں ہم لوگ اپنے مقتول کے قاتل کا پتہ
لگانے کو کہ رہے ہیں اور آپ کہ رہے ہیں کہ گائے ذبح کرو؟ مقتول کی گفتگو کو ذبح
بقرہ سے بے جوڑ دیکھکر بنو اسرائیل نے اس کو مسخراپن سمجھا اور اعتراض کیا۔ اور جو
مصلحت اسمیں تھی اوسکو نہ سمجھے تو حضرت موسٰیؑ نے کہا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ
الْجَاھِلِیْنَ خدا سے پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ مسخراپن کرنے والوں سے ہو جاؤں۔
یہ کلام بتا رہا ہے کہ مسخراپن کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ کیونکہ جس سے مسخراپن
کیا جاتا ہے، یا تو اوسکے کسی پیدائشی بات کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ یا اوسکے کسی فعل کیوجہ سے
پیدائشی امر مسخراپن کے قابل نہیں ہے کیونکہ (وہ خدا کا فعل اور اوس کا دیا ہوا ہے)
اوسکی وجہ سے مسخراپن کرنا (در اصل خدا کے فعل پر اعتراض کرنا اور) گناہ کبیرہ ہے
اور ایسا کام وہی کرتا ہے جو اس سے جاہل ہو یا اس کی طرف محتاج ہو۔

سوال:۔ اگر کوئی پوچھے کہ خاص کر گائے ذبح کرنے کا حکم کیوں دیا گیا کسی دوسری
چیز کے ذبح کا حکم کیوں نہیں دیا۔ جواب:۔ اس وجہ سے کہ اون لوگوں نے قبل
اسکے اس کو پوجا تھا۔ پس خدا نے چاہا کہ اون پر ظاہر کر دے کہ گائے تعظیم کے قابل
نہیں ہے جیساکہ تمہارا خیال ہے بس ایسی ہی چیز ہے کہ اوس کو ذبح کرنے کا حکم دیا

اور اوسکے قابل عبادت ہونے کا خیال جو اونکے دلوں میں جما ہوا ہے وہ نکل جائے۔ خداوند عالم نے ایک زندہ (گائے) کے ذبح کے ذریعہ سے مقتول کو اس غرض سے زندہ کیا تاکہ اچھی طرح ظاہر ہو جائے کہ وہ قادر مطلق ہے چیزوں کو اونکے ضد سے پیدا کر سکتا ہے۔ بنو اسرائیل نے جب سمجھ لیا کہ گائے ذبح کرنے کو خدا نے واجب کر دیا ؟ تو اوسکی پہچان پوچھنے لگے۔ اور پہلے اوسکی عمر پوچھی جس کا پتہ ؟ جواب یعنی یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ سے ملتا ہے۔ یعنی فرمارہا ہے کہ وہ گائے نہ تو بڈھی ہو نہ بچہ بلکہ بیچ کے عمر کی (ادھیڑ) ہو ؟ جو طاقتور اور اچھی ہوا کرتی ہے۔ اور یہ کلام ابن عباس کا ہے۔ اور مجاہد نے کہا ہے کہ ایک یا دو۔ بیان کی ہو (ایک یا دو دفعہ بچہ جن چکی ہو) اسکے بعد اونھوں نے رنگ پوچھا تو جواب ملا کہ صَفْرَاۗءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ اسکی تفسیر میں حسن بصری اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ زرد رنگ کی ہو یہاں تک کہ سینگ اور کھر بھی زرد ہوں اور فَاقِعٌ کا معنی بعض نے گہرا رنگ کہا ہے اور بعض نے خالص اور بعض نے خوشنما (جو دیکھنے میں بھلا معلوم ہو) اسکے بعد اونھوں نے اوسکی صفت پوچھی تو جواب ملا کہ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ (تا آخر) یعنی نہ تو کھیت جوتتی ہو اور نہ کھیت سینچتی ہو ؟ مُسَلَّمَةٌ کی تفسیر میں قتادہ اور عطاء نے بے عیب کہا ہے ؟ اور مجاہد نے ایک رنگ ؟ اور بعض نے کہا ہے کہ کام کرنے کا کوئی اثر اور نشان اوسکے کھر یا بدن پر نہ ہو (جیسے کھر کا گھس جانا ؟ اور بدن پر گھٹا ہونا یا بال اڑ جانا وغیرہ) اور حسن بصری نے کہا ہے کہ وہ گائے جنگلی تھی اور لَّا شِيَةَ کی تفسیر اہل لغت نے یہ کی ہے کہ اوسکے کھروں کا رنگ ؟ چمڑے کے رنگ سے جدا نہ ہو اور قتادہ اور مجاہد نے کہا ہے کہ چتلی نہ ہو۔ اوس وقت بولے کہ اَلْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ یعنی اب ہم لوگوں کو ٹھیک بات معلوم ہوئی ۔ یہ گائے فلاں شخص کی ہے۔ اس آیت کی اس تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اون لوگوں کی تجویز میں ٹھیک بات پہلے مجمل طور سے بیان کی گئی تھی اور آخر میں تفصیل سے ۔ اور قتادہ نے اسکی تفسیر میں اَلْـٰٔنَ ثَبَتَ الْحَقُّ کہا ہے یعنی ٹھیک بات اب ثابت ہوئی ؟ اور یہ تفسیر ظاہر کر رہی ہے کہ اون لوگوں کو حضرت موسیٰؑ کی حق گوئی میں شک تھا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ یعنی قریب تھا کہ وہ ذبح نہ کریں کیونکہ قاتل کی فضیحتی کے مشہور ہونے سے ڈرتے تھے ؟

اور بعض نے کہا ہے کہ قیمت کی زیادتی کی وجہ سے ذبح کرنے سے بھاگتے تھے۔
کیونکہ بروایت ابن عباس اوسکی قیمت اوسکی کھال بھر اشرفی مقتول کے مال سے
اونھوں نے ادا کی۔ اور بروایت سدی اوس گائے کے دس گنا وزن میں
سونا۔ حالانکہ عکرمہ کے کلام کے مطابق تین اشرفیوں سے زیادہ اوسکی قیمت نہ تھی۔
ابن عباس حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں
آپ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے اونھیں معمولی ہی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا
تھا؛ اونھوں نے اپنے اوپر سختیاں خود بڑھائیں۔ اگر خود ایسا نہ کرتے تو خدا ہرگز بیان
نہ کرتا۔[1]

حدیثیں

(بطریق اہلسنت) ۱ ابن عباس ذبح کے حکم کا سبب یہ بیان کرتے ہیں
کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنو اسرائیل میں ایک بڈھا لاولد بڑا مالدار
تھا۔ اور اوسکے بھتیجے جو اوسکے وارث تھے فقیر تھے۔ وہ امیدوار تھے کہ کسیطرح
یہ چچا مر جائے تاکہ ہم لوگ اوسکے مال کے مالک ہو جائیں۔ اور اوسکی لمبی زندگی سے گھبرا
گئے تھے۔ شیطان پہونچا اور کہا کہ میں تدبیر بتاتا ہوں؛ اپنے چچا کو مار کر اوس دوسرے
شہر کے پاس پھینک آؤ اور اوسکے باشندوں سے اوس کا خونبہا (جان کا بدلا) بھی لو؛
بنو اسرائیل کے دو شہر تھے۔ جب کوئی مقتول ان دونوں کے درمیان پایا جاتا تھا
تو دونوں شہروں سے اوس کا فاصلہ ناپتے تھے جس سے نزدیک ہوتا تھا اوسی کے
رہنے والے خونبہا ادا کیا کرتے تھے پس اوسکے بھتیجوں نے اوسکو مار کر دوسرے
شہر کے شہر پناہ کے پھاٹک پر ڈال آئے۔ اور صبح کو شہر والوں سے کہا کہ ہمارا چچا
تمہارے شہر کے پھاٹک پر مار اگیا ہے۔ اوس کا خونبہا ہمیں دو۔ اونھوں نے
قسم کھائی کہ نہ ہم لوگوں نے قتل کیا ہے نہ قتل کرنے والے کو جانتے ہیں۔ اور نہ دروازہ
کو بند کرنے کے بعد صبح تک کھولا ہے۔ پس اوسکے بھتیجوں نے اس قصہ کو حضرت

---

[1] مجمع البیان جلد ۱ صہ ۵۸ - ۱۲ منہ

موسےٰ علیہ السلام سے بیان کیا۔ پس حضرت جبریلؑ آئے اور کہا کہ خدا نے گاے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے ۲؎ عکرمہ نے گاے کی قیمت بڑھنے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ بنو اسرائیل جب گاے کا پتہ لگا چکے تو اوس کے مالک سے قیمت پوچھی اوس نے سو اشرفیاں کہیں اور انہوں نے تین ؟ جب اوس نے کم نہ کیا تو حضرت موسےٰ سے کہنے آئے اونھوں نے فرمایا کہ اوس کا مال ہے جتنے پر راضی ہو خریدو۔ اب جو گئے تو اوس نے دو سو اشرفیاں کہیں اور انہوں نے سو ؟ جب وہ راضی نہ ہوا تو پھر حضرت موسےٰ کو خبر دینے آئے ؟ پھر فرمایا کہ اوس کا مال ہے جتنے پر راضی ہو خریدو۔ اب جو گئے تو اوس نے چار سو اشرفیاں کہیں (خلاصہ یہ کہ یوں ہی بڑھتے بڑھتے) بات اس پر ختم ہوئی کہ اوسکی کھال میں اشرفیاں بھریں چنانچہ اسی قیمت پر خریدا اور ذبح کیا۔ اور اوسکی ران مقتول پر ڈالی وہ زندہ ہو گیا اور بیان کیا کہ میرے بھتیجوں نے اسلیے قتل کیا ہے کہ میرے مال پر قبضہ کریں اور میری لڑکی سے شادی کریں پس وہ قاتل اس سے محروم کر دیے گئے ۱؎

(بطریق شیعہ) **حکم ذبح کا سبب** بسند صحیح حضرت امام جعفر صادقؑ اور حضرت امام حسن عسکری علیہم السلام سے منقول ہے ان حضرات نے ارشاد فرمایا کہ بنو اسرائیل میں ایک عورت تھی جو صورت اور سیرت میں بے مثال اور حسب و نسب میں اچھی اور کل اچھی صفتوں سے متصف تھی۔ بہت سے لوگوں نے اوس سے شادی کا پیام بھیجا جنمیں اوسکے تین چچازاد بھائی بھی تھے ؟ ان تین میں ایک دیندار اور باقی سے افضل تھا۔ عورت نے اوسی سے شادی منظور کی۔ پس دونوں نے اس سے حسد کیا اور دعوت کے بہانے رات کے وقت اوس کو بلا کر مار ڈالا اور بنو اسرائیل کے اوس محلہ میں پھینک آئے جس میں بہت بڑا قبیلہ آباد تھا۔ اور صبح کو خود ہی جا کر غل و شور مچایا اور اپنے کپڑے پھاڑنا اور سر پر خاک اوڑانا شروع کیا اور حضرت موسےٰؑ سے کہا کہ اس قبیلہ والوں نے ہمارے چچازاد بھائی کو مار ڈالا ہے۔ اونھوں نے قبیلہ والوں کو بلا کر پوچھا۔ اونہوں نے جواب دیا کہ نہ تو ہم لوگوں نے مارا ہے اور نہ مارنے والے کو جانتے ہیں۔ حضرت موسےٰؑ نے کہا کہ واقعہ قتل میں خدا کا حکم یہ ہے کہ یا تو تم میں سے پچاس آدمی جو بزرگ قبیلہ ہوں اس طرح قسم کھائیں کہ اوس خداوند قوی شدید کی قسم جو بنو اسرائیل کا خدا اور محمدؐ اور

۱؎ در منثور جلد ۱ صفحہ ۷۶ و ۷۷ ۱۲ منہ

اونکی آل پاک کو ساری دنیا پر فضیلت دینے والا ہے؟ نہ ہم لوگوں نے قتل کیا ہے اور نہ قاتل کو جانتے ہیں۔ اور خونبہا یعنی (خون کا بدلا مال) دیں یا قاتل کو بتائیں۔ اونھوں نے جواب دیا کہ اگر بدلا ہی دینا ہے تو قسم کا کیا فائدہ اور اگر قسم ہی کھانا ہے تو خونبہا دینے کی کیا ضرورت؟ حضرت موسےٰؑ نے فرمایا کہ فائدہ کی چیز بس خدا کی اطاعت اور فرماں برداری ہے اسلئے جو کچھ حکم ہے اوس پر تم کو عمل کرنا چاہیئے۔ جواب دیا کہ خونبہا زیادہ ہے۔ حالانکہ ہملوگوں نے قصور نہیں کیا۔ اور قسم سخت ہے حالانکہ ہماری گردنوں پر اس خون کا حق نہیں ہے؟ آپ خدا کی درگاہ میں دعا کریں کہ قاتل کو ظاہر کردے اور وہ سزا پائے اور ہم لوگ قسم اور خونبہا سے چھٹکارہ پائیں۔ حضرت موسےٰؑ نے کہا کہ خداوند عالم حکم دے چکا ہے اس لیئے میں جراءت نہیں کرسکتا کہ اوس کو چھوڑ کر دوسری بات کی خواہش کروں۔ ہم لوگوں پر لازم ہے کہ اوسی حکم کو سر جھکا کر مان لیں۔ پس اون پر وحی ہوئی کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اوس کو منظور کرلو۔ اور اونکی خواہش کے مطابق مجھ سے چاہو تاکہ میں قاتل کو ظاہر کردوں۔ اور اس ضمن میں تمہاری امت کے ایک نیکو کار کا رزق بھی وسیع کردوں جو ساری دنیا پر محمدؐ اور علیؑ کی فضیلت کا معتقد ہے اور اون پر درود بھیجا کرتا ہے؟ چاہتا ہوں اس قصہ کے ذریعہ سے اوس کو مالدار بنادوں تاکہ اوسکے اس عقیدہ کا تھوڑا سا ثواب اوس کو مل جائے پس موسےٰؑ نے عرض کیا؟ پروردگارا قاتل کو بیان کر؟ حکم ہوا کہ ان سے کہو کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً یعنی بتحقیق کہ خدا انھیں حکم دیتا ہے کہ ایک گاے ذبح کرو اور اوس کا ایک ٹکڑا مقتول پر ڈالو وہ زندہ ہوکر قاتل کو خود ہی بتادیگا تو اونھوں نے کہا اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا کیا آپ ہم لوگوں سے ہنسی کرتے ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ ایک مردہ کا ٹکڑا دوسرے مردہ پر ڈالدو تاکہ وہ زندہ ہوجائے۔ مردے کا ٹکڑا ڈالنے سے کہیں مردہ زندہ ہوسکتا ہے۔ فرمایا میں جہالت کی باتیں کرنے سے خدا سے پناہ چاہتا ہوں۔ مرد اور عورت کا نطفہ بھی تو مردہ ہی ہے کہ دونوں کے ملنے سے زندہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح بیج اور زمین بھی تو مردہ ہی ہے کہ دونوں کے ملنے سے طرح طرح کے درخت اور گیا اور طرح طرح کی گھانس پیدا ہوتی ہے۔ تشفی بخش جواب پالینے کے بعد اونھوں نے کہا کہ خدا سے پوچھئے کہ وہ گاے کیسی ہونی چاہیئے۔ دیکھیر چھیڑ کر اوسکی صفتیں پوچھتے گئے اور قیدیں بڑھتی گئیں یہاں تک کہ یہ صفتیں ایک ایسی گاے پر مطابق ہوئیں جسکی بہت زیادہ قیمت ادا نہیں

اداکرنی پڑی حضرت امام رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر چھیڑ کر نہ پوچھتے اور جس قسم کی گائے ذبح کر ڈالتے کافی ہو جاتی۔

(میں عرض کرتا ہوں کہ لفظ بَقَرَۃً (کوئی گائے) کی تنکیر بھی اسی بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ خدا نے ابتداء میں گائے کو معین نہیں کیا تھا) بہر حال گائے کی پوری پہچان معلوم کرنے کے بعد تلاش کیا تو ویسی صرف ایک گائے ایک ایسے اسرائیلی جوان کے پاس ملی جسے خداوند عالم نے حضرت سرور عالم اور حضرت امیر المومنین اور اونکی اولاد پاک علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دکھلا دیا تھا اور ان دونوں بزرگواروں نے اوس سے فرما دیا تھا کہ تو ہم لوگوں کا دوست ہے ہم لوگ چاہتے ہیں کہ خدا تجھے دنیا میں کچھ فائدہ پہونچا دے؟ بنو اسرائیل جب گائے خریدنے آئیں تو خود نہ بیچنا بلکہ اوسکی بکری کو اپنی ماں کی رائے پر چھوڑ دینا؟ خداوند عالم اوسکے دل میں ایسی باتیں ڈال دے گا جو تجھے اور تیری اولاد کو مالدار کر دیں چنانچہ جب وہ آئے اور گائے کی قیمت پوچھی تو اوس جوان نے کہا کہ دو دینار کو بیچوں گا لیکن اختیار میری ماں کو ہے۔ اونھوں نے ایک دینار قیمت لگائی۔ اوس نے اپنی ماں کو آگاہ کیا اوس نے چار دینار کہے۔ ان لوگوں نے دو دینار منظور کئے تو اوس نے آٹھ دینار کہے۔ اسی طرح جس قدر وہ کہتی تھی اوس کے نصف کو یہ لوگ منظور کرتے تھے پھر وہ بڑھا دیتی تھی یہاں تک کہ بات اس پر ختم ہوئی کہ اوسکی قیمت میں ایک بڑے بیل کی کھال میں اشرفیاں بھر دیں؟ جسکی تعداد گننے کے بعد پانچ کروڑ ٹھہری پس اونھوں نے خرید اور ذبح کیا اور وہ ہرگز ذبح نہ کرتے لیکن دو چیزوں نے اس پر اونھیں آمادہ کیا ایک اونکی پیدائشی ضد۔ دوسرے حضرت موسٰے کا اون پر قتل کا الزام لگانا۔

چند فائدے

(پہلا فائدہ) معانی۔ بیان۔ بدیع۔ معانی ہے اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ (یقیناً خدا ہی حکم دیتا ہے) میں مسند الیہ یعنی لفظ اللّٰہ پر اِنَّ حرف تاکید لایا گیا ہے جس سے اس امر کو ظاہر کرنا معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کا حکم خدا ہی نے دیا ہے میں (موسٰے) نے نہیں دیا ہے۔ اور تاکید کرنے کی ضرورت بظاہر اس وجہ سے ہوئی کہ

بنو اسرائیل گاے کی پوجا کر چکے تھے اور اوسکی محبت جو اونکے دلوں میں بیٹھ چکی تھی گو
پوجا چھوڑ چکے تھے لیکن محبت سے دل ابھی خالی نہیں ہوئے تھے۔ پس اگرچہ حضرت
موسئے کا مذہبی حکم خدا ہی کی طرف سے ہوتا لیکن اگر وہ اس جاہل اور ضدی قوم سے اس
حکم کو اپنی طرف سے ظاہر کرتے تو یہ کبھی نہ مانتے بلکہ خدا کا حکم سمجھکر بھی مشکل سے تیار ہوئے
جیسا کہ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ (ذبح کرنے پر تیار نہ تھے) سے ظاہر ہو رہا ہے۔
۲؎ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا (تم کو حکم دے رہا ہے کہ تم ذبح کرو) میں اطناب ہے
یعنی الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں کیونکہ صرف يَاْمُرُ بِذَبْحِ بَقَرَةٍ سے پورا مطلب ادا ہو جاتا
اور اختصار بھی حاصل رہتا۔ لیکن باوجود اسکے كُمْ۔ اَنْ اور ذبح مصدر کی جگہ پر تَذْبَحُوْا
حاضر کا صیغہ جس میں دو حرف زائد ہیں؟ بظاہر اوسی مصلحت سے لایا گیا ہے جو نمبر ایک میں ذکر
کی گئی؟ یعنی اون کا گاے سے مانوس ہونا۔ اگر حاضر کی ضمیر اور صیغہ نہ ہوتا تو وہ یہ کہکر ٹالدیتے
کہ یہ حکم کسی دوسرے کو دیا گیا ہوگا۔ ۳؎ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ (خدا سے پناہ چاہتا ہوں) میں اطناب
ہے۔ کیونکہ اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا (کیا ہم لوگوں سے مسخرا پن کر رہے ہیں) کے بعد صرف قَالَ
لَا (موسئے نے کہا نہیں) کہنا کافی تھا جسکی جگہ پر خدا سے پناہ مانگنا اور اس فعل کو جہالت قرار
دینا ضرور کسی مصلحت سے ہے اور وہ اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ مسخرا پن؏ عام طور سے ہر
شخص کے لئے اور خاص کر کے انبیاء کے لئے ایسی بُری چیز ہے کہ اوس سے بچنے کے
لئے خدا کی پناہ اور حمایت و مدد ڈھونڈھنی چاہیئے ۴؎ اِنَّهَا بَقَرَةٌ میں اطناب
ہے کیونکہ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً فرمانے کے بعد تینوں آیتوں میں ھا مونث کی ضمیر موجود ہے جو بقرہ
کی طرف پھرتی ہے؟ باوجود اسکے لفظ بقرۃ بھی ذکر کیا گیا ہے پس یہ تکرار دکئی مرتبہ ذکر کرنا
زیادتی توضیح اور تقریر یعنی کھول دینے اور ذہن نشین کر دینے کے لئے ہے کہ ذبح ہونیوالی
چیز بقرۃ (گاے) ہی ہے۔ حضرت موسئے نے بیان کرنے میں دھوکھا نہیں کھایا ہے۔ اور

؏ سُخْرِيَّة اور اِسْتِهْزَاء (مسخرا پن) اور مِزَاح (دِل لگی) میں فرق یہ ہے کہ ذلیل سمجھکر
کسی سے مذاق کرنا (بنانا) دل دُکھانے والی چیز ہے اور اسکو سُخْرِيَّة اور استہزاء
کہتے ہیں۔ اور بغیر ذلیل سمجھے دل لگی کرنا؟ دل خوش کرنے والی چیز ہے اور مزاح کہتے ہیں
پہلی چیز حرام ہے اور دوسری مستحب اگر حد سے نہ بڑھے اور فحش نہ ہو ۱۲ منہ

بظاہر مقصود اس سے یہ ہے کہ وہ مکار ؟ حضرت موسے پر دھوکھا کھانے کا الزام لگاکر اس حکم کو ٹال نہ دیں۔ اور اس طرح کے تکرار کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں منجملہ اون کے اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ میں اُولٰٓئِکَ اور قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ میں لفظ اللہ ہے ۔ ۵ فَافۡعَلُوۡا مَا تُؤۡمَرُوۡنَ (جو حکم دیا گیا ہے اوسے کرگذرو) میں اِفۡعَلُوۡا ؟ امر کا صیغہ ؟ حکم کے واجب ہونے کو بتاتا ہے۔ اور اگرچہ صحیح یہی ہے کہ صیغۂ امر فَوۡرِیَّتۡ یعنی حکم کے فوراً بجالانے کو نہیں بتاتا لیکن اتنا یقینی ہے کہ محکوم اگر اوس فعل کو اوسی وقت کرگذرے تو اس کو بے شبہ تعمیل حکم کہیں گے اور یہ فعل کافی سمجھا جائیگا۔ پس یہاں پر اون صفتوں کے بیان سے پہلے ؟ جو آگے ذکر کیگئی ہیں ؟ حضرت موسےؑ کا حکم انجام کو واجب کرنا یہ بتاتا ہے کہ وہ ؛ جو ان گایوں میں سے جو سی گاے ذبح کردیتے کافی ہوجاتی اگرچہ اون صفتوں کی نہ ہوتی جو آگے مذکور ہیں۔ اسلئے یہ جملہ اوس حدیث کی تائید کرتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ صفتیں انکے چھیڑ چھیڑ کر ؟ پوچھنے پر بڑھتی گئی ہیں اور یہ سختیاں اونھوں نے اپنے اوپر خود بڑھائیں۔ اگر نہ پوچھتے تو جس گاے کو بھی ذبح کردیتے کافی ہوجاتی۔

(بیان) اَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰھِلِیۡنَ (جاہلوں سے ہوجاؤں ؟ یا گناہ کروں) میں استہزاء کی تعبیر جہالت سے مجازاً ہے۔ کیونکہ اوپر ۳ میں ذکر کیا گیا کہ استہزاء (مسخراپن) توہین کو شامل ہوتی ہے اسلئے گناہ ہے۔ اور گناہ کا سبب جہالت ہوتی ہے۔ مولانا شیخ علی طریح نجفی علیہ الرحمہ مجمع البحرین لغت جہل میں تحریر فرماتے ہیں کہ قِیۡلَ اَجۡمَعَتِ الصَّحَابَۃُ عَلٰٓی اَنَّ کُلَّ مَا عُصِیَ اللّٰہُ بِہٖ فَھُوَ جَھَالَۃٌ وَّکُلُّ مَنۡ عَصَی اللّٰہَ فَھُوَ جَاھِلٌ یعنی کہا گیا ہے کہ علماء (کرام) نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ہر وہ چیز جسکے ذریعہ سے خدا کی نافرمانی کی جائے وہ جہالت ہے۔ اور ہر وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز گناہ کا سبب ہو وہ جہالت ہے خواہ وہ احکامِ خدا سے لاعلمی ہو یا نفس سرکش کا غلبہ ؟ پس یہاں پر مُسَبَّبۡ یعنی نتیجہ کو اوسکے سبب یعنی جہالت سے بعلاقۂ سببیت و مسببیت تعبیر کیا ہے اور اسی کو مجاز کہتے ہیں۔ قابل ذکر یہ ہے کہ بنو اسرائیل کا یہ کہنا کہ اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا (کیا ہم لوگوں سے بنظر توہین آپ مسخراپن کررہے ہیں) یہ چاہتا تھا کہ حضرت موسے اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡتَھۡزِئِیۡنَ فرماتے یعنی میں خدا سے پناہ چاہتا ہوں کہ مسخراپن کرنے والوں سے ہوجاؤں ؟

۱ استہزاء کو جہالت سے تعبیر کیا

پھر اونھوں نے مُسْتَهْزِئِينَ کی جگہ پر جَاهِلِينَ کیوں فرمایا بظاہر؟ مصلحت اس میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ اونھوں نے انبیاء اور اوصیاء کے لئے علم اور عصمت کی ضرورت کی طرف اشارہ کرنا چاہا تھا جو لفظ مُسْتَهْزِئِينَ سے ظاہر نہ ہوتا۔

بیان اس کا یہ ہے کہ اگر مُسْتَهْزِئِينَ فرماتے تو اس سے صرف یہ معلوم ہوتا کہ انبیاء اور اوصیاء کے لئے مسخراپن جو ایک خاص گناہ ہے جائز نہیں ہے لیکن یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ لوگ نفس کے غلبہ اور مذہبی احکام نہ جاننے سے محفوظ ہیں جو گناہ کا سبب ہوا کرتے ہیں پس اونھوں نے اس عام لفظ یعنی جہالت سے دو چیزوں کو ظاہر کرنا چاہا ہے۔ ایک ان لوگوں کا معصوم ہونا دوسرے کل مذہبی حکموں کو جاننا تاکہ غلبۂ نفس یا نہ جاننے کی وجہ سے کوئی واجب انسے چھوٹ نہ جائے اور کسی حرام میں مبتلا نہ ہوں۔

واضح ہو کہ علماء کرام کی مذکورۂ بالا فرمائش میں کلیہ ایک طرف سے ہے یعنی ہر ذریعہ گناہ جہالت ہے؟ اور ہر جہالت ذریعۂ گناہ نہیں ہے۔ اسلئے انبیاء و اوصیاء کی جائز نفسانی خواہشیں جیسے کھانا۔ پہننا۔ سلسلۂ توالد و تناسل وغیرہ اور روزمرہ کی کچھ معمولی چیزوں کو نہ جاننا؟ اس آیۃ کے لفظ جاهلین کے معنی مصدری یعنی جہالت میں داخل نہ ہونگی۔

ان چیزوں سے کوئی شخص کنارے نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا کی بقا اور انتظام اسی پر قائم ہے؟ اور غیب کی باتوں کو جاننا انبیاء و اوصیاء کی نبوت اور وصایت میں شرط نہیں ہے۔ غیر معمولی چیزوں میں سے جس چیز کے متعلق خدا مصلحت جانتا تھا انھیں آگاہ کرتا تھا۔ اور روزمرہ کی معمولی غیر معلوم چیزوں میں سے موقع و مصلحت سے یہ حضرات بعض[ع] کو دوسروں سے پوچھ لیا کرتے تھے جس کا ثبوت ان کے تاریخی حالات میں بہت کچھ موجود ہے اور بعض[ع] کو جب سمجھنے کا ارادہ کرتے تھے تو

انبیاء و اوصیاء کے لئے علم اور عصمت ضروری ہے

ع سدیر صیرفی بیان کرتے ہیں کہ میں اور ابو بصیر اور داؤد بن کثیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی نشستگاہ میں حاضر تھے کہ آپ غصہ کی حالت میں دولتسرا سے برآمد ہوئے اور فرمایا لوگوں سے تعجب ہے جو گمان کرتے ہیں کہ ہم لوگ غیب جانتے ہیں۔ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں نے اپنی فلاں لونڈی کو مارنا چاہا تو وہ بھاگ گئی میں نہیں جانتا کہ کس گھر میں چھپی ہوئی ہے (فصول المہمہ باب ۹۴ صفحہ ۴۸ - ۱۲ منہ

ع عمار ساباطی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے پوچھا کہ کیا امام غیب کی باتوں کو جانتے ہیں فرمایا نہیں لیکن جب وہ کسی چیز کو جاننا چاہتے ہیں تو خدا اوس سے آگاہ کر دیتا ہے (فصول المہمہ حر عاملی علیہ الرحمہ باب ۹۴ صفحہ ۴۸ - ۱۲ منہ

حضرت نوحؑ کا اپنے فرزند کی نجات چاہنا کس غرض سے تھا

خدا اون کے دلوں میں ڈال دیا کرتا تھا۔ یہیں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضرت نوحؑ کا اپنے فرزند کے لیئے نجات کی خواہش کرنی اس لحاظ سے نہ تھی کہ کافر فرزند زندہ رہے جو خداشناسوں کے لیئے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ خواہش یا تو اس وجہ سے تھی کہ وہ اہل میں حقیقۃً داخل تھا کیونکہ فرزند ہی تھا۔ اگرچہ علم پروردگار میں کفر کی وجہ سے اہل سے حکماً خارج تھا جس کو حضرت نوح علیہ السّلام نہیں جانتے تھے اور خدا نے اہل کو بچانے کا وعدہ کرلیا تھا جیسا کہ کلام پروردگار قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ[1] (میں نے نوح سے کہا کہ کشتی پر ہر جاندار نر و مادہ میں سے ایک ایک جوڑے کو اور اپنے اہل یعنی عیال کو سوار کرلو)۔ اور کلام حضرت نوح رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ[2] (مالک میرے البتہ میرا لڑکا میرے اہل سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے) یا اس وجہ سے تھی کہ وہ امیدوار تھے کہ شاید اسکی نسل سے کوئی مومن پیدا ہوجائے؟ اور علم خدا میں ایسا ہونے والا نہ تھا جسکو نہیں جانتے تھے۔ **بہرحال** کلام پروردگار إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ[3] (میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں سے نہ ہوجانا) میں لفظ جاہلین کے مصدر یعنی جہالت سے وہ معنی مقصود نہیں ہے جو گناہ کا سبب ہے بلکہ وہ معنی مقصود ہے جو انبیاء و اوصیاء کے لیئے جائز تھا جیسے فرزند کافر کے؟ لفظ اہل میں حکماً داخل نہ ہونے کو؟ اور اوسکی نسل سے مومن کے پیدا نہ ہونے کو نہ جاننا؟ کیونکہ یہ دونوں باتیں غیب کی تھیں؟ چنانچہ اسکی تائید اور توضیح خود کلام پروردگار کررہا ہے فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ[4] (پس مجھ سے ایسی باتوں کی خواہش نہ کیا کرنا جس کا تمہیں علم نہیں ہے) خلاصہ یہ کہ استہزاء (یعنی بنظر توہین مسخراپن کرنا) گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اس آیۃ کے علاوہ دوسری آیۃ میں صاف صاف اس سے منع کیا گیا ہے ارشاد فرماتا ہے لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ[5] (نہ تو مرد مردوں سے مسخراپن کریں کیونکہ شاید وہ اونسے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے مسخراپن کریں کیونکہ ممکن ہے وہ اون سے بہتر ہوں) **پھر حدیث عمار** علیہ الرحمۃ والرضوان میں جو حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے متعلق مذکور ہے کہ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ وَهُوَ يَهْزَءُ بِهِ[6] (یعنی حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ

---

[1] سورہ ہود پ ۱۲۔ آیت ۴۰۔ ۱۲ منہ [2] سورہ ہود پ ۱۲۔ آیت ۴۵۔ ۱۲ منہ [3] سورہ ہود پ ۱۲ آیت ۴۶۔ ۱۲ منہ
[4] سورہ ہود پ ۱۲۔ آیت ۴۷۔ ۱۲ منہ [5] سورہ حجرات پ ۲۶۔ آیت ۱۱۔ ۱۲ منہ [6] مجمع البیان در لغت ہزء ۔ ۱۲ منہ

نے اون سے فرمایا حالانکہ حضرت اون سے مسخرا پن کر رہے تھے) تو اس کا جواب طرحی علیہ الرحمہ نے یہ دیا ہے کہ یہاں پر استہزار کا مجازی معنی یعنی خوش طبعی (دلگی) مقصود ہے کیونکہ حضرت ؟ جناب عمار سے محبت رکھتے تھے۔ اس کا حقیقی معنی ؟ اور خاص کر کے جناب عمار کے حق میں مراد نہیں ہو سکتا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر اس حدیث کی سند (جو اس وقت مجھے معلوم نہیں ہے) درست نہ ہو تو جواب کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور اگر درست ہو تو اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ھُوَ یھزءُ بہٖ یعنی حضرت مسخرا پن کر رہے تھے ؟ راوی کا کلام ہے جو معصوم نہ تھا اور غلط محاورے ہر زبان میں کثرت سے جاری ہیں جن کا ثبوت آپ ؟ علامہ سیوطی کی کتاب لغت المزہر میں پا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ راوی نے وَھُوَ یمازحُ بہٖ یعنی حضرت اون سے مزاح کر رہے تھے ؟ کی جگہ پر اپنے غلط محاورہ میں غلط فہمی سے یھزءُ استعمال کیا ہو۔ اور مزاح یعنی خوش طبعی جائز بلکہ مستحب ہے لیکن اعتدال اور موقع و محل سے۔

استہزاء قبیح ہے اور مزاح ممدوح

(دوسرا فائدہ) اخلاق۔ اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا (تا آخر) (کیا آپ ہم لوگوں سے مسخرا پن کر رہے ہیں ؟ کہا خدا سے پناہ چاہتا ہوں کہ جاہلوں سے ہو جاؤں) اس آیت سے اور سورہ حجرات کی آیہ لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ سے معلوم ہو گیا کہ استہزاء یعنی ذلیل سمجھکر مسخرا پن کرنا خدا کے نزدیک مبغوض اور گناہ کبیرہ ہے اسلئے اس کے متعلق کوئی حدیث لکھنے کی ضرورت نہیں ہے رہ گیا مزاح المومنین یعنی مومنوں کو خوش کرنے کے لئے دلگی کرنا تو اس کے متعلق [۱] حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مومن ایسا نہیں ہے جسمیں مزاح اور خوش طبعی نہ ہو [۱] [۲] یونس شیبانی کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے مجھ سے پوچھا کہ شیعوں کے ساتھ تم لوگوں کی خوش طبعی (دلگی) کیونکر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کم ہے۔ فرمایا ایسا نہ کرو کیونکہ دل لگی کرنا خوش خلقی اور مومن کے خوش ہونیکا سبب ہے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ لوگوں کو خوش کرنیکے لئے دلگی اکثر کیا کرتے تھے [۳] حضرت امام محمد باقر سے منقول ہے کہ دلگی کرنے والے کو خدا دوست رکھتا ہے جب تک کہ فحش (دگالی۔ برائی) کی حد تک پہونچے [۴] بسند معتبر حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ دلگی بہت نہ کیا کرو کیونکہ یہ عداوت کا سبب ہوتی ہے [۵]

[۱] حلیۃ المتقین باب ۱۱ فصل ۷ صفحہ ۲۸۰ ۱۲ منہ
[۴] عین الحیات باب ۳ صفحہ ۲۳۱ و حلیۃ المتقین باب ۱۱ فصل ۷ صفحہ ۲۸۰ ۱۲ منہ

[۲] عین الحیات باب ۳ صفحہ ۲۳۰ چھاپہ سلطان المطابع لکھنؤ و حلیۃ المتقین باب ۱۱ فصل ۷ بیان مزاح صفحہ ۲۸۰ چھاپہ کشوری ۱۲ منہ [۵] عین الحیات باب ۳ صفحہ ۲۳۱ و حلیۃ المتقین باب ۱۱ فصل ۷ صفحہ ۲۸۰ ۔ ۱۲ منہ

(تیسرا فائدہ) فقہ و کلام اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً (خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو) فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ تکلیف دینا اور ذبح کرنا اچھا ہے ورنہ خدا اس کا حکم نہ دیتا اور اچھائی کی وجہ یہ ہے کہ خدا مالک الملک ہے لہذا اوسکے فعل پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ عوض کے لئے اچھا ہے [1] میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں پر دو چیزیں قابل گفتگو ہیں ایک فقہ یعنی اصل ذبح بقرہ کا جائز ہونا۔ دوسرے کلام یعنی اسکے جواز کی وجہ پہلی چیز یعنی جائز ہونے کو یہ آیت صاف صاف بتا رہی ہے جس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ رہ گیا یہ کہ ذبح کرنا مستحسن یعنی مستحب شرعی اور حسن عقلی بھی ہے یا نہیں؟ تو کہا جاسکتا ہے کہ حکم وجوبی اس کے شرعی اور عقلی بہتری اور رجحان کو بھی بتاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ وجوبی حکم خاص موقع کے لئے تھا۔ اسکے یقینی حکم یعنی جواز؟ سے زیادہ

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۵ چھاپہ مصر ۱۲ منہ [2] (ہنود) جانوروں کی قربانی اور اوس کا گوشت کھانے کی اجازت ہر مذہب میں ہے۔ چنانچہ یجروید کی شرح دیانند میں لکھا ہے کہ جو شخص اس جہان میں بہت حیوانات والا ہو کر ہوم کرکے (یعنی جانوروں کی قربانی کا گوشت جلاکر) باقی ماندہ کو کھائے اور ویدوں کا جاننے والا اور نیک کام کرنے والا ہو ایسا شخص قابل تعریف ہوتا ہے (شرح یجروید ادھیائے ۱۹ منتر ۲۰) دیانند جی لکھتے ہیں کہ جہاں جہاں گومیدہ وغیرہ لکھا ہے (یعنی وید وغیرہ شاستروں میں) وہاں وہاں نر حیوانوں کا مارنا لکھا ہے۔ لہذا اس غرض سے نرمیدہ لکھا؟ نر انسان کو مارنا کہیں نہیں۔ اور جو بندھیا یعنی بانجھ گائے ہوتی ہے اوسکو بھی گومیدہ میں مارنا لکھا ہے۔ کیونکہ بانجھ گائے سے دودھ اور بچھڑے وغیرہ کی پیدائش نہیں ہوتی [3] دیانند پھر لکھتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ اوس کا بیٹا تمام دشمنوں کو مغلوب کرنے والا ہو اور خود کسی سے مغلوب نہ ہو... اور تمام ویدوں اور ویداُنگوں کا عالم اور معلم ہو اور سو برس تک زندہ رہے اوس کو چاولوں کے ساتھ گوشت پکا کر کھانا چاہیے تب ایسا بیٹا پیدا ہونا ممکن ہے (سنسکار بدھی طبع اول صفحہ ۱۱) پھر لکھتے ہیں کہ علم کی خواہش کے لئے تیتر کا گوشت کھلائے (سنسکار بدھی طبع اول صفحہ ۴۲) یہ کل حوالے کتاب سوامی دیانند اور اونکی تعلیم صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۲ سے نقل کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب خواجہ غلام الحسنین صاحب پانی پتی کی تصنیف ہے ۱۲ منہ [3] ستیارتھ پرکاش مطبوعہ ۱۸۷۵ء کا مستند اردو اڈیشن باب ۱۰ صفحہ ۳۲۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۱۲ء ۱۲ منہ

حاشیہ: [illegible]

یعنی شرعی استحباب اور عقلی خوبی ثابت نہیں ہے۔ دوسری چیز یعنی جائز ہونے کی وجہ؟ تو اس بارے میں رازی صاحب نے اپنے فاسد مسلک یعنی اچھائی اور برائی کے عقلی ہونے سے انکار اور افعال و احکامِ خدا کے بیغرض ہونے کے اعتقاد کی بنا پر روش کرکے خدا کی مالکیت کو کافی سمجھا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر صرف مالکیت کافی ہو تو چاہیے کہ رازی صاحب کے مرید یعنی اشاعرہ کا گلا بھی بے وجہ کاٹنا جائز ہو جائے۔ کیونکہ خدا انکا بھی مالک ہے انکو بے وجہ ذبح کرنے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔ لیکن ایک تو اس پر کوئی اشعری راضی نہ ہوگا دوسرے خود کلام پروردگار خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (سورہ بقرہ پ۱ آیت ۲۹) تمہارے فائدہ کے لئے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا) اسکی رد کر رہا ہے کیونکہ لَكُمْ کا لام انتفاع کے لئے ہے جس کا اقرار خود رازی صاحب نے بھی اسی پہلی جلد کے صہ ۲۴۴ سطر ۱۶ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ جانور۔ زمین سے اوگنے والی چیزیں معدنی چیزیں پتھر سب کے سب ہمارے ہی نفع کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ چیزیں فائدہ ہی کے لئے پیدا کی گئیں ہیں بے فائدہ تلف کرنے کے لئے پیدا نہیں کی گئیں۔ علاوہ اسکے بے فائدہ کام کرنے والے یا توسفیہ یا پاگل کہلاتے ہیں۔ اسلئے بے فائدہ کام کو خدا پسند نہیں کرتا نہ اپنے لئے نہ بندوں کے لئے۔ اپنے لئے ارشاد فرماتا ہے أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا کیا تم نے خیال کر لیا ہے کہ میں نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے۔ اگرچہ یہ آیت خاص انسان سے تعلق رکھتی ہے لیکن آیت مذکورۂ بالا کو اسکے ساتھ دیکھنے سے دونوں آیتیں صاف صاف بتاتی ہیں کہ دنیا کی کل چیزیں کسی فائدہ میں صرف کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہیں اونکی پیدائش بے غرض اور بے فائدہ نہیں ہے اور بندوں کے لئے خود آیت خَلَقَ لَكُمْ کا مفہوم بتا رہا ہے کہ دنیا کی چیزوں کو بے فائدہ استعمال میں نہ لاؤ۔ اس لئے معتزلہ اور شیعوں کا عقیدہ صحیح ہے کہ کسی چیز کو بے فائدہ تلف کرنا صحیح نہیں ہے۔

تنبیہ ۱ رازی صاحب کی بے قید گفتگو اگرچہ ذبح انسان اور حرام گوشت حیوان کو بھی شامل ہے لیکن بظاہر اونکی غرض صرف حلال گوشت جانوروں سے متعلق ہے ۲ اس تفسیر کبیر میں جو میرے پاس ہے بیان معتزلہ میں لفظ عوض لکھا ہوا ہے جیساکہ اوپر نقل کیا گیا؟ لیکن بظاہر یہ غلط ہے اسکی جگہ پر غرض ہونا چاہیئے تاکہ وجہ ذبح عام ہو جائے ورنہ خاص کرکے جانوروں کے بارے میں لفظ عوض کا معنی درست کرنا دشوار ہے۔ اور اگر غلط نہیں ہے تو

ان لوگوں نے اون منافقوں پر اون کے نفاق کو ظاہر نہ کیا ہو اور مومن اور منافق سب کو ایک خطاب میں داخل کر کے صرف منافقوں کو سنانے کی غرض سے ان فرمائشوں کو ارشاد فرمایا ہو۔ اور منافقوں نے نحن مصلحون اور اٰمنّا! اٰمنوا اور لا تفسدوا کہنے والوں سے کہا ہو اور نحن مستھزءون کو کافروں سے جیسا کہ خلوا الی شیاطینھم سے معلوم ہوتا ہے۔

سوال ۔ فساد سے کیا مقصود ہے۔ **جواب** ۔ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ابن عباس اور حسن بصری اور قتادہ اور سدی نے کہا ہے کہ گناہ کرنا مقصود ہے **میں عرض کرتا ہوں** کہ بہت سے صحابہ[عہ] کا گناہوں میں مبتلا ہونا قابل انکار نہیں ہے۔ باوجود اس کے ھم المفسدون میں منافقوں ہی کے فعل کو فساد قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد سے گناہ کے سوا کوئی دوسری چیز مقصود ہے **اور** دوسرا کلام یہ نقل کیا ہے کہ فساد

فساد سے کیا مقصود ہے

عہ حضرت سرور عالمؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ نزل القراٰن بایاک اعنی واسمعی یاجارہ (مجمع البحرین لغت جارہ) اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ان اللہ بعث نبیہ بایاک اعنی واسمعی یاجارہ (برہان جلد ۱ ص ۲۳) یعنی قرآن میں زیادہ تر آیتیں ایسی ہیں جن میں خطاب کسی سے ہے اور واقع میں مخاطب کوئی دوسرا شخص ہے ۱۲ منہ

عہ حضرت ابوبکر نے مسلمان ہونے کے بعد ایک مرتبہ شراب پی اور اپنے عزیز مشرکوں پر جو جنگ بدر میں مارے گئے تھے مرثیہ پڑھنا شروع کیا حضرت سرور عالمؐ کو خبر ملی غصہ میں روانہ ہوئے اور ردائے مبارک زمین پر لٹکتی جارہی تھی (اصابہ جلد ۴ ذکر ابوبکر بن شعوب) **اور** ایک مرتبہ حضرت عمر کے لئے ایسا ہی واقعہ درپیش ہوا تھا (مستطرف جلد ۲ چھاپہ مصر ص ۲۰۵ باب ۷۴ ذکر حرمت خمر) **اور** ایک مرتبہ حضرت عمر نے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے پاس لاکر توریت پڑھنا شروع کیا غصہ سے حضرتؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ قسم خدا کی اگر موسےٰ ظاہر ہو جائیں تو تم لوگ مجھکو چھوڑ کر اونکی پیروی کرلوگے۔ تم راہ راست سے گمراہ ہو گئے ہو (مشکوۃ بحوالہ دارمی آخر باب اعتصام بکتاب وسنت) **اور** حضرت عثمان نے اپنے مرتد بھائی کو چھپا رکھا جس کے قتل کا حضرت سرور عالمؐ نے حکم دیا تھا۔ اور پھر حضرتؐ کو اوسکی جان بخش دینے پر مجبور کیا (استیعاب حال عبد اللہ بن ابی سرح) **اور** عبد الرحمن بن عوف کو جو باعتقاد اہلسنت کے عشرہ بشرہ (جنکو بہشت کی خوشخبری دی گئی تھی) میں داخل تھے کہا کہ یہ منافق تھے (صواعق محرقہ باب ۸ فصل ۳ ص ۶۸) **اور** عمرو بن حمزہ بن سنان صحابی نے مقام صوعقہ میں ایک عورت سے زنا کیا (اصابہ جلد ۲ ص ۵۳۲) **اور** شریک بن سحما صحابی نے ہلال بن امیہ صحابی

سے مقصود کافروں کی دلجوئی اور اون سے میل جول رکھنا ہے کیونکہ اس سے کفار حضرت رسول اور اون کے مددگاروں میں کمزوری کا خیال کرکے حضرتؐ سے عداوت اور جنگ وجدال پر جرأت کرتے جو فساد عظیم کا سبب تھا **میں عرض کرتا ہوں** کہ اگرچہ یہ بھی بہت بڑا فساد ہے اور جیساکہ حاطب بن ابی بلتعہ وغیرہ نے بیان کیا؟ صحابہ کی کفار سے مخفی دوستی اور خط وکتابت نے (جس کا ذکر اس کے تھوڑا ہی قبل متن اور حاشیہ میں گذرا ہے) دینِ اسلام اور پیشوایانِ اسلام یعنی حضرت سرورؐ عالم اور آپ کے برحق جانشینوں کو بہت کچھ نقصان پہونچایا اور حضرتؐ کو بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں **لیکن** چونکہ حقیقت میں یہ چیزیں دینِ اسلام کے جلد رواج پانے میں صرف رکاوٹوں کا سبب تھیں اور ارکانِ اسلام کی صاف مخالف نہ تھیں اس وجہ سے یہ بھی مقصود نہیں ہیں۔ **اور** تیسرا کلام اصم کا نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فساد سے حضرت سرورؐ عالم کو دعوائے رسالت میں جھوٹھلانا اور دینِ اسلام کی حقیت سے انکار کرنا اور مومنوں کو دھوکھا دینا اور اون کے دلوں میں شبہے پیدا کردینا مقصود ہے۔ **میں عرض کرتا ہوں** کہ واقع میں مراد پروردگار اس لفظ سے یہی ہے اور حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کی فرمائش جو ظاہری اور باطنی تفسیر میں نقل کی گئی اسکی تائید کرتی ہے **اور** لفظ اسلام سے اوس کا خاص معنی مقصود ہے جس کے پانچ رکن ہیں ۱ وحدانیت ۲ عدالت ۳ رسالت ۴ امامت ۵ قیامت۔ کیونکہ حضرت سرورؐ عالم خدا کی طرف سے اسی کو لائے اور نجات کا ذریعہ یہی ہے جیساکہ قبل اس کے تفسیر میں کئی جگہ اور مقدموں میں سے اٹھائیسویں مقدمہ میں عرض کرچکا ہوں۔ سؤالؔ۔ کلام پروردگار کما امن الناس سے دو خرابیاں پیدا ہورہی ہیں۔ بیان ان کا یہ ہے کہ اگر ایمان کا معنی دل سے اعتقاد کرنا ہو تو منافقوں سے صرف اٰمنوا (اعتقاد کرو) کہنا کافی تھا اسلئے کما امن الناس کا ذکر بیکار ٹھہرتا ہے اور فضول بولنا کسی عاقل کی شان نہیں ہے چہ جائیکہ خداوند حکیم کی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۹) کی بی‌بی سے زنا کیا (صحیح بخاری جلد ۳ کتاب تفسیر سورہ نور صفحہ ۱۰۹ چھاپہ مصر) **اور** ابوالیسر صحابی سے ایک عورت کھجور خریدنے گئی تو اوس کا اونھوں نے بوسہ لیا (ترمذی جلد ۲ کتاب التفسیر سورہ ہود صفحہ ۴۴۵) **اور** اسی طرح کے واقعے کئی صحابی کے اس کتاب کے اسی صفحہ میں لکھے ہوئے ہیں ۱۲ منہ

اور اگر کہا جائے کہ مقصود یہ ہے کہ اس طرح کا ایمان مطلوب نہیں ہے جس طرح دوسرے ایمان لائے یعنی دل سے اوسی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو لازم آتا ہے کہ صرف زبانی اقرار بھی ایمان کا معنی ہو۔ جواب۔ فخر الدین رازی جواب میں لکھتے ہیں کہ حقیقی ایمان تو وہی ہے جو دل سے ہو۔ لیکن ظاہر میں چونکہ حاصل نہیں ہو سکتا اور معلوم نہیں ہو سکتا مگر ظاہری اقرار سے اس لئے ضرورت ہوئی کہ کما آمن الناس سے اوسکی تاکید کیجائے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس ظاہری اقرار کے ساتھ دوسروں کی طرح دل سے بھی اعتقاد کرو میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ اقرار کرنے والے کا یا تو اعتقاد نہ رکھنا معلوم ہے یا اعتقاد رکھنا معلوم ہے یا کچھ معلوم نہیں ہے۔ آخری دونوں صورتوں میں تاکید بے محل اور غیر ضروری ٹھہرتی ہے اور پہلی صورت میں اعتراض باقی رہ جاتا ہے۔ اس لئے بہتر جواب یہ ہے کہ لفظ ایمان کبھی اسلام یعنی صرف زبانی اقرار میں بھی مجازاً استعمال ہوتا ہے جیسے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا یعنی اے وہ لوگ جو مسلمان ہوئے یعنی زبان سے اقرار کیا ایمان لاؤ یعنی دل سے اعتقاد کرو۔ اور منافقوں نے چونکہ اپنے زبانی اقرار ہی کو ایمان سمجھا اور مومنوں پر ظاہر کیا تھا۔ جیسا کہ اون کا کلام قالوا آمنا یہاں پر نقل کیا گیا ہے۔ اور خداوند عالم صرف زبانی اقرار کو کافی نہیں جانتا تھا بلکہ مطلوب اوس کا دل سے اعتقاد کرنا تھا۔ اس لئے منافقوں کو آگاہ اور اونکی رد کی غرض سے کما آمن الناس لانے کی ضرورت سمجھی۔ جیسا کہ اس مطلب کو سورہ حجرات پارہ۔ ۲۶۔ آیت ۱۴ میں کھول کر بیان کر دیا ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ۔ یعنی عرب کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایمان لائے۔ اون سے کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ کہو کہ اسلام لائے ہیں۔ اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان[ع] داخل نہیں ہوا ہے۔

ع حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ اسلام اور ایمان میں کیا فرق ہے۔ فرمایا اسلام یہی ظاہری چیز ہے جس پر لوگ ہیں یعنی لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار کرنا اور نماز پڑھنی اور زکوٰۃ دینی اور حج کرنا اور روزہ رکھنا پس اسلام یہی ہے۔ اور ان چیزوں کے ساتھ امامت کا اقرار و اعتقاد کرنا ایمان ہے۔ پس اگر اون چیزوں کا اقرار کرے اور امامت کو نہ مانے تو گمراہ مسلمان ہوگا اسلام سے جان اور مال محفوظ ہو جاتے ہیں اور اونکی لڑکیوں سے نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے اور میراث

سوال۔ لفظ ناس سے کون لوگ مقصود ہیں اور کیما اٰمَنَ الْمُؤْمِنُوْنَ کی جگہ پر کَمَا اٰمَنَ النَّاسُ کیوں فرمایا جواب ناس سے حضرت سلمان اور مقداد اور ابوذر اور عمار بن یاسر مقصود ہیں جنھوں نے ولایت ووصایت حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو تہ دل سے مان لیا تھا جیساکہ باطنی تفسیر میں معصوم نے ارشاد فرمایا اور لفظ مومنون کی جگہ پر لفظ ناس کو دو غرض سے ذکر فرمایا ہے ایک اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ حقیقی انسان یعنی عقل کی پوری پیروی کرنے والے اور اوس کے حکموں پر اچھی طرح چلنے والے یہی ہیں کیونکہ دوسرے جانداروں پر انسان کو عقل ہی سے فضیلت دیگئی ہے اور یہ اوسکی حقیقت اور ماہیت میں داخل کی گئی ہے اور اسکی پیروی کو اوسکی شان اور ماہیت وطینت خود چاہتی ہے۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں اَلْعَقْلُ مَاعُبِدَ بِهِ الرَّحْمٰنُ وَاكْتُسِبَ بِهِ الْجِنَانُ یعنی عقل وہ ہے جس سے پروردگار کی عبادت کی جائے اور بہشت حاصل کیجائے۔ اس لئے واقعی انسان وہی ہیں جو ان دونوں چیزوں کو حاصل کریں۔ جسطرح حضرت سلمان وغیرہ نے حاصل کیا ؎ آدمی را آدمیت لازم است ؛ عود را گر بو نباشد ہیزم است دوسرے منافقوں کی دلجوئی اور اس بات کو ظاہر کرنے کی غرض سے کہ دینِ اسلام کی سچی پیروی سے گھبرانا اور وحشت کرنا نہ چاہئے دیکھو جو دل سے ایمان لاچکے ہیں وہ بھی تو مثل تمہارے انسان ہی ہیں اسی طرح دلجوئی اور رفع وحشت کے لئے اَحْمَزُ الْاَعْمَالِ (نہایت تلخ اور سخت عمل) یعنی روزہ کے لئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی روزے

(بقیہ حاشیہ صـ۲۵۱) پانے کے مستحق ہوجاتے ہیں لیکن ہدایت ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہے اور ثواب اسی پر ملتا ہے ۱۲ منہ (تفسیر برہان جلد ۲ صـ۱۰۳۲ بذیل تفسیر سورہ حجرات آیت قالت الاعراب اٰمنا خلاصہ روایات متعددہ) حاصل یہ کہ خدا کے سچے دین کو وہی شخص مانتا اور اوسکے پورے حکم پر چلتا اور امامت ائمہ برحق کا اعتقاد کرتا ہے۔ جس کا ایمان دل سے ہو (تفصیل اسکی تفسیر متقی میں صـ۳۱ و ۳۲ کے متن وحاشیہ پر ملاحظہ ہو) ۱۲ منہ

تم پر بھی اوسی طرح واجب کئے گئے جس طرح تمہارے اگلوں پر واجب کئے گئے تھے۔ **سوال**۔ قالوا اٰمنّا میں لفظ اٰمنّا سے منافقوں نے صرف زبانی اقرار مراد لیا تھا یا دل سے اعتقاد کرنے کو **جواب** ممکن ہے کہ صرف زبانی اقرار ہی کو ایمان سمجھکر اٰمنا کہا ہو اور خدا نے اونکے خیال کو رد کیا ہو کہ واقع میں ایمان یہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہے جسکو مومنوں نے اختیار کیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اون سب نے ایمان سے دلی اعتقاد کو مراد لیا ہو اور اٰمنّا (دل سے اعتقاد کیا) کہکر مومنوں کو دھوکھا دینا چاہا ہو جس کو خدا نے رد کیا اور اونکے جھوٹ کو ظاہر کیا ہو۔ **لیکن** اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ سے پہلی ہی صورت ظاہر ہو رہی ہے۔ **سوال** اِنَّا معکم کہنے والے کون تھے اور کس سے کہا کرتے تھے **جواب**۔ اس بات کے کہنے والے منافقوں کے نوسردار تھے جن کا ذکر اس سے پہلے کئی جگہ گذر چکا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے صفت نفاق میں ماہر و مشاق ہونے کی گواہی اپنے کلام بلاغت نظام وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ میں خود خداوند عالم الغیوب نے دی ہے۔ یعنی مدینہ میں کچھ لوگ ہیں جو صفت نفاق میں اچھی طرح ماہر اور مشاق ہو گئے ہیں **اور** ان سب نے حضرت سرورِ عالم اور مومنوں سے بار بار اٰمنّا (ہم لوگ ایمان لاچکے یعنی مومن ہیں) کہکر اپنے نفاق کو اِس طرح چھپا رکھا تھا کہ خداوند عالم نے صاف فرمادیا کہ لَا تَعْلَمُھُمْ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ اے رسول تم اونکو نہیں پہچانتے ہم پہچانتے ہیں **اور** یہ سب جن سے اِنَّا مَعَکُمْ (ہم لوگ تمہارے ساتھ ہیں) کہا کرتے تھے وہ کفار تھے جنکے ڈر سے انکا دم نکلا جاتا تھا کہ اگر غالب آگئے تو کھڑے نگل جائیں گے یا بھون کھائینگے جسکی وجہ سے اون سے باطنی محبت رکھتے اور پوشیدہ خط و کتابت کرتے اور حضرت کی خبریں اون تک پہونچاتے اور لڑائیوں میں سردارِ اسلام حضرت سرورِ عالم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے جو نصرتِ کفار کی ایک بہت با اثر صورت ہے۔[ع۵]

مدینہ اور اطراف مدینہ کے منافق

ع۵ کیونکہ سردار فوج کا بے یار و مددگار ہونے کی وجہ سے جنگ کا ارادہ نہ کرنا اوسکی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اور اوسکی فوج کا جان توڑ جنگ کرنا اوسکی فتح کا باعث۔ اور فوج کے سردار کو میدانِ جنگ میں لیجاکر تنہا چھوڑ دینا اوسکی فتح و ظفر اور جان دونوں کو خطرہ میں ڈال دینا ہے اور مخالف کی فتح کی صورت اس سے بڑھکر

(چھٹاں فائدہ) اخلاق واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الیٰ شیاطینھم قالوا انا معکم یہ آیت

کریمہ اون لوگوں کی برائی کو ظاہر کر رہی ہے جن کا ظاہر اون کے باطن کا مخالف ہوتا

ہے اور ایسے لوگوں کو ذو اللسانین یعنی دوزبان کہتے ہیں اور ایسے لوگ بہت خطرناک

ہوتے ہیں اور عقل ومذہب ایسے لوگوں سے ہوشیار اور بچتے رہنے کی ہدایت کر رہے

ہیں۔ شہید ثانی علیہ الرحمہ والرضوان کتاب کشف الریبہ کی چوتھی فصل میں تحریر فرماتے ہیں کہ

ذو اللسانین وہ شخص ہے جو ایسے دو شخصوں کے پاس آیا جایا کرے جو آپس میں دشمنی رکھتے

ہوں اور ہر ایک سے اوس کے موافق باتیں کیا کرے۔ اور یہ حرکت چغل خوری سے بھی بدتر

ہے کیونکہ اس میں بدگوئی اور چغل خوری دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۳) نہیں ہوسکتی۔ اشعث بن قیس نے امیر معاویہ سے رشوت لیکر جنگ صفین میں یہی حرکت کی تھی۔ اسلامی لڑائیوں میں خداوند عالم اپنے اولیاء کی جانوں کا خود محافظ تھا اور فتح وظفر کا ذریعہ اپنے ولی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو قرار دے چکا تھا اور ان بھاگنے والوں کو جنگ میں لے جانے سے نہ روکنا اس غرض سے تھا کہ خود اونکا امتحان ہوجائے اور اہل دنیا پر بھی روشن ہو جائے کہ یہ کس قابل اور کس طرح کے تھے تاکہ اہل دنیا پر بھی حجت تمام ہو جائے ۱۲ منہ

ع ملا احمد نراقی استاد مولانا شیخ مرتضےٰ انصاری علیہما الرحمہ والرضوان معراج السعادۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک غلام خریدا بیچنے والے نے اوس سے کہدیا کہ اس میں سوا چغل خوری کے دوسرا کوئی عیب نہیں ہے۔ خریدنے والا راضی ہوا اور اوس کو لے گیا۔ اوس غلام نے مالک کی بی بی سے ایک دن کہا کہ میرا مالک تم کو دوست نہیں رکھتا اور دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے اوس نے پوچھا پھر کیا تدبیر کرنی چاہئے غلام نے کہا اوس کی ڈاڑھی سے گلے کے پاس کے چند بال مجھکو دو اوس پر میں منتر پڑھ دوں گا۔ وہ تمہارا فرمانبردار ہو جائیگا۔ پھر مالک سے کہا کہ تمہاری بی بی دوسرے مرد سے مبتلا ہو گئی ہے اور تم کو مار ڈالنا چاہتی ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ اس بات کی سچائی معلوم کرو تو سونے والوں کی سی صورت بنا کر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ گھر گیا اور سونے والوں کی طرح پڑ رہا۔ بی بی اوسکی استرہ لے کر پہونچی اور بال کاٹنی چاہا۔ اس کو غلام کے بیان کا یقین ہو گیا اوٹھا اور بی بی کو مار ڈالا۔ غلام نے اوس عورت کے عزیزوں کو خبر کردی اونھوں نے اوس کے شوہر کو مار ڈالا۔ پھر دونوں میاں بی بی کے عزیزوں میں تلوار چلی اور بہت سے لوگ مارے گئے **نصیحت** اسی وجہ سے عقل اور مذہب دونوں حکم کرتے ہیں کہ چغل خور کی باتوں پر ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہئے ۱۲ منہ

[Margin, handwritten: چغل خوری …]

مقام ثانی (دوسرے مقام) میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صفت بعینہ نفاق اور گناہ کبیرہ ہے جس پر خاص کرکے خدا نے عذاب کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اور عمار بن یاسر روایت کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو زبانوں کے لئے قیامت کے دن آگ کی دو زبانیں ہونگی حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے لوگ قیامت میں اس طرح آئیں گے کہ ایک زبان اونکی آگے نکلتی ہوگی اور ایک پیچھے اور دونوں سے شعلے نکلتے اور اونکے بدنوں کو جلاتے ہونگے اور کہا جائیگا کہ یہ شخص دنیا میں ذوالللسانین تھا اور اسی صفت سے وہ قیامت میں مشہور ومعروف ہونگے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت میں تم لوگ خدا کے بندوں میں سب سے زیادہ بُرا اوس شخص کو پاؤگے جو اسکی بات اوس سے کہے اور اوسکی بات اِس سے۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض جھوٹھ بولنے والے ہیں اور غرور کرنے والے اور اپنے بھائیوں (یعنی مومنوں) کے دلوں میں عداوت (کی آگ) بھڑکانے والے جو اون کے پاس جاکر خوش اخلاقی ظاہر کرتے ہیں اور جب خدا اور رسولؐ کی فرمانبرداری کی طرف بُلائے جاتے ہیں تو سُستی کرتے ہیں اور جب شیطان اور اوس کے حکموں کی پیروی کی طرف بلائے جاتے ہیں تو جلدی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ بُرا بندہ ہے وہ شخص جو دو زبان ہو کہ اپنے برادر مومن کی اوسکے سامنے تعریف کرے اور اوس کے پیٹھ پیچھے اوسکی بدگوئی کرے۔ اگر اوس برادر مومن کو خدا کوئی نعمت دے تو اوس سے حسد کرے اور جب وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو اوس کو تنہا چھوڑ دے

(ذوالللسانین کون لوگ ہیں) شہید ثانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ چند صورتوں سے انسان دو زبانوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

ایک یہ کہ دو دشمنوں میں سے ہر ایک کی باتیں دوسرے سے بیان کرے۔ **دوسرے** یہ کہ اگرچہ ایک کی بات دوسرے سے نہ کہے لیکن ہر ایک سے کہے کہ اوس سے تمہاری عداوت اچھی اور مناسب ہے (اور وہ اس کا مستحق ہے کہ اوس سے تم عداوت کرو) **تیسرے** یہ کہ ہر ایک سے مدد دینے کا وعدہ کرے۔ **چوتھے** یہ کہ آپسمیں عداوت

رکھتے پر ہر ایک کی تعریف کرے اور اس سے بدتر یہ ہے کہ ہر ایک کے سامنے اوسکی تعریف کرے اور اوسکی پیٹھ پیچھے اوسکی بُرائی بیان کرے۔

(جائز اور ناجائز دوزبانی میں فرق) شہید ثانی علیہ الرحمہ نے اس فرق کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اوسکا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ کسی کے پاس جاکر اوس کے سامنے اوس کے موافق اور اوسکے پیٹھ پیچھے اوسکے مخالف باتیں بیان کرتے ہیں۔ اگر اونکا آنا جانا اور دو طرح کی باتیں کرنی بے ضرورت ہے تو وہ دوزبانی ناجائز ہے اور اگر جانا آنا اور دو طرح کی باتیں مجبوری سے اور اوسکے شر سے بچنے کی غرض سے ہے تو جائز ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ایک شخص کو آتے ہوئے دیکھکر ارشاد فرمایا کہ یہ شخص بُرا ہے۔ جب وہ آگیا تو حضرت پوری توجہ سے اوس سے ملے اور اوس کے جانے کے بعد صحابہ نے اس کا سبب پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ بدترین اشخاص وہ شخص ہے جس کے شر سے بچنے کے لئے اوسکی عزت کی جائے [۱] اور انما نحن مستھزؤن منافقوں کا کلام ہے جس کو خدا نے مذمت کے مقام میں نقل کیا ہے اور اوس کے نزدیک یہ ایک مبغوض صفت ہے جس کو یہاں بہ مختصر الفاظ میں ذکر فرماتا ہے اور سورہ حجرات کی گیارہویں آیت میں تھوڑی تفصیل سے (مردوں کے متعلق) ارشاد فرماتا ہے لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ (اور عورتوں کے متعلق) وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ یعنی مسخرا پن نہ کرے کوئی جماعت کسی جماعت سے شائد وہ لوگ مسخرا پن کرنے والوں سے اچھے ہوں۔ اور نہ (مسخرا پن کریں) عورتیں عورتوں سے شائد وہ مسخرا پن کرنے والیوں سے بہتر ہوں۔

(شانِ نزول) اس آیت کے پہلے ٹکڑے کے نازل ہونے کا سبب علامہ سیوطی یہ لکھتے ہیں کہ بنو تمیم کی ایک جماعت نے حضرت سلمان اور بلال اور عمار بن یاسر اور خباب اور صہیب اور ابن فہیرہ اور سالم سے استہزاء کیا تھا یعنی اون پر ہنسے تھے تو یہ آیت اوتاری گئی [۲] اور دوسرے ٹکڑے کے اوتارے جانے کا سبب علی بن ابراہیم علیہ الرحمہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بی بی صفیہ بنت حی بن اخطب کو بی بی عائشہ اور بی بی

جائز اور ناجائز دوزبانی

[۱] کشف الریبہ مقام ثانی ص۲۷۲ تا ص۲۷۹ ۱۲ منہ

مسخرا پن کی مذمت

[۲] تفسیر در منثور جلد ۶ ص۹۱ چھاپ مصر ۱۲ منہ

بی بی عائشہ و حفصہ کی بد اخلاقی

حفصہ ستایا کرتی اور طعن کے ارادہ سے یہودی کی لڑکی کہا کرتی تھیں تو اونھوں نے حضرتؐ سے شکایت کی۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تم نے جواب میں کیوں نہ کہا کہ میرے باپ ہارون نبی اللہ اور چچا موسے کلیم اللہ اور شوہر محمد رسول اللہ ہیں۔ دوسری دفعہ طعن پر اونھوں نے یہی جواب دیا تو اون دونوں نے کہا کہ تم کو یہ بات رسولؐ اللہ نے سیکھائی ہے اوس وقت یہ آیت نازل ہوئی ۱؎ اس روایت کو اہلسنت کے دو امام **ایک** ابن عبدالبر نے استیعاب حال ام سلمہ میں ایک سند سے نقل کیا ہے جو اصابہ جلد ۴ ص ۳۴۸ کے حاشیہ پر درج ہوئی ہے **اور دوسرے** ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد ۴ ص ۳۴۷ میں دو سندوں سے ایک کے راوی عطاء بن یسار ہیں اور دوسرے کے کنانہ مولے صفیہ **اور انس** بیان کرتے ہیں کہ جناب ام سلمہ نے ایک سفید کپڑا اپنی کمر پر باندھکر اوس کے دونوں کنارے پیچھے لٹکائے تھے تو ان دونوں بیبیوں نے طعن کیا اور کہا کہ اپنے پیچھے کتے کی زبان لٹکائے پھرتی ہے اوس وقت یہ آیت اوتاری گئی **اور حسن بصری** کہتے ہیں کہ جناب ام سلمہ کے پستہ قد ہونے پر دونوں نے طعن کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی ۲؎ **ان دونوں بیبیوں** پر سورہ تحریم پ ۲۸ آیت ۴ میں بھی سخت عتاب کیا گیا ہے یہاں تک کہ ان کے دلوں کو کج بتایا گیا ہے اور طلاق اور ان سے بہتر بیبیوں سے انکو بدل دینے کی دھمکی دی گئی ہے اور اون بہتر بیبیوں کی صفت مسلمات۔ مومنات۔ قانتات تائبات۔ عابدات بطور تعریض کے بیان کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمہ۔ مومنہ۔ فرمانبردار۔ توبہ کرنے والیاں عبادت گذار ہونگی اور تم میں یہ صفتیں نہیں ہیں۔ **اور یہ عتاب** اس وجہ سے ہوا حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے راز کو ان دونوں نے ظاہر کر دیا تھا اور یہ خیانت خدا کو اس طرح بُری معلوم ہوئی کہ سخت لہجہ میں عتاب کیا۔ **ان واقعات** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں بیبیوں کے اخلاق نہایت درجہ دل آزار اور خراب ۵؎ تھے۔

۱؎ تفسیر برہان جلد ۲ ص ۱۰۲۹ ذیل تفسیر سورہ حجرات آیت ۱۱ یسیر ۱۲ منہ ۲؎ تفسیر مجمع البیان جلد ۲ ص ۳۶۶ پ ۲۶ ذیل تفسیر آیت مذکورہ ۱۲ منہ

عسہ ۵؎ دنیا کے عقلاء میں یہ بات مان لی گئی ہے کہ انسان کے لئے فخر اور تعریف کی چیز اوس کا حسب یعنی ذاتی کمالات اور اچھائیاں ہیں۔ نسب یعنی نسل کی اچھائی اوسی وقت وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے جب کہ حسب اوس کے ساتھ ساتھ ہو پس محض حسب عزت کی چیز سمجھا جاتا ہے لیکن محض نسب

(حاشیہ بقیہ: نسب کے عزت ... ذاتی اوصاف ...)

بہرحال استہزاء (مسخراپن یعنی دوسرے کو ہنسنا) خدا اور اولیاء خدا کی نگاہ میں بیحد مبغوض اور بُری چیز ہے۔ اور خداوند عالم نے قرآن مقدس کی آیت لا یسخر قوم الخ میں صاف لفظوں میں اُس سے منع کیا اور اِس کو حرام قرار دیا ہے اور قرآن میں جو چیز حرام قرار دیگئی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور اسکی برائی میں حدیثیں بھی بہت سی معصومین علیہم السّلام سے نقل کی گئی ہیں اور یہ چار بُری صفتوں پر شامل ہے ایک اپنے کو بڑا سمجھنا جِس کو تکبر کہتے ہیں۔ دوسرے غیر کو بُرا اور ذلیل سمجھنا تیسرے مومن کی توہین یعنی اوس کو رسوا اور فضیحت کرنا۔ چوتھے اوسکا دل دُکھانا اور

(بقیہ حاشیہ ص۲۵۷) توجہ کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ حدیث قدسی میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے خَلَقْتُ الْجَنَّۃَ لِمَنْ اَطَاعَنِیْ وَلَوْ کَانَ عَبْدًا حَبْشِیًّا وَخَلَقْتُ النَّارَ لِمَنْ عَصَانِیْ وَلَوْ کَانَ سَیِّدًا قُرَشِیًّا۔ یعنی بہشت کو میں نے فرماں برداروں کے لئے پیدا کیا ہے اگرچہ حبشی غلام ہو اور جہنم کو گناہگاروں کے لئے پیدا کیا ہے اگرچہ سید قریشی ہو حضرت سلمان فارسی آفتاب پرست کے فرزند اور فارسی نسل سے تھے لیکن حسب یعنی خدا شناسی نے اونکو اہلبیت میں داخل کر دیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند بے فاصلہ و بے واسطہ نبی کا فرزند تھا جو نسل سے جدا کر دیا گیا حضرت ابوبکر و عمر قریش کے ممتاز قبیلوں سے نہ تھے جس پر کتب احادیث و تواریخ اہلسنت شاہد ہیں اور انھیں کتابوں سے یہ بات بھی اچھی طرح روشن ہو چکی ہے کہ ان لوگوں کی اسلامی زندگی بھی ممدوح اور لائق پسند نہ تھی۔ جن لوگوں نے حضرت سرور عالم کے ساتھ کبھی کسی طرح کی ہمدردی نہ کی اور اونکی پارۂ جگر اور نور نظر اور غمگین قلب کو باپ کی جدائی کی مصیبت کے زمانہ میں رولا رولا کر مارا اور اون کے وصی اور نفس اور فرزندوں کو طرح طرح سے ستایا ایسے لوگوں کو فرزندان اسلام کے منصف مزاج عقلاء کیونکر اچھی نگاہ سے دیکھ سکتے اور انکی زندگی کو قابل تعریف سمجھ سکتے ہیں پس جب کہ خود صاحبان کمال کے لئے اپنے کمال پر ناز اور دوسروں پر طعن کرنا صحیح نہیں ہے تو ایسے لوگوں کے لئے بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں ہو سکتا جو نسبی اور حسبی اور اخلاقی کل بھلائیوں سے محروم ہوں اور باپ دادا کا مذہب بھی بقول علامہ دمیری کے زندقہ ہو جو یہودیت و نصرانیت سے پست تر ہے۔ کیونکہ یہ دونوں پھر بھی خدائی مذہب اور اسلام سے نزدیک تر ہیں۔ درحالیکہ جناب صفیہ حضرت ہارون نبی کی اولاد سے اور بادشاہ

یہ چاروں چیزیں جد اجد اخود بھی گناہ کبیرہ ہیں جن پر عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے کل حدیثوں کو نقل کرنے کا موقع نہیں ہے اس لئے دو دو تین تین حدیثوں کے نقل پر اکتفا کرونگا۔

تکبر یعنی غرور اور بڑائی خداوند عالم حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے۔ اَلْفَخْرُ اِزَارِیْ وَالْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ شَیْءٍ مِنْهُمَا عَذَّبْتُهٗ بِنَارِیْ یعنی فخر اور بڑائی میری صفت اور شان ہے جو شخص میری کسی صفت کو مجھ سے چھیننا چاہیگا اوس پر اپنی آگ سے عذاب کرونگا[1] اور ابن بکیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ غرور کرنے والوں کے لئے جہنم میں ایک میدان ہے جس کو سقر کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ اوس نے اپنی گرمی کی شدت کی خدا کی بارگاہ میں شکایت کی اور سانس لینے کی اجازت چاہی۔ اجازت دیگئی اور اوس نے سانس لی جس سے جہنم میں شعلہ بھڑک اٹھا[2] اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جسکو صعدا کہتے ہیں اوس میں ایک میدان ہے جس کو سقر کہتے ہیں اوسمیں ایک پہاڑ ہے جس کو ہبہب کہتے ہیں جب اس کا پردہ ہٹایا جاتا ہے تو اہل جہنم اوسکی گرمی سے چیخنے لگتے ہیں بڑائی کرنے والوں کے لئے یہی جگہ قرار دیگئی ہے[3] **مومن کو ذلیل سمجھنا** حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مومن مرد یا مومنہ عورت کو ذلیل سمجھے یا اوسکی ناداری کی وجہ سے اوسکو ذلیل کرے تو قیامت کے دن خداوند عادل پہلے اوسکی تشہیر کریگا (یعنی قیامت کے میدان میں پھرائیگا) پھر اوسکو رسوا اور ذلیل کریگا[4] امام جعفر صادق ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص نادار و محتاج مومن کو ذلیل سمجھے اوس نے خدا سے جنگ کی اور خداوند عالم قیامت کے دن بھرے مجمع میں اوسکو ذلیل کریگا[5] **مومن کو ذلیل کرنا** حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ

تکبر کی مذمت

مومن کو ذلیل سمجھنے کی مذمت

مومن کو ذلیل کرنے کی مذمت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۸) خیبر کی لڑکی تھیں اور جناب ام سلمہ شریف قریش بنو مخزوم سے اور مرد سنجی بلکہ اسکی لڑکی اور خدا و رسولؐ ان سے راضی و خوشنود تھے ۱۲ منہ [1] جواہر السنیہ فی الاحادیث القدسیہ صفحہ ۳۵ ۱۲ منہ [2] لآلی الاخبار باب ۵ صفحہ ۱۶۹ ۱۲ منہ [3] لآلی الاخبار باب ۵ صفحہ ۱۶۹ ۱۲ منہ [4] لآلی الاخبار جلد ۳ باب ۱۰ صفحہ ۴۹۲ ۱۲ منہ [5] لآلی الاخبار جلد ۳ باب ۱۰ صفحہ ۴۹۳ ۱۲ منہ

معراج میں تشریف لے گئے تو پوچھا کہ خداوندا مومن کا مرتبہ تیرے نزدیک کس قدر ہے ارشاد ہوا کہ اے محمدؐ میرے دوست کو جس نے ذلیل کیا اوس نے مجھ سے جنگ کی لہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں معراج میں گیا تو مجھ پر وحی ہوئی کہ اے محمدؐ جو شخص میرے ولی (دوست) کو ذلیل کرے وہ مجھ سے جنگ پر آمادہ ہوا اور جو شخص مجھ سے جنگ کریگا میں اوس سے جنگ کرونگا میں نے پوچھا کہ پروردگارا تیرا ولی کون ہے ارشاد ہوا کہ وہ شخص جس سے تم نے اپنی رسالت اور اپنے وصی (علیؑ) اور تم دونوں کی ذریت کی امامت کا اقرار و عہد و پیمان لیا ہے ۵ **مومن کو ستانا اور تکلیف دینا** ۱ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے بندہ مومن کو ستائے اوس کو چاہیئے کہ مجھ سے جنگ کے لئے تیار ہوجائے ۲ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے مومن کو ستایا اوس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اوسنے خدا کو ستایا اور جس نے خدا کو ستایا وہ ملعون ہے توریت اور انجیل اور زبور اور فرقان (قرآن مجید) میں اور اوس پر خدا اور ملئکہ اور کل لوگوں کی لعنت ہے ۳ حضرت پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے مومن کو تکلیف پہونچائی اگرچہ ایک ہی کلمہ (بات) سے وہ قیامت میں اس طرح آئیگا کہ اوسکی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص رحمتِ خدا سے محروم ہے اور مثل اوس شخص کے ہے جس نے خانہ کعبہ اور بیت المقدس کو ڈھایا ہو اور دس ہزار فرشتوں کو قتل کیا ہو ۴

لہ لئالی الاخبار جلد ۳
۱ لئالی الاخبار جلد ۳
۲ و ۳ لئالی الاخبار جلد ۳

مومن کو ستانے کا عذاب

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا
حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ
صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ
فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ
فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ
بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا

أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

(الفاظ کے معنی)

مَثَلُ - مثال + هُمْ - اونکی - اونکو - اپنی + ک - رمثل الذی [عہ] - اوس - جس + استوقد [عہ] - روشن کی + نارا - آگ + ف - پس + لما - جب + اضائت - روشن کردیا + ما - اوس چیز - جس چیز + حول - چاروں طرف + ہ - اوس - اِس - جس + ذھب - گیا - اور اگر اوس کے مفعول پر ب حرف جر ہو تو "لیگیا" معنی پیدا ہوتا ہے + اللہ خدا + نور - روشنی + و - اور + ترک - چھوڑدیا + فی - میں + ظلمات - اندھیرے + لا - نہیں + یبصرون - دیکھتے ہیں + صم - بہرے + بکم - گونگے + عمی - اندھے + ف - اس لئے + ھم - وہ + یرجعون - پلٹتے ہیں - پلٹینگے + او - یا + صیب - برسنے والا بادل + من - سے + سماء - آسمان - اوپر + رعد - گرج + برق [عہ] - چمک + یجعلون - ڈالتے یا ڈالے ہوئے ہیں + اصابع - انگلیاں + اذان - کانوں + صواعق [عہ] - بجلیاں + حذر - پرہیز بچاؤ + موت - مرنا + محیط - گھیرے ہوئے + ب - کو + کافرین - خدا سے پھرے ہوئے + یکاد - قریب ہے + یخطف - چوندھا کردے - فنا کردے - مٹادے + البصار - آنکھیں - آنکھوں کی روشنی + کلما - جب + ل - واسطے + مشوا - چلتے ہیں + اذا - جب + اظلم - اندھیرا ہوجاتا ہے + علے - پر - اوپر + قاموا - ٹھہر جاتے ہیں -

---

عہ اس جگہ الذی مفرد ہے جو جمع یعنی الذین کے معنی میں ہے اور قرینہ اس پر ذھب اللہ بنورھم ہے - اور اسی طرح سے والذی جاء بالصدق وصدق بہ میں بھی الذی مفرد الذین جمع کے معنی میں ہے اور قرینہ اس پر اولئک ھم المتقون ہے - اور کلام عرب میں اس طرح کا استعمال جاری ہے شاعر کہتا ہے ؎ ان الذی حانت بفلج دماءھم + ھم القوم کل القوم یا ام خالد (مجمع البیان) عہ استوقد - اوقد کے معنی میں ہے یعنی روشن کیا جیسے استجاب - اجاب کے معنی میں یعنی قبول کیا (مجمع البیان) ۱۲ عہ برق اور صاعقہ میں فرق یہ ہے کہ ہلکی روشنی جو چمکتی ہے اوس کو برق کہتے ہیں - اور شدید روشنی جو گر کر جلا دیتی ہے اوسکو صاعقہ کہتے ہیں ۱۲ منہ

کھڑے ہو جاتے ہیں + لو - اگر + شاء - چاہے - چاہا + اِنَّ - تحقیق - یقینا + کل - سب شئی - چیز + قدیر - سکت - قدرت رکھنے والا +

(بامحاورہ معنی) ان منافقوں کی مثال اون لوگوں کی سی ہے جنھوں نے آگ روشن کی ہو پس جب آگ نے اونکے چاروں طرف اوجالا کردیا ہو تو خدا نے اونکی روشنی بجھادی ہو اور اونکو اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو کہ اب اونکو کچھ سوجھائی نہیں دیتا - یہ منافق (دینِ حق کے بارے میں) بہرے گونگے - اندھے بنے ہوئے ہیں (نہ تو دینی باتوں کو سُننا چاہتے ہیں - نہ اونکا جواب دینا نہ خدا کی نشانیوں اور دینی دلیلوں کو دیکھنا) اسلیئے اب یہ اپنے فاسد عقیدوں اور باطل مذہب سے نہ پھرینگے یا یہ سب اون منافقوں کی طرح ہیں جن کے سروں پر غوب کالی گھٹا چھائی ہوئی اور برس رہی تھی اور دنیا اندھیری ہوگئی تھی اور بادل گرج رہا تھا اور بجلی چمک رہی تھی اور ان بجلیوں کے ڈر سے موت سے بچنے کے لیئے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈالے ہوئے تھے اور دیہ نہیں سمجھتے تھے) کہ خدا کی قدرت ان کافروں کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے - (اوس کے غضب سے بچ نہیں سکتے) قریب ہے کہ بجلی کی چمک انکی آنکھوں کی بینائیوں کو چوندھیا دے یا فنا کردے - جب بجلی چمکتی تھی تو چلتے تھے اور جب اون پر تاریکی چھا جاتی تھی تو ٹھہر جاتے تھے - حالانکہ اگر خدا چاہتا تو اونکے کانوں اور آنکھونکو (بھی) بیکار کردیتا (کیونکہ) یقیناً خدا ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے **(صرف)** اَضَاءَ کی اصل اَضْوَءَ تھی صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی باب افعال سے - واؤ کا فتحہ (زبر) اوس کے قبل کے حرف صحیح یعنی ضاد کو دیدیا اب وہ ساکن ہوگیا اور قبل اوس کے فتحہ - اور فتحہ اپنے بعد الف چاہتا ہے اس لیئے اوسکو الف سے بدل دیا - صَیِّب کی اصل صَیْوِبٌ تھی فَیْعِلٌ کے وزن پر واؤ کو ے سے بدل کر دونوں ے کو ملادیا صَیِّب ہوگیا جیسے مَیِّتٌ - هَیِّنٌ وغیرہ مُحِیْطٌ کی اصل مُحْوِطٌ تھی واو پر کسرہ (زیر) گراں تھا اس لیئے اوسکو ح کو دیدیا اب وہ ساکن ہوگیا اور قبل اوسکے کسرہ (زیر) آگیا جو اپنے بعد ی کو چاہتا ہے اس لیئے اوسکو ی سے بدل دیا - یَکَادُ کی اصل یَکْوَدُ تھی - واؤ کا فتحہ

(زبر) کاف کو دیا اور فتحہ اپنے بعد الف چاہتا ہے اس لئے واؤ کو الف سے بدل دیا (نحو) مثل مضاف ھم ضمیر جمع مذکر غائب کی مضاف الیہ۔ دونوں ملکر مبتداء۔ ک حرف جار۔ مثل مضاف۔ الذی اسم موصول۔ استوقد فعل ھو ضمیر واحد مذکر غائب کی جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ نارا مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ۔ موصول اور صلہ ملکر مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ ملکر مجرور۔ جار اور مجرور ملکر مثلھم کی خبر۔ مبتداء اور خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ۔ ف حرف تفریع۔ لما اسم ظرف شرط۔ اضائت فعل۔ ھی ضمیر واحد مونث غائب کی جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ ما اسم موصول۔ ھو ضمیر واحد مذکر غائب کی جو پوشیدہ ہے مبتداء حول مضاف۔ ہ مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ ملکر خبر۔ مبتداء اور خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر صلہ۔ اسم موصول اور صلہ ملکر اضائت کا مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ شرطیہ۔ ذھب فعل۔ لفظ اللہ فاعل۔ ب حرف جار۔ نور مضاف۔ ھم مضاف الیہ۔ دونوں ملکر مجرور۔ جار اور مجرور ملکر متعلق ذھب کا۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ۔ و حرف عطف۔ ترک فعل۔ ھو جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ ھم مفعول بہ۔ فی حرف جار۔ ظلمات موصوف۔ لا یبصرون فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر صفت۔ موصوف اور صفت ملکر مجرور۔ جار اور مجرور ملکر متعلق ترک کا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف۔ معطوف علیہ اور معطوف ملکر جزاء۔ شرط اور جزاء ملکر جملہ شرطیہ جزائیہ۔ ھم ضمیر جمع مذکر غائب کی جو پوشیدہ ہے مبتداء۔ صم بکم عمی۔ یکے بعد دیگرے تین خبریں۔ مبتداء اپنے تینوں خبروں سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ۔ ف حرف تفریع ھم مبتداء لا یرجعون فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر خبر۔ مبتداء اور خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ۔ او حرف عطف۔ مثلھم جو پوشیدہ ہے مضاف اور مضاف الیہ ملکر مبتداء۔ ک حرف جار۔ لفظ اصحاب جو پوشیدہ ہے مضاف۔ صیب موصوف کائن جو پوشیدہ ہے صفت۔ من حرف جار۔ سماء مجرور۔ جار اور مجرور ملکر کائن کا متعلق پھر کائن جو پوشیدہ ہے دوسری صفت۔ فی حرف جار۔ ہ مجرور۔ جار اور مجرور ملکر کائن کا متعلق۔ ظلمات۔ اور رعد۔ اور برق یکے بعد دیگرے کائن کے تین فاعل۔ کائن اپنے متعلق اور تینوں فاعلوں

سے ملکر صفت۔ موصوف اپنے دونوں صفتوں سے ملکر مضاف الیہ۔ مضاف اور
مضاف الیہ ملکر مجرور۔ جار اور مجرور ملکر خبر۔ مبتدا اور خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ یجعلون
فعل با فاعل۔ اصابع مضاف۔ ھم مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ ملکر مفعول
فی حرف جار۔ اذان مضاف۔ ھم مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ ملکر مجرور
جار اور مجرور ملکر یجعلون کا متعلق۔ من حرف جار۔ صواعق مجرور۔ جار اور مجرور ملکر
یجعلون کا دوسرا متعلق۔ حذر مضاف الموت مضاف الیہ دونوں ملکر مفعول لہ۔
فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ دونوں متعلقوں اور مفعول لہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ۔ واؤ
حالیہ لفظ اللہ مبتدا۔ محیط خبر۔ ب حرف جار۔ کافرین مجرور۔ جار اور مجرور ملکر محیط
کا متعلق۔ مبتدا اور خبر اور متعلق ملکر جملہ اسمیہ خبریہ۔ یکاد فعل۔ برق فاعل۔ یخطف
فعل۔ ھو جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ ابصار مضاف۔ ھم مضاف الیہ۔
مضاف اور مضاف الیہ ملکر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ
بتاویل مفرد ہوکر یکاد کا مفعول۔ کلما اسم ظرف شرط۔ اضاء فعل۔ ھو جو پوشیدہ
ہے اوس کا فاعل۔ ل حرف جار۔ ھم مجرور۔ جار اور مجرور ملکر اضاء کا متعلق فعل
اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ شرطیہ۔ مشوا فعل با فاعل فیہ جار اور مجرور
ملکر اوس کا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہوکر جزاء۔ واؤ حرف
عطف۔ اذا شرط اظلم فعل ھو جو پوشیدہ ہے اوس کا فاعل۔ علے حرف جار
ھم مجرور۔ دونوں ملکر اظلم کا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ
شرطیہ۔ قاموا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر جزاء۔ واؤ حالیہ۔ لو حرف شرط۔
شاء فعل ماضی۔ لفظ اللہ اوس کا فاعل۔ ل حرف تاکید۔ ذھب فعل۔ ھو جو پوشیدہ
ہے اوس کا فاعل۔ ب حرف جار۔ سمع مضاف۔ ھم مضاف الیہ۔ مضاف اور
مضاف الیہ ملکر معطوف علیہ۔ واؤ حرف عطف۔ ابصار مضاف۔ ھم مضاف
الیہ۔ دونوں ملکر معطوف۔ معطوف علیہ اور معطوف ملکر مجرور۔ جار اور مجرور ملکر متعلق
ذھب کا۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہوکر جزاء۔ شرط اور جزاء ملکر جملہ
شرطیہ جزائیہ۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللہ اوس کا اسم۔ علے حرف جار۔
کل مضاف۔ شیء مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ ملکر مجرور۔ جار اور مجرور ملکر متعلق

موجود تھا کہا کہ میں اس مُردہ کے زندہ ہو کر قاتل کا پتہ دینے پر تعجب کروں یا اس مال کثیر سے اس جوان کو مالدار کر دینے پر تو حضرت موسےٰ پر وحی ہوئی کہ بنو اسرائیل سے کہو کہ تم میں جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ دنیا میں اچھی زندگی بسر کرے اور بہشت میں میں اوس کا مرتبہ بڑھا دوں اور محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ) کا ہم نشین بنا دوں اوسکو چاہئے کہ ویسا ہی کرے جیسا کہ اس جوان (گائے والے) نے کیا ہے۔ وہ یہ کہ چونکہ اوس نے موسےٰ سے سُنا تھا کہ جو شخص محمدؐ اور اونکی آلؑ پاک کو ذکر کرے چاہئے کہ اون پر درود بھیجے اور کل مخلوقات؛ جن اور انسان اور فرشتوں پر اون کو فضیلت دے اور وہ اسی طرح کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اوس کو یہ مال کثیر دیا گیا تاکہ اس حلال مال سے فائدہ اوٹھائے اور خدا کی بخششوں (اور محمدؐ اور آلؑ محمدؐ پر درود بھیجنے اور اون کو سب پر فضیلت دینے) کے عوض سے عزت حاصل کرے۔ اور اوسکے دوست اوسکی اچھی حالت دیکھکر اوس سے مانوس ہوں اور اوسکے دشمن اوس کی خوشحالی پر جلیں پھر اوس جوان نے حضرت موسےٰؑ سے کہا کہ اے نبی خدا میں اس مال کی حفاظت کیونکر کروں اور دشمنوں اور حسد کرنے والوں کی عداوت سے کیونکر بچوں۔ فرمایا جس طرح محمدؐ و آلؑ محمدؐ پر اسکے ملنے سے پہلے درود بھیجتے تھے اوسیطرح اب بھی اس پر درود پڑھو تو جس خدا نے تمہارے عقیدہ کی درستی اور اس درود کی برکت سے تمہیں یہ مال دیا ہے وہی اس کی بھی حفاظت کرے گا اور دشمنوں کی برائیوں سے تمہیں بھی بچائے گا۔ پس اوس نے اوس پر پڑھا اور خدا نے اوسکی اور اوسکے مال کی حاسدوں اور چوروں اور غاصبوں سے حفاظت کی۔

جب مقتول نے یہ دیکھا تو اوس نے بھی کہا کہ پروردگارا جس طرح اس جوان نے درود پڑھکر تجھ سے دعا کی؟ میں بھی محمدؐ و آل محمدؐ پر درود پڑھکر اور اون کا واسطہ دیکر عرض کرتا ہوں کہ مجھے میری چچا زاد بہن (بی بی) کے ساتھ زندہ رکھ اور دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے بچا اور مالِ کثیر حلال عطا کر۔ پس حضرت موسےٰ پر وحی ہوئی کہ زندہ ہونے کے بعد اس مقتول کی حیات ساٹھ برس مقدر تھی چونکہ اوس نے محمدؐ و آلؑ محمدؐ کا واسطہ دیکر دعا کی ہے اسلئے میں نے اوسے ستر برس کر دیا (قتل کے پہلے تیس برس) اور زندہ ہونے کے بعد ستر برس دونوں مل کر پورے سو برس زندہ رہے گا جس میں حواس اسکے درست اور دل اس کا مطمئن اور خواہشیں اسکی برقرار رہینگی اور دنیا کی جائز لذتوں سے فائدہ اوٹھائیگا اور آرام سے

محمد و آلؑ محمدؐ کا واسطہ دینے کا اثر

زندگی بسر کریگا نہ یہ اوس عورت سے جدا ہوگا نہ وہ اوس سے۔ اور دونوں ایک وقت مرینگے اور میری بہشت
میں جائیں گے اور اوسکی نعمتوں سے فائدہ اوٹھائیں گے۔ اے موسےٰ اگر یہ دونوں قاتل بدنصیب
اسی طرح درست اعتقاد کے ساتھ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ دیکر مجھ سے دعا کرتے کہ حسد سے اونھیں بچاوں اور
ملک عظیم جو اونھیں دے رکھا ہے اوسی پر اون کو راضی اور خوش رکھوں تو میں ضرور ایسا ہی کرتا۔ اور
اگر قتل کرنے کے بعد بھی اس سے توبہ کرکے مجھ سے دعا کرتے کہ اونھیں فضیحت نہ کروں تو نہ کرتا۔ اور
ان کا نام ظاہر ہونے کی خواہش سے ؟ خواہش کرنے والوں کے خیالات کو پلٹ دیتا اور اس جوان
(گاے والے) کو دوسری صورت سے مالدار کردیتا اور اسی قدر مال دے دیتا۔ اور اگر
فضیحتی کے بعد بھی توبہ کرکے محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ دیکر دعا کرتے کہ لوگوں کے ذہنوں سے انکی بدکاری
نکال دوں اور مقتول کے وارثوں کو راضی کردوں تاکہ وہ قصاص (قتل کے بدلے قتل) کی خواہش
نہ کریں اور بخشدیں تو ایسا ضرور کرتا۔ اور کوئی شخص نہ انکی ملامت کرتا نہ ان کا بُرا ذکر۔ اور یہ میری
بخشش ہے جسے دوں ؟ اور میں انصاف ور اور صاحب حکمت و مصلحت ہوں۔ چونکہ گاے کی قیمت بہت
تھی اسلیئے وہ لوگ ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن اونکی (فطرتی) ضد اور قتل کے الزام نے جو موسےٰ
نے اون پر لگایا تھا اونھیں ذبح کرنے پر آمادہ کیا۔ پس (ان کل قصوں کے بعد) وہ حضرت موسےٰ
کے پاس چیخ و پکار کرنے لگے کہ ہم لوگ اپنی ضد کی وجہ سے محتاج اور تھوڑے اور زیادہ مال
سے اک دم خالی ہوگئے آپ خدا سے دعا کریں کہ ہم لوگوں کا رزق وسیع کردے۔ پس حضرت
موسےٰ نے کہا کہ تمہارے حال پر افسوس ہے کیا تم نے گاے والے جوان کی دعا نہیں سُنی ؟
جو اوسکی وجہ سے مالدار ہوگیا۔ اور کیا مقتول کی دعا نہیں سُنی جسکی وجہ سے اوس نے بڑی عمر
اور اچھی تقدیر اور حواس اور بدن کی سلامتی اور عقل سلیم پائی۔ اونھیں کی طرح محمدؐ و آل
کا واسطہ دے کر دعائیں کرو تاکہ تمہاری محتاجی اور بدحالی بھی دفع کردے۔ پس اونھوں نے
کہا کہ خدایا ہم لوگ تیری پناہ میں آئے اور تیری بخشش پر بھروسہ کیا محمدؐ اور علیؑ اور فاطمہؑ
اور حسنؑ اور حسینؑ اور اونکی آلِ پاک کا واسطہ ہے کہ ہم لوگوں کی محتاجی دفع کردے اور ہمارا پیٹ بھردے
پس حضرت موسےٰ پر وحی ہوئی کہ ان سے کہو کہ ان کے سردار فلاں قبیلہ کے خرابہ میں جاکر فلاں
جگہ کی زمین کھودیں وہاں دس کرور اشرفیاں ملیں گی اون کو اوٹھا لائیں اون میں سے (پہلے)
پانچ کروڑ اشرفیوں میں سے چندہ دینے والوں کا چندہ واپس کریں اوسکے بعد باقی پانچ کروڑ کو سب
سب آپس میں اوسی نسبت سے تقسیم کریں جس نسبت سے چندہ میں شرکت کی تھی۔ اور یہ ؟ محمدؐ و آل

محمدؐ و آل محمدؐ کے واسطے سے بنو اسرائیل کو خزانہ ملا

کا وسیلہ ڈھونڈھنے اور کل مخلوقات پر) اونکی بزرگیوں کا اعتقاد کرنے کا بدلا ہے۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا اور (اوس وقت کو یاد کرو) جب تم نے ایک جان ماری اور اس بارے میں آپس میں اختلاف کرنے اور اپنی اور اپنی اولاد کی جان بچانے کے لئے اس گناہ کو ایک دوسرے پر ڈالنے لگے وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ حالانکہ قاتل نے جو کچھ کیا ہے اور موسےٰ کو جھٹلانے کے ارادہ سے جو بات تم نے چھپا رکھی ہے اور یہ سمجھ لیا ہے کہ (قاتل کو ظاہر کردینے کے بارے میں) خدا اونکی خواہش پوری نہ کرے گا؟ خدا اوسکو ظاہر کردے گا۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا[ع] پس ہم نے کہا کہ گائے کے ایک ٹکڑے سے اس مردہ کو مارو

ع علی[۱] بن ابراہیم علیہ الرحمہ کی حدیث میں جسکی سند حضرات علماء کرام کے نزدیک حسن اور میرے نزدیک صحیح ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ اور احمد[۲] بزنطی کی حدیث میں جسکو مجلسی علیہ الرحمہ نے معتبر لکھا ہے اور میرے نزدیک صحیح ہے اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے اس واقعہ کے متعلق جو مضامین لکھے ہیں وہ حضرت[۳] امام حسن عسکری علیہ السلام کی حدیث کے چند چیزوں میں بظاہر مخالف ہیں نمبر ۱ اور ۲ میں ہے کہ جو حصہ گائے کا مُردے پر پھینکا گیا وہ دُم تھا اور نمبر ۳ میں ہے کہ اوس کا ٹکڑا تھا دوسرے یہ کہ نمبر ۲ میں ہے کہ قاتل مقتول کا عزیز نہ تھا۔ اور نمبر ۱ و ۳ میں ہے کہ اوس کا چچازاد بھائی تھا تیسرے یہ کہ نمبر ۱ و ۳ میں مقتول کو نیکوکار لکھا ہے۔ اور نمبر ۲ میں نیکوکاری کا ذکر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ نمبر ۳ میں لکھا ہے کہ گائے کی قیمت اوس جوان کی ماں کی مرضی پر رکھی گئی اور اوس نے بڑھایا اور نمبر ۱ و ۲ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے پانچویں یہ کہ نمبر ۱ و ۲ میں لکھا ہے کہ گائے والے جوان کے پاس کچھ مال تھا جسکو خریدنے کے لئے کچھ لوگ آئے لیکن کنجی اوسکی اوسکے باپ کے تکیہ کے نیچے تھی اور وہ سو رہا تھا اس نے باپ کی عزت کا خیال کرکے اوسکے آرام میں خلل ڈالنا پسند نہ کیا۔ یہ بات خدا کو پسند آئی اور اوس نے اسی کی گائے خرید کر ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ اپنے باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کا بدلا پالے۔ اور نمبر ۳ میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن ایسا اختلاف حقیقی اختلاف نہیں کہلاتا ہے کیونکہ پہلی تینوں چیزوں میں عام اور خاص کا فرق ہے اور آخری دو چیزوں میں اطلاق اور تقیید یعنی ذکر اور عدم ذکر کا۔ اور خاص عام کا۔ اور مقید مطلق کا واقعی مخالف نہیں کہا جاتا۔ بلکہ عام خاص پر اور مطلق مقید پر محمول کردیا جاتا ہے۔ یعنی عام سے خاص اور مطلق سے مقید

كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى دنیا اور آخرت دونوں جگہ خداوند قادر مطلق مُردوں کو یوں ہی زندہ کرتا ہے۔ جس طرح ایک مُردہ (مقتول) سے دوسرے مُردے (گائے) کے ملنے سے اس مقتول کو زندہ کردیا دنیا میں (مُردوں کو زندہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ) مرد کے (مردہ) نطفے کو عورت کے (مردہ) نطفے سے ملاکر ایسے (معدوم مُردوں) کو زندہ کرتا ہے جو باپوں کی پیٹھوں اور ماؤں کے رحموں میں ہیں اور آخرت میں (زندہ کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ) آسمانِ دنیا میں ایک دریا ہے جسکو بحرِ مسجور (لبریز یعنی بھرا ہوا دریا) کہتے ہیں اور قرآن میں بھی مذکور ہے جس کا پانی مرد کے نطفہ کی طرح کا ہے (پس جب حشر کے لئے خداوند عالم مُردوں کو زندہ کرنا چاہیگا تو) پہلی دفعہ صور پھونکنے کے بعد اسی دریا کا پانی زمین پر برسائیگا اور یہ پانی گلے ہوئے مُردوں سے ملے گا پس وہ زمین سے اوسی طرح زندہ ہو کر اوٹھیں گے جس طرح گھاس اوگتی ہے وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ جو نشانیاں اوپر کی آیتوں میں ذکر کی گئیں اسی طرح کی اور نشانیاں بھی خدا تمہیں دیکھائیگا جو اوسکی وحدانیت کو بتاتی ہیں اور موسےٰؑ کی نبوت کو اور اس امر کو کہ محمدؐ کل مخلوقات سے افضل اور خدا کی کنیزوں اور بندوں کے سردار ہیں اور (اونکے بعد) اونکی آل پاک کل مخلوقات سے افضل ہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم سوچو اور سمجھو کہ وہ (مقدس اور حکیم اور قادر مطلق) ہستی ؟ جو ایسے عجیب و غریب کام کرتا ہے بغیر حکمت اور مصلحت کے اپنے بندوں کو کوئی حکم نہیں دے سکتا اور محمد اور آل محمد علیہم الصلوۃ والسلام کو سرداریِ خلق کے لئے) اس وجہ سے چنا ہے کہ وہ کل عقلاء سے افضل ہیں۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ پس اے یہودیو! جو روشن معجزے موسےٰ کے زمانہ میں ہم نے ظاہر کئے اور جن کو محمدؐ نے ظاہر کئے اونکو دیکھنے کے بعد بھی تمہارے دل کھونٹے اور بھلائی اور نرمی سے خشک (خالی) ہوگئے۔ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ پس وہ خشک پتھر کی طرح ہوگئے نہ تو اون

حشر کے دن مُردے کیونکر زندہ ہونگے

بنی اسرائیل کی سخت دلی

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۷) ہی مراد لیا جاتا ہے۔ پس حاصل واقعہ یہ ہوگا کہ پہلے اختلاف میں دُم کا ٹکڑا مراد لیا جائے گا۔ اور دوسرے میں قاتل کا چچازاد بھائی ہونا اور تیسرے میں مقتول کا نیکوکار ہونا۔ اور چوتھے میں قیمت کا ماں کی مرضی پر ہونا جسکو راوی نمبر۲ نے چھوڑ دیا اور پانچویں میں جوان کا باپ کے آرام میں خلل نہ ڈالنے کی وجہ سے گائے کی قیمت سے زیادہ فائدہ اوٹھانا جو اوسکی ماں کی مرضی پر رکھی گئی تھی جسکو راوی نمبر۳ نے چھوڑ دیا ہے ۱۲ منہ

تری رستی ہے نہ ایسی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں جن سے کوئی شخص فائدہ اوٹھا سکے۔ نہ تو خدا ہی کا حق (اطاعت و عبادت) ادا کرتے ہو اور نہ (بندگان خدا ہی کے حقوق) اپنے مالوں اور جانوروں میں سے صدقہ (خمس و زکوۃ وغیرہ کے طور پر) دیتے ہو اور نہ اون کے ساتھ احسان اور بھلائی ہی کرتے ہو اور نہ مہمانوں کو گھر میں ٹھکنے دیتے ہو اور نہ کسی مظلوم کی مدد کرتے ہو اور نہ آدمیت کا کوئی کام کرتے ہو۔ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً تمہارے دل یا تو پتھر کی طرح سخت ہیں یا اوس سے بھی زیادہ ان کے دلوں کی سختی کی حد کو خدا جانتا تھا (کیونکہ وہ ان کا خالق اور عالم الغیب ہے) لیکن (کسی مصلحت سے) اوس نے اس حد کو سُننے والوں سے چھپایا ہے اور کھول کر معین طور سے بیان نہیں کیا ہے۔ جس طرح کوئی کہتا ہے کہ میں نے روٹی یا گوشت کھایا اور اوس کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ مجھے معین طور سے معلوم نہیں ہے بلکہ سُننے والے سے چھپانا چاہتا ہے۔ تاکہ معین طور سے اوسکو معلوم نہ ہو۔ اور اَوْ کا معنی بَلْ (بلکہ) نہیں ہے (جیسا کہ بعض مفسر کہتے ہیں) کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلا کلام غلط تھا اور دوسرا صحیح ہے۔ اور خداوند عالم الغیب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ کسی امر میں غلطی کرے۔ غلطی کرنی مخلوق کی شان ہے۔ اور اَوْ ؟ وَ (اور) کے معنی میں بھی نہیں ہے (جیسا کہ بعض دوسرے مفسروں نے کہا ہے)۔ اگر ایسا ہو تو دوسرا کلام ؟ پہلے کلام کو جھٹلائیگا۔ اسلئے کہ کَالْحِجَارَۃِ کا معنی یہ ہے کہ پتھر کی طرح ہے اوس سے زیادہ سخت نہیں ہے۔ اور اَشَدُّ کا معنی یہ ہے کہ پتھر سے زیادہ سخت ہے اوس کا مثل نہیں ہے۔ پس اگر اَوْ کا معنی "اور" ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زیادہ سخت نہیں ہے اور زیادہ سخت ہے۔ اور ایک ہی چیز سختی میں زیادہ اور کم دونوں نہیں ہو سکتی۔ اسلئے معلوم ہوا کہ (اَوْ ابہام کے لئے ہے یعنی) خداوند عالم الغیب نے سُننے والوں سے پوشیدہ رکھنا چاہا ہے۔ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْہُ الْاَنْھٰرُ یعنی اے یہودیو ؟ تمہارے دل کی سختی اس حد تک پہونچگئی ہے کہ تم کوئی کام اچھا نہیں کرتے اور پتھروں میں بعض ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں جن سے بنی آدم اور اونکے کھیت فائدے اوٹھاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو پھٹتے ہیں اور اون سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا ہے پس یہ بھی فائدہ پہونچاتے ہیں لیکن اون سے کم جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں۔ اور تمہارے دلوں سے کسی طرح کی بھلائی ظاہر نہیں ہوتی نہ تو نہروں کی طرح زیادہ نہ پھٹنے والے پتھروں کے پانی کی طرح کم۔ وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَھْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ اور بعض ایسے

ہیں کہ جب اونکو خدا اور اوسکے اولیاء محمدؐ۔ علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ حسینؑ اور اونکی آل پاک علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قسم دی جاتی ہے تو وہ جھک جاتے ہیں (یعنی حکم پر عمل کرتے ہیں) اور تمہارے دل ان کل بھلائیوں سے خالی ہیں۔ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اوس سے غافل نہیں ہے) بلکہ جانتا ہے۔ تمہارے اعمال کا بدلا دیگا۔ وہ عادل (انصاف ور) ہے ظالم (بے وجہ ستانے والا) نہیں ہے۔ حساب؟ تم سے سختی سے لیگا اور دردناک عذاب میں مبتلا کریگا عسہ

تفسیر برہانؒ جلد ۱ صفحہ ۱۲ منہ

عہ اس کا ثبوت اسکے باقی حصہ میں جو حاشیہ میں مذکور ہے آئیگا ۱۲ منہ

عسہ اس روایت کا باقی حصہ۔ اس باقی حصہ کو طول کے خیال سے حوض میں نقل نہیں کیا حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کی یہ ملامت یہودیوں کو کھل گئی پس اونکے سرداروں اور بولنے والوں میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے محمدؐ آپ ہم لوگوں کی ہجو (برائی بیان) کررہے ہیں اور ہمارے دلوں کے بارے میں ایسی باتیں کہہ رہے ہیں حالانکہ خدا کو اوسکے خلاف کا علم ہے وہ یہ کہ ہمارے دلوں میں بہت زیادہ خیر اور بھلائی ہے۔ ہم لوگ روزے رکھتے ہیں صدقے دیتے ہیں محتاجوں کے ساتھ بھلائیاں کرتے ہیں پس حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ خیر وہ عمل ہے جس میں خدا کی خوشی کا لحاظ رکھا جائے۔ اور اوسکے حکم کے مطابق بجالایا جائے۔ لیکن جو عمل دوسروں کو دکھانے سنانے کے لئے کیا جائے اور اوسمیں رسولخداؐ کی دشمنی مدنظر ہو اور اون سے بے پروائی ظاہر کی جائے اور اون پر برائی جتلائی جائے وہ خیر و بھلائی نہیں ہوسکتا بلکہ وہ خالص برائی ہے اور اوس کا وبال (برا بدلا) کرنے والوں کے لئے ہے اور خدا اوس پر سخت عذاب کریگا اون سب نے کہا کہ آپ یہ کہہ رہے ہیں اور ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ کہتے ہیں کہ آپکی نبوت کے باطل کرنے اور آپکی رسالت کے مٹانے اور آپکے صحابہ کو آپ سے جدا کردینے کے لئے جو کچھ بھی ہم لوگ خرچ کررہے ہیں وہی جہاد اعظم (بہت بڑا جہاد) ہے جسکے بدلے میں خدا سے بہت بڑے ثواب کے امیدوار ہیں پس ہمارا اور آپ کا دعویٰ برابر ہے۔ پھر آپ کو ہم لوگوں پر کونسی بڑائی حاصل ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ دعوے کی برابری میں حق پرست اور باطل پرست دونوں برابر ہوتے ہیں لیکن خدائی دلیلیں حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کردیتی ہیں اور باطل پرستوں کے دھوکے اور حق پرستوں کی سچائی کو کھولدیتی

بنی اسرائیل کا حضرت رسولؐ سے عہد [illegible]

(بطریق اہلسنت) فائدہ ابن منذر مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا معنی اختلفتم ہے یعنی آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ملا مسیب بن رافع کہتے ہیں کہ سات گھروں کے اندر چھپ کر بھی کوئی شخص اچھا یا برا کام کرتا ہے تو خدا اوسکو ظاہر کر دیتا ہے اور شاہد اسکا پر کلام پروردگار وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ہے (یعنی تم جو کام چھپا کر کرتے ہو خدا اوسکو ظاہر کر دیتا ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۰) ہیں اور خدا کا رسول تمہاری جہالت کو غنیمت نہیں سمجھتا اور اپنا دعوے بغیر دلیل کے تم کو منوانا نہیں چاہتا۔ بلکہ ایسی دلیلیں تمہارے سامنے پیش کرے گا جن کا جواب تم سے بن نہ پڑے گا اور دعوے سے انکار نہ کر سکو گے اگر محمدؐ (میں) اپنی خواہش سے کوئی نشانی تمہیں دکھائیں تو تم شک کرو گے اور کہو گے کہ دھوکا دیا اور ایسی چیز دکھائی جسکی مشق پہلے سے حاصل کر چکے تھے اور اگر تم خود کوئی آیت (نشانی) طلب کرو گے اور میں کر دکھاؤں گا تو تمہیں اوسکی سچائی میں کسی طرح کا شک اور دھوکہ کا خیال نہ ہوگا۔ اسلئے تم خود ہی معین کرو۔ کیونکہ رب العالمین نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تم جو چیز چاہو گے وہ ظاہر کر دے گا تاکہ کافروں (میری نبوت نہ ماننے والوں) کا عذر جاتا رہے۔ اور مومنوں کا ایمان بڑھ جائے۔ اونھوں نے کہا کہ آپ نے انصاف کی بات کہی۔ اگر آپ نے اپنے اس وعدہ پر عمل کیا تو سب سے پہلے اپنے دعوے رسالت سے آپ خود ہی پلٹ جائیں گے۔ اور ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور توریت کے حکموں کو ماننے لگیں گے۔ کیونکہ ہم لوگ جو نشانی آپ سے چاہیں گے آپ اوسکو دکھا نہ سکینگے۔ اور آپ کے دعوے کا بطلان (غلط ہونا) آپ ہی کی زبان سے ظاہر ہو جائیگا حضرتؐ نے فرمایا کہ میری سچائی خبر دیگی نہ میرا وعدہ۔ جو چاہو طلب کرو۔ تمہاری ہی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تمہارا عذر برطرف ہو جائیگا اونھوں نے کہا کہ اے محمدؐ آپ کا جو خیال ہے کہ ہم لوگوں کے دلوں میں فقرا و محتاجوں کے ساتھ ہمدردی کا مادہ بالکل نہیں ہے اور ناحق کو ناحق نہیں سمجھتے اور حق بات کو ظاہر نہیں کرتے اور ہمارے دلوں سے پتھر زیادہ نرم اور خدا کے فرماں بردار ہیں۔ تو ان سامنے کے پہاڑوں میں سے کسی ایک کے پاس آپ ہمارے ساتھ چلیں اور اپنے دعوائے نبوت کی سچائی اور ہم لوگوں کے جھوٹے ہونے پر اون سے گواہی دلوائیں۔ پس اگر اوس نے آپکی سچائی پر گواہی دی تو معلوم ہوگا کہ آپ حق پر ہیں [illegible] ہم لوگوں پر آپکی پیروی لازم ہو جائیگی اور اگر اوس نے

علامہ سیوطی نے تفسیر در منثور جلد ا صفحہ ۸۹ و ۸۹ میں گیارہ حدیثیں باختلاف الفاظ نقل کی ہیں جنکے مضامین کا حاصل یہی ہے جسکو مسیب نے بیان کیا ہے۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۱) آپ کو جھوٹلایا یا کچھ نہ بولے تو آپ کو سمجھنا چاہئے کہ آپ کا دعوے باطل ہے۔ اور آپ اپنی خواہش نفسانی سے ہمارے دشمن ہیں حضرتؐ نے فرمایا کہ جس پہاڑ کے پاس تمہارا جی چاہے چلو اور اوس سے گواہی طلب کرو۔ وہ ضرور گواہی دیگا۔ پس وہ ایک نہایت سخت پتھر کے پہاڑ کے پاس آئے اور کہا کہ اے محمدؐ اس پہاڑ سے گواہی طلب کیجئے۔ پس حضرتؐ نے پہاڑ سے فرمایا کہ محمدؐ اور اونکی آلؑ پاک کی عزت و منزلت کا واسطہ دیکر جن کے ناموں کی برکت سے خدا نے آٹھوں فرشتوں کے کندھوں پر عرش کے بوجھ کو ہلکا کردیا حالانکہ کل فرشتے ملکر اوسکے ہلانے پر بھی قدرت نہیں رکھتے تھے جنکی تعداد خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور محمدؐ و آل محمدؐ کے حق کا واسطہ دے کر جن کے ناموں کی برکت سے خدا نے آدمؑ سے توبہ قبول کی اور اون کو اونکے مرتبہ (نبوت) پر پہونچایا۔ اور محمدؐ و آلؑ محمدؐ کے حق کا واسطہ دے کر جن کے ناموں کی برکت سے حضرت ادریسؑ بہشت کے بلند منزل میں اوٹھائے گئے؛ تجھ سے خواہش کرتا ہوں کہ محمدؐ کی نبوت کی تصدیق اور ان یہودیوں کی تکذیب اور انکی سخت دلی اور جان کر حق سے انکار کرنے کا بیان جو خدا نے تیرے پاس امانت رکھا ہے اوسکو ان سے بیان کردے پس پہاڑ کانپنے لگا اور اوس سے پانی جاری ہوا۔ اور پکارا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ و آلہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خداوند رب العالمین کے رسول اور پوری دنیا کے سردار ہیں! اور ان یہودیوں کے دل ویسے ہی ہیں جیسا آپ نے بیان فرمایا۔ کوئی بھلائی انسے اوس طرح ظاہر نہیں ہوتی جس طرح پہاڑوں سے پانی جاری ہوسکتا ہے۔ کبھی دھارے سے اور کبھی کم۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ (آپ کے دعوائے نبوت کے متعلق جو) خدا پر جھوٹ باندھنے کا الزام آپ پر لگاتے ہیں اس میں یہ جھوٹے ہیں حضرتؐ نے فرمایا کہ اے پہاڑ تو یہ بتا کہ کیا خدا نے تجھے میری فرمانبرداری کا حکم دیا ہے۔ اگر میں محمدؐ و اونکی آل پاک کا واسطہ دے کر کوئی حکم دوں؟ جنکی برکت سے خدا نے نوحؑ کو کرب عظیم (بڑی بے چینی) سے نجات دی۔ اور ابراہیمؑ پر آگ کو سرد کردیا اور اون کو اوسمیں ایسے تخت اور نرم فرش پر بٹھلایا جو بادشاہان دنیا میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اور اونکے چاروں طرف تر و تازہ درخت اوگا دیے اور چاروں

حضرتؐ کی رسالت پر پہاڑوں کی گواہی

ملہ ابن عباس کہتے ہیں کہ وہ ٹکڑا غضروف (کُرکُری) کے پاس کی ہڈی تھی۔
ملہ قتادہ اور عکرمہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ ران سے مارا پس وہ زندہ ہوا اور قاتل کو بتا کر مر گیا۔ ملہ سُدّی کہتے ہیں کہ دونوں بازوؤں کے بیچ کے ٹکڑے سے مارا۔ ملہ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ ایک ہڈی سے مارا۔ اور قاتل کو بتانے کے بعد مر جانیکو سب نے لکھا ہے۔ ملہ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ گائے والا جوان نیکو کار تھا۔ اور گائے کی قیمت کو اپنی ماں کی مرضی پر چھوڑا تھا۔ اور کھال بھر اشرفیاں

(بقیہ حاشیہ صـ۲۷۲) فصلوں کے طرح طرح کے خوشبو پھولوں سے اونھیں آراستہ کر دیا اوس نے کہا اے محمد صلے اللہ علیہ و آلہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک ایسا حکم ہوا ہے اور اسکی بھی گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ خدا سے خواہش کریں کہ دنیا کے کل لوگوں کو بندر یا سور بنا دے تو بنا دیگا۔ یا فرشتہ بنا دے تو بنا دیگا۔ یا آگ کو برف اور برف کو آگ بنا دے۔ یا آسمان کو زمین پر اوتار دے یا زمین کو آسمان پر اوٹھا لے۔ یا آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان بنا دے۔ یا پوری دنیا کو سمیٹکر ہتھیلی کی طرح بنا دے۔ تو بنا دے گا۔ اور اوس نے زمین اور آسمان کو آپ کا فرمانبردار بنایا ہے۔ اور کل پہاڑ اور کل دریا آپ کے حکم پر چلتے ہیں اور کل مخلوقات جیسے ہوائیں۔ بجلیاں اور آدمیوں اور جانوروں کے بدن کے ٹکڑے سب آپ کے فرمانبردار ہیں جو کچھ آپ حکم دینگے وہ بجا لائیں گے (میں عرض کرتا ہوں کہ ان کل چیزوں کے متعلق بے شمار معجزے جیسے انکا ہوا پر اطراف دنیا کی سیر کرنا۔ اندھوں کو بینا بنانا۔ دشمنوں کو اندھا اور کتوں وغیرہ کی صورتوں میں مسخ کرنا وغیرہ وغیرہ اس پر شاہد ہیں) یہودیوں نے کہا کہ اے محمدؐ آپ ہم لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اس پہاڑ کے پیچھے اپنے گمراہ صحابیوں کو بٹھلا رکھا ہے وہی یہ باتیں کر رہے ہیں۔ ہم لوگ نہیں جانتے کہ یہ کلام صحابیوں کا ہے یا پہاڑ کا۔ ایسی باتوں کو آپ کے کم عقل صحابیوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں مان سکتا۔ اگر آپ سچے ہیں تو اس پہاڑ سے دور چلیں اور اس سے کہیں کہ آپ کے پاس وہ جڑ سے اوکھڑ کر چلا آئے۔ جب آ جائے اور ہم لوگ دیکھ لیں تو اسے حکم دیں کہ چوٹی سے جڑ تک وہ پھٹ کر دونوں حصوں کی جڑیں اوپر اور چوٹیاں نیچے اولٹ جائیں۔ اوس وقت ہم لوگ سمجھیں گے کہ خدا کی طرف سے ہے اور اس میں دھوکے بازوں کا بہت ہی نہیں رہا۔ پس حضرتؐ نے اوس پہاڑ کے ایک پتھر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ لڑھکتا چلا آ۔ پس وہ چلا آیا۔ آپ نے اپنے ہمکلام یہودی سے فرمایا کہ اس کو اپنے کان کے

[illegible]

ملہ اگر ایک رطل ۸۰ تولہ کا ہو تو ایک ہزار مثقال کا [illegible] ہوتا ہے ۱۲ منہ

اوسکی قیمت قرار پائی۔ اور اوسکے بعض ٹکڑے سے مارنے کے بعد وہ زندہ ہوا اور بتایا کہ میرے
چچازاد بھائیوں نے مجھے قتل کیا ہے۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ
۱؎ قتادہ کہتے ہیں کہ مُردہ کو زندہ ہوتے دیکھ کر اور قاتل کا نام سُنکر بھی اونکے دل سخت ہوگئے
پس وہ پتھر کی طرح یا اوس سے بھی زیادہ سخت تھے۔ پتھر خدا کے نزدیک معذور ہیں لیکن
اولاد آدم معذور نہیں ہیں ۲؎ مجاہد کہتے ہیں کہ پتھر سے پانی نکلنا۔ یا نہر جاری ہونا۔ یا

(بقیہ حاشیہ صـ۲۷۳) پاس لا کر سُن؟ یہ بھی وہی باتیں کہے گا جو پہاڑ نے کہا تھا کیونکہ
یہ بھی اوسی کا ایک ٹکڑا ہے۔ پس وہ یہودی اوسے اپنے کان کے پاس لایا پس اوس پتھر
نے بھی پہاڑ ہی کی طرح حضرتؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا کہ یہودی سخت دل ہیں اور
آپکی نبوت کے مٹانے کے لئے جو کچھ خرچ کر رہے ہیں یہ باطل فعل ہے جسکے عذاب میں مبتلا
ہونگے۔ پس حضرتؐ نے فرمایا کہ سُن لیا؟ کیا اسکے پیچھے بھی آدمی بیٹھا ہوا ہے یا پتھر ہی
بول رہا ہے۔ یہودی نے کہا نہیں (آدمی نہیں بول رہا ہے) اچھا تو اب آپ وہ دیکھائیں جسکی میں نے خواہش
کی ہے۔ پس حضرتؐ دور ہٹ گئے اور پہاڑ سے فرمایا کہ محمدؐ اور اونکی آل پاک کے حق کا
واسطہ جن کی عزت و منزلت اور اونکا واسطہ دیکر دعا کرنے سے قوم عاد پر سخت آندھی مسلط
کردیگئی جو اون لوگوں کو اوس طرح اوڑا رہی تھی جس طرح خرمے کی کھوکھلی لکڑیاں اُڑتی ہیں
اور جبرئیل کو حکم دیا گیا کہ قوم صالح پر اس طرح چیخیں کہ لوگ مرکر سوکھی لکڑیوں کی طرح اکڑ جائیں
تو بحکم خدا اپنی جگہ سے اوکھڑ کر میرے پاس چلا آ۔ اور اپنے سامنے کی زمین پر حضرتؐ نے
اپنا ہاتھ رکھدیا۔ پس پہاڑ حرکت کر کے جوان گھوڑے کی طرح تیزی سے حضرتؐ کے پاس
پہونچگیا اور آپکی انگلیوں سے سٹ گیا۔ اور عرض کیا کہ اے رسول اللہؐ میں آپ کا فرمانبردار
ہوں؟ اور میں نے ان دشمنوں کی ناک ملدیں جو کچھ فرمانا ہو فرمائیں۔ فرمایا؟ ان یہودیوں نے
مجھ سے خواہش کی ہے کہ تو دو حصے ہو کر اس طرح اولٹ جائے کہ چوٹی نیچے ہو جائے
اور جڑ اوپر۔ پہاڑ نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے اس کا حکم دیتے ہیں (یا صرف اونکی خواہش
بیان کی ہے) فرمایا ہاں (حکم دیتا ہوں) پس وہ جڑ سے اوکھڑ کر دو حصے ہوگیا اور چوٹی نیچے
ہوگئی اور جڑ اوپر؟ اور یہودیوں سے پکار کر کہا کہ اے یہودیو رسول اللہ صلے اللہ
علیہ و آلہٖ کے) اس معجزہ کو تم دیکھ رہے ہو؟ اور حضرت موسےؑ کے معجزوں کو بے دیکھے اور

ٹوٹ کر گر جانا یہ سب خوفِ خدا ہی سے ہوتا ہے ۳۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اگر بہت سے لوگ اکٹھا ہو کر (بغیر کسی ہتھیار کی مدد کے) پہاڑ کا کوئی ٹکڑا توڑنا یا گرانا چاہیں تو ایسا نہیں کر سکتے لیکن خدا کے خوف سے خود ہی ٹوٹ کر گر جاتا ہے له

باطنی تفسیر

(بطریق شیعہ) ظاہری تفسیر کی شیعی حدیث میں چند چیزیں ذکر کی گئی ہیں جو حضرت محمد مصطفےٰ اور اون کی آلؑ پاک کی برکت سے حاصل ہوئیں ۱۔ جوان یعنی گائے والے کا مالدار بننا ۲۔ مقتول کا زندہ ہونا اور قاتل کا نام بتانا ۳۔ جوان کی جان اور مال کا محفوظ ہونا ۴۔ مقتول کا ستر برس عمر پانا اور اپنی بی بی کے ساتھ آرام کی زندگی بسر کرنا ۵۔ قاتل کے متعلق یہ فرمانا کہ اگر یہ بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ دیتے تو فضیحتی وغیرہ سے محفوظ رہتے ۶۔ بنو اسرائیل کا خزانہ پانا اور مفلسی سے چھٹکارا ہونا ۷۔ فرشتوں کے کندھوں پر عرشِ عظیم کا سُبک ہونا ۸۔ پہاڑ کا گواہی دینا ۹۔ پہاڑ کے ٹکڑے کا نزدیک آنا اور گواہی دینی ۱۰۔ پہاڑ کا دو حصے ہونا اور اولٹ جانا اور یہودیوں کو چپ کر دینا۔ ۱۱۔ حضرت آدمؑ کی توبہ کا مقبول ہونا ۱۲۔ حضرت ابراہیمؑ کا آگ سے نجات پانا ۱۳۔ حضرت ادریسؑ کا آسمان پر اوٹھا لیا جانا۔ اگرچہ اہلسنت کی تفسیروں میں بعینہٖ اس مضمون کی کوئی حدیث ذکر نہیں کی گئی ہے۔ اور چونکہ ایسی حدیث فضائل اہلبیت کا سرچشمہ ہے اسلئے اونکے مذہب کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۴) ایمان لائے ہو (یعنی رسولؐ کی حجت جس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو حضرت موسےٰؑ کی حجت سے زیادہ قوی اور روشن ہے کیونکہ اونکے معجزوں کو دیکھا نہیں ہے) پس یہودی آپس میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور کہنے لگے کہ اس سے اب چھٹکارا نہیں ہے۔ تو اونمیں سے دوسروں نے اونکا جواب دیا کہ یہ شخص (رسول اللہؐ معاذ اللہ) جادوگر ہیں اور جادوگر عجیب باتیں دکھایا ہی کرتے ہیں۔ تم لوگ اس سے دھوکھا نہ کھاؤ پس پہاڑ نے اونسے کہا کہ اے دشمنانِ خدا تم نے اپنے کلام سے حضرت موسےٰؑ کی نبوت کو باطل کر دیا جس کا اعتقاد رکھتے ہو۔ اونسے تم نے کیوں نہیں کہا کہ آپ نے جو عصا کو اژدہا بنایا۔ اور دریا کو پھاڑ کر راہ نکالدی اور سروں پر پہاڑ بلند کیا یہ کل عجائبات جادو ہیں ہم لوگ ان سے دھوکھا نہیں کھا سکتے

له درمنثور سیوطی جلد ۱ صفحہ ۸۱ سطر ۱۲

اہلبیت سے توسل کی تاکید اور فائدے اور فضیلت اور کتب اہلسنت سے اسکا ثبوت

اصول بھی یہی چاہتے ہیں کہ ذکر نہ کیا جائے لیکن چند چیزیں یقین دلاتی ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح تو ہی ہے اس کا مضمون بھی صحیح ہے اور اس مضمون کی حدیث اونکے یہاں قصداً چھپائی گئی ہے وہ چند چیزیں یہ ہیں (۱) انوار مقدسہ حضرت محمد و آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خلقتِ عالم سے چودہ ہزار برس پہلے پیدا ہونا اور عالم انوار ہی میں درجۂ نبوت و امامت پر فائز ہونا لہ (۲) تفسیر انوار النجف جلد ۲ صفحہ ۱۸۶ کے حاشیہ اور صفحہ ۱۱۹ کے حوض میں تفصیل سے لکھ آیا ہوں کہ واقعی انسان روح ہے اور جسمِ خاکی ؟ دنیا کی ضرورتوں کو انجام دینے کے لئے رعایتہ (منگنی) دیا گیا ہے۔ اور کل کام روح ہی کرتی ہے اور اس کا بہترین شاہد انسان کا سچا خواب ہے جس میں روح اوسیطرح کام کرتی ہے جس طرح جگتے میں اسلئے ان برگزیدگانِ خدا کا عالم ارواح میں ؟ بمشیئت پروردگار قادرِ مطلق اوسی طرح معجز نمائی کرنا جس طرح دنیاوی زندگی میں کیا کرتے تھے عقلاً ممکن ہے۔ پس اگرچہ مذکورہ بالا واقعات کا ان کی برکت سے انجام پانا لکھا ہوا ہے۔ لیکن بعض حدیثوں میں جو مذکور ہے کہ نوحؑ کی کشتی کو طوفان سے میں نے بچایا۔ ابراہیمؑ کو آگ سے میں نے نجات دی۔ عیسٰیؑ کو سولی سے میں نے بچایا۔ سلیمان کو شیر سے میں نے چھوڑایا وغیرہ وغیرہ ؟ اگر اس سے مبالغہ کے طور پر بیت بیان نہ کی گئی ہو اور حقیقۃً اپنا ہی فعل ظاہر کرنا چاہا ہو جب بھی کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ فرق یہ ہوگا کہ دوسروں کے روحانی فعلوں کا اثر دنیا میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ خواب و خیال ہی کی حد میں رہتا ہے۔ اور ان کے فعلوں کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور واقعیت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اسی کا نام معجزہ ہے اور خداوند قادر مطلق کی مشیئت کا غلبہ ہے۔ ان کا محبوب اور برگزیدہ خدا ہونا جو کسی شاہد اور ثبوت کا محتاج نہیں ہے کیونکہ دنیا کے کل فرقے باوجود اپنے اختلافِ مذہب کے ؟ بلکہ ان کے دشمن بھی اسکو مانتے اور اس کا اقرار کرتے ہیں (ملاحظہ ہو مقدمہ ۱۲۳ تا ۲۲ صفحہ ۱۶۵ سے ۱۶۹ تک)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۵) پس پہاڑ نے اونکے منھوں میں پتھر ٹھونس دیئے یعنی اونکی زبانیں بند کر دیں اور حجتِ خدا اون پر تمام ہو گئی لہ ۱۲ منہ

لہ ینابیع المودۃ باب ۱ صفحہ ۹ کی ۱۲ حدیثیں بحوالہ اصابہ و جمع الفوائد و اوسط و ترمذی و مشکوٰۃ و شرح السنہ و مسند احمد بن حنبل و مناقب و ابن مغازلی و فردوس دیلمی و فرائد السمطین و مناقب خوارزمی و حموینی اور ارجح المطالب باب ۴ صفحہ ۵۲۶ کی ۷ حدیثیں بحوالہ متعدد ۱۲ منہ

۲ تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ ۔ ۱۲ منہ

ہے ان کا اپنی جان کے بدلے رضامندی (پسندیدگی) پروردگار کو خرید لینا جس کا بہترثابت بخود کلام ملک علام (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ہے (لوگوں میں سے بعض وہ بزرگ ہستی ہے جس نے مرضیٔ خدا کی خواہش میں اوسکے بدلے اپنی جان بیچ ڈالی) اور خدا نے اپنی رضامندی اوسکے حوالہ کردی۔ اور اوس عادل حکیم نے یہ بھی فرمادیا کہ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ یعنی اپنے معاملوں کو پورا کرو یعنی اگر کسی کے ہاتھ کوئی چیز بیچی ہے تو اوس کو اوس کا مالک سمجھو اور آیت کریمہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے) میں اپنی بات پر عمل نہ کرنے کو معیوب قرار دے رہا ہے اسی واسطے اوس نے اپنے ہر بندہ کو حکم عام دیا ہے کہ اپنی مرادوں کے حاصل کرنے کے لئے مالک رضامندی (اہلبیت) کو بحق ملکیت اپنا سفارشی بنالو اور اپنے مقاصد کو ذکر کرنے سے پہلے بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ کہکر اونکے حق ملکیت کا اقرار اور اوس کو یاد کرو۔ اگر ایسا نہ کیا تو اگرچہ وہ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ ہیں تمہاری حاجتیں پوری کر دینگے لیکن دو باتوں میں سے ایک ضرور ہوگی۔ ایک سفارش کے لئے آپ کا دامن نہ پکڑنے کی سزا جیسا کہ عام منحرفوں کے لئے ہے جو ضد اً ان کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ دوسرے ایسے مقاصد کا پورا نہ ہونا جو انکی سفارش پر موقوف ہیں۔ جیسا کہ واقعاتِ مذکورہ بالا میں قاتل کے متعلق ذکر کیا گیا عہ۵

عہ۵ اس مطلب کی توضیح یہ ہے کہ بندوں کی حاجت کی چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کو خدا بے مانگے دیتا ہے اور اوسکے لئے کوئی شرط نہیں ہے۔ دوسری وہ جن کو دنیا میں دینا بعض لوگوں کے لئے مصلحت نہیں ہے اسلئے دینا نہیں چاہتا۔ تیسری وہ جن کو دینے کے لئے شرط قرار دے رکھی ہے خواہ وہ شرط صدقہ ہو یا محمد و آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کا واسطہ دے کر دعا کرنا پس پہلی چیز کو بے مانگے دیتا ہے اور دوسری چیز کو مانگنے پر بھی نہیں دیتا۔ ہاں خاص مومنوں کے لئے اس مانگی ہوئی حاجت کا بدلا آخرت کے لئے ذخیرہ کر رکھتا ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے دلوانے میں اولیاء خدا یعنی حضرت سرورِ عالم اور ائمہ ہدیٰ واسطہ نہیں ہوتے اور سفارش نہیں کرتے۔ جیسا کہ خداوند حکیم سورہ دہر کے آخر میں ارشاد فرماتا ہے مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (اے اہلبیت کسی چیز کو بغیر مرضی خدا کے تم نہیں چاہتے) اور اسکی تفسیر میں حضرت امام آخر الزمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے قلوب ارادۂ خدا کے لئے موارد (اوترنے کی جگہیں) ہیں (یعنی اوسکے ارادے ہمیں معلوم ہو جاتے ہیں) پس جب تک وہ کسی چیز کو نہیں چاہتا ہم لوگ نہیں چاہتے۔ اور تیسری

اسی وجہ سے حضرت آدمؑ کو حکم ہوا تھا کہ ان کے واسطہ سے دعا کریں اور اونھوں نے اسی طرح دعا کی [۱] [۵] بہشت و دوزخ - عرش و کرسی - آسمان و زمین - فرشتوں اور جن و انسان کا انکی خاطر سے پیدا کیا جانا اور انکی خاطر سے لوگوں کی نجات اور ہلاکت [۱] [۶] انکی برکت سے دنیا کا برقرار رہنا [۷] بہشت اور دوزخ کی تقسیم ان کے سپرد کر دینا [۸] ان کا ساقی کوثر ہونا [۱۰]

نتیجۂ کلام جو انوار مقدسہ اس قدر مقرب بارگاہ رب العزت ہوں اور جن کی خاطر اوسکو اس قدر مدنظر ہو؟ کوئی تعجب نہیں ہے کہ اونکو اپنے بندوں کے اہم مقاصد میں دخیل کر دے -

پس بحکم [۱] تمام انبیاء بلکہ خلقت عالم سے پہلے یہ موجود تھے [برای حاجتیں ۱۲ منہ] - اور بحکم [۲] ان کا روحانی [شریک ۱۲ منہ] اور جسمانی وجود؟ انکے افعال و بواسطہ حصول حاجات خلق کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں رکھتا تھا - اور بحکم [۳] خداوند عالم ان سے بے حد محبت رکھتا ہے - اور بحکم [۴] یہ حضرات اوسکی مرضی کے مالک ہیں بغیر ان کی رضامندی کے تیسری قسم مذکورۂ حاشیہ کی کوئی حاجت پوری اور کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی اور بحکم [۵] تا [۸] اپنی محبت اور ان کے حقوق اور قرب و عزت کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے اوس نے کل مخلوقات کو انکی خاطر سے پیدا کیا اور کل کا مالک اور حلّالِ مشکلات اور قاضی الحاجات بنا دیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۷) چیز وہ ہے جسکو دینے کے لئے اوس نے شرط قرار دے رکھی ہے جیسے حق اہلبیتؑ کا واسطہ دیکر دعا کرنا - پس رضامندی انکے حوالے کر دینے کا معنی یا تو یہ ہے کہ اوسکی مرضی کے مالک یہ ہیں جب تک ان کا دامن پکڑ کر انکو راضی اور خوشنود نہ کیا جائے تیسری قسم کی حاجتوں کو دینے کے لئے خدا راضی نہ ہوگا - یا یہ ہے کہ اوس نے ان سے راضی اور خوش رہنے کو ہمیشہ کے لئے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اسلئے ان کے حق کی وساطت سے دعا اور انکی سفارش کو ہرگز رد نہ کرے گا - اور بارگاہ رب العزت کی جلالتِ قدر اور انکی عزت و شرافت بھی یہی چاہتی ہے کہ اوس بارگاہ کی جلالت اور انکی عزت کی حفاظت کے لئے ہر کس و ناکس بغیر انکے واسطہ کے اوس بارگاہ میں شرفیابی کا ارادہ نہ کرے اور عقلاء دنیا کا بھی یہی دستور ہے کہ بارگاہ سلاطین میں بغیر وساطت کسی مقرب بارگاہ کے حاجت لے جانے کا ارادہ نہیں کرتے ۱۲ منہ [۱] ملاحظہ ہو حدیث پیران پیر اہلسنت یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی بطریق اہلسنت انوار القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۹ میں اور ینابیع المودۃ کی متعدد حدیثیں باب ۲۴ صفحہ ۷۹ و ۸۰ میں - ۱۲ منہ [۲] ملاحظہ ہو حدیث عبدالقادر مذکورۂ بالا - و روایت ابن مسعود مندرجہ ینابیع المودۃ باب صفحہ سطر ۲ - ۱۲ منہ [۳] ان تین نمبروں کا ثبوت بھی حدیثوں میں اسکے بعد ملاحظہ کریں ۱۲ منہ

اور انبیاء کرام کو حکم ہوا کہ انکی نبوت و امامت کا اعتقاد و اقرار کریں اور اپنی اپنی امتوں کو اسکی ہدایت کریں اور اسی شرط پر نبی بنائے گئے (ملاحظہ ہو انوار القرآن ص ۳۳ تا ۳۵) جلد ا ۔ اب میں ان حدیثوں کو ذکر کرتا ہوں جن سے ۵ سے ۲ تک کے مضامین ثابت ہوتے ہیں۔

(حدیثیں بطریق اہلسنت) ۵ یعنی انکی خاطر سے دنیا کی پیدائش اور لوگوں کی نجات اور ہلاکت کے متعلق پہلی حدیث

ابن مسعود کی ہے جس کا حوالہ ۵ کے حوالہ ۲ میں حاشیہ پر دیا گیا ۔ اور شیخ عبد القادر جیلانی کی ہے جو انوار القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۹ میں ذکر کی گئی ۔ **شیخ کی حدیث** کے آخر میں حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم لوگ نجات کی کشتی ہیں جس نے اسکو اختیار کیا اوس نے نجات پائی اور جو کنارہ رہا وہ ہلاک ہوا ۔ پس جو شخص خدا سے کوئی حاجت رکھتا ہو اوسکو چاہئے کہ ہم اہلبیتؑ کے واسطہ سے سوال کرے ۔ **دوسری حدیث** ابن عباس کی ہے ؟ اوس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور فرشتوں نے اون کے لئے سجدہ (تعظیمی) کیا تو اونھوں نے پوچھا کہ پروردگارا مجھ سے بہتر بھی کسی کو پیدا کیا ہے ۔ حکم ہوا ہاں اگر اونکو پیدا نہ کرتا تو تم کو بھی پیدا نہ کرتا ۔ اور انوار مقدسہ اہلبیتؑ کو اونھیں دیکھایا اور ہر ایک کا نام بتایا ۔ پس وہ خوش ہوئے ۔ اور اونھیں پنجتن پاک کا واسطہ دے کر توبہ کی اور توبہ مقبول ہوئی لہ **تیسری حدیث** عبد اللہ بجلی کی ہے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص محبتِ آلِ محمدؐ پر مرے وہ شہید مریگا ۔ اور بخشدیا جائیگا اور اوسکو دولھن کی طرح سنوار کر بہشت میں داخل کریں گے ۔ اور اوسکی قبر میں بہشت کے دو دروازے کھول دیئے جائیں گے اور فرشتے اوسکی قبر پر زیارت کے لئے آیا کرینگے ۔ اور جب قیامت کے دن آئیگا تو اوسکی پیشانی پر رحمتِ خدا کی ایک آیت لکھی ہوئی ہوگی ۔ اور جو شخص آل محمدؐ کی دشمنی پر مرے وہ کافر مرے گا اور بہشت کی بو نہ سونگھیگا ۲ لہ

لہ یعنی ان کی برکت سے دنیا کے برقرار رہنے کے متعلق ینابیع المودۃ کی بائیس حدیثیں ہیں

لہ ارجح المطالب باب ۳ صفحہ ۳۲ چھاپہ ماہ محرم سنہ ۱۳۴۰ھ بحوالہ الخصائص معویہ مصنفہ ابو الفتح نطنزی ۱۲ منہ

۲ لہ ارجح المطالب باب ۳ صفحہ ۳۲ بحوالہ امام ثعلبی و ینابیع المودۃ آخر باب ۳ صفحہ ۲۳ سطر ۱۴ چھاپہ بمبئی ۱۲ منہ

جو اکتیس سندوں سے نقل کی گئی ہیں ان میں سے اکثر کا مضمون یہ ہے کہ ستارے آسمان والوں کے لئے امان ہیں۔ اگر وہ نہ رہیں تو اہل آسمان فنا ہو جائیں گے۔ اور میرے اہلبیت اہل زمین کے لئے امان ہیں۔ اگر وہ نہ رہیں تو اہل زمین فنا ہو جائیں گے۔ اور پانچ میں حضرت سرورِ عالمؐ اور حضرت علی اور حضرت امام حسن اور حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام محمد باقر علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے اہلبیت زمین پر حجتِ خدا ہیں۔ اور ثقلین میں سے ایک۔ اور عظیم المنزلت اور پیشوائے خلق۔ اور رحمت و نعمتِ خدا۔ اور امین میراثِ انبیاء۔ اور ہادیِ خلق۔ اور راہِ روشن۔ اور صراطِ مستقیم اور معدنِ نبوت۔ اور موضعِ رسالت۔ اور فرشتوں اور وحیِ خدا کے آنیکی جگہیں ہیں۔ انکی وجہ سے بندوں پر رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور پانی برستا ہے۔ اور زمین سے غلہ پیدا ہوتا ہے۔ اور دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور لوگوں سے بلائیں دفع ہوتی ہیں۔ اور آسمان گرنے سے رُکا ہوا ہے۔ اور عذاب نازل ہونے سے لوگ محفوظ ہیں۔ اور لوگ دنیا میں (کفر کی) ذلت سے بچتے ہیں۔ اور آخرت میں ثواب پائیں گے۔ اگر یہ دنیا میں نہ ہوں تو زمین اپنی پوری آبادی سمیت دھنس جائیگی۔ ان کی برکت سے خدا نے ابتداء کی (یعنی دنیا کو پیدا کیا) اور ان کے ساتھ ختم ہوگی (یعنی جب یہ نہ رہیں گے تو دنیا فنا ہو جائیگی) سلہ

ےک یعنی بہشت اور دوزخ کو انکے تقسیم کرنے کے متعلق ارجح المطالب کی چھ حدیثیں اور ینابیع المودۃ کی سولہ حدیثیں۔ جن کا مضمون یہ ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ

سلہ ملاحظہ ہو ارجح المطالب باب ۳ صفحہ ۲۸ چھاپہ ۱۳۱۴ھ و ینابیع المودۃ باب ۲ صفحہ ۲ تا ۲۳ بروایت حضرت علی و حضرت حسن و حضرت سید سجاد و حضرت محمد باقر و حضرت جعفر صادق و حضرت رضا علیہم الصلوٰۃ والسلام و بروایت عبداللہ بجلی و حذیفہ یمانی و مقداد بن اسود و سلمہ بن اکوع و ابن عباس و ابو سعید خدری و انس بن مالک بحوالہ مسند احمد بن حنبل۔ و فرائد السمطین حموینی۔ و مستدرک حاکم۔ و نوادر الاصول و صواعق محرقہ و مناقب۔ و کتاب التنزلات الموصلیہ۔ و سفینۃ امام راغب۔ و جواہر العقدین و شفاء قاضی عیاض و کتاب التنبیہ مصنفہ ابن حبان۔ و درر السمطین زرندی و کتاب امام جاحظ و تفسیر امام ثعلبی وغیرہ ۱۲ منہ

نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ بہشت اور دوزخ کو تم تقسیم کرو گے اپنے دوستوں کو بہشت میں اور اپنے دشمنوں کو جہنم میں داخل کرو گے۔ اور جہنم تمہارا بے حد فرمانبردار ہوگا۔ تم اوس سے کہو گے کہ یہ (میرے دوست) میرے لئے ہیں۔ اور یہ (میرے دشمن) تیرے لئے۔ اور بہشت میں وہی جاسکے گا جسکے لئے حضرت علی علیہ السلام دخول کا پروانہ لکھدیں لہ۔ یعنی ان کے ساقی کوثر ہونے کے متعلق حدیث ابوسعید خدری ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ میں پانچ چیزیں ایسی ہیں جو مجھے دنیا اور اوسکی کل چیزوں سے زیادہ پسندیدہ اور عزیز ہیں۔ ایک یہ کہ قیامت کے دن بارگاہ پروردگار میں وہ میرے معتمد علیہ ہونگے یہاں تک کہ خدا حساب خلائق سے فراغت کرلے۔ دوسرے یہ کہ لواء حمد (قیامت کے دن کا حضرت سرور عالمؐ کا جھنڈا) اون کے ہاتھ میں ہوگا اور حضرت آدمؑ اور اونکی کل اولاد اوسکے نیچے ہوگی تیسرے یہ کہ میرے حوض کوثر پر وہ کھڑے ہوں گے اور میری امت میں سے جسکو (اپنی دوستی کے ساتھ) پہچانیں گے اوسکو پانی پلائیں گے۔ چوتھے یہ کہ وہ میری ستر عورت کرینگے اور مجھے میرے پروردگار کے سپرد کردیں گے (یعنی مجھے غسل وکفن دے کر دفن کرینگے) پانچویں یہ کہ عفت کے بعد زنا کرنے اور ایمان کے بعد کافر ہونے کا خوف مجھے اونکی طرف سے نہیں ہے ؎ اور حدیث ابوہریرہ ہے حضرت کے صاحب حوض کوثر ہونے کے متعلق اور حدیث علیؑ و ابوسعید خدری و ابن عباس ہے دشمنوں کو حوض سے ہکانے کے متعلق ؎ اور ینابیع المودۃ کی آٹھ حدیثیں

لہ ارجح المطالب باب ا ص ۳۲ بروایت حذیفہ یمانی بحوالہ دیلمی ومناقب ابن مغازلی وشفار قاضی عیاض۔ وبروایت ابوطفیل عامر بن واثلہ بحوالہ دارقطنی وصواعق محرقہ وجواہر العقدین۔ وص ۵۴۹ بروایت حضرت علیؑ بحوالہ حاکمی و بروایت حسن بصری بحوالہ الخوارزمی۔ وبروایت حضرت ابوبکر بحوالہ ابن سمان و بروایت ابن عباس بحوالہ ابن مغازلی و ینابیع المودۃ باب ۱۶ ص ۶۸ تا ص ۷۱۔ بروایت عبداللہ بن عمر بحوالہ خوارزمی۔ وبروایت ابن مسعود بحوالہ ابن مغازلی۔ وبروایت ابوطفیل بحوالہ جواہر العقدین۔ وبروایت ابی سعید خدری بحوالہ دُرر السمطین و بروایت حضرت امام جعفر صادقؑ بحوالہ مناقب و بروایت اعمش بحوالہ کتاب اربعین۔ وبروایت ابوطفیل بحوالہ مناقب وغیرہ ۱۲ منہ ؎ اس فرمائش میں تعریض تھی اکثر صحابہ کے بتلا ہونیکی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ ؎ ارجح المطالب باب ا ص ۴۶ ۔ ۱۲ منہ

؎ ارجح المطالب باب ۴ ص ۶۶۱ و ۶۶۲ ۔ ۱۲ منہ

ہیں جن میں سے ایک کا مضمون یہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ اگر تمہارے حق میں لوگ وہ بات نہ کہتے جو عیسٰیؑ بن مریم کے حق میں نصاریٰ کہنے لگے ؟ تو میں تمہارے حق میں ایسی بات کہتا کہ مسلمان تمہارے قدم کے نیچے کی خاک اور تمہارے وضوء کا باقی ماندہ پانی لے کر شفاء حاصل کرتے لیکن تمہارے لئے اسی قدر کافی ہے کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ تم میرے وارث ہوگے اور میں تمہارا وارث ہوں گا۔ تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسٰیؑ سے تھی بجز اسکے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اے علیؑ میرا قرض تم ادا کروگے اور آخرت میں سب سے زیادہ مجھ سے نزدیک ؟ تم ہوگے اور کل (قیامت کے دن) حوض کوثر پر میرے قائم مقام ؟ تم ہوگے۔ اور سب سے پہلے حوض کوثر پر ؟ تم آؤگے۔ اور منافقوں کو میرے حوض سے ؟ تم ہٹاؤگے۔ اور میری امت میں سے سب سے پہلے بہشت میں ؟ تم داخل ہوگے۔ اور تمہارے دوست اور پیرو نور کے ممبروں پر اور سیر و سیراب ہوں گے۔ چہرے انکے روشن اور وہ میرے اردگرد ہوں گے اور میں انکی شفاعت کروں گا پس وہ کل (بہشت میں) میرے ہمسایہ ہوں گے۔ اور تمہارے دشمن کل (آخرت میں) پیاسے ہوں گے۔ چہرے انکے سیاہ ہوں گے وہ آگ کے سونٹوں سے مارے جائیں گے۔ تم سے لڑنے والا مجھ سے لڑنے والا ہے۔ تم سے صلح رکھنے والا مجھ سے صلح رکھنے والا ہے۔ تمہارا باطن میرا باطن ہے اور تمہارا ظاہر میرا ظاہر ہے۔ تمہارے سینہ کا بھید میرے سینہ کا بھید ہے۔ میرے علم کا دروازہ ؟ تم ہو۔ تمہاری اولاد میری اولاد ہے۔ تمہارا گوشت میرا گوشت ہے۔ حق تمہارے ساتھ ہے اور تمہاری زبان پر حق ہی جاری ہوتا ہے۔ اور حق تمہارے دل میں ہے اور تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور ایمان تمہارے گوشت اور خون میں اوسی طرح مخلوط ہے جس طرح میرے گوشت اور خون میں۔ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں اس امر کی خوشخبری دوں کہ تم اور تمہاری اولاد۔ اور تمہارے دوست بہشتی ہیں۔ اور دشمن جہنمی۔ حوض کوثر پر تمہارے دشمن نہ پہونچیں گے۔ اور تمہارے دوست جدا نہ ہونگے۔

حضرت علی علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ (یہ فرمائشیں سنکر) میں خدا کے لئے سجدہ شکر میں جھک گیا اور اوسکی ان نعمتوں پر شکر یہ ادا کیا کہ اوس نے مجھے اسلام اور قرآن عطا کیا۔ اور

اپنے خاتم النبیین اور سید المرسلین کا محبوب بنایا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم [۱]

چند فائدے

(پہلا فائدہ) معانی - بیان - بدیع (معانی) اِذْ قَتَلْتُمْ (جب تم نے مار ڈالا) اور فَقُلْنَا (پس میں نے کہا) اور کَذٰلِکَ (اسی طرح) میں ایجاز بحذف ہے یعنی چونکہ قرینہ سے سمجھ میں آتا تھا اس لئے ان مقامات سے جملے گرا دیئے گئے ہیں۔ اصل میں یہ جملے یوں تھے اُذْکُرُوْا اِذْ قَتَلْتُمْ (اوس وقت کو یاد کرو جب کہ تم نے مار ڈالا) اور لَمَّا اَرَدْنَا الْاِخْرَاجَ فَقُلْنَا (جب میں نے ظاہر کرنا چاہا تو کہا) اور فَضَرَبُوْہُ فَحَیَّ فَقُلْنَا کَذٰلِکَ (پس مردہ زندہ ہو گیا تو میں نے کہا کہ میں مُردوں کو اسی طرح) زندہ کرتا ہوں [۲] وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ اور یُحْیِ اللّٰہُ میں اظہار بجائے اضمار ہے یعنی باوجودیکہ قُلْنَا کی مناسبت سے وَاَنَا مُخْرِجٌ (میں ظاہر کرنے والا ہوں) فرمانا اور ضمیر متکلم اَنَا لانا چاہیئے تھا؟ اور اسی طرح یُحْیِ اللّٰہُ الْمَوْتٰی کی جگہ پر نُحْیِی الْمَوْتٰی بصیغہ متکلم فرمانا اور ضمیر متکلم اَنَا کو پوشیدہ رکھنا چاہیئے تھا؟ لیکن دونوں جگہ اسم ظاہر یعنی لفظ اللّٰہ کو ذکر فرمایا ہے۔ اور اس سے اپنے علم بالغیب اور قدرت کاملہ دو عظیم الشان صفتوں کو ظاہر کرنا چاہا ہے جو اَنَا کی ضمیر سے ظاہر نہ ہوتیں۔ **بیان اس کا** یہ ہے کہ لفظ اللّٰہ اوس مقدس ہستی کا نام ہے جو کل صفات کمال کی جامع ہے۔ اور ان صفتوں میں سب سے زیادہ روشن اور باقی کی جامع دو صفتیں ہیں ایک[۱] علم دوسری[۲] قدرت؟ پس صفت علم کو وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ ظاہر کر رہا ہے کیونکہ پوشیدہ بات کو غیر عالم بتا نہیں سکتا۔ اور صفت قدرت کو یحیی اللّٰہ ظاہر کر رہا ہے کیونکہ غیر قادر زندہ نہیں کر سکتا [۳] وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ (اللہ ظاہر کرنے والا ہے) اور فَقُلْنَا (پس میں نے کہا) اور یُحْیِ اللّٰہُ (خدا زندہ کرے گا) میں التفات ہے یعنی وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ سے جو غائب کے لئے ہے قُلْنَا متکلم کی طرف؟ اور قُلْنَا متکلم سے یُحْیِ اللّٰہُ غائب کی طرف کلام کو پھیرا ہے۔ اور اس سے کلام میں نفاست پیدا ہو جاتی ہے دونوں جگہ غیبت اختیار کرنے کی وجہ نمبر۲ میں بیان کی گئی اور قُلْنَا میں غیبت سے تکلم کیطرف رجوع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ضرب میت (یعنی مردہ کو گائے کے ٹکڑے سے

---

[۱] ینابیع المودۃ باب ۴۴ صفحہ ۱۰۷ سطر ۲ چھاپہ بمبئی ۱۲ منہ

مارنے کو) مقتول کے زندہ ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ اور یہ زندگی آثارِ قدرت و مشیت پروردگار سے ہے اس واسطے مناسب یہی تھا کہ سببِ حیات یعنی مارنے؟ کا حکم؟ صاحبِ مشیت و قدرت ہی کا ہو پس اگر قُلْنَا کی جگہ پر قَالَ فرماتا تو چونکہ شروع آیت یعنی اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ سے حضرت موسٰیؑ ہی کا کلام نقل فرماتا آرہا ہے اور تَکْتُمُوْنَ تک کل آیتیں اسی سیاق (روش) پر ہیں۔ اور یہاں پر اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ یا یَحْکُمُ یا یَقُوْلُ (البتہ خدا ہی حکم دیتا یا فرما رہا ہے) نہیں ہے۔ اسلئے شبہہ ہوسکتا تھا کہ خدا کا حکم صرف ذبح کرنے کا تھا اور مارنے کا حکم حضرت موسٰیؑ نے اپنی طرف سے دیا ہے اور بنو اسرائیل سرکشی اور تمسخر کی راہ سے کہہ سکتے تھے کہ یہ حکم عجیب طرح کا ہے؟ کیا مُردہ پر مُردہ کا ٹکڑا پھینکنے سے وہ زندہ ہوسکتا ہے۔

جس طرح انھوں نے شروعِ واقعہ میں اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا (کیا آپ ہم لوگوں سے مسخراپن کر رہے ہیں) کہا تھا۔ پس قُلْنَا فرمادینے سے یہ شبہہ بھی برطرف ہوگیا اور صاحبِ حکم اور صاحبِ مشیت میں مناسبت بھی باقی رہ گئی ہے نَفْسًا کی تنکیر؟ تعظیم یعنی مقتول کی عظمت اور بزرگی ظاہر کرنے کے لئے ہے کیونکہ ظاہری تفسیر اور دونوں فریق کی متعدد حدیثوں سے معلوم ہوچکا کہ مقتول؟ محترم اور مقبول و محبوب و مقربِ بارگاہ پروردگار تھا اور ایسے محترم نفوس بادشاہ رب العزت کی نگاہ میں صاحب عظمت و جلالت ہوتے ہیں پس قَتَلْتُمْ نَفْسًا کا معنی قَتَلْتُمْ رَجُلًا عَظِیْمًا ہے یعنی تم نے شخص جلیل و بزرگ کو قتل کیا ہے۔ مَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ (جو چیز تم چھپائے ہوئے ہو) میں ایجاز بقصر ہے یعنی بغرض اختصار ایک لفظ مَا سے دو مطلب کو ادا کیا ہے۔ ایک[1] قاتلوں کے اپنے فعلِ قتل کو۔ دوسرے[2] ظاہر نہ ہونے کی غلط امید پر حضرت موسٰیؑ کو جھٹلانے کے ارادوں کو اور چونکہ مَا؟ اسم موصول تہجین (ذلت ظاہر کرنے) کے لئے بھی آتا ہے اسلئے ان دونوں مطلبوں کو اس لفظ سے اس واسطے تعبیر کیا تاکہ انکی شناعت اور بدی بھی ظاہر ہوجائے اور چونکہ ان دونوں امروں کو قبل از وقت کھولنا نہیں چاہتا تھا اسلئے اس لفظ مبہم سے تعبیر کیا تاکہ وقتِ ظہور سے پہلے پوشیدہ رہے یہ تعبیر اعلےٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت پر مشتمل ہے کہ صرف دو حرف کے لفظ سے بڑے بڑے تین مطالب کو ادا کیا ہے۔

ع۶ اپنی نعمتوں اور روشن نشانیوں کو بیان کرنے کے بعد؟ انکی قساوت قلبی (سخت دلی)

مقتول کی عظمت

ایک لفظ سے تین مطلب کا اظہار

ع گائے والے جوان کو تونگر بنانا۔ مقتول کو زندہ کرنا اور اسکی بی بی اسکے حوالہ کرنا۔ عمر طویل

کو بیان کیا ہے تاکہ اونکی بعد شقاوت اور بد ذاتی ظاہر ہو جائے جسکی تفصیل حدیث حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے معلوم ہوئی ۔ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ (پس اونکے دل پتھر کی طرح ہیں یا اوس سے بھی زیادہ سخت ہیں) میں اطناب ہے۔ یعنی باوجودیکہ اونکے دلونکی سختی ظاہر کرنے کے لئے لفظ قَسَتْ کافی تھا؟ ان جملوں کو؟ بہت زیادہ سختی ظاہر کرنے کی غرض سے بڑھایا ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ؟ لاحظہ کیجئے؟ خالقِ فصحاء و بلغاء نے ان آیتوں میں کتنی چیزوں کو جمع فرمادیا ہے ۱ اونکی واقعی سرکشی اور سخت دلی کو ۲ اونکی تعییر اور ملامت کو ۳ بے جان اور غیر عاقل سے مثال دیکر غیرت دلانے کو ۴ اونکے دِلوں کی سختی کی بے انتہائی کو کیونکہ بعض پتھر لوہے سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ لوہا پیٹنے سے پچک جاتاہے لیکن پتھر نہیں پچکتا ۵ پتھروں کی متضاد (دورنگی) صفتوں؟ یعنی ذاتی سختی اور بہ نسبت اونکے دلوں کے نرمی کو ۶ پتھروں کے باخیر و بھلائی اور فائدہ مند ہونے کو اور باوجود ظاہراً بے جان ہونے کے خوفِ خدا رکھنے کو۔ اور یہودیوں کے بے خیر و بھلائی اور بے فیض اور نڈر و پلید ہونے کو۔ آخر میں دھمکی دی ہے کہ سمجھ لو کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اوسکو جانتا ہے؟ اور عذابِ سخت میں بتلاء کرے گا۔

(بیان) قَتَلْتُمْ (تم نے مار ڈالا) اِدّٰرَءْتُمْ (تم نے اختلاف کیا) كُنْتُمْ (تم ہو) تَكْتُمُوْنَ (تم چھپاتے ہو) يُرِيْكُمْ (تمہیں دیکھائیگا) لَعَلَّكُمْ (تاکہ تم) تَعْقِلُوْنَ (تم سمجھو) میں مجاز فی الاسناد ہے جسکو مجاز عقلی بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان سب میں غیر فاعل اور غیر مفعول کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ اور ان کے بزرگوں کے فعل کو انکی طرف نسبت دینے کی وجہ؟ قبل اسکے کئی جگہ بیان کی گئی۔

(بدیع) فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ میں صنعت بدیع سے دو چیزیں ہیں ایک ۱ جمع مع التفریق یعنی سخت ہونے میں پہلے سب کو اکٹھا اور شریک کیا ہے؟ پھر آپس کی نسبت میں جدا کرکے ان کے دلوں کو زیادہ سخت اور پتھروں کو بہ نسبت اونکے نرم کہا ہے۔ اور ۲ دوسرے تجاہل عارف یعنی باوجودیکہ معین طور پر جانتا تھا کہ پتھر کی طرح تھے یا اوس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۴) دینی۔ جو ان کی جان و مال کی حفاظت کرنی۔ گائے کی قیمت میں گھاٹا اوٹھانے والوں کو اونکے اصل مال سے دوگنا دینا۔ وغیرہ ۱۲ منہ

زیادہ سخت لیکن بمصلحت اس کو چھپا کر مُرَدَّد کر دیا ہے جو عدم علم کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن چونکہ لفظ تجاہل سے تعبیر کرنا خداوند ملک علام کی شان والاشان کے لئے بے ادبی ہے۔ اسلئے اسکو لفظ ابہام (پوشیدہ رکھنے) سے تعبیر کرنا بہتر ہے جیسا کہ شیعی حدیث میں معصوم نے اختیار فرمایا ہے۔

(دوسرا فائدہ) چند سوالوں کے جواب۔ **پہلا سوال** ۔خدا قدرت رکھتا تھا کہ بغیر ذبح کئے ہوئے گائے کو مردہ کی زندگی کا ذریعہ قرار دیتا؟ پھر ذبح کا حکم کیوں دیا۔

جواب ۔اس وجہ سے کہ وہ گائے کی پوجا کر چکے تھے اور اوسکی محبت اونکے دلوں میں باقی تھی۔

دوسرا سوال ۔گائے کی جگہ پر دوسری چیز ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا۔

جواب ۔علاوہ محبت کے جو اوپر ذکر کی گئی؟ جس چیز کے ذبح کا حکم دیتا اوس میں بھی یہی سوال پیدا ہوتا۔ اس لئے ایسا سوال لائق توجہ نہیں ہے۔

تیسرا سوال ۔گائے کے ٹکڑے سے مارنے کا کیوں حکم دیا حالانکہ بغیر مارے ہوئے زندہ کر سکتا تھا۔

جواب ۔ اگر بغیر اسکے زندہ کرتا تو بنو اسرائیل شبہہ کرتے کہ شائد حضرت موسےؑ نے جادو سے زندہ کیا ہے کیونکہ اوس زمانہ میں اس کا رواج بہت تھا۔ اور مارنے پر یہ شبہہ برطرف ہو گیا کیونکہ خود اونھیں نے مارا تھا۔

چوتھا سوال ۔یہاں پر آیتِ خدا (نشانی) صرف ایک تھی یعنی مردہ کا زندہ ہونا۔ پھر آیات بلفظ جمع کیوں تعبیر کیا۔

جواب ۔ آیتیں (نشانیاں) کئی تھیں ۱۔ گائے والے جوان کو مالدار بنا دینا ۲۔ مردہ کو زندہ کرنا ۳۔ گائے کے ٹکڑے کو اس کا ذریعہ قرار دینا ۴۔ واقعی قاتل کو ظاہر کر کے بے قصوروں کو بری کر دینا ۵۔ مردہ کی عمر میں اضافہ کر دینا ۶۔ حضرت موسےؑ کی سچائی ظاہر کر دینی ۷۔ اپنی قدرت کاملہ کو دیکھانا۔

پانچواں سوال ۔بنو اسرائیل ان واقعات کو دیکھنے سے پہلے صاحب عقل تھے اور ایسی صورت میں یہ کہنا کہ میں نے آیتیں دیکھائیں تا کہ تم صاحب عقل ہو جاؤ۔ بے موقع اور تحصیل حاصل ہے جو ہر عاقل کے لئے عیب ہے چہ جائیکہ حکیم علے الاطلاق کے لئے۔

پہلا جواب ۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں پر عقل؟ علم کے معنی میں ہو اور اس سے واقعی قاتل کو معلوم کرنا اور بے قصوروں کو بری سمجھنا ہو۔ **دوسرا جواب** ۔ ہو سکتا ہے کہ عقل؟ فہم کے معنی میں ہو اور اس سے یہ مقصود ہو کہ تم محسوسات اور فطرتی ضروریات کے سوا عقلی باتوں کو

گائے ذبح کرنے اور مردے کو مارنے کا حکم کیوں دیا

قاتل کے لئے لفظوں کیوں فرمایا

بالکل نہیں سمجھتے جسکی وجہ سے حکم ذبح بقرہ کو مسخراپن سمجھے اور نبی خدا حضرت موسےٰؑ کی سچائی کا اعتقاد نہیں کیا۔ اور میری قدرت کاملہ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ذبح بقرہ کے ذریعہ زندگیِ مقتول ہونے سے انکار کیا۔ اسلئے میں تمہیں نشانیاں دیکھاتا ہوں تاکہ ان عقلی باتوں کو سمجھ لو۔ **تیسرا جواب**۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ مَا الْعَقْلُ (عقل کس کو کہتے ہیں) فرمایا مَا عُبِدَ بِهِ الرَّحْمٰنُ وَ اكْتُسِبَ بِهِ الْجِنَانُ یعنی عقل وہ ہے جسکی وجہ سے خدا کی عبادت کی جائے اور بہشت حاصل کیا جائے۔ عرض کیا کہ معاویہ میں جو ہے؟ وہ کیا ہے۔ فرمایا وہ عقل نہیں ہے بلکہ حیلہ اور تدبیر اور مکر ہے۔ اور بنو اسرائیل کے کل واقعوں سے جو شروع سے یہاں تک ذکر ہوتے آرہے ہیں معلوم ہو چکا کہ سرکشی اور بدذاتی اور خدا و اولیاء خدا سے انحراف انکی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ اور ان کے ساتھ خداوند حکیم کا حُسنِ سلوک اور دلجوئیاں اور انعامات اور بخششیں اور تخویف و تہدید اور معجزات وغیرہ بھی معلوم ہو چکے۔ پس ہو سکتا ہے کہ تعقلون سے مقصود یہ ہو کہ یہ سب نشانیاں تمہیں اس لئے دیکھائی جارہی ہیں تاکہ تم عاقل یعنی خدا کے مطیع و فرمانبردار بنجاؤ۔ اور بہشت حاصل کرو۔

(تیسرا فائدہ) فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ آیت کریمہ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى کو بعض لوگوں نے اس امر کی دلیل قرار دی ہے کہ مقتول میت ہوتا ہے۔ لیکن یہ کلام ضعیف ہے کیونکہ خداوند عالم نے اس آیت میں یہ بیان کرنا چاہا ہے کہ میں اس مقتول کو جس طرح زندہ کر رہا ہوں اوسی طرح (روزِ حشر) مُردوں کو زندہ کرونگا اور اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ مقتول مردہ ہوتا ہے[۱] میں عرض کرتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس بعض نے دو آیتوں کے مضمون کو جمع کرنا چاہا ہو؟ ایک آیت کریمہ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ[ع۲] جس میں مقتول راہ خدا کو زندہ کہا گیا ہے

مقتول فی راہ خدا زندہ ہیں یا نہیں

ع[۱] ان سوالوں کو میں نے تفسیر کبیر سے لیا ہے لیکن جوابوں میں اوسکے مضامین کی پابندی نہیں کی ہے ۱۲ منہ [۱] تفسیر کبیر جلد ا صـ ۳۷۴ ۔ ۱۲ منہ

ع[۲] جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ہیں اونکو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں جو خدا کے نزدیک رزق پارہے ہیں ۱۲ منہ

اور لفظ اَحْیَاءٌ کو حیاتِ اخروی اور حیاتِ دنیاوی سے مطلق رکھا گیا ہے جس سے حیات دنیاوی یعنی دنیاوی جسم میں روح کے ہونے کا شبہہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ وہ دنیا میں دکھائی نہ دیں۔ اور دوسری آیت کریمہ یُحْیِی اللّٰہُ الْمَوْتٰی جس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ جس طرح میں اس مُردہ کو زندہ کر رہا ہوں اوسیطرح حشر کے وقت زندہ کروں گا۔

پس اس بعض نے یہ بیان کرنا چاہا ہو کہ پہلی آیت میں حیات سے حیات اُخروی مقصود ہے یعنی دنیا سے اوٹھتے ہی بے روک ٹوک بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں اور دوسری آیت میں موت سے موت دنیاوی مقصود ہے۔ یعنی مقتولِ راہ خدا بھی شہادت کے بعد دنیاوی جسم میں اوس طرح حقیقۃً زندہ نہیں ہوتے جس طرح دنیا میں تھے۔ اگر اس شخص کی غرض یہی تھی اور رازی نے بھی اسی کی رد کی ہے اور اوسکے مطلب کو پسند نہیں کیا ہے تو رد صحیح ہے کیونکہ بطریق شیعہ حدیث حضرت امیر المومنینؑ اور حدیث حضرت امام محمد باقر علیہم السلام جو تفسیر برہان جلد ا ص۱۰۲ میں مذکور ہے صاف ظاہر ہے کہ اس حیات سے واقعی حیات مقصود ہے۔ اور صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں کہ (بطریق اہلسنت) حدیث ابن عباس اور قتادہ اور مجاہد اور حسن بصری اور عمر بن عبید اور واصل بن عطا اور جبائی سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور کل مفسروں نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اگر رازی نے اوسکی عبارت سے یہی مطلب سمجھا ہے اور اس اصل مطلب میں اوسکے موافق ہیں لیکن صرف استدلال میں مناقشہ کرنا چاہا ہی تو مطلب میں دونوں غلطی پر ہیں اور مناقشہ صحیح ہے اور اگر اس شخص کی غرض یہ ہے کہ مقتولِ غیر راہِ خدا مردہ ہے اور رازی نے یہی سمجھا اور اسی کو رد کیا ہے اور اونکے نزدیک ہر مقتول زندہ ہے تو اوس شخص کا مطلب اور استدلال دونوں صحیح ہے اور رازی کی رد غلط ہے۔ کیونکہ میں اوپر بیان کر چکا کہ دوسری آیت کا ظاہر مقتول کا مردہ ہونا ہے۔ اور پہلی آیت صرف مقتولِ راہِ خدا کو زندہ بتا رہی ہے اور اگر رازی اس مطلب میں شریک ہیں اور غرض اونکی صرف دلیل میں مناقشہ کرنا ہے تو ان کا صرف مناقشہ غلط ہو گا۔

(چوتھا فائدہ) فلسفہ۔ یَتَفَجَّرُ مِنْہُ الْاَنْھٰرُ (اوس سے نہریں پھوٹکر نکلتی ہیں) حکماء نے کہا ہے کہ نہریں اوس بھاپ سے پیدا ہوتی ہیں جو زمین کے اندر جمع ہوتی ہے پس اگر زمین نرم ہوتی ہے تو یہ بھاپ (اپنی اصلی صورت پر تھوڑی تھوڑی) نکلتی رہتی ہے۔ اور اگر زمین سخت ہوتی ہے تو اسکی بہت زیادہ مقدار جمع ہو کر (پانی بن جاتی اور

نہروں کی حقیقت

نہر کی صورت میں جاری ہو جاتی ہے [1] میں عرض کرتا ہوں کہ ایسی باتیں ؟ حکماء کے معدہ کے بخارات (بھاپ) سے پیدا ہوتی ہیں جو اونکے دماغوں پر چڑھکر اونکی آنکھوں اور عقلوں پر پردہ ڈال دیتی ہیں جسکی وجہ سے نہ تو خدا کی قدرت کاملہ اونکے سمجھ میں آتی ہے اور نہ اوسکے آثار جو دنیا میں بے شمار موجود ہیں دکھائی دیتے ہیں۔ جن میں سے آسمانی پانی کے علاوہ پوری دنیا کے سمندر ہیں۔ اور بڑے۔ چھوٹے دریا۔ اور بڑی۔ چھوٹی نہریں اور زمین کے اندر کی سوتیں جو کنوؤں میں نکلتی ہیں۔ اگرچہ پوری دنیا بھاپ بن جائے جب بھی اس قدر پانی پیدا نہیں ہو سکتا موٹی بات ہے کہ چشمے والے پہاڑ ایک تو بے شمار ہیں۔ دوسرے سال بھر چوبیس گھنٹے جاری رہتے ہیں۔ ایک شاہرودِ ایران کا چشمہ ہے جو سال بھر دن و رات دو گز کی چوڑی دھار سے جاری رہتا ہے۔ حالانکہ بھاپ اس قدر؟ اور سال بھر پیدا نہیں ہوتی۔ دنیا کی پیدائش سے پہلے جو پانی تھا وہ کس بھاپ سے پیدا ہوا تھا۔

(پانچواں فائدہ) اصول دین وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ (جو کچھ تم کرتے ہو خدا اوس سے غافل نہیں ہے) قاضی (ابوبکر) نے کہا ہے کہ عدم غفلت کو خدا کی صفت قرار نہیں دے سکتے کیونکہ اس سے شبہہ پیدا ہو گا کہ وہ غافل ہو سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ کسی چیز سے کسی صفت کو دفع کرنے سے اوسکے لئے اوس کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ ثبوت اس کا خود کلام پروردگار ہے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (خدا نہ تو اونگھتا ہے نہ سوتا ہے) وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (وہ دوسروں کو کھلاتا ہے اوسکو کوئی نہیں کھلاتا) [2]

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ج وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمِنْهُمْ

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ مسئلہ ثانیہ ۱۲ منہ ۔ [2] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۷ وجہ ثالث ۱۲ منہ

أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝

(الفاظ کے معانی) أَ - کیا + فَ - پھر بعد + تَطْمَعُونَ - لالچ رکھتے ہو - اَنْ یہ - اس بات + يُؤْمِنُوا - ایمان لائیں + لَ - واسطے + كُمْ - تم - تمہارے + وَ - اور - حالانکہ + قَدْ - البتہ - بے شک - بے شبہہ + كَانَ - تھا - ہے + فَرِيقٌ - گروہ مِنْ - سے + هُمْ - وہ - اون + يَسْمَعُونَ - سنتے ہیں + كَلَامَ - بات + اللّٰهِ - خدا + ثُمَّ - پھر + يُحَرِّفُونَ - پھیر دیتے ہیں + هُ - اوسکو + بَعْدِ - بعد + مَا - مصدریہ ہے جو اپنے بعد کے لفظ کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے + عَقَلُوا - سمجھا + يَعْلَمُونَ - جانتے ہیں + إِذَا - جب + لَقُوا - ملے - ملاقات کیا + الَّذِينَ - وہ لوگ - اون لوگوں + آمَنُوا - ایمان لائے + قَالُوا - کہا + آمَنَّا - ہم لوگ ایمان لائے - خَلَا - اکیلے ملا - تنہائی میں ملا + بَعْضُ - ایک - یا اس سے زیادہ + إِلَىٰ - طرف تُحَدِّثُونَ - باتیں کرتے - یا کہتے ہو + مَا - چیز + فَتَحَ - ظاہر کیا - کھولا + عَلَىٰ پر - اوپر + لِ - تاکہ + يُحَاجُّوا - بحثیں - بحث کریں - حجت یعنی ثبوت لائیں + بِ - واسطہ - ساتھ - سبب + عِنْدَ - نزدیک - پاس + رَبِّ - خدا مالک + لَا - نہیں + تَعْقِلُونَ - سمجھتے ہو + إِنَّ - البتہ - بے شک + يَعْلَمُ - جانتا ہے + يُسِرُّونَ - چھپاتے ہیں + يُعْلِنُونَ - ظاہر کرتے ہیں + أُمِّيُّونَ - جاہل - اَنْ پڑھ + يَعْلَمُونَ - جانتے ہیں + أَمَانِيَّ - مطلب - آرزو + إِنْ - نہیں + إِلَّا - مگر + يَظُنُّونَ - گمان کرتے ہیں +

(بامحاورہ ترجمہ) (مسلمانو!) کیا تم اسکے بعد بھی (ان سرکش اور بد ذات یہودیوں سے) اپنی طرح ایمان لانے کی لالچ رکھتے ہو - حالانکہ اونمیں سے ایک گروہ ایسا تھا جو خدا کا کلام سنتا تھا اور اوسکو اچھی طرح سمجھنے کے بعد الٹ پھیر کر دیتا تھا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ تحریف کر رہا ہے اور جب یہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

ع جلیل القدر صحابی ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم نے (صحابہ سے) فرمایا کہ تم لوگ اگلی امتوں (یہود و نصاریٰ) کے طریقہ پر چلوگے ایک ایک بالشت (بقیہ)

ہم لوگ ایمان لائے ہیں۔ اور جب ان میں کا کوئی ایک دوسرے سے تنہائی میں ملتا ہے تو اوس سے کہتا ہے کہ جو باتیں خدا نے (توریت میں) تم پر ظاہر کردی ہیں؟ اون کو تم مسلمانوں سے بیان کرتے ہو؟ تاکہ وہ اوسکے ذریعہ سے تمہارے خدا کے پاس تم پر حجت تمام کریں۔ کیا تم اس کو سمجھتے نہیں ہو۔ کیا (یہودی) نہیں جانتے کہ خدا بے شک اون چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ چھپاتے ہیں اور اون کو بھی جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور کچھ تو اونمیں ایسے جاہل ہیں جو کتاب خدا کو اپنے ہی مطلب کی چیز سمجھتے ہیں اور صرف گمان (باطل ذہن میں) جماتے رہتے ہیں۔

(صرف) لَقُوْا؟ اصل میں لَقِیُوْا تھا۔ ضمہ (پیش) "ی" پر گراں تھا اسلئے اوس کو گرادیا۔ اب جزم والے دو "و" اکٹھا ہوئے۔ ایک کو گرادیا۔ لقوا ہوگیا۔ خَلَا؟ اصل میں خَلَوَ تھا "و" کے پہلے فتحہ (زبر) تھا اسلئے اوس کو الف سے بدل دیا خَلَا ہوگیا۔

(نحو) اَنْ یُّؤْمِنُوْا؟ جملہ بتاویل مفرد ہو کر مجرور ہے۔ اور حرف جر یعنی فِیْ؟ اَنْ سے پہلے پوشیدہ ہے۔ جار اور مجرور مل کر تَطْمَعُوْنَ کا متعلق ہے۔ اور حاصل اس کا تَطْمَعُوْنَ فِیْ اِیْمَانِہِمْ ہے (یعنی کیا اونکے ایمان لانے میں لالچ رکھتے ہو) وَقَدْ کَانَ میں "و" حالیہ ہے اور اوس کا ذوالحال یُؤْمِنُوْا کا فاعل؟ اور مقصود اس سے وَحَالُہُمُ الْکِذْبُ وَالتَّحْرِیْفُ ہے (یعنی کیا تم اون کے ایمان لانے کی لالچ رکھتے ہو حالانکہ حالت اونکی یہ ہے کہ جھوٹ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۰) اور ایک ایک ہاتھ ناپ کر؟ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے ہونگے تو تم بھی گھسوگے (صحیح بخاری جلد ۴ کتاب الاعتصام باب لتتبعن سنن من قبلکم صفحہ ۱۷۶ چھاپہ مصر) حضرتؐ کی پیشینگوئی غلط نہیں ہوسکتی تھی۔ صحابہ نے یہود و نصاریٰ کی پیروی پوری پوری کی بلکہ انکے قدم اونسے کچھ آگے ہی رہے۔ نفاق اختیار کیا جس کا ثبوت تفسیر انوار القرآن جلد ۱ حاشیہ صفحہ ۱۸۱ میں ملاحظہ ہو۔ اور کتاب خدا میں تحریف کی جس کا ثبوت اسی تفسیر کی جلد ۱ کے حاشیہ صفحہ ۵ میں ملاحظہ ہو۔ کتاب خدا کو جلایا (جسکو یہود و نصاریٰ نے نہیں کیا) اس کا ثبوت مشکوۃ و شرح مشکوۃ و فتح الباری وغیرہ میں ملاحظہ ہو۔ کتاب خدا پر ان کے خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک نے ایک مرتبہ تیر برسائے اور ایک مرتبہ ڈنڈے سے پیٹا (جو یہود و نصاریٰ نے نہیں کیا) اس کا ثبوت تاریخ الخلفاء حال ولید میں ملاحظہ ہو۔ صحابہ اور صحابہ پرست مسلمانوں نے اولاد رسول اللہ کو چن چن کر قتل و تباہ و

بولتے اور تحریف کرتے ہیں) مِنْهُمْ ؟ کَائِنٌ صفت کا متعلق ہے اور کَائِنٌ ؟ فَرِیْقٌ کی صفت ہے۔ یَسْمَعُوْنَ ؟ جملہ ہو کر کَانَ کی خبر ہے۔ مَا عَقَلُوْهُ ؟ میں مَا ؟ مصدریہ ہے اور حاصل اوس کا مِنْ بَعْدِ عَقْلِهِمْ ہے۔ یعنی سمجھ لینے کے بعد۔ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ؟ جملہ ہو کر حال ہے اور ذو الحال اوس کا یُحَرِّفُوْنَ کا فاعل ہے یا عَقَلُوْهُ کا۔ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ ؟ میں مَا اسم موصول یا مَاءِ مصدریہ۔ یا مَاءِ موصوفہ ہے اور صفت اوسکی فَتَحَ اللّٰهُ جملہ ہو کر۔ لِیُحَاجُّوْنَ ؟ کا تعلق تُحَدِّثُوْنَ سے ہے اور لِ کے بعد اَنْ پوشیدہ ہے جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے۔ اُمِّیُّوْنَ ؟ مبتداء موخر ہے اور مِنْهُمْ ؟ اوسکی خبر مقدم ؟ کَائِنُوْنَ کا متعلق ہو کر لَا یَعْلَمُوْنَ ؟ اُمِّیُّوْنَ کی صفت ہے۔ اِلَّا اَمَانِیَّ ؟ اِلَّا لٰکِنْ کے معنی میں ہے اور یہ استثناء ؟ استثناءِ منقطع ہے کیونکہ اَمَانِیَّ ؟ علم کی قسم سے نہیں ہے۔ اِلَّا یَظُنُّوْنَ میں یظنون صفت ہے اور موصوف اس کا لفظ قوم جو پوشیدہ ہے۔

مظہری تفسیر

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ اے ایمان والو ؟ کیا تم (یہودیوں سے) امید رکھتے ہو کہ وہ تمہارے لئے ؟ غور و فکر اور عبرت حاصل کرنے کے بعد ؟ اطاعت اور فرمانبرداری کی راہ سے اپنے ارادہ اور اختیار سے ایمان لائیں گے وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ حالانکہ ان کے بزرگوں میں ایک گروہ تھا جو بروایت مجاہد و سُدّی انکے علماء تھے۔ اور بروایت ابن عباس و ربیع وہ ستر آدمی تھے جن کو حضرت موسیٰؑ نے پہاڑ پر لیجانے کے لئے چنا تھا یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ وہ کلام خدا کو سنتے تھے پھر اوسکی تحریف کرتے تھے بروایت مجاہد و سُدّی کلام خدا سے توریت کے احکام مقصود ہیں اور بروایت ابن عباس و ربیع خدا کی وہ باتیں جو حضرت موسیٰؑ سے کہی تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کی صفتیں مقصود ہیں جو توریت میں مذکور تھیں۔ مجاہد وغیرہ کی رائے کے مطابق ان کے علماء اپنی خواہش نفسانی ؟ اور رشوت دینے والوں کی مدد کی غرض سے توریت کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہتے تھے۔ اور ابن عباس وغیرہ کی رائے کے مطابق وہ ستر آدمی

بنی اسرائیل کے ایمان لانے سے ناامیدی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۱) برباد کیا۔ انوار القرآن جلد ۲ ص ملاحظہ ہو (جو یہود و نصاریٰ نے نہیں کیا) صاحبان انصاف غور کریں ۱۲ منہ

جب واپس آئے تو خدا اور موسےٰؑ کی باہمی گفتگو جو سُنی تھی اوسکو بدل کر اپنی قوم سے بیان کیا اور حکم خدا پر عمل نہیں کیا اور بعض کی راے کے مطابق حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہٖ کی تعریفوں کو جو توریت میں مذکور تھیں تحریف کر دیا (نکال ڈالا) مِنۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ۔ عَقَلُوْہُ کا معنی دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ ایکؔ[1] یہ کہ سمجھ لینے کے بعد اوس کو بدل دیا اور دشمنی کی وجہ سے انکار کیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ تحریف کر رہے ہیں (یعنی اس تغیر اور تبدیل کے ناحق اور ناجائز ہونے کو خود بھی جانتے تھے) دوسرے یہ کہ یقین کر لینے کے بعد بدلا۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ بدلنے میں کیا عذاب ہے۔ اور پہلا کلام (یعنی تحریف کرنے والوں سے علمار یہود کو مراد لینا) مسئلہ موافات[1] میں ہمارے مذہب (شیعہ) سے زیادہ مناسبت[2] رکھتا ہے۔

بہر حال اس آیت سے خداوند متعال کا مقصود یہ ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہٖ کے زمانہ کے یہودی اگر ایمان نہ لائیں اور حضرت کو جھٹلائیں اور آپکی نبوت سے دیدہ و دانستہ انکار کریں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ ان کے باپ دادا بھی حضرت موسےٰؑ کے حق میں ایسا کر چکے ہیں اور یہ اونھیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور وہ لوگ جنھوں نے دشمنی اور کلام خدا کی تحریف کی؟ تھوڑے تھے۔ حق کے چھپانے پر اون کا ایک راے ہو جانا ممکن تھا۔ جو بہت بڑی جماعت کے لئے ناممکن ہے۔ کیونکہ

---

[1] اس مسئلہ کو تفسیر انوار جلد ا ص ۱۳۰ کے حاشیہ میں اور ص ۶۳۵ کے حوض میں لکھ آیا ہوں وہاں ملاحظہ کریں ۱۲ منہ

[2] اس مقام پر طبرسی علیہ الرحمہ نے غالباً اشتباہ کیا ہے کیونکہ خود اونکی مذکورۂ متن تحریر صاف بتا رہی ہے کہ علمار یہود اپنی سرکشی اور تمرد و طغیان پر ہمیشہ ایک طرح روش کرتے رہے۔ اور ستر آدمی جو منتخب کئے گئے تھے وہ پہاڑ پر جانے یا وہاں سے واپس آنے سے پہلے بظاہر اچھے اور فرمانبردار تھے۔ اور شاہد امتحان حضرت موسےٰؑ کا اونکو انتخاب کرنا۔ اور طبرسی علیہ الرحمہ کا اونکے حق میں مِنۢ بَعۡدِ مَا تَحَقَّقُوۡهُ (یعنی یقین کرنے کے بعد) فرمانا ہے۔ اور مسئلہ موافات کی گفتگو اوسی شخص کے حق میں جاری ہوتی ہے جو کبھی صحیح عقیدہ رکھتا ہو اور کبھی باطل۔ اب اے مسئلہ موافات سے مناسب؟ دوسرا ہی کلام ہے۔ نہ پہلا۔ غور کیجئے ۱۲ منہ

مجمع البیان در تحریر امتحان

اونکی خواہشوں کے اختلاف کی وجہ سے اونمیں پھوٹ پڑ سکتی ہے۔ اسلئے اوس شخص کا کلام صحیح نہیں ہے جو کہتا ہے کہ حق کو جان بوجھکر؟ سب کے سب عناد کرتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ سب کے سب کافر تھے لیکن عناد کرنے کی نسبت خدا نے ایک ہی گروہ کی طرف دی ہے۔ اور یہ آیت اس امر کو بتارہی ہے کہ شریعت میں تحریف کرنی گناہ کبیرہ ہے اور یہ تحریف؟ بدعتی فتوے اور بدعتی قضاوت (فیصلے) اور دوسرے بدعتی امور؟ جو دین میں واقع کئے جائیں؟ سب کو شامل ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تک۔ شان نزول

شان نزول

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں ایک گروہ تھا جسکو (حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ سے) عداوت نہ تھی۔ اور نہ (حضرتؐ کی مخالفت پر) ایک رائے ہوئے تھے۔ یہ گروہ جب مسلمانوں سے ملاقات کرتا تھا تو حضرتؐ کی صفتیں بیان کیا کرتا تھا جو توریت میں مذکور تھیں۔ تو اون کے بڑوں نے اونکو اس فعل سے منع کردیا۔ اور کہا کہ محمدؐ کی صفتیں جو توریت میں لکھی ہوئی ہیں اونکو مسلمانوں سے بیان نہ کیا کرو ورنہ وہ تمہارے پروردگار کے پاس اونہیں کے ذریعہ سے تم پر حجت تمام کرینگے۔ اسی مطلب کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل کی گئی۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ بنو قریظہ کے حق میں نازل کی گئی ہے۔ کیونکہ حضرت سرور عالم نے ایک دن اونکو اِخْوَۃَ الْقِرَدَۃِ وَالْخَنَازِیْر (بندروں اور سوروں کے بھائی) فرمایا۔ تو اونھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ محمدؐ کو اسکی کس نے خبر دی (کہ میری قوم بندر اور سور بنادی گئی تھی ضرور) تمہیں لوگوں نے کہا ہے۔ اور سُدّی کہتے ہیں کہ یہ آیت اون لوگوں کے حق میں نازل کی گئی ہے جو ایمان لانے کے بعد منافق ہوگئے تھے؟ یہ لوگ عرب مسلمانوں سے اون عذابوں کو بیان کیا کرتے تھے جس میں اونکے بزرگ مبتلا کئے گئے تھے۔ تو اونمیں سے بعض نے بعض سے کہا کہ تم لوگ اون سے ان عذابوں کو بیان کرتے ہو تاکہ کل تم پر حجت لائیں اور کہیں کہ ہم لوگ بہ نسبت تمہارے؟ خدا کے نزدیک زیادہ عزت رکھتے ہیں (کیونکہ تم لوگوں پر عذاب نازل ہو چکا ہے)

یہود اسرائیل کا نفاق

بیان تفسیر وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس آیت میں یہودیوں کی دوسری بُری صفت بیان فرمارہا ہے وہ یہ کہ جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو اون سے کہتے ہیں

کہ ہم لوگ ایمان لائے ہیں یعنی محمد صلے اللہ علیہ و آلہ کے سچے نبی ہونے کی تصدیق
کر چکے ہیں اون کا اور اونکی تعریفوں کا ذکر اپنی کتاب (توریت) میں پاتے ہیں اور
اون کل (اسلامی) چیزوں کی تصدیق اور اقرار کر چکے ہیں جن کی تم لوگ تصدیق اور
اقرار کر چکے ہو۔ خداوند عالم اسی کی خبر دے رہا ہے کہ یہ لوگ منافقانہ صفت رکھتے
اور منافقوں ہی کی روش پر چلتے ہیں۔ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ اور منافق
جب اپنی قوم کے بعض لوگوں سے تنہائی میں ملتے ہیں۔ قَالُوْا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ
بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ تو اون سے کہتے ہیں کہ کیا تم مسلمانوں سے اون باتوں کو
کہتے ہو جنہیں خدا نے تم پر ظاہر کیا ہے۔

کلبی کہتے ہیں کہ مَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ سے قَضَى اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مقصود ہے
یعنی جن کا خدا نے تمہیں تمہاری کتاب میں حکم دیا ہے کہ محمدؐ (نبی) برحق ہیں۔ اور اونکا
کلام سچا ہے اور سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اونھوں نے
اس کا معنی یہ بیان کیا کہ محمدؐ کے نبی ہونے کا مسلمانوں سے اقرار نہ کرو اور (اون پر
یہ ظاہر نہ کرو کہ تم) جانتے ہو کہ محمدؐ کی پیروی کا تم سے عہد و پیمان لیا گیا ہے۔ اور
یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے اور جن کا ذکر اپنی کتاب (توریت)
میں پاتے ہیں (بلکہ) ان باتوں سے انکار کرو۔

اور کسائی نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ کیا تم اون سے اون باتوں کو بیان کرتے
ہو جن کو خدا نے تمہاری کتاب میں بیان کیا ہے اور تم جانتے ہو؟ کہ محمدؐ مبعوث
برسالت ہوں گے۔ اور اسکی خوشخبری دی گئی ہے۔ اور ان تاویلوں
(معانی) میں سے سب سے زیادہ قوی اوس کا کلام ہے جس نے یوں بیان کیا ہے
کہ خدا نے تمہیں جو کچھ حکم دیا ہے اور اوسکے حکموں میں سے اون پر اور اونکی تعریفوں
پر ایمان لانا بھی ہے جس کا تم سے عہد و پیمان لیا گیا ہے اور توریت میں مذکور ہے۔
اور یہ بھی ہے کہ تمہیں میں سے کچھ لوگ بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ لِيُحَاجُّوْكُمْ بِهٖ
عِنْدَ رَبِّكُمْ۔ اگر تم اون سے ان باتوں کا اقرار کرو گے اور اونھیں خبر دو گے تو دنیا
اور آخرت دونوں جگہ؟ خدا کے نزدیک محمدؐ پر اونکے ایمان لانے کا ثبوت اور تمہارے
بطلان پر ہونے کی دلیل اونکے پاس یہی باتیں ہو جائیں گی اور بعض نے اس کا

معنی یوں کہا ہے کہ وہ تم سے مجادلہ (بحث) کرینگے اور کہیں گے کہ تم اقرار کر چکے ہو کہ محمدؐ کے نبی برحق ہونے کا ذکر توریت میں موجود ہے اور (اقرار کے بعد بھی) تم اونکی پیروی نہیں کرتے - **اور** عِنْدَ رَبِّكُمْ (خدا کے نزدیک) کا معنی ابن انباری نے فِي حُكْمِهِ (خدا کے حکم میں) کہا ہے جس طرح کہا کرتے ہیں کہ هٰذَا حَلَالٌ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ یعنی شافعی کے حکم میں یہ حلال ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ اے قوم کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ تم جو محمدؐ اور اونکے اصحاب (مسلمانوں) کو خبریں دیتے ہو کہ محمدؐ کی تعریفیں ہماری کتابوں میں موجود ہیں - یہ تمہیں پر حجت ہیں اور وہ تم پر حجت تمام کرینگے - **اور حسن بصری** نے اس کا معنی یوں بیان کیا ہے کہ اے مسلمانو! کیا تم نہیں سمجھتے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے پس اس امر کی لالچ نہ کرو - **اور بعض** نے کہا ہے کہ یہ خطاب یہودیوں ہی سے ہے اور اونکو اس جملہ سے اونکے رؤسا (علماء) کا کلام ماننے سے روکا گیا ہے اور معنی اس کا یہ ہے کہ اے یہودیو؟ کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ اگر ان باتوں کو اپنے سرداروں سے قبول کرو گے (تو نقصان اوٹھاؤ گے) اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ کیا یہودی نہیں جانتے کہ خداوند عالم الغیب اونکی پوشیدہ اور ظاہر دونوں باتوں کو جانتا ہے (اور جب جانتے ہیں تو) پھر حق باتوں کو بیان کرنے سے اپنے بھائیوں کو چھپ کر کیوں منع کرتے ہیں - حالانکہ وہ خود اس کا اقرار کرتے ہیں اور کفار اور منافقوں کی طرح خدا کے عالم الغیب ہونے (پوشیدہ باتوں کو جاننے) سے انکار نہیں کرتے - (اور جب اقرار کرتے ہیں) تو اقرار کے بعد ملامت اور مذمت کے؟ زیادہ مستحق وہی ہیں - یہ معنی اکثر مفسروں نے بیان کیا ہے - **اور قتادہ** نے یہ کہا ہے کہ اونکے کفر اور محمدؐ کے جھوٹلانے کو جو اپنے بھائیوں سے تنہائی میں چھپکر بیان کرتے ہیں؟ خدا اوس کو بھی جانتا ہے - اور اوسکو بھی جو اصحاب محمدؐ کو خوش کرنے کے لئے اون سے اپنے ایمان لانے کو بیان کرتے ہیں وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّا اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ - اُمِّيُّوْنَ کا معنی ابن عباس اور قتادہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کتاب (توریت) کے معانی نہیں جانتے تھے نہ حفظ کے طور پر نہ تلاوت کے طور پر اور نہ اوسکے مطالب سمجھتے تھے اور نہ یاد رکھتے تھے - **اور ابو عبیدہ** نے کہا ہے کہ اُمّی اوسکو کہتے ہیں جس پر کتاب نازل نہ کی گئی ہو - اور نبی امی وہ ہے جو لکھتا نہ ہو - لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ توریت جسکو خدا نے نازل کیا ہے اوسکے حدود (قصوروں کی سزائیں) کو نہیں جانتے - اور اون میں کچھ ایسے بھی ہیں جو باوجود نکی

طرح مقلد ہیں (دوسروں کی باتوں پر عمل کرتے ہیں) اور کچھ نہیں سمجھتے کہ کیا بول رہے ہیں۔
اِلَّآ اَمَانِیَّ۔ اِلَّا لیکن کے معنی ہے اور اَمَانِیَّ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن عباس
کہتے ہیں کہ اس سے وہ جھوٹی باتیں مقصود ہیں جو وہ بولا کرتے تھے۔ اور کلبی نے اونکے
علماء کی باتیں ہیں جو اون سے کہا کرتے تھے۔ اور کسائی اور فراء نے توریت کو بغیر معانی
سمجھے پڑھنا۔ اور بعض نے اس کا معنی یوں بیان کیا ہے کہ وہ خدا سے رحمت کی امید
رکھتے تھے اور شیطان نے اونکے دلوں میں ڈال دیا تھا کہ خدا اونکے ساتھ بھلائیاں کریگا
اور وہ آرزو رکھتے تھے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے انتقال کے بعد اسلام
مٹ جائیگا اور بادشاہت اونکی طرف پلٹ آئیگی اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی
جھوٹی باتیں گڑھنا ہے نہ تلاوت کرنا اور نہ آرزو کرنا۔ کیونکہ کلام پروردگار اِلَّا یَظُنُّوْنَ
جو اسکے بعد ہے اوسی مطلب کو قوت دے رہا ہے جسکو میں نے بیان کیا۔ اور مطلب اس کا
یہ ہے کہ جھوٹی باتیں جو وہ گڑھتے تھے اوس کا اونھیں گمان ہوتا تھا نہ یقین۔ اور اِلَّا
یَظُنُّوْنَ تلاوت سے مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ تلاوت کرنیوالے توریت کے کلام خدا ہونیکا
یقین رکھتے تھے اور اگر غور کرتے تو اوسکے معانی بھی سمجھتے۔ اسی طرح آرزو رکھنے والے
اپنی آرزو کا یقین رکھتے ہیں گمان نہیں رکھتے تھے اِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ وہ لوگ شک
رکھتے تھے یہ آیت چند چیزیں بتا رہی ہے ۱ کتابِ خدا کے معانی میں تقلید کرنا
جائز نہیں ہے ۲ جن چیزوں میں یقین حاصل کرنا ممکن ہے اونمیں تقلید کرنا جائز
نہیں ہے ۳ دیانات (اعتقادی باتوں) میں گمان کو کافی سمجھنا جائز نہیں ہے ۴
جو لوگ کتابِ خدا کے معانی کا علم حاصل کر سکتے ہیں اون پر کتابِ خدا حجت ہے اگرچہ
اس وقت اوسکے معانی نہ جانتے ہو (اسی لئے اون کو سیکھنا چاہیے) ۵ کتابِ
خدا کے معانی کا علم حاصل کرنا لازم ہے محض (الفاظی) تلاوت پر اکتفا نہ کرنا چاہیے[1]

حدیثیں

و بطرق شیعہ بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے

[1] مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۶۱ تا ۶۲ ۔ ۱۲ منہ

ارشاد فرمایا کہ جب حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے اپنے معجزوں سے یہودیوں کو بہوت اور اپنی دلیلوں سے اونکے عذروں کو قطع کردیا اور وہ نہ تو حضرتؐ کی دلیلوں پر کوئی اعتراض کرسکے اور نہ آپ کے معجزہ میں کوئی شبہہ پیدا کرسکے۔ تو کہنے لگے کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ) ہم لوگ آپ پر ایمان لائے کہ آپ رسولِ ہادیِ مہدی ہیں اور آپ کے بھائی علی (علیہ السلام) وصی اور ولی ہیں۔ اور جب دوسرے یہودیوں سے ملتے تھے تو اون سے کہتے تھے کہ ہم لوگوں نے جو اون پر اپنا ایمان لانا ظاہر کردیا ہے اس نے ہم لوگوں کو اونکی ایذارسانیوں سے بچنے کا بہت اچھا موقع دیدیا ہے۔ اور اونکی اور اونکے اصحاب کی بیخکنی کرنے پر خوب مدد دے گا کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھکر کہ ہم لوگ اونکے ساتھ ہیں اپنے بھیدوں پر ہمیں آگاہ کردیتے ہیں۔ اور کچھ بھی نہیں چھپاتے۔ پس ہم لوگ اونکے دشمنوں کو اونکے بھیدوں سے آگاہ کردینگے اور وہ ہم لوگوں کی مدد سے ان لوگوں کی پریشانیوں اور کٹھن وقتوں میں ایسی حالت میں ان پر حملہ کر بیٹھیں گے کہ یہ لوگ اونکے حملوں کو دفع نہ کرسکیں گے۔ اور باوجود اظہار ایمان کے دوسرے یہودیوں کی اون خبروں کو پسند بھی نہیں کرتے تھے جن کو وہ حضرتؐ کی نشانیوں اور معجزوں کو دیکھکر لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے۔ پس خداوند عالم نے اونکے اعتقادوں کی بدیوں اور باطن کی برائیوں؟ اور حضرتؐ کی نشانیوں اور معجزوں کے بیان کرنے والے یہودیوں کے فعلوں کو ناپسند کرنے کی خبردیدی اور فرمایا اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ) کیا تم اور تمہارے اصحاب ان یہودیوں سے اسکی امید رکھتے ہو کہ تمہاری روشن دلیلیں دیکھکر لاجواب ہوچکے ہیں اسلیئے سچے دل سے تم پر ایمان لائیں گے اور نیک نیتی کے ساتھ اپنے شیطانوں سے اپنی اچھی حالتیں (یعنی واقعی ایمان لانا) بیان کرینگے وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ حالانکہ ان بعض اسرائیلی یہودیوں میں کا ایک گروہ تھا جس نے کوہ سینا کے دامن میں میرا کلام اور احکام اور منا ہیات سُنی تھیں اور جب باقی بنو اسرائیل سے بیان کرنے لگے تو میرے کلام اور احکام کو سمجھنے کے بعد بدل دیا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ جو کچھ بیان کررہے ہیں وہ جھوٹ ہے پس جن یہودیوں نے حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ

بنو اسرائیل کو ایمان سے نا امیدی

سے منافقانہ برتاؤ کیا اونکے بزرگوں نے (بھی نفاق اختیار کیا اور کوہ سینا سے پلٹکر) باقی بنو اسرائیل سے کہا کہ خدا کے احکام اور مناہیاں وہی ہیں جن کو ہم لوگوں نے بیان کیا - اوسکے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر ان حکموں اور مناہیوں پر عمل کرنا تم پر جبر ہو اور انجام دینا نہ چاہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسکے بعد خدا نے (حضرت سرورِ عالم کے زمانہ کے) یہودیوں کے دوسرے نفاق کی یوں خبر دی ہے کہ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا یعنی جب سلمان اور مقداد اور ابوذر اور عمار یاسر سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم لوگ اوسی طرح ایمان لائے ہیں جس طرح تم لوگ لائے ہو۔ اور اس کو مانتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ) نبی ہیں اور اونکے بھائی علی بن ابیطالب امام اور ہادی اور اونکے وزیر اور اونکی امت پر اونکے جانشین اور اونکے وعدوں اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے والے اور اونکے منصبی فرائض کو انجام دینے والے اور خلقِ خدا کو اوسکی مخالفتوں سے بچانیوالے اور اپنے فرمانبرداروں کو اوسکی رضامندی کی راہ پر لگانے والے اور جو لوگ علیؑ کے بعد اونکے جانشین ہوں گے وہ چمکتے ہوئے ستارے ہیں اور روشن ماہتاب اور نورانی آفتاب ہیں اونکے دوست خدا کے دوست ہیں اور اونکے دشمن خدا کے دشمن [1] (اس حدیث کا باقی حصہ حاشیہ میں ہے)

بنو اسرائیل کا نفاق

(حدیث متن کا باقی حصہ) ان یہودیوں میں سے بعض نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ صاحبِ معجزات ہیں اور دلیلیں انکی روشن ہیں۔ یہی وہ شخص ہیں کہ جب کفارِ قریش نے انکے قتل پر اتفاق کیا اور مار ڈالنے کے ارادے سے ان کو بلایا تو خدا نے اونکے ہاتھوں کو خشک کردیا پس کچھ کر نہ سکے اور پاؤوں کو شل کردیا پس اوٹھ نہ سکے یہاں تک مغلوب اور محروم پھر گئے - اگر محمدؐ چاہتے تو تنہا ان سب کو قتل کر ڈالتے۔ یہی وہ شخص ہیں کہ جب کفار قریش انکے پاس آئے اور انکو ہبل (بت) کے پاس اس غرض سے لیجا کر کھڑا کیا تاکہ انکی سچائی یا جھوٹ کا فیصلہ کرے تو ہبل منہ کے بل گر پڑا اور انکے بھائی علیؑ اور انکے بعد انکے جانشینوں کی وراثت اور امامت پر گواہی دی۔ یہی وہ شخص ہیں جن کو کفار قریش نے جب شعب (ابوطالب) میں چھپنے پر مجبور کیا اور اوسکے منہ پر پہرہ بٹھلا دیا تاکہ ان تک کھانا نہ پہونچ سکے - اور انکے ساتھیوں

---

[1] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۷۴ - ۱۲ منہ

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۹) میں سے کوئی نکل نہ سکے (تو باوجود اسکے حضرتؐ کے قبیلے کے) کفار اور مومنین (جنھوں نے حضرتؐ کا ساتھ دیا تھا انکی برکت سے) مَنّ و سلویٰ سے بہتر طرح طرح کی نفیس غذائیں اور حلوے اور بہتر سے بہتر کپڑے اپنی خواہشوں کے مطابق کھاتے اور پہنتے تھے۔ اور حضرتؐ بھی اونھیں کے درمیان تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ شعب کی تنگی سے وہ لوگ بہت زیادہ گھبرا گئے ہیں۔ تو آپ نے اپنا داہنا ہاتھ داہنے پہاڑ کی طرف اور بایاں بائیں پہاڑ کی طرف اوٹھایا اور فرمایا کہ اس قدر ہٹ جاؤ کہ یہ لوگ ایسے میدان میں جا پڑیں جس کا کنارہ نظر نہ آتا ہو (پس ہٹ گئے پہاڑ دونوں) پھر فرمایا کہ اے محمدؐ کے مددگارو؟ اور اونکی امانتوں کی حفاظت کرنے والو خدا نے جو درخت اور پھل اور پھول اور گھاس تم میں امانت رکھی ہیں اونکو نکالو؟ پس ایسے بڑے بڑے درخت اور خوبصورت پھول اور تر و تازہ سبزیاں نکل آئیں جن سے دلوں اور آنکھوں کو لطف حاصل ہوتا تھا اور رنج و غم و فکر دفع ہوتے تھے۔ اور وہ لوگ یہ جانتے تھے کہ ایسا میدان دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی کو نصیب نہیں ہے۔ جس میں عجیب و غریب درخت ہوں جنکی ڈالیاں پھلوں سے لدی ہوئی ہوں اور اوسمیں نہریں جاری ہوں اور روشیں سبزوں سے ہری بھری ہوں محمدؐ وہی شخص ہیں کہ جب اونکے پاس ابو جہل کا قاصد آیا اور آپکو دھمکی دی اور کہا کہ اے محمدؐ (صلے اللہ علیہ و آلہ) تمہارے باطل خیالوں ہی نے مکہ کو تم پر تنگ کر دیا (اوسمیں زندگی تمہاری دوبھر ہو گئی) اور تمہیں مدینہ کیطرف نکال پھینکا۔ اور یہ خیالات جب تک تمہارے ساتھ رہیں گے تم کو لوگوں سے نفرت دلاتے اور ایسی باتوں پر آمادہ کرتے رہیں گے جو تمہیں مٹا چھوڑیں اور اوس حد تک پہونچا دینگے کہ تم دوسروں کو خراب کرو اور اوس آگ میں پہونچاؤ جس میں تمہاری چال چلن نے خود تمہیں پہونچا دیا۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اسکی وجہ سے جن اذیتوں اور بلاؤں میں تم نے لوگوں کو مبتلا کر رکھا ہے اونکو دفع کرنے اور بدلا لینے کے لئے قریش ایک بڑا ہو کر ایک دن تم پر حملہ کر دینگے۔ اور تم کو اپنے ان بیوقوفوں کے ساتھ جو تمہارے فریب میں پڑے ہوئے ہیں اونکا مقابلہ کرنا پڑیگا۔ اور کفار؟ جو تمہارے دشمن ہیں اس وجہ سے تمہاری مدد کرنے پر مجبور ہوں گے تاکہ تمہارے ہلاک ہونے پر وہ بھی ہلاک نہ ہو جائیں

شعب ابی طالب میں رسول اللہ کا معجزہ

ابوجہل کی دھمکی اور حضرتؐ کا جواب

صحیح سابق میں؟ اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خطاب پروردگار ہوا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ) ان یہودیوں میں کچھ لوگ اُمّی (جاہل) ہیں۔ نہ کتاب پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔ لفظ اُمّی میں نسبت؟ اُمّ کی طرف دیگئی ہے۔ یعنی یہ ویسے ہی ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے کہ نہ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے۔ نہ تو آسمانی کتاب (توریت) کو پہچانتے تھے اور نہ اوس جھوٹی اور جعلی کتاب (توریت) کو (جس کو انکے عالموں نے خود لکھکر آسمانی توریت ظاہر کیا تھا) اور نہ ان دونوں میں فرق کرسکتے تھے۔ اونکی آرزو یہی تھی کہ وہ کتاب انکو پڑھکر سُنائی جائے اور انسے کہدیا جائے کہ خدا کی کتاب اور اوس کا کلام یہی ہے (جعلی) کتاب جب اونکو سُنائی جاتی تھی تو اوسکے خلاف (یعنی حق بات) کو سمجھ نہیں سکتے تھے پس اونکا دماغ اتنا ہی تھا کہ جب اونکے سردار (علماء)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) اور تمہارے مصیبت میں پھنسنے پر اونکے عیال مصیبت میں نہ پڑجائیں اور تمہارے اور تمہارے شیعوں کے محتاج ہوجانے پر وہ بھی محتاج نہ ہوجائیں مگر یہ کہ وہ اس بات کا اعتقاد کرلیں (اور تم سے جدا ہوجائیں) کہ قریش جب تم پر غالب آئینگے اور تمہارے ملک میں گھس پڑینگے تو تمہارے دوست اور دشمن میں فرق نہ کرینگے اور اونکو بھی تمہارے ساتھ ہی نیست ونابود کردینگے۔ اور جس طرح تمہارا مال لوٹیں گے اور تمہارے عیال کو قید کریں گے اسی طرح اونکے مال وعیال کو بھی جس نے (یعنی میں نے) ڈرایا اوس نے انصاف کیا۔ اور بات کو کھول دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ میں نے اس پیغام کو محمدؐ کے پاس مدینہ کے باہر اونکے کل ساتھیوں اور عام کفار یعنی یہودیوں کے سامنے پہونچادیا حضرت امام حسن عسکریؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ قاصدوں کا یہی دستور ہے کہ پیغام پہونچانے میں مبالغہ کریں تاکہ مومنوں کے دل دہل جائیں اور آس پاس کے کفار شوخ ہوکر حملہ کردیں پس حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے قاصد سے فرمایا کہ کیا تو اپنا کلام ختم کرچکا اور پورا پیغام کہہ چکا؟ اوس نے کہا ہاں۔ فرمایا اب جواب سُن؟ ابوجہل مصیبتوں اور ہلاکتوں کی مجھے دھمکی دیتا ہے اور میرے پروردگار نے میرے فتح وظفر کا مجھ سے وعدہ کیا ہے اور خدا کی خبر سچی ہے اور اوس کو قبول کرنا بالکل مناسب ہے جب کہ اپنے فضل وکرم سے خدا میرا ناصر ومددگار ہے تو کوئی بھی میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ ابوجہل سے کہنا کہ

حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کی نبوت اور اونکی آل پاک؟ حضرت علی علیہ السلام کی امامت
کو جھٹلاتے تھے تو وہ اس کا گمان کر لیا کرتے تھے۔ اور باوجودیکہ ان سرداروں کی باتوں کا ماننا
اون پر حرام تھا لیکن وہ مان لیا کرتے تھے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں
کہ کسی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جب یہ لوگ اپنے عالموں کی باتوں کے
سوا کتابِ خدا کو نہیں جانتے تھے؟ تو ان کا حال بھی تو ہمارے ہی جاہلوں کا سا تھا؟

(بقیہ حاشیہ ص۳۰۱) تو نے میرے پاس وہ پیغام بھیجا جو شیطان نے تیرے دل میں ڈال دیا
تھا۔ اور میں تیرے جواب میں وہ بات کہلا رہا ہوں جو میرے دل میں رحمن نے ڈالا ہے۔ اور
یہ جواب میرے اور تیرے درمیان اونتیس دن تک کافی ہے۔ اسکے اندر ہی خدا ایسے میرے
صحابہ کے ہاتھوں قتل کریگا اور تو اور عتبہ اور ولید اور فلاں و فلاں قریشی مقتول ہو کر بدر
کے کنوئیں میں ڈال دیئے جاؤگے۔ تم میں سے میں ستر آدمیوں کو قتل اور ستر کو قید کرونگا۔ اور
بڑی مقدار فدیہ لوں گا۔ پھر حضرتؐ نے مومنوں اور یہودیوں اور دوسروں سے جو
وہاں موجود تھے ارشاد فرمایا کہ اگر چاہتے ہو کہ قریش میں سے ہر ایک کے مارے جانے کی
جگہ تمہیں دکھادوں تو میرے ساتھ بدر کے میدان میں چلو جو مٹھ بھیڑ اور سروں کے
گرنے اور بلاءِ عظیم نازل ہونے کی جگہ ہے۔ ہر ایک کے قتل کی جگہ پر قدم رکھوں گا جس سے
بڑھے گا نہ گھٹیگا نہ بدلیگا نہ آگے ہوگا نہ پیچھے پس کسی نے اس کو آسان نہ سمجھا اور حضرت علی
علیہ السلام کے سوا کسی نے حضرتؐ کا جواب نہ دیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ہاں چاہتے ہیں بسم اللہ
تشریف لے چلیں۔ اور دوسروں نے کہا کہ ہم کو سواریوں اور زادِ راہ کی ضرورت ہے کیونکہ
میدان بدر تک کئی دن کی راہ ہے بغیر اسکے ہم لوگ پہونچ نہیں سکتے حضرتؐ نے یہودیوں
سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو جواب دیا کہ ہم لوگ اپنے گھروں میں رہنا چاہتے ہیں ایسی محال
بات کے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جس کا آپ دعوے کر رہے ہیں تو حضرتؐ نے فرمایا
کہ وہاں جانے میں تکلیف نہ ہوگی صرف ایک قدم اوٹھائیں گے اور خدا زمین کو سمیٹ کر
دوسرے قدم میں وہاں پہونچادے گا مومنوں نے کہا کہ حضرتؐ سچ ارشاد فرما رہے
ہیں۔ پس چاہیئے کہ ہم لوگ اس معجزہ کی زیارت سے مشرف ہوں اور کافروں اور منافقوں
نے کہا کہ چلو اس جھوٹ کا امتحان کریں تاکہ محمدؐ کا دعوائے رسالت قطع ہو جائے اور

میدان بدر میں معجزہ سے پہونچنا اور کفار کی قتل گاہ بتانا

ہمارے جاہل بھی تو اپنے عالموں کی باتوں کو مان لیا کرتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے
جاہل اور وہ ایک بات میں شریک ہیں اور ایک بات میں فرق رکھتے ہیں شریک اس میں ہیں
کہ اپنے علماء کی تقلید دونوں ہی کرتے اور اونکی باتوں کو مان لیتے ہیں اور فرق اسمیں
رکھتے ہیں کہ وہ اپنے علماء کے بارے میں جانتے تھے کہ صاف صاف جھوٹ بولتے ہیں
اور حرام مال اور رشوت کھاتے ہیں اور احکام خدا کو بدلتے ہیں۔ اور بے حد تعصب

(بقیہ حاشیہ صـ ۳۰۲) حجت قرار پائے اور یہ فضیحت ہو جائیں پس سب نے قدم اوٹھایا
اور دوسرے قدم میں اپنے کو بدر کے کنویں پر پایا اور تعجب کرنے لگے پس حضرتؐ نے فرمایا
کہ کنویں کو پہچان قرار دو اور یہاں سے اتنا ہاتھ ناپو۔ جب ناپ چکے تو فرمایا؟ یہاں پر
ابوجہل مارا جائیگا فلاں انصاری اوسے قتل کرے گا (اسی طرح حضرتؐ نے ناپ ناپ کر
ہر ایک کی قتل گاہ اور اوسکے باپ کا نام بتایا) پھر پوچھا کہ جو خبر میں نے دی تھی
کیا اوسکی صحت تمہیں معلوم ہو گئی سب نے کہا ہاں؟ فرمایا یہ بات صحیح ہے اور انیتسویں
دن ہو کر رہیگی۔ خدا کا وعدہ ٹل نہیں سکتا۔ پھر فرمایا اے مسلمانو اور یہودیو؟ جو کچھ تم نے
سُنا اوسے لکھ رکھو۔ سب نے کہا یا رسول اللہؐ ہم نے سُنا اور ذہن نشین کر لیا اب بھولینگے
فرمایا لکھ لینا یاد رہنے میں زیادہ دخل رکھتا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ دوات اور کتف (ہڈی
جس پر اوس زمانہ میں لکھتے تھے) کہاں ہے حضرتؐ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ایک ایک
ہڈی پر لکھکر ہر ایک کی آستین میں ڈال دیں پھر ان لوگوں سے فرمایا کہ اپنی آستینیں دیکھو۔
سب نے دیکھا اور پورا واقعہ جو ہڈیوں پر لکھا ہوا تھا اوسکو پڑھا۔ حضرتؐ نے فرمایا آستینوں
میں رکھ لو مومنوں کے لئے باعث شرف اور دشمنوں پر حجت ہو گا۔ پس جب بدر کا دن
آپہونچا تو کل باتیں بدون فرق واقع ہوئیں اور یہودیوں میں سے بعض نے بعض سے
اس واقعہ کو بیان کیا تو اوس نے کہا کہ تم نے کیا کیا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ
محمدؐ کی سچائی اور علیؑ کی امامت پر یہ دلیلیں جو تمہیں معلوم ہوئی ہیں کیا تم اونکو اون سے بیان
کرتے ہو تا کہ وہ تمہارے پروردگار کے پاس تم پر حجت تمام کریں کہ تم نے دیکھا اور سمجھا اور
ایمان نہ لائے اور نہ رسولؐ اللہ کی اطاعت کی ان سب نے اپنی جہالت سے یہ سمجھ لیا تھا
کہ اگر اس واقعہ کو بیان نہ کرینگے تو ان پر حجت تمام نہ ہو گی۔ خداوند عالم ارشاد

رکھتے (یعنی بے جا طرفداری کرتے) ہیں جسکی وجہ سے دین و مذہب سے نکل جاتے ہیں۔ اور جس سے تعصب رکھتے ہیں اوسکی حق تلفی اور اوس پر ظلم کرتے اور اوس کا مال اوس شخص کو دے دیتے ہیں جسکی طرفداری کرتے ہیں اور ناجائز کام کیا کرتے ہیں حالانکہ اپنی پیدائشی عقل و سمجھ سے یہ بھی جانتے ہیں کہ جو شخص ایسا کام کرے وہ فاسق (بدکار) ہے۔ اوسکی کوئی بات نہ تو خدا کے متعلق ماننی چاہیئے اور نہ اون لوگوں (انبیاء و اوصیاء) کے متعلق ؟ جو خدا اور اوس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں پس انکی مذمت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ اونھوں نے ایسے لوگوں کی تقلید کی (یعنی اونکی باتوں کو بے غور و فکر اور بے سمجھے مان لیا) جن کے بارے میں جانتے تھے کہ اونکی باتوں کو نہ ماننا چاہیئے۔ اور جس (خدا) کو وہ دیکھتے نہیں ہیں اوسکی طرف سے جو باتیں بیان کرتے ہیں اون پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ اور جب کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کی نبوت کی دلیلیں پوری طرح واضح اور روشن ہیں تو اونکی حقیت کے بارے میں اون جاہل یہودیوں کو خود ہی غور کرنا چاہیئے۔ اسی طرح اگر ہمارے جاہل اپنے علماء کے فسق اور تعصب شدید (ناحق طرفداری) اور مال دنیا اور اونکی حرام چیزوں پر جھک پڑنے کو جانتے ہوں۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۳) فرماتا ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ اے یہودیو ؟ کیا تم نہیں سمجھتے کہ محمدؐ کی نبوت پر یہ دلیلیں جو تمہیں معلوم ہو چکی ہیں تم پر حجت ہیں۔ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ وہ یہودی جو بیان کرنے سے تمہیں منع کرتے ہیں کیا وہ نہیں جانتے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ بے شبہہ خدا اونکی اُن باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو وہ چھپاتے ہیں۔ یعنی محمدؐ سے عداوت ؛ اور اون کو بھی جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں یعنی ایمان لانا۔ تاکہ اسکے ذریعہ سے محمدؐ کے بھیدوں پر آگاہ ہو کر اونکے دشمنوں سے کہیں اور محمدؐ اور اون کے اصحاب کو ہلاک کرنے میں مدد دیں۔ خدا نے محمدؐ کے لئے انتظام کر رکھا ہے۔ اور اون کو نبی بنانے سے جس امر کا ارادہ کیا ہے اوسکو پورا کرے گا۔ ان لوگوں کا نفاق اور مکر اون کو نقصان نہیں پہونچا سکتا [۱]

[۱] تفسیر برہان جلد ا صفحہ ۷۵۔ ۱۲ منہ

اسکو جانتے ہوں کہ وہ جس سے تعصب کرتے ہیں اوس کو ہلاک کرتے ہیں اگرچہ وہ ہمدردی کا مستحق ہو۔ اور جسکی طرفداری کرتے ہیں اوسکی عزت اور اوسکے ساتھ احسان اور بھلائی کرتے ہیں اگرچہ وہ تذلیل اور توہین کا مستحق ہو۔ اور باوجود اسکے اوسکی تقلید کریں؟ تو یہ بھی اونھیں یہودیوں کی طرح (قابل مذمت ہیں) جنکی خدا نے اپنے فاسق علماء کی تقلید کرنے کی وجہ سے مذمت کی ہے۔ لیکن ہمارے فقہا و (علماء دین) میں سے جو شخص (حرام میں مبتلا ہونے سے) بچتا اور اپنے دین کی حفاظت اور اپنی نفسانی خواہشوں کی مخالفت کرتا ہو۔ اور پروردگار عالم کا فرمانبردار ہو پس ہمارے جاہلوں پر لازم ہے کہ اوسکی تقلید کریں۔ اور ایسے عالم دنیا میں کم ہیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ائمہ ہدیٰ اور مصابیح الدجےٰ (تاریک رات کے چراغ) کے بعد بہترین خلق کون لوگ ہیں۔ فرمایا علماء اگر نیکوکار ہوں۔ عرض کیا کہ شیطان اور فرعون کے بعد اور اون لوگونکے بعد جنہوں نے آپ حضراتؑ کے ناموں (یعنی امیر المومنین۔ اور اوصیاء و خلفاء رسولؐ وغیرہ) سے اپنے آپ کو موسوم کرلیا ہے۔ اور آپ کے لقبوں کو اپنے لئے اختیار کرلیا ہے۔ اور آپکی رعایا پر حکومت کر رہے ہیں؟ بدترین خلقِ خدا کون لوگ ہیں۔ فرمایا علماء اگر بگڑ جائیں (یعنی بدکاری کریں)۔ یہی لوگ ہیں جو باطل باتوں کو رواج دیتے اور حق باتوں کو چھپاتے ہیں اور خداوند عالم نے انھیں کے حق میں فرمایا ہے یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ یعنی ان پر خدا لعنت کرتا ہے اور کل لعنت کرنے والے [۱]

(بطریق اہلسنت) اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ ابن عباس [۱]؟ خداوند عالم نے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ اور مومنوں کو؟ یہودیوں کے ایمان لانے سے ناامید کیا ہے۔ اور کلام خدا کے سُننے والے وہی ہیں جنہوں نے حضرت موسےٰؑ سے خدا کے دیدار کی خواہش کی تھی اور بجلی نے اونھیں لے ڈالا [۲] مجاہد؟ کتاب خدا کی تحریف کرنے والے۔ اور اپنے ہاتھوں لکھنے والے اونکے علماء تھے۔ اور کتابِ خدا کو پسِ پشت ڈالنے والے کل یہودی [۳] سُدّی؟ کلام خدا سے توریت مقصود ہے جسکی اونھوں نے تحریف کی۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا [۱] ابن عباس؟ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسولؐ پر ایمان لائے ہیں۔ اور جب تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم اپنی باتوں کو ان عربوں سے کہتے ہو۔ تم لوگ اسکے ذریعہ سے

[۱] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۷۶، ۱۲ منہ

اپنے اوپر راہ کھولتے ہو۔ وہ لوگ تمہارے پروردگار کے پاس ان باتوں سے تم پر حجت تمام کرینگے یعنی کہیں گے کہ حضرت کے رسول ہونے کا تم نے اقرار کیا تھا۔ حالانکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اونکی پیروی کا تم سے عہد و پیمان (وعدہ) لیا گیا ہے اور یہ وہی نبی ہیں جن کا انتظار تھا اور جن کی خبر ہم لوگ اپنی کتاب (توریت) میں پا رہے ہیں۔ تم لوگ اونکی نبوت سے انکار کرو۔ اور اقرار نہ کیا کرو۔ **اور** یہ آیت منافق یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور مَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ سے مَا اَكْرَمَكُمْ بِهٖ مقصود ہے؟ یعنی جس سے تمہیں عزت دی ہے ۲ مجاہد؟ یوم قریظہ (یعنی بنو قریظہ کے مقابلہ کے دن) حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ نے اون کے قلعہ کے نیچے کھڑے ہو کر اونکو بندروں اور سوروں کے بھائی اور شیطان پرست فرمایا؟ تو اونھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ محمدؐ کو اسکی خبر کس نے دی؟ تمہیں نے کہا ہوگا۔ کیا تم اون سے اُن باتوں کو کہتے ہو جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے؟ تا کہ وہ باتیں تمہیں حجت قرار پائیں ۳ ابن زید؟ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ میں ہمارے پاس مومن کے سوا کوئی دوسرا نہ آئے۔ تو یہودیوں کے سرداروں (علماء) نے کہا کہ تم لوگ اونکے پاس جاؤ تو کہو کہ ہم لوگ مومن ہیں اور جب پلٹو تو اپنے کفر پر باقی رہو۔ پس وہ صبح کو مدینہ میں آتے تھے اور شام کو واپس جاتے تھے جس کو خدا نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ یعنی یہودیوں میں سے ایک گروہ نے کہا کہ جو کتاب (قرآن) مومنوں پر نازل ہوئی ہے اوس پر صبح کے وقت ایمان لایا کرو اور شام کے وقت کفر اختیار کر لیا کرو۔ پس وہ جب مدینہ میں آتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم لوگ مسلمان ہیں؟ تا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ کی باتوں کا پتہ لگائیں۔ پس مسلمان سمجھتے تھے کہ وہ بھی مسلمان ہیں اور اون سے کہتے تھے کہ کیا توریت میں خدا نے فلاں فلاں بات نہیں کہی ہے؟ تو وہ اس کا اقرار کرتے تھے۔ پس جب وہ واپس جاتے تھے تو اونکے سردار اونکی ملامت کرتے تھے کہ اپنی باتیں اون سے کیوں کہتے ہو ۴ سُدّی؟ یہ آیت اون یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو ایمان لانے کے بعد منافق ہو گئے اور مسلمان عربوں سے اون عذابوں کو بیان کیا کرتے تھے جنمیں اونکے بزرگ مبتلا کئے گئے تھے تو دوسروں نے اون سے کہا کہ تم اون سے ان باتوں کو کہتے ہو تا کہ کل وہ تم سے

کہیں کہ ہم لوگ بہ نسبت تمہارے؟ خدا کے نزدیک پیارے اور صاحب عزت ہیں۔
۵ عکرمہ؟ ایک یہودن نے بدکاری کی پس یہودی حضرتؐ کے پاس اس کا حکم پوچھنے؟ اس غرض سے آئے تاکہ حضرتؐ اسکی اجازت دے دیں۔ پس حضرتؐ نے اونکے عالم ابن صوریا کو بلایا اور اوس سے فرمایا کہ اس بارے میں جو حکم ہو بیان کر اوس نے کہا کہ اس عورت کو گدھے پر الٹا سوار کرکے پھرائیں۔ فرمایا کہ کیا تو نے خدا ہی کے حکم کے مطابق حکم دیا ہے؟ اوس نے کہا نہیں۔ ہماری عورتیں نیک چلن کی تھیں پس ہمارے مردوں نے اونھیں خراب کر دیا اسلئے ہم لوگوں نے حکم بدل دیا ہے۔ اور کلام پروردگار اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ (تا آخر) اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوا۔
۶ قتادہ؟ یہودی جب مسلمانوں سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور اونکو راضی کرنے کے لئے اون سے فریب کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور جب آپس میں ملتے تھے تو ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ محمدؐ کی عزت اور نبوت کے بارے میں جو چیزیں ہماری کتاب (توریت) میں لکھی ہوئی ہیں مسلمانوں سے نہ کہا کرو۔ اگر ایسا کروگے تو تمہارے پروردگار کے پاس وہ انھیں باتوں سے تم پر حجت تمام کرینگے۔ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۱ قتادہ وعکرمہ؟ کیا یہودی نہیں جانتے کہ مسلمانوں سے ملنے کے وقت؟ وہ جو اپنا اسلام ظاہر کرتے ہیں اوسکو بھی خدا جانتا ہے اور محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ) کی نبوت سے انکار اور اونکو جھوٹلانے کو بھی؟ جسکی آپس میں ایک دوسرے کو پوشیدہ طور پر ہدایت کرتے ہیں حالانکہ محمدؐ کی نبوت اور عزت کو اپنی کتاب میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ (تا آخر)
ابن عباس؟ اُمّی وہ ہیں جنھوں نے نہ کسی رسول کی رسالت کو مانا نہ کسی آسمانی کتاب کو۔ بلکہ خود ہی کتاب لکھکر اپنے جاہلوں سے کہا کہ یہی کتاب خدا ہے۔ پس خدا کی کتاب اور رسولوں کو نہ ماننے کی وجہ سے اُمّی کہے گئے ۲ ابراہیم نخعی؟ اُمّی اوس کو کہتے ہیں جو اچھی طرح لکھ نہ سکتا ہو۔ ۳ ابن عباس؟ اُمّی اوس کو کہتے ہیں جو کتاب خدا کے مطالب نہ جانتا ہو۔ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ اور وہ گمان پر بھروسہ کرکے تمہاری نبوت سے انکار کرتے ہیں۔
۴ مجاہد؟ اُمّی وہ تھے جو کتاب (توریت) کے مطالب کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور

اپنے گمان کے مطابق کتاب خدا کے خلاف یہ باتیں کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ یہ باتیں جو تمہاری خواہش کی ہیں یہی کتاب خدا سے بیان کر رہا ہوں ہے۵ ابن عباس؟ امانی سے جھوٹی باتیں مقصود ہیں جن کو وہ کہا کرتے تھے ہے۶ مجاہد؟ امانی سے جھوٹی باتیں مقصود ہیں اور یظنون سے انکا جھوٹ بولنا[1]

چند فائدے

(پہلا فائدہ) معانی۔ بیان۔ بدیع (معانی) اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ (کیا تم اسکی لالچ رکھتے ہو کہ یہودی ایمان لائیں گے) اسمیں ہمزۂ استفہام منع کے لئے ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ ان سے ایمان لانے کی امید نہ رکھو؟ کیونکہ بھلائی رکھنے اور اثر قبول کرنے کی قابلیت اوسی چیز میں ہوتی ہے جو دو صفتوں میں سے ایک صفت رکھتا ہو؟ یا جسمانی نرمی یا روحانی پاکی۔ اور خداوند حکیم عالم الغیب نے اسکے قبل؟ پہاڑوں کی جسمانی نرمی کے ذکر میں اعلےٰ سے ادنیٰ کی طرف ترقی کی ہے۔

---

[1] تفسیر در منثور جلد ۱ ص ۸۱ و ۸۲۔ ۱۲ منہ

ع۵ (عیسائی) پادری عمادالدین نے اپنی کتاب ہدایت المسلمین ص۔ میں آیت کریمہ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ کا معنی یوں لکھا ہے؟ پتھروں میں بعض پتھر ہیں جن سے پانی کی نہریں نکلتی ہیں اور بعض وہ پتھر ہیں کہ ادنیں سے پانی نکلتا ہے۔ پھر اعتراض میں لکھا ہے کہ "واہ سبحان اللہ کیا عمدہ قرآن کی فصاحت و بلاغت ہے اور کیا کلام مدلل اور قادر ہے یہ تو نادانوں کی سی بات ہے کیونکہ دونوں شقوں کا ایک ہی مطلب ہے پھر دوسری شق لانے سے کیا فائدہ" پادری صاحب کو چونکہ روٹی کی فکر میں کچھ لکھنا ضرور تھا جسکے لئے اسلام کو چھوڑا تھا اسلئے آنکھیں بند کر کے چند سطریں لکھ ماریں۔ ورنہ آیت کا مطلب صاف ہے کیونکہ آیت کے پہلے حصہ میں نہر کا ذکر ہے جس میں پانی زیادہ ہوتا ہے۔ اور دوسرے حصہ میں مطلق پانی کا ذکر ہے جو چند قطروں کو بھی شامل ہے اور امام علیہ السّلام کی تفسیر میں آپ کو معلوم ہو گیا کہ دوسرے حصہ میں قطرہ قطرہ پانی نکلنا مقصود ہے لہذا ایک بات دہرائی نہیں گئی ہے اور اسکی مثال زبور ۲۷ آیت ۶ میں بھی موجود ہے "وہ بارش کی مانند جو کاٹی ہوئی

جس کا مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں کے دل زیادہ نرمی تو رکھتے ہی نہیں ہیں؟ تھوڑی بھی نہیں رکھتے۔ اسلئے ان سے؟ زیادہ بھلائی کی امید تو ہو ہی نہیں سکتی؟ تھوڑی کی امید بھی نہ رکھنی چاہیئے۔ اسکے بعد پہاڑوں کی روحانی پاکی کو ذکر کیا ہے کہ وہ خوفِ خدا سے ٹوٹ کر گر جاتے ہیں؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی روحانی پاکی بھی نہیں رکھتے۔

پس جب جسمانی نرمی اور روحانی پاکی سے محروم؟ اور سخت دلی اور خباثت نفسانی کے مالک ہیں؟ تو ایمان لانے کی احید نسے بے سود ہے۔ پھر انکی خباثت کی تاکید اس سے کی ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جسکو آسانی سے چھوڑ دینے کی امید کی جاسکے؟ بلکہ یہ انکی بہت قدیم (پرانی) صفت ہے۔ ان کے باپ دادا بھی یہی خباثت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ کلام خدا کو سُننے اور سمجھنے کے بعد جان بوجھکر تحریف کر دیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی اونھیں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں ۲ے اسی طرح اَوَلَا یَعۡلَمُوۡنَ (کیا وہ نہیں جانتے) میں بھی ہمزۂ استفہام انکاری ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں؟ اور پھر بھی منافقانہ چال چلتے ہیں ۳ے اور اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ (کیا تم اون سے بیان کرتے ہو) میں ہمزۂ استفہام؟ نہی یعنی منع کے معنی میں ہے یعنی بیان نہ کیا کرو ۴ے اور اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (کیا تم نہیں سمجھتے) میں ہمزۂ استفہام؟ ملامت کے لئے ہے۔ یعنی تم بے عقل ہو جو ایسا کام کرتے ہو ۵ے یَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ (کلامِ خدا سُنتے تھے پھر اوسکو سمجھ لینے کے بعد بدل دیتے تھے حالانکہ خود بھی جانتے تھے کہ کلامِ خدا

(بقیہ حاشیہ صـــ ۳۰۸) گھاس پر پڑے نازل ہوگا۔ اور پھوہی (پھوہار) کے منہ کی طرح جو زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اور زبور ۷۴ آیت ۱۳ و ۱۵ میں یوں ہے "تو نے اپنی قدرت سے دریا کو چیرا۔ تو نے چشموں کو اور سیلابوں کو چیرا۔ پس اگر اسی کا نام بے فائدہ تکرار ہے تو خود پادری صاحب کی پیٹ پالنے والی کتاب میں بھی ہے۔ بلکہ بے فائدہ اور معیوب تکرار کا اعتراض درحقیقت پادری صاحب کی مقبولہ کتاب یعنی زبور کی مندرجہ ذیل عبارت پر آتا ہے زبور ۷۸۔ آیت ۱۵ "اوس نے بیابان میں چٹانوں کو چیرا اور اونہیں سے اونکے پینے کو گویا گہرے دریاؤں کا پانی بخشا۔ اوس نے چٹان ہی میں سے سیلاب نکالے اور نہروں کا سا پانی بہایا۔ پس اگر اس مضمون میں تکرارِ معیوب ہونے سے انکار کیا جائے

بدلنے سے گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں) اس آیت میں اطناب ہے۔ کیونکہ اگر یہ آیت یوں
ہوتی قَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یُحَرِّفُوْنَ کَلَامَ اللّٰهِ (ان کا ایک گروہ کلام خدا کو بدل
دیا کرتا تھا) تو مطلب ادا ہو جاتا۔ باوجود اسکے یَسْمَعُوْنَ (سُنتے تھے) اس واسطے
بڑھایا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ چونکہ خود نہیں سُنا تھا اسلئے اوسکے کلام خدا ہونے کا اونکو
یقین نہ تھا۔ اور ایسی صورت میں بدلنا معیوب نہ تھا اور مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ (سمجھ لینے
کے بعد) اسلئے بڑھایا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ چونکہ مطلب اوس کا نہ سمجھا تھا اسلئے
بے فائدہ یا خلافِ عقل سمجھکر بدلا۔ اور هُمْ یَعْلَمُوْنَ (حالانکہ وہ اسکی بُرائی کو جانتے
تھے) اسلئے بڑھایا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ چونکہ تبدیل کا گناہ ہونا اونکو معلوم نہ تھا
اسلئے بدلا۔ خلاصہ یہ کہ یہ قیدیں یہودیوں کی بے انتہا بد ذاتی کو ظاہر کرنے
کے لئے ذکر کیا ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ تحریف (تبدیل) کی بُرائی کو وہ خود ہی
جانتے تھے اور دیدہ و دانستہ تحریف کی تھی۔ مَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ (جو چیز خدا
نے تم پر ظاہر کی) میں ایجاز جامع ہے یعنی مَا اسم موصول اون کل چیزوں کو شامل
ہے جن کو مختلف مفسروں نے بیان کیا ہے جو قبل اسکے ذکر کی گئیں۔ اور چونکہ اون
تفسیروں میں آپس میں ضدیت نہیں ہے اس لئے سب کا مرادِ پروردگار ہونا ممکن ہے
اور تحدثون اور عَلَیْکُمْ کی ضمیر کا جمع ہونا بتا رہا ہے کہ بیان کرنے والے متعدد
تھے۔ پس ہو سکتا ہے کہ ہر ایک نے جدا جدا باتیں کہی ہوں۔ جن پر اونکی قوم نے
ملامت کی ہو۔ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ (کتاب کو نہیں جانتے تھے
صرف اپنی اس آرزو کو جانتے تھے کہ کتاب پڑھکر سُنا دی جائے اور کہہ دیا جائے
کہ یہ مضامین کتاب خدا کے ہیں) اس میں استثناء منقطع ہے کیونکہ اونکی آرزو
مضامینِ کتاب خدا کی قسم سے نہ تھی۔ لِیُحَآجُّوْکُمْ بِهٖ (تاکہ وہ اسکے ذریعہ سے
تم پر حجت تمام کریں) لِیُحَآجُّوْا کا لام لامِ عاقبت کہلاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ
تم اپنی باتیں اون سے بیان کروگے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ اسی سے تم پر حجت تمام

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۹) اور دریا اور نہر اور سیلاب میں فرق نکالا جائے تو یہ مضمون
آیت قرآنی کا مثل ہوگا۔ ورنہ قابل اعتراض ۱۲ منہ

کرینگے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہودی اپنی باتیں اسی غرض سے بیان کرتے تھے تاکہ مسلمان اونکی باتوں سے اونکو معقول اور مغلوب کریں۔ اسی کا مثل شاعر کا کلام ہے فَلِلْمَوْتِ تَغْذُوْا لْوَالِدَاتُ سِخَالَهَا + وَلِخَرَابِ الدُّوْرِ تُبْنَى الْمَسَاكِنُ + یعنی مائیں جو بچوں کو پالتی ہیں اسکا انجام موت ہے۔ اور مکان جو بنائے جاتے ہیں اون کا انجام ویران ہو جانا ہے ۷ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ (اور وہ صرف گمان ہی کیا کرتے ہیں) اس میں قصر موصوف بر صفت ہے یعنی اس امر کو بیان کرنا مقصود ہے کہ یہودیوں کے خیالات گمان ہی کی حد میں رہتے ہیں۔ یقین حاصل نہیں کرتے **توضیح** اسکی یہ ہے کہ یہ جملہ جاہلوں سے تعلق رکھتا ہے اور امام علیہ السلام کی تفسیر میں نزدیک ہی گذر چکا کہ یہ گمان کرنے والے ایسے جاہل تھے کہ کتابِ خدا اور جعلی کتاب کے مضامین میں فرق نہیں سمجھتے تھے۔ اور اونکے علماء اونسے جو کچھ کہتے تھے اوسکو وہ مان لیا کرتے تھے۔ اور اونکے علماء کی باتیں باطل اور فاسد اور نبوت اور امامت کا انکار ہوا کرتی تھیں۔ اور میں تفسیر انوار القرآن کی تفسیر سورۂ الحمد ص ۱۹۷ تا ۲۱۲ میں تفصیل سے لکھ آیا ہوں کہ قرآن مجید میں کئی جگہ خداوند عالم نے ظن بمعنی گمان کو اعتقاد باطل میں استعمال کیا ہے اور یَقِیْنَ کو اعتقادِ صحیح میں۔ اور یہ عام طور سے جاہلوں کا دستور ہے کہ خاص کرکے مذہبی باتیں اپنے علماء سے سُن کر اون کا اعتقاد کر لیتے ہیں۔ اسلئے ممکن ہے کہ اس آیت میں بھی خداوند عالم نے ان جاہلوں کے باطل اور فاسد عقیدوں کو لفظ ظن سے تعبیر کیا ہو۔ جن کو انھوں نے اپنے علماء سے سُن کر اعتقاد کر لیا تھا۔ **پس** اس بنا پر اس جملہ کا معنی یہ ہوگا کہ ان کے عقائد جو کچھ بھی تھے سب ظن کی حد میں یعنی باطل تھے۔ صحیح اعتقاد سے ایک دم محروم تھے۔ اسی کو قصر موصوف بر صفت کہتے ہیں۔

(بیان) ۱؎ اِلَّا یَظُنُّوْنَ (باطل ہی اعتقاد رکھتے ہیں) مذکورہ بالا مضامین کی بنا پر لفظ ظن کا استعمال اعتقاد باطل میں مجاز ہوگا۔ کیونکہ اس کا حقیقی یعنی اصلی معنی گمان ہے جس میں خلاف کا احتمال ہوتا ہے ۲؎ اَفَتَطْمَعُوْنَ (کیا تم لوگ لالچ رکھتے ہو) اسمیں بھی لفظ طمع کا امید میں مجازاً استعمال کیا گیا ہے۔ اور لالچ اور امید میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے یعنی کبھی لالچ بغیر امید کے ہوتی ہے اور کبھی امید بغیر لالچ کے۔ اور کبھی دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

(بدایع) ۱ اَفَتَطمَعُونَ اَن یُّؤمِنُوا لَکُم سے ہُم یَعلَمُونَ تک (کیا تمہیں اسکی لالچ ہے کہ وہ تمہارے لئے ایمان لائیں گے) اس میں فن بدیع سے افتنان ہے یعنی کئی چیزیں اس آیت میں جمع کردی گئی ہیں ۱ اون کے ایمان لانے کے متعلق حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ اور مومنوں کی لالچ ۲ اس سے مایوسی کا اظہار ۳ علم اخلاق سے مومنوں کے باہمی حقوق ۴ یہودیوں کے بزرگوں کی تاریخ ۵ اونکی اور اونکے بزرگوں کی ملامت ۶ اون کا استحقاقِ سزا و عذاب۔ بیان اس کا یہ ہے کہ آرزو کے معمولی اور ابتدائی درجہ کو امید کہتے ہیں۔ اور اوس سے زیادہ کو لالچ جس کو عربی میں طمع کہتے ہیں۔ اور انتہائی درجہ کو حرص اور حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کو کفار کے ایمان لانے کی حرص یعنی بے حد آرزو تھی۔ چنانچہ خداوند عالم نے دو جگہ اس کو ظاہر فرمادیا ہے ایک سورہ نحل پ۱۴ آیت ۳۷ میں ارشاد فرماتا ہے اِن تَحرِص عَلٰی ھُدٰیھُم (اگر تم کو اونکی ہدایت پر حرص ہے) دوسرے سورۂ شعراء پ۱۹ آیت ۲ میں ارشاد فرماتا ہے لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفسَکَ اَلَّا یَکُونُوا مُؤمِنِینَ (کیا تم اون کے ایمان نہ لانے پر اپنے کو ہلاک کردوگے) اور چونکہ مومنوں کو حرص سے کم درجہ کی آرزو تھی اسلئے اونکے لئے تَطمَعُونَ یعنی بلفظ طمع (لالچ) تعبیر کیا ہے۔ اور چونکہ لالچ حرص کا ایک جزو اور اوس میں داخل ہے اور حرص رکھنے والا لالچ بھی رکھتا ہے اس لئے اَفَتَطمَعُونَ کے خطاب میں حضرت کو بھی داخل کرلیا ہے۔ اور چونکہ مومنین حرص نہیں رکھتے تھے اسلئے اَفَتَطمَعُونَ کی جگہ پر اونکے لئے اَفَتَحرِصُونَ لانا صحیح نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ اَفَتَطمَعُونَ سے کفار کے ایمان کے متعلق حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کی حرص اور مومنوں کی لالچ کو ظاہر فرمایا ہے۔ اور چونکہ بنی آدمؑ کفار اور مسلمین سب کے ساتھ حضرت سرورِ عالمؐ اور مومنوں کی شدت ہمدردی کو اور اس امر کو ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اونکی دلی خواہش تھی کہ کفار ایمان لاکر دنیا و آخرت کے خسران و نقصان سے بچیں اور مومنوں کے قوت بازو اور پشت پناہ بنیں اسلئے اَفَتَطمَعُونَ کی جگہ پر اَتَرجُونَ (کیا امید رکھتے ہو) کو باوجود مختصر اور دو حرف کم ہونے کے ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اس لفظ سے شدت ہمدردی اور دلی خواہش ظاہر نہ ہوتی۔ جو انسانی صفات میں سے بہترین صفات ہے۔ اور ہمزۂ استفہام لاکر یہودیوں کی خباثت اور اونکے ایمان سے مایوسی کو ظاہر فرمایا ہے۔ اور لَکُم سے علم اخلاق کو جو آگے بیان کیا جائیگا۔ اور قَد کَانَ

فَرِیْقٌ سے زمانۂ حضرت موسٰیؑ کے یہودیوں کی تاریخ اور اونکی اور اونکی اولاد کی سرکشی اور ملامت کو اور وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ سے اونکے مستحق عذاب ہونے کو؛ کیونکہ جان بوجھکر گناہ کرنا سزا کا سبب ہے ٣ لَقُوْا (ملاقات) اور خَلَا (تنہائی) میں اور یُسِرُّوْنَ (چھپاتے تھے) یُعْلِنُوْنَ (ظاہر کرتے تھے) میں صنعتِ تقابل ہے جسکو طباق و تضاد بھی کہتے ہیں۔

(دوسرا فائدہ) علم اخلاق

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ (کیا تم لالچ رکھتے ہو کہ وہ تمہارے لئے ایمان لائیں) اس آیت میں یؤمنوا پر کلام ختم ہو جاتا ہے باوجود اسکے لَکُمْ (تمہارے لئے) کو جس کا لام انتفاع (فائدہ اوٹھانے) کے لئے ہے؛ بڑھانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں کے باہمی تعلقات کو ظاہر فرمانا چاہتا ہے جسکو دوسری جگہ یوں فرمایا ہے کہ اَلْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (سورہ حجرات پ ٢٦) یعنی مومن آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اور حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلْمُؤْمِنُ اَخُ الْمُؤْمِنِ یعنی مومن؛ مومن کا بھائی ہے۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا یعنی مومن؛ مومن کے لئے عمارت کی اینٹوں کی طرح ہے کہ (عمارت کے تیار ہونے اور باقی رہنے میں آپس میں مل کر) ایک دوسرے کو مدد دیتا ہے۔

اس حدیث شریف میں ایک بہت نفیس اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ اسلام بمنزلہ عمارت کے ہے اور مومنین بمنزلہ اینٹ کے جو قلعۂ اسلام کی تیاری اور مضبوطی اور بقاء میں ایک دوسرے کو مدد دیتے ہیں پس اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومنوں کو مذہب اسلام سے بہت محبت تھی اور چاہتے تھے کہ کفار ایمان لائیں تاکہ اسلام کی جڑ مضبوط ہو اور قوت و شوکت اوس کی بڑھے۔ اور اسلام کے بقاء اور قوت اور شوکت میں مسلمانوں کے وجود اور بقاء کو اس قدر دخل ہے کہ باوجودیکہ شبہہ کی چیزوں سے کنارے اور بچتے رہنے کا حکم ہے اور معصوم فرماتے ہیں کہ مَنِ اجْتَنَبَ عَنِ الشُّبُهَاتِ نَجٰى مِنَ الْهَلَكَاتِ یعنی جو شخص شبہہ کی چیزوں سے بچتا رہے وہ ہلاکتوں سے بچ جائے گا۔ لیکن کفر اور ارتداد کے مسئلہ میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْحُدُوْدَ تُدْرَءُ بِالشُّبُهَاتِ یعنی اگر کسی کے کفر میں شبہہ ہو تو اوس کو کافر نہ سمجھو؛ اوس سے کنارہ کشی نہ کرو؛ (دسکو قتل نہ کرو حالانکہ

مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں

اس احتمال کی بنا پر کہ اوس نے واقع میں کفر اختیار کیا ہو نجس ہے اور شبہہ محصورہ میں نجس سے بچنا لازم ہے۔ پھر ارشاد فرمایا اَلْمُؤْمِنُ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَۃِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ یعنی مومن کو مومن سے وہی نسبت ہے جو سر کو بدن سے ہے۔ یعنی جس طرح پورے بدن میں کل اعضاء سے زیادہ سر سے فائدہ پہونچتا ہے۔ اور سر پورے بدن کے بقاء اور حیات کا ذریعہ ہے اوسی طرح مومن مومن کے فائدہ اور بقاء اور حیات کا۔ پھر آپس کے برتاؤ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر مومن کے دوسرے مومن پر سات حق واجب ہیں ۱ اوس کا احترام کرے ۲ اوس سے دل سے محبت کرے ۳ اپنے مال سے اوس پر بھلائی کرے ۴ اوسکی بدگوئی حرام سمجھے ۵ بیمار ہوجائے تو اوسکو دیکھنے جائے ۶ مرجائے تو اوسکے جنازہ میں شریک ہو ۷ اوسکے مرجانے کے بعد اوسکی بھلائیوں کے سوا برائیوں کو ذکر نہ کرے۔ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ تو یوں ارشاد فرمارہے ہیں۔ لیکن ان ساتوں حقوق کے متعلق ہم شیعوں کا دریا اولٹا بہہ رہا ہے جو ہماری ذلت اور نکبت کا بہت بڑا سبب بنا ہوا ہے ۱ احترام کے بدلے ذلیل سمجھتے ہیں ۲ محبت کے بدلے نفرت اور حسد و بغض رکھتے اور آپس میں لڑوانے کے اودھیڑبن میں جان کھپاتے ہیں۔ اگر بدنصیبی سے فقیر ہے اور کوئی حاجت لے کر آیا ہے تو ہمارے نزدیک اوس سے بڑھکر بدتر اور وبالِ جان کوئی نہیں۔ گویا ہماری موت کا پیام لایا ہے ۳ مال سے بھلائی کرنے کے بدلے اوسکو نوکر رکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ دشمنوں کو ترجیح دیتے۔ اونکی چوری۔ ڈکیتی کو رضامندی اور خوشنودی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور مومنوں کی معمولی خیانت ہماری آنکھوں میں اس طرح چبھ جاتی ہے کہ اونکی ذاتی بھلائیوں اور ہمارے ساتھ ہمدردیوں اور ہوا خواہیوں کو دیکھنے سے بھی ہمیں اندھا کردیتی ہے۔ غیر مومن غیر ہونے کی وجہ سے ہمیں پھٹکنے نہیں دیتے۔ اور اپنے غیر پرست ہونے کی وجہ سے۔ لہٰذا جو حشر ہمارا ہونا چاہیے یعنی فلاکت اور محتاجی

ع۔ جیسے دو ظرف میں پانی ہو جن میں سے ایک یقیناً نجس ہو لیکن وہ معین نہ ہو تو حکم دیا گیا ہے کہ دونوں کو چھوڑو اور تیمم کرو لیکن اگر دو آدمیوں میں سے ایک یقیناً کافر ہو لیکن معین نہ ہو تو دونوں میں سے کوئی بھی قتل نہ کیا جائیگا کیونکہ ہر ایک کا کفر مشکوک ہے ۱۲ منہ

اوس میں ہم مبتلا ہیں۔ اور ہمارے غیر پرست بھائیوں کا جو حشر ہونا چاہیے یعنی ان کا غیروں کے ہاتھوں تباہ و برباد اور غیروں کا مالدار ہو جانا اوس میں وہ مبتلا ہیں۔ اور اسکے بعد بھی نہیں چیتتے ۴ بدگوئی چھوڑنے کے بدلے یہی بدگوئی ہمارے جلسوں کی زینت قرار پائی ہوئی ہے ۵و۶ بیماریوں میں عیادت اور جنازوں کی مشایعت کو صرف مالداروں اور اون لوگوں کے ساتھ خاص کر رکھا ہے جن سے کوئی غرض اٹکی ہوئی ہے ۷ مُردوں کے ذکر بد سے بھی ہم کو کوئی پرہیز نہیں ہے۔ اللہ ہماری قوم کا بیڑا پار کرے۔ بحق محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہم۔ خلاصہ یہ کہ انکے علاوہ کو بڑھا کر اونھیں فائدوں کو ظاہر کرنا چاہا ہے جو مومن سے مومن کو پہونچتے ہیں؟ جن کو ہم لوگ برباد کر رہے ہیں۔

(تیسرا فائدہ) فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ اس آیت سے خداوند عالم نے چھ چیزوں کو ظاہر کرنا چاہا ہے ۱ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کی نبوت کی صحت کو؟ کیونکہ حضرتؐ نے بغیر پڑھے ہوئے اون کے بزرگوں کی حالتوں سے خبر دی۔ جو بغیر وحی کے نہیں ہو سکتی۔ اور اس سے فائدہ اوٹھانے میں اہل کتاب اور مشرکین عرب دونوں شریک ہیں۔ اہل کتاب؟ اس وجہ سے کہ وہ ان حالتوں کو جانتے تھے۔ پس حضرتؐ کے خبر دینے کے بعد وہ سمجھ گئے کہ یہ خبر بغیر وحی کے نہیں ہو سکتی اور مشرک؟ اس وجہ سے کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اہل کتاب اس خبر کی تصدیق کر رہے ہیں۔ (اس لئے یہ آیت حضرتؐ کی نبوت کو دونوں ہی پر ثابت کر رہی ہے) ۲ خداوند عالم کا اونکو اپنی لگاتار نعمتوں سے سرفراز کرنا ۳ اون کا ہمیشہ سرکشی اور بدذاتی کرتے رہنا؟ جس سے مقصود یہ ہے کہ جب ان کا یہ رنگ ہمیشہ ہی ایسا رہا تو اب جو محمدؐ کے ساتھ بے عنوانیاں کر رہے ہیں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ۴ زمانۂ حضرت سرورِ عالم صلعم کے یہودیوں کو عذاب سے ڈرانا ۵ مشرکوں کو اوسی طرح کے عذاب سے ڈرانا جو بنو اسرائیل پر نازل کیا گیا تھا ۶ مشرکین عرب؟ جن کو اس کا اقرار تھا کہ خدا نے دنیا کو عدم (نیستی) سے پیدا کیا؟ اون پر یہ ثابت کرنا کہ جس طرح پہلے اوس نے عدم سے پیدا کیا اوسی طرح قیامت کے دن؟ سڑنے گلنے کے بعد پھر پیدا کرے گا۔ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى سے اسی کو مراد لیا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں

چھ چیزوں کی طرف اشارہ

ص انکے علاوہ فائدوں کو بڑھا کر اونکو ان کے

کہ چھٹاں نمبر مذکورہ بالا آیت سے بے تعلق ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ حضرت سرور عالم کفار کی ہدایت پر بہت حریص تھے اور اونکی سرکشی اور بد ایمانی سے بہت دل تنگ اور غمگین ہوتے تھے۔ پس اس قصہ سے خداوند عالم نے اونکو دلاسا دینا چاہا۔

(چوتھا فائدہ) رازی لکھتے ہیں کہ زمانۂ سرور عالم کے یہودیوں کے ایمان لانے سے ناامیدی کے تین سبب بیان کئے گئے ہیں ۱ باوجودیکہ حضرت موسےٰؑ کی بدولت غلامی فرعون کی ذلت سے انھوں نے نجات پائی۔ اور بہت سی نعمتوں میں دوسروں پر انکو فضیلت دی گئی پھر اونکے معجزات بھی بہت کچھ دیکھے؟ جب اون پر ایمان نہ لائے تو حضرت سرور عالم پر ایمان لانیکی امید کیونکر ہو سکتی تھی ۲ ان میں سے بہتیروں نے حق کو سمجھنے کے بعد نہ مانا اور اوسکو بدل ڈالا تو دوسروں سے ایمان لانے کی امید کیونکر ہو سکتی تھی ۳ ان کے بزرگوں میں سے ایک گروہ نے کلام خدا سُنا اور سمجھا کہ حق ہے اور پھر بھی (خدا و دین خدا و نبی خدا سے) دشمنی کی تو اس زمانہ کے یہودیوں سے اسکی امید کیونکر ہو سکتی تھی کہ غور و فکر کرکے ایمان لائیں گے۔

(پانچواں فائدہ) اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ (تمہارے لیئے ایمان لائیں) رازی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ایمان تو خدا کے لئے ہوتا ہے (بندوں کے لیئے نہیں ہوتا) تو پھر یہاں پر لَکُمْ (تمہارے لئے) فرمانے سے کیا فائدہ مقصود ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ؟ ایمان تو خدا کے لئے ہوگا۔ اور مومنوں کے لیئے اوس (ایمان) کا اقرار جس کا اونکو حکم دیا گیا اور دعوت دیگئی تھی۔ حضرت لوطؑ نے؟ جب حضرت ابراہیمؑ کی نبوت کا اقرار اور تصدیق کی تو خدا نے فرمایا فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ (پس اونکے لیئے لوط ایمان لائے) (عنکبوت پ۲۰ آیت ۲۶)

اور ہو سکتا ہے کہ یہ لام سببیت کا ہو اور معنی اس کا یہ ہو کہ امید نہ رکھو کہ اونکی ہدایت اور ترغیب و تحریص میں تمہاری بہت زیادہ کوشش کی وجہ سے وہ ایمان لائیں گے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ لَکُمْ بڑھانے سے وہ مطلب بھی مراد ہو سکتا ہے جس کو میں دوسرے فائدہ میں ذکر کر آیا ہوں۔ بلکہ وہ بہتر ہے۔

(چھٹاں فائدہ) رازی لکھتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ فریق سے کون لوگ مقصود ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اہل میقات مقصود ہیں جو حضرت موسےٰؑ کے ساتھ گئے تھے اور کلام خدا سنا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ زمانہ حضرت سرور عالم کے یہودی مقصود ہیں اور (آیت کے معنی سے) یہی زیادہ نزدیک ہے۔

زمانۂ اسلام کے یہودیوں کے ایمان لانے سے ناامیدی کیوں تھی

ایمان خدا کے لئے ہوتا ہے مومنوں کے لئے۔ لَکُمْ فرمانے کا فائدہ

فریق سے کون لوگ مقصود ہیں

(ساتواں فائدہ) یُحَرِّفُوْنَہٗ (کلام خدا کو بدلتے تھے) **رازی** لکھتے ہیں کہ **قفال** مروزی نے کہا ہے کہ تحریف کا معنی تغییر اور تبدیل یعنی کسی چیز کو اوسکی اوس حالت سے پھیر دینا ہے جس پر اوسکو رہنا چاہیے تھا (جیسے قرآن مقدس کا نزولی ترتیب پر باقی رہنا جس سے پھیر دیا گیا۔ اور آیات فضائل اہلبیت و مذمت دشمنان اہلبیت کا اوس میں باقی رہنا جن کو نکال دیا گیا) اور **قاضی** (ابوبکر باقلانی) نے کہا ہے کہ تحریف کی دو قسمیں ہیں (۱) لفظی یعنی کتاب خدا کے الفاظ میں کمی یا زیادتی کرنی (۲) معنوی یعنی کلام خدا کو اپنی حالت پر باقی رکھکر اوس کا وہ معنی بیان کرنا جو مرادِ خدا نہیں ہے۔ اور اگر ممکن ہو تو بہتر یہ ہے کہ جملہ یحرفونہ سے لفظی تحریف مراد لی جائے کیونکہ ابن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے کہ اون لوگوں نے بڑھایا بھی تھا اور گھٹایا بھی۔ اور اگر ممکن نہ ہو تو تحریف معنوی مراد لی جائے۔ اور عدم[ع] امکان اوس وقت حاصل ہوتا ہے جب کلامِ خدا

ع (اہل سنت) میں عرض کرتا ہوں کہ کلام خدا کا لفظی تواتر تحریف کرنے والوں کے ہاتھوں اور اختیارات کو روک نہیں سکتا۔ اور گناہ کرنے والوں کو مجبور کرکے گناہوں سے روکنا خداوند عادل کے لئے عیب اور ناجائز ہے۔ ہاں لفظی تواتر کا فائدہ یہ ہے کہ تحریف کا پتہ مل جائے۔ جس طرح قرآن مجید میں لفظی تحریف آیتوں کی کمی اور حروف کی زیادتی اور بعض الفاظ کی تبدیل اور نزولی ترتیب بگاڑ کر کی گئی۔ اور چھپ سکی اور مصنفین صحاح ستہ ہی نے روز روشن کی طرح کھول دیا (دیکھو انوار القرآن جلد اول صفحہ ۵۷ تا ۵۸۲) اور معنوی تحریف جھوٹی حدیثیں بنا کر کی گئی جن کی مدد سے مرادِ خدا کے خلاف آیتوں کے معانی بیان کئے جاتے ہیں جس طرح شجرہ ملعونہ کا معنی بخاری صاحب نے بنوامیہ کی جگہ پر اونکی خوشامد اور اہلبیتؑ کی عداوت میں زَقُّوْم (تھوہر سیہنڈ) کا درخت لکھا ہے۔ لیکن خود انھیں کے جلیل القدر علماء بول اوٹھے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے اور شجرہ ملعونہ سے بنوامیہ مقصود ہیں۔ **قاضی صاحب** نے قرآن کے لفظی تواتر کو مثال میں ذکر کر کے اوسکی لفظی تحریف کو چھپانا چاہا ہے **لیکن** جس طرح قرآن کے الفاظ تواتر کی حد تک پہونچے ہوئے ہیں اوسی طرح تحریف کی حدیثیں بھی۔ خاک ڈالنے سے آفتاب چھپ نہیں سکتا۔ ہاں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنے کی ہے کہ جو کچھ تحریف ہوئی ہے وہ صرف آیاتِ فضائل

اپنے ظہور میں تواتر کی حد تک پہونچگیا ہو (یعنی الفاظ اسطرح مشہور ہو گئے ہوں جنمیں کمی و
زیادتی کرنی چھپ نہ سکے) جس طرح قرآن ظاہر ہے۔ لیکن ایسے ظہور کے قبل ؟ تحریف ممکن
ہے۔ لیکن دیکھنا چاہئے کہ یہ تحریف ؟ حجتِ خدا کے باقی رہنے میں خلل پیدا کرتی ہے یا
نہیں۔ اگر پیدا کرتی ہے تو ضرور ہے کہ خدا اونکو تحریف سے روک دے ؟ اور اگر خلل
نہیں پڑتا (تو روکنا لازم نہیں ہے) اور وہ تحریف کرسکتے ہیں (ہم حاشیہ میں لکھ چکا کہ
خدا کسی کو مجبور نہیں کرتا اور حجت تمام کرنے پر قادر ہے جس طرح آیات فضائل و مذمت نکالنے
کے بعد بھی دونوں باتونکو روشن کر چھوڑا) رازی صاحب تحریف کرنے والوں کی تعیین
میں لکھتے ہیں کہ اگر ہم کہیں کہ تحریف کرنے والے ؟ حضرت موسٰیؑ کے زمانہ کے یہودی تھے ؟ تو
کہنا چاہئے کہ ان لوگوں نے توریت کی اون آیتوں کی تحریف نہیں کی جو حضرت سرورِ عالم
صلے اللہ علیہ وآلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ بلکہ خدا کے اوس کلام میں تحریف کی جسکو کوہ طور پر
سُنا تھا ؟ اور آگر اپنی قوم سے کہا کہ حکم ہوا ہے کہ اگر ان حکموں پر عمل کرسکو تو کرو۔
اور اگر نہ کرسکو تو چھوڑ دو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر حضرت سرور عالم کے زمانہ کے
یہودی مقصود ہیں۔ تو کہنا چاہئے کہ ان لوگوں نے (توریت) کی اون آیتوں میں تحریف
کی جو حضرتؐ کی نبوت اور صفتوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ یا حکموں سے تعلق رکھتی تھیں جس طرح
(قرآن میں) آیت رجمؑ میں تحریف کی گئی (یہ آیت نکال دی گئی ۱ه) (تنبیہ زمانہ حضرت

(بقیہ حاشیہ صـ۳۱۷) اہلبیتؑ و مذمتِ دشمنان اہلبیتؑ ہیں ؟ اسلامی احکام کی کل آیتیں اپنی
حالتوں پر باقی ہیں ہاں کچھ آیتوں کے معانی میں جو غلط بیانیاں حدیثوں میں کی گئی ہیں ؟ وہ حدیثیں
صرف مذہب اہلسنت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہم شیعوں سے انکو کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہماری حدیثیں
مرادِ خدا کے مطابق ہیں کیونکہ وہ اونکی فرمودہ ہیں جنکے گھر میں قرآن اور علم قرآن اوتار اگیا اور حضرت
سرورِ عالم سے اون تک سینہ بسینہ پہونچا۔ اور باوجودیکہ فضائل اور مذمتوں کے چھپانے میں جان توڑ
کوششیں کی گیئں کتابِ خدا میں تصرف کیا گیا۔ حدیثیں بنائی گیئں۔ مکتب خانوں میں بچوں کو پڑھائی تحریریں
ذکرِ فضائل اہلبیتؑ سے لوگ روکے گئے۔ اونکی جائدادیں چھینی گیئں۔ حدیث بنانے والے مالا مال کردیئے
گئے۔ لیکن آج دنیا پر دونوں ہی آفتاب کی طرح روشن ہیں وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُورِہٖ ۱۲ منہ
ع سنگسار کرنا۔ پتھر مارنا ۱۲ منہ ۱ه ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ۴ کتاب المحاربین باب

سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے اکثر یہودی ؟ چونکہ اپنے تحریف
کرنے والے بزرگوں کی اندھی تقلید کرتے اور خباثت اور شقاوت میں اونھیں کے قدم بقدم
تھے اسلئے ان کے ایمان لانے سے مایوسی ظاہر کی گئی اور انکے بزرگوں کے فعلِ تحریف کا تذکرہ
اسلئے کیا گیا تاکہ ان کا ؟ اونکے قدم بقدم ہونا ظاہر ہو جائے)

(آٹھواں فائدہ) علم کلام - رازی لکھتے ہیں کہ قاضی (ابو بکر باقلانی) نے
کہا ہے کہ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ (کیا تم اون سے ایمان لانے کی آرزو رکھتے ہو)
بتا رہا ہے کہ ایمان لانا اونھیں کے اختیار میں تھا - اگر (بندوں میں ایمان) خود خدا پیدا
کرتا ؟ تو تحریف کرنے والوں کی خباثت ؟ اونکے ایمان لانے کی امید کو نہ بدلتی - اور اس کلام
کو حضرت سرور عالم اور مومنوں کی تسلی کے لئے بیان کرنا صحیح نہ ہوتا - کیونکہ اس کلام کی بنا پر
اونکا ایمان لانا خدا ہی کے (اونمیں ایمان) پیدا کرنے پر موقوف تھا - اور نہ لانا اوسکے
پیدا نہ کرنے پر - اسکی دوسری تقریر یہ ہے کہ خدا نے اونکی تحریف کی زیادتیِ بُرائی کو
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ سے ظاہر کیا ہے جس کا مطلب ؟ جان کر تحریف کرنی ہے - پس اگر یہ گناہ
خدا ہی کی طرف سے ہوتا تو اونکا جانتا اور نہ جاننا اسکی بُرائی میں کمی یا زیادتی پیدا نہ کرتا -
اور تحریف کو مذمت کے مقام میں اونکی طرف نسبت دیکر بیان کرنا ؟ بتا رہا ہے کہ یہ فعل خود
اونھیں کا تھا خدا کا نہ تھا - رازی صاحب اسکے جواب سے عاجز ہو کر لکھتے ہیں کہ اس طرح
کا کلام کئی مرتبہ گذر چکا ہے اسلئے میں اب نہ دہراؤں گا -

(نواں فائدہ) رازی لکھتے ہیں کہ بِمَا عِنْدَ اللّٰهِ کا معنی بعض نے فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ
کہا ہے - یعنی منافق یہودیوں نے اپنی قوم سے کہا کہ مسلمان تم پر حجت تمام کرینگے اور تم سے
کہیں گے کہ تمہاری کتاب (توریت) میں حضرت رسول اللہ کے متعلق یوں ہے - اور
حسن بصری نے فِیْ رَبِّکُمْ کہا ہے کیونکہ رسولؐ کی پیروی کے بارے میں گفتگو ؟ جو
دینِ خدا میں گفتگو ہے - خدا کے بارے میں گفتگو کرنے کی جگہ پر ہے - اور اَصَمّ نے کہا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۸) رجم حبلے من الزنا ص ۱۲ وسنن ابو داؤد - و ترمذی و ابن ماجہ
وکنز العمال جلد اول واحق تفسیر نمبر حدیث ۱۵۷۴ - صاحب ترمذی لکھتے ہیں کہ آیت رجم نکال
دینے کے متعلق جو حدیث ہے وہ صحیح ہے ۱۲ منہ

کہ سوال کا وقت مقصود ہے جو قیامت میں کیا جائیگا۔ اور قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا ہے کہ
مقصود یہ ہے کہ مسلمان کہیں گے کہ خدا کے نزدیک تم پر حجت تمام ہوگئی اگر قبول کروگے اپنے حق
میں بھلائی کروگے اور اگر نہ مانوگے نقصان اوٹھاؤگے۔
اور قفال مروزی نے ہ حکم خدا کے مطابق کہا ہے۔ یعنی مسلمان کہیں گے کہ تم حکم خدا
کے مطابق مغلوب گئے ۲ے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تم سمجھتے نہیں ہو)
حسن بصری نے کہا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور خطاب مومنوں سے ہے اور مقصود
یہ ہے کہ کیا تم نہیں سمجھتے کہ یہودیوں میں ایمان لانیکی قابلیت نہیں ہے اور ایک کلام یہ ہے
کہ یہ منع کرنے والے یہودیوں کا کلام ہے جو اونھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ کیا
تم نہیں سمجھتے کہ مسلمان اس سے تم پر حجت تمام کرینگے ۳ے اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ (کیا وہ نہیں جانتے)
اکثر مفسروں نے کہا ہے کہ یہودی جانتے تھے کہ خدا پوشیدہ اور ظاہر کل باتوں کو
جانتا ہے اور خدا نے اس جملہ سے اونکو ڈرایا ہے (کہ جب تم جان کر ایسا کرتے ہو تو سزا پاؤگے)
اور بعض نے کہا ہے کہ وہ نہیں جانتے تھے اسلیئے خدا نے اونکو رغبت دلائی ہے کہ سمجھیں
کہ خدا عالم الغیب ہے۔ اور نفاق کی وجہ سے عذاب نازل ہونے سے اونکو مطمئن نہ رہنا چاہیئے
قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا ہے کہ یہ آیت چند چیزوں کو بتا رہی ہے ۱ے بندوں کے
افعال کا خالق ہ اگر خدا ہوتا تو یہودیوں کی ان باتوں اور فعلوں پر اونکی ملامت صحیح
ہوتی ۲ے مخالف کی مانی ہوئی چیز سے حجت اور ثبوت لانا صحیح ہے اور صحابہ اور مومنین کا
طریقہ بھی یہی تھا اور یہودی بھی اسکو جانتے تھے ۳ے یہ کہ دلیل کبھی الزامی ہوتی ہے
کیونکہ یہودی جب توریت کو مانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اوس میں حضرت سرور
عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کی نبوت کا ذکر ہے تو اون پر لازم تھا کہ حضرتؐ کی نبوت کا اقرار
کرتے ۴ے یہ کہ گناہ کو گناہ سمجھکر کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

عہ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ (بعض اونمیں سے جاہل ہیں) رازی لکھتے ہیں کہ خداوند عالم نے یہودیوں کے
چار فرقے بیان کیئے ہیں۔ پہلا گمراہ اور گمراہ کن جو کلام خدا کی تحریف کیا کرتا تھا۔
دوسرا منافق تیسرا جو منافقوں سے جھگڑتا تھا۔ چوتھا وہ جاہل جسکو امی کہا
گیا ہے۔ اور ایمان قبول نہ کرنے کا سبب ہر ایک کے لیئے جدا جدا تھا۔ رازی صاحب
اسکے بعد لکھتے ہیں کہ جو شخص اس آیت کی شرح میں غور کرے گا اوس کو معلوم ہوجائیگا کہ

بدون فرق یہی چاروں فرقے ؟ اس امت (مسلمانوں) میں بھی موجود ہیں۔ پہلا فرقہ وہ ہے جو مذہب حق سے دشمنی رکھتا اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوششیں کرتا ہے (جیسے خود) دوسرا فرقہ وہ ہے جسکی درمیانی حالت ہے۔ تیسرا فرقہ جاہلوں کا ہے جو مذہب برحق کے دشمنوں اور گمراہ کرنے والوں کی تقلید کرتے ہیں لہ (میں عرض کرتا ہوں کہ رازی صاحب نے ایک فرقہ کو جان بوجھکر چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ وہی فرقہ ہے جسکی تفصیل انوار القرآن جلد ا صـ۱۸۳ و ۱۸۹ میں کی گئی ہے جس میں کی ایک ممتاز ہستی کو اس امر کے سمجھنے کی بے چینی تھی کہ منافقوں کی فہرست میں اوس کا نام ہے یا نہیں۔ آخر میں خود ہی کہہ دیا باللہ یا حذیفۃ انا من المنافقین اے حذیفہ قسم خدا کی میں منافق ہوں۔ رہ گیا یہ کہ یہ فرقے کن لوگوں میں ہیں؟ تو اسکی موٹی پہچانیں دو ہیں ایک[۱] یہ کہ دیکھ لو کہ اقرار نفاق کرنے والے کس کے پیشوا ہیں۔ دوسرے[۲] دیکھ لو کہ اپنے پیشواؤں کی برائیوں اور اہلبیتِ رسول صلے اللہ علیہم اجمعین کی اچھائیوں کا اقرار کرنے کے بعد بھی اہلبیتؑ سے کنارہ کش اور بروں کو ماننے والے اور اونکی اندھی تقلید کرنے والے کون ہیں)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(الفاظ کے معانی) فَ ـ پس + وَيْلٌ ـ عذاب ـ جہنم + لِ ـ واسطے + الَّذِيْنَ ـ اون لوگوں + يَكْتُبُوْنَ ـ لکھتے ہیں + الْكِتٰبَ ـ کتاب + بِ ـ سے + اَيْدِيْ ـ ہاتھوں + هِمْ ـ اپنے + ثُمَّ ـ پھر ـ بعد + يَقُوْلُوْنَ ـ وہ کہتے ہیں + هٰذَا ـ یہ + مِنْ ـ سے ـ

لہ تیسرے فائدہ سے یہاں تک جس قدر مضامین رازی کے نقل کئے گئے ہیں وہ تفسیر کبیر جلد ا صـ۳۷۸ تا ۳۸۱ سے لئے گئے ہیں ۱۲ منہ

+ عِنْدِ - نزدیک - پاس + اللّٰہِ - خدا + لِ - تاکہ + یَشْتَرُوْا - بیچیں - خریدیں
ب - بدلہ + ہٖ - اوسکے + ثَمَنًا - مال - قیمت + قَلِیْلًا - تھوڑا + مَا - چیز - کتبت
- لکھا ہے + یَکْسِبُوْنَ - حاصل کرتے ہیں + وَ - اور + قَالُوْا - کہا + لَنْ - ہرگز نہیں
+ تَمَسَّنَا - چھوئیگی - نَا - ہم لوگوں کو + نَارُ - آگ + اِلَّا - لیکن + اَیَّامًا - دنوں + مَعْدُوْدَۃً
- چند - گنے ہوئے + قُلْ - کہو + اَ - کیا + اِتَّخَذْتُمْ - لیا تم لوگوں نے + عَھْدًا
وعدہ + یُخْلِفَ - خلاف کرے، گا + اَمْ - یا + تَقُوْلُوْنَ - تم کہتے ہو + عَلٰی - پر -
اوپر + لَا - نہیں + تَعْلَمُوْنَ - تم جانتے ہو -

(بامحاورہ ترجمہ) پس اون لوگوں کے لئے عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں - پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے آئی ہے تاکہ اوسکے ذریعہ سے تھوڑا مال حاصل کریں - پس اونکے لئے ایک عذاب اس وجہ سے ہے کہ اون کے ہاتھوں نے لکھا اور ایک عذاب اس وجہ سے کہ وہ ناجائز طریقہ سے مال حاصل کرتے ہیں اور اونھوں (اپنی جاہل قوم سے) کہا کہ ہمیں جہنم کی آگ ہرگز نہ چھوئیگی لیکن چند دن (اے رسول) اون سے پوچھو کہ کیا تم لوگوں نے خدا سے اس کا وعدہ لیا ہے - پس خدا اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہ کرے گا - یا خدا پر جھوٹ باندھتے ہو جسکو خود نہیں جانتے -

(شانِ نزول) فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ سے قَلِیْلًا تک حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہودی (علماء) نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ کی واقعی صفتوں کے خلاف صفتیں لکھیں اور اپنے جاہلوں سے کہا کہ محمدؐ جو آخر زمانہ میں رسول بنائے جائیں گے اونکی صفتیں یہ ہیں کہ قد اون کا لمبا ہوگا اور بدن موٹا اور پیٹ بڑا اور بال بھورے ہیں اور یہ محمدؐ (جو اس وقت موجود ہیں) اس طرح کے نہیں ہیں اور ان صفتوں کے محمد پانچ سو برس کے بعد ہوں گے - اور یہ باتیں اونھوں نے اسلئے کہی تھیں تاکہ اون کے جاہلوں پر اونکی سرداری باقی رہے - اور ہمیشہ اون سے مال حاصل کرتے رہیں - اور حضرت سرورِ عالم اور اونکے خاص لوگ (اوصیاء کرام) کی خدمت اور فرمانبرداری سے بچے رہیں - پس خداوند عالم نے اس آیت کو نازل فرمایا[1] وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا

---

[1] تفسیر برہان جلد ۱ ص۷۶ - ۱۲ منہ

النَّاسُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً ؕ ابن عباس اور مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت سرور عالم
صلے اللہ علیہ وآلہ مدینہ تشریف لائے۔ اور یہودیوں کا خیال تھا کہ دنیا کی عمر کل سات
ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن عذاب ہوگا اوسکے بعد عذاب ختم
ہو جائے گا؟ پس خدا نے یہ آیت نازل کی۔ اور ابو العالیہ اور قتادہ
کہتے ہیں کہ عذاب کی مدت (یہودیوں کے نزدیک) کل چالیس دن تھی کیونکہ اونھوں نے
کل چالیس ہی دن گاے پوجا تھا۔

(صرف) یَقُوۡلُوۡنَ اور تَقُوۡلُوۡنَ؟ اصل میں یَقۡوُلُوۡنَ تھے "و" پر ضمہ (پیش)
گراں تھا اسلئے اوسکو "ق" کو دے دیا۔ یَقُوۡلُوۡنَ ہوگیا۔ یَشۡتَرُوۡا؟ اصل میں یَشۡتَرِیُوۡا
تھا ضمہ "ی" پر گراں تھا اسلئے اوسکو "ر" کو دے دیا اور اوس کا کسرہ (زیر) گرادیا۔ اب
"ی" اور "و" دو حرف جزم والے اکٹھا ہوئے "ی" کو گرادیا۔ یَشۡتَرُوۡا ہوگیا۔ قُلۡ؟ اصل
میں اُقۡوُلۡ تھا ضمہ "و" پر گراں تھا اوس کو "ق" کو دے دیا۔ ہمزہ اس واسطے لائے تھے
تاکہ ابتداء بسکون لازم نہ آئے یعنی شروع کے حرف پر جزم نہ ہے۔ اب اوسکی ضرورت باقی
نہ رہی اسلئے اوسکو گرادیا "و" اور "ل" دو حرف جزم والے اکٹھا ہوگئے "و" کو گرادیا قُلۡ ہوگیا۔

(نحو) ویل۔ مبتداء ہے۔ للذین یکتبون اسم موصول اور صلہ مل کر اوسکی خبر۔ الکتاب؟
یکتبون کا مفعول بہ۔ بایدیھم؟ جار و مجرور مل کر یکتبون کا متعلق۔ ھذا ابتداء من
عند اللہ اوسکی خبر۔ دونوں مل کر جملہ ہوکر یقولون کا مفعول بہ۔ لیشتروا؟ یقولون
کا متعلق۔ مما میں ما اسم موصول ہے اور کتبت اور یکسبون اوس کا صلہ۔ ایاما معدودۃ
موصوف وصفت مل کر تمسنا کا مفعول فیہ اور الا اس کا عامل نہیں ہے کیونکہ ایاما کے
قبل فعل یعنی تمسنا کسی ظرف کی طرف متعدی نہیں ہوا ہے۔ ما لا تعلمون کا ما اسم موصول
ہے یا موصوفہ یا مصدریہ۔

(ظاہری تفسیر) فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ یَکۡتُبُوۡنَ الۡکِتٰبَ بِاَیۡدِیۡہِمۡ ثُمَّ یَقُوۡلُوۡنَ
ھٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ابن عباس کہتے ہیں کہ ویل کا معنی عذاب ہے اور بعض نے
کہا ہے کہ ویل؟ جہنم میں ایک پہاڑ ہے۔ اور ابو سعید خدری حضرت سرور عالم
صلے اللہ علیہ وآلہ سے روایت کرتے ہیں کہ ویل؟ جہنم میں ایک میدان ہے جس میں
کفار ڈالے جائیں گے اور اوسکی تہ تک پہونچتے پہونچتے چالیس خریف (سال) گذر

جائیں گے۔ اور اصل ان معانی میں وہی ہے جسکو ہم نے (حل لغات میں) بیان کیا ہے
کہ یہ لفظ؟ حسرت اور تکلیف اور افسوس کے وقت ہر دردمند بولتا ہے۔ خداوند عالم
اس آیت میں علماء یہود کی حالت کو پھر بیان کرنا چاہتا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ
اپنے ہاتھوں کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کے پاس سے آئی ہے۔ حالانکہ وہ
خود اس کا یقین رکھتے ہیں کہ خدا کے پاس سے نہیں آئی ہے؟۔ اور بعض نے کہا ہے کہ
توریت میں جو صفتیں حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کی لکھی ہوئی تھیں اونکو بدل دیا تھا
تاکہ جاہل یہودیوں کو (حضرتؐ کی نبوت کی طرف سے) شک میں ڈال دیں۔ اور حضرت
امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث میں بھی یہی ہے اور مفسروں کی ایک جماعت نے یہی بیان
کیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حضرتؐ کی صفت توریت میں؟ گندمی رنگ۔ میانہ قد
لکھی ہوئی تھی پس اوس کو بدل کر گندمی رنگ اور لمبا قد بنا دیا۔ اور عکرمہ ابن عباس
سے روایت کرتے ہیں کہ علماء یہود نے دیکھا کہ حضرتؐ کی صفت توریت میں سرمگیں
آنکھیں۔ اور میانہ قد۔ اور خوبصورت لکھی ہوئی ہے۔ پس حسد اور دشمنی سے اوس کو
مٹا دیا۔ پس چند قریشی کفار اونکے پاس آئے اور پوچھا کہ توریت میں؟ ہم میں سے
کسی کے نبی ہونے کا پتہ پاتے ہو یا نہیں۔ کہا ہاں پاتے ہیں لمبے قد کے ہوں گے اور
آنکھیں کرنجی ہونگی اور سر کے بال سیدھے ہوں گے۔ اس کو واحدی نے اپنی
سند سے وسیط میں نقل کیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں
وہ شخص مقصود ہے جو حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے لئے (وحی خدا) لکھا
کرتا تھا اور حضرتؐ اوسکو جو کچھ بتاتے تھے اوس کو بدل دیا کرتا تھا۔ پھر مرتد ہو کر
مرگیا۔ پس زمین نے اوسکو اوپر پھینک دیا اور درست پہلا کلام ہے کیونکہ
سیاق کلام سے وہی مناسبت رکھتا ہے۔ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا یعنی یہ
حرکتیں؟ وہ اسلئے کرتے تھے تاکہ اپنے جاہلوں سے جو مال پایا کرتے تھے اوس کو پاتے
رہیں۔ اور لفظ اشتراء توسعۃً (مجازاً) استعمال کیا گیا ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ اونھوں
حق کو یہ چھوڑا اور باطل کو اختیار کیا تاکہ اسکے بدلے کچھ مال حاصل کرلیں۔ مثل اوس
شخص کے جو کچھ مال دیکر کچھ چیز خریدتا ہے اور ثمن کو قلیلاً کے ساتھ مقید کرنے کا فائدہ یہ ہے
کہ ظاہر ہو جائے کہ جو کچھ بھی مال؟ وہ اس کے ذریعہ سے حاصل کرتے وہ کم ہی ہوتا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ قلیل کی صفت اسلئے بڑھائی گئی ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ یہ مال ؟ مال دنیا تھا جو کسی کے پاس زیادہ دن تک نہیں رہتا۔ جیساکہ خدا نے کہا ہے کہ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ کہ دو کہ مال دنیا تھوڑے ہی دن رہنے والا ہے۔ اور ابو العالیہ نے کہا ہے کہ قلیل سے مقصود حرام ہے۔ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ پس اونکے لئے عذاب اور گھاٹا اور عیب و ملامت اس وجہ سے ہے کہ کتاب خدا میں تحریف کی۔ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ اور عذاب وغیرہ اس وجہ سے ہے کہ وہ گناہ کرتے ہیں۔ یا اپنے جاہلوں سے مال حرام حاصل کرتے اور رشوت لیتے ہیں۔ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً اور یہودی کہتے ہیں کہ جہنم کی آگ ہم لوگوں تک ہرگز نہیں پہونچ سکتی لیکن چند روز قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا اے محمدؐ ان سے کہو کہ کیا تم نے خدا سے وعدہ لیا ہے کہ چند روزوں کے سوا وہ تم پر عذاب نہ کرے گا۔ اور کیا وحی اور تنزیل کے ذریعہ سے یہ تم کو معلوم ہو گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو (بے شک) خدا اپنے وعدہ کو نہ توڑے گا أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ یا اپنی جہالت اور نادانی اور جرأت و بد ذاتی سے خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔[۱]

حدیثین

(بطریق شیعہ) فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ سے مِمَّا يَكْسِبُونَ تک بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں میں سے ایک جماعت نے نبی آخر الزمان یعنی حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کی ایسی صفتیں (توریت میں) لکھدیں جو واقعی صفتوں کے مخالف تھیں ؟ وہ یہ کہ لمبے قد کے ہوں گے پیٹ بہت بڑا ہوگا۔ بال بھورے ہوں گے۔ اور محمدؐ (جو اس وقت موجود ہیں اون) میں یہ صفتیں نہیں ہیں۔ اور اس صفت کے محمدؐ (جو نبی ہونے والے ہیں وہ) پانچ سو برس کے بعد ہونگے اور اس طرح لکھنے سے یہودیوں کی غرض یہ تھی کہ اونکے جاہلوں پر اونکی ریاست اور حکومت باقی رہے اور مال جو لا کرتا تھا وہ ہمیشہ ملتا رہے۔ اور حضرت سرور عالمؐ اور

[۱] مجمع البیان جلد ا صفحہ ۶۲-۶۳ ــ ۱۲ منہ عفی عنہ سیرت حلبیہ اور سیرت نبویہ میں مشروعیت اذان

حضرت امیر المومنینؑ اور اونکے مخصوصین (اہلبیت) علیہم الصلوۃ والسلام کی خدمت اور فرمانبرداری کی تکلیف سے بچے رہیں۔ خداوندعالم انھیں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ جہنم کے بہت بُرے درجہ میں ان پر ؟ ایک عذاب شدید اس وجہ سے ہوگا کہ کتابِ خدا میں تحریف کی۔ اور محمدؐ و علیؑ کی صفتوں کے خلاف صفتیں لکھیں۔ اور دوسرا عذاب شدید اس وجہ سے ہوگا کہ محمدؐ کی نبوت اور اونکے بھائی علیؑ ولی خدا کی امامت سے انکار پر یہودیوں کو باقی رکھکر مال دنیا حاصل کیا۔ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ سے مَا لَا تَعْلَمُونَ تک ؟ اور اون یہودیوں سے جو ایمان ظاہر کرتے اور نفاق چھپاتے تھے۔ اور جن تکلیفوں کا حضرت سرورِ عالم کی طرف سے اونکو ڈر تھا اون سے حفاظت کی تدبیریں کیا کرتے تھے ؟ ان تحریف کرنے والے علماء یہود نے کہا کہ ہم لوگوں کو آگ ہرگز نہ چھوئیگی لیکن چندروز ان منافقوں کے کچھ نسبتی عزیز اور کچھ دودھ بھائی ؟ مسلمان تھے۔ اور یہ منافق اپنے کفر کو حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ اور اونکے صحابہ سے ؟ حضرتؐ کی حقیت کو جانتے ہوئے ؟ اسلئے چھپایا کرتے تھے تاکہ اپنی اور اپنے عزیزوں کی حفاظت کریں او نکے مسلمان عزیزوں نے اون سے کہا کہ جب جانتے ہو کہ نفاق ؟ خدا کو غضب ناک کرنے والی چیز ہے اور اوسکی بدولت عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے ؟ تو پھر منافقانہ روش کیوں رکھتے ہو۔ تو اونھوں نے جواب دیا کہ اس عذاب کی مدت چند دن ہے جسکے ختم ہو جانے کے بعد ہم لوگ بہشت کی نعمتوں میں ڈالدئیے جائیں گے۔ پس اس چند روزہ عذاب گذر ہی جائیگا اور دنیا میں بھی محمدؐ کی خدمت سے آزاد ہوکر چین کی زندگی بسر کرینگے۔ اور دنیاوی نعمتوں سے لذتیں اوٹھائینگے تو ایسی صورت میں اس مختصر عذاب کی پرواکیوں کریں۔ پس خداوندعالم نے حضرت سرورِعالم کو حکم دیا کہ ان سے پوچھو ؟ کہ کیا تم نے خدا سے وعدہ لیا ہے کہ تم جو محمدؐ کے ساتھ کفر کروگے یعنی اونکی نبوت اور علیؑ اور اونکے باقی جانشینوں کی امامت پر ؟ اونکی

ے ۔۔ چندروزہ عذاب کی وجہ سے دنیا کی ۔۔ چندروزہ خیر حضرت سرورعالم کی فرمانبرداری کو اختیار نہ کرتے ۔۔

(بقیہ حاشیہ صـ۳۲۵) کے ذکر کے بعد ؟ حضرت سرورِ عالم سے یہودیوں کی عداوت کے ذکر میں لکھا ہوا ہے کہ یہودیوں نے اپنے علماء کو اس وجہ سے کہ مذہب کی خدمت کیا کرتے تھے فکر معاش سے سبکدوش کر دیا تھا اور اپنے پاس سے مال پہونچایا کرتے تھے ۱۲ منہ

دلیلوں کو نہ مانو گے تو خدا تم پر تھوڑے ہی دن عذاب کرے گا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ عذاب ہمیشہ کے لئے ہوگا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ پس تم لوگ خدا اور اوسکے رسولؐ اور اوسکے ولی؟ جانشینِ رسولؐ کے ساتھ کفر کرنے پر جرأت نہ کرو۔ یہ اتیموں کے سردار ہیں۔ جس طرح مہربان اور کریم باپ اپنی اولاد کو تعلیم کرتا ہے اوسی طرح اتیموں کو یہ تعلیم دینگے۔ فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَھْدَہٗ کیا تم اس خیال سے؟ کہ چند روز عذاب کا خدا سے وعدہ لے چکے ہو اور وہ اوسکے خلاف نہ کرے گا؟ اپنے کو محفوظ سمجھے (اور مطمئن ہو گئے) ہو اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (یا خدا پر جھوٹ باندھتے ہو) بلکہ تم اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہی ہو۔[۱]

(الطریق اہلسنت)

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ ۱؎ ابن عباس؟ یہ آیت اہل کتاب (یہودیوں) کے حق میں نازل ہوئی ہے ۲؎ ابو سعید حذری ویل؟ جہنم میں ایک میدان ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے اور چالیس برس تک گرتے جائیں گے جب بھی اوسکی تہ تک نہ پہونچیں گے ۳؎ عثمان بن عفان؟ ویل جہنم میں ایک پہاڑ ہے۔ جو اون یہودیوں کے لئے ہے جنہوں نے توریت میں تحریف کی؟ اپنی پسندیدہ چیزوں کو بڑھایا اور ناپسندیدہ چیزوں کو نکالا اور حضرت سرورِ عالمؐ کا نام بھی نکال دیا لیکن خلیفہ صاحب کی خدمت میں یہودی عرض کر سکتے ہیں کہ ہم نے محمدؐ کی نبوت کو نہ مانا۔ اونکے دین پر نہ تھے اسلئے زیادہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ برخلاف حضور عالی کے؟ کہ دینِ محمدؐ پر ہو کے اور خلافت کا دعوے کر کے قرآن میں نہ صرف گھٹاؤ بڑھاؤ کیا بلکہ ہر طرح کی تحریف کی۔ علیؑ اور اولادِ علیؑ کا نام اور اونکی فضیلتیں بھی نکال دیں۔ اوسمیں غلطیاں دیکھکر چھوڑ ہی نہیں دیا بلکہ درست کرنے سے منع بھی کر دیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن کے بہت سے نسخے جلوا بھی دیئے۔ ثقلین میں سے ایک کے ساتھ یہ برتاؤ کیا۔ اور دوسرے یعنی اولادِ رسولؐ اور اونکے دوستوں پر وہ ظلم کئے جن کو سوچکر ہم لوگوں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم لوگوں نے اپنے نبی کی اولاد پر کبھی کسیطرح کا ظلم نہیں کیا۔

[۱] تفسیر برہان جلد ۱ ص ۷۶ ۔ ۱۲ منہ

فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (پس ہماری ملامت نہ کیجئے بلکہ اپنی ملامت کیجئے)
۲ عائشہ ؟ ویل ؟ دروازۂ عذاب کو کہتے ہیں ۵ ابن مسعود ؟ دیل جہنم میں ایک
میدان ہے جس میں اہل جہنم کی پیپ بہ کر جاتی ہے ۶ عطار بن یسار ؟ اس
میدان کی گرمی ایسی ہے کہ اگر پہاڑ ڈال دیا جائے تو پانی ہو کر بہ جائے ۷ ابن
عباس ؟ یہودی علماء نے دیکھا کہ توریت میں حضرتؐ کی صفت یہ لکھی ہوئی ہے کہ
آنکھیں سرمہ گیں ہونگی ۔گھونگروالے بال ہوں گے ۔خوبصورت ہونگے ۔ تو اونھوں نے
حسد اور عداوت سے ان صفتوں کو مٹا دیا ۔پس چند قریشی (کفار) نے اون سے
پوچھا کہ توریت میں نبی اُمّی کا کوئی ذکر پاتے ہو ؟ کہا ہاں اونکی صفت یہ لکھی ہوئی
ہے کہ لمبے قد کے ہونگے ۔ آنکھیں کرنجی ہونگی ۔بال برابر ہونگے ۔ تو اون قریشیوں
نے کہا کہ اس صفت کے نبی ہم میں سے نہیں ہیں ۔ انکی دوسری حدیث میں ہے
کہ ان یہودیوں نے ؟ ان جھوٹی صفتوں کو بیان کر کے لوگوں کو دھوکے میں ڈال
رکھا تھا کیونکہ مذہبی خدمتوں کی وجہ سے انکے جاہلوں نے ان کے لئے خرچے مقرر کر رکھے
تھے ۔پس یہ ڈرے کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو یہ مقررہ بند ہو جائیگا ۔ انکی
تیسری حدیث میں ہے کہ اے مسلمانو ؟ یہودیوں سے کوئی (دینی) بات
کیوں پوچھتے ہو حالانکہ تمہاری کتاب (قرآن) میں جسکو خدا نے نازل کیا ہے اونکی
پوری پوری سچی خبریں بیان کر دی گئی ہیں ۔ اور خدا نے تم سے بیان کر دیا ہے کہ
یہودیوں نے کتابِ خدا (توریت) کو بدل ڈالا ہے اور دوسری کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھی ہے
لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۱ ابن عباس ثمن قلیل سے مال دنیا مقصود
ہے ۔ اور مما یکسبون سے جاہلوں کے مال کو کھانا ۲ سُدی ؟ کچھ یہودی

ع ۵ اس ملامت میں حضرت عمر یقیناً داخل ہیں کیونکہ توریت سے اون کو اوسی قدر
دلچسپی تھی جس قدر قرآن سے بے تعلقی ۔ یہاں تک کہ حضرتؐ کے سامنے توریت لا کر پڑھنا
شروع کیا پس غصہ سے حضرتؐ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا (مشکوۃ آخر باب اعتصام بکتاب و
کنز العمال جلد ا صفحہ ۴۶ تا ۵۱) اور قرآن و احکام قرآن سے بالکل بے بہرہ تھے (کنز العمال
جلد ا باب قرائت صفحہ ۲۸۴ تا ۲۸۹ و باب تفسیر قرآن صفحہ ۲۲۹ تا آخر تفسیر قرآن بروایت متعدد ۱۲ منہ

ایسے تھے جو اپنے ہاتھوں کتابیں لکھکر عربوں کے ہاتھوں بیچتے اور اون سے کہتے تھے کہ یہ خدا کے پاس سے آئی ہے۔ اور اون سے تھوڑا مال لیا کرتے تھے۔ وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ۱ ابن عباس ؓ یہودی کہا کرتے تھے کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس ہے۔ اور ہر ہزار پیچھے ایک دن ہم لوگوں پر عذاب کیا جائیگا۔ پس یہ سات دن ؟ گنتی کے چند دن ہیں ؟ انکے بعد عذاب ختم ہو جائیگا پس خدا نے یہ آیت اوتاری انکی دوسری حدیث میں ہے کہ انھوں نے لکھا ہوا پایا کہ جہنم کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک چالیس دن کی راہ ہے اس واسطے کہا کہ اسی قدر عذاب ہوگا۔ انکی تیسری حدیث میں ہے کہ اونھوں نے کہا کہ تم لوگوں نے چالیس دن گاسے پوجی ہے اسلئے چالیس ہی دن عذاب کیا جائیگا۔ پس خدا نے اونکو جھٹلایا اور فرمایا ہے کہ تم پر عذاب دائمی ہوگا۔ ۲ عکرمہ ایک دن یہودی حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے پاس جمع ہوئے اور کج بحثیاں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ چند دن سے زیادہ ہم لوگ جہنم میں نہ رہیں گے۔ اور رہنے کی مدت صرف چالیس دن ہے اوسکے بعد ہم لوگوں کی جگہوں پر کچھ لوگ جائیں گے اور حضرتؐ کی طرف اور صحابہ کی طرف اشارہ کیا (مطلب یہ تھا کہ تم لوگ ہمارے بدلے جہنم میں جاؤگے پس حضرتؐ نے اونکے سروں کی طرف ہاتھ پھیلا کر فرمایا کہ تم سب جھوٹے ہو۔ بلکہ تم سب جہنم میں ہمیشہ رہو گے اور انشاء اللہ تعالٰے ہم لوگ تمہارے قائم مقام نہ ہونگے پس یہ آیت نازل ہوئی اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا ۱ مجاہد ؒ عہد سے وعدہ مقصود ہے ۲ ابن عباس ؓ عہد سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا مقصود ہے جسکے بعد شرک اور کفر اختیار نہ کیا ہو۔ مراد پروردگار یہ ہے کہ اگر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ چکے ہو اور اسکے بعد شرک اور کفر اختیار نہیں کیا ہے تو اسی اعتقاد پر پلیٹ جاؤ (تمہارا کلام صحیح ہے جہنم میں نہ جاؤ گے ؟ مگر گناہوں کے بدلے میں چند دن) اور اگر نہیں کہا ہے تو خدا پر جھوٹ کیوں باندھتے ہو۔ ۳ قتادہ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ سے جھوٹ اور غلط بات مقصود ہے ۱؎

۱؎ در منثور سیوطی جلد ۱ صـ۸۲ تا ۸۵ - ۱۲ منہ

چند فائدے

(پہلا فائدہ) معانی ۔ بیان ۔ بدیع (معانی) فَوَيْلٌ وَدَ وَيْلٌ میں تقدیم مسند الیہ ہے یعنی یہ لفظ تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور تینوں جگہ مبتداء ہے ۔ اور اگرچہ مبتداء کا حق ہے کہ خبر سے پہلے ہی ذکر کیا جائے لیکن کبھی اسکو پہلے ذکر کرنے سے خاص غرض بھی متعلق ہوتی ہے ۔ پس یہاں پر اگرچہ لِلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ وَيْلٌ سے مطلب ادا ہوجاتا لیکن لفظ ویل کو پہلے ذکر کرنے سے تین فائدے حاصل ہوئے ۔ ایک تعجیل مسائت یعنی اس ناپسندیدہ فعل کی سزا کے غم میں پہلے ہی سے بتلا کردینا دوسرے ایہام عدم زوال از قلب یعنی یہ سمجھا دینا کہ یہ چیز بھولنے کے قابل نہیں ہے ؟ تاکہ اخرلے کر تو بہ کریں اور آئندہ ایسی حرکت سے باز آئیں تیسرے محل انکار ہونا یعنی دوسروں پر یہ ظاہر کرنا کہ وہ باوجود ایسے گناہ عظیم کے اپنے کو ویل یعنی شدتِ عذاب کا مستحق نہیں جانتے تھے ؟ بلکہ سمجھتے تھے کہ معمولی عذاب ہوگا ۔ جیساکہ لفظ لَنْ تَمَسَّنَا (ہرگز نہ چھوئیگی) سے ظاہر ہو رہا ہے ۔ اور خود اون پر یہ ظاہر کردینا کہ یہ بات انکار کے قابل نہیں ہے ؟ لِلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (جو لوگ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے آئی ہے) میں اطناب ہے یعنی یہاں پر وَيْلٌ لِكَاتِبِيْ الْكِتَابِ الْقَائِلِيْنَ بِاَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (جہنم ہے کتاب لکھنے والوں اور یہ کہنے والوں کے لئے کہ یہ خدا کے پاس سے آئی ہے) سے مطلب ادا ہوجاتا ۔ باوجود اسکے اَلَّذِيْنَ بڑھانے ۔ اور کاتبین ؟ اسم فاعل کی جگہ پر یکتبون فعل ذکر کرنے اور بایدیھم بڑھانے ۔ اور قائلین ؟ اسم کی جگہ پر فعل لانے سے چند چیزیں ظاہر ہوتی ہیں ایک لفظ یُحَرِّفُوْنَ جو اوپر گذر چکا ہے اوسکی توضیح کرنی ؟ کہ وہ توریت میں اپنے ہاتھوں سے مضامین بڑھایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ خدا کے پاس سے ہے دوسرے تتمیم یعنی کلام میں حسن پیدا کرنے کے لئے کچھ الفاظ کا اضافہ کرنا تیسرے ایغال یعنی اس فعل کی شناعت میں مبالغہ کرنا چوتھے

اسم کی جگہ پر فعل لاکر اس امر کو ظاہر کرنا کہ ویل صرف اوسی کے لئے نہیں ہے جو ایسا کام برابر کیا کرتا ہو۔ بلکہ اوسکے لئے بھی ہے جو نئے حال پر ایک ہی دفع مرتکب ہو۔ ۳ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (تاکہ اوسکے بدلے میں تھوڑا مال خریدیں) اس میں بھی اطناب ہے کیونکہ تفسیر میں گذر چکا کہ وہ لکھکر بیچا کرتے تھے ؟ اسلئے لِيَبِيعُوهُ (تاکہ اوس کو بیچیں) فرمانا کافی تھا۔ باوجود اسکے ثَمَنًا قَلِيلًا بڑھانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس امر کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اسکے بدلے ؟ جس قدر بھی مال حاصل کریں ایک تو مال ذلیل دنیا ہونے کی حیثیت سے۔ دوسرے عذاب شدید آخرت کے مقابل میں ؟ کم ہے اور وقعت کی نگاہ سے دیکھنے کے قابل نہیں ہے ۴ فَوَيْلٌ لَّهُمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ میں بھی اطناب ہے۔ یعنی فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ کے بعد ان دونوں کو بڑھانا ؟ تاکید کے لئے ہے۔ اور ان دونوں کو جدا جدا بیان کرنا ؟ تعدد کو ظاہر کرنے کے لئے۔ یعنی اون پر دوہرا عذاب ہوگا۔ ایک لکھنے کے بدلے اور ایک مالِ حرام حاصل کرنے کے بدلے جیسا کہ معصوم کی حدیث میں گذر چکا ۵ لَنْ تَمَسَّنَا (ہرگز نہ چھوئیگی) میں تضمین ہے یعنی لَنْ نَدْخُلَ (ہرگز داخل نہ ہوں گے) کے معنی میں ہے۔ اور دخول کو لفظ مَسّ سے تعبیر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اونکا عقیدہ تھا۔ یا بغیر عقیدہ کے مسلمانوں پر ظاہر کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو جہنم کی آگ صرف چھوئیگی یعنی خفیف عذاب ہوگا ۶ اَتَّخَذْتُمْ عَهْدًا (کیا تم نے وعدہ لیا ہے) اس میں ہمزۂ استفہام انکاری ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ خدا نے تم سے ایسا وعدہ نہیں کیا ہے ؟ اور اس بنا پر اَمْ تَقُوْلُوْنَ میں ؟ ام حرف تردید ؟ بَلْ (بلکہ) کے معنی میں ہوگا۔ جیسا کہ امام علیہ السلام کی تفسیر میں گذرا۔ اور اسکے ؟ اس معنی میں استعمال ہونے کو صاحب لغت منجد نے بھی لکھا ہے۔ پس معنی یہ ہوگا کہ ایسا وعدہ خدا نے نہیں کیا ہے بلکہ تم اوس پر جھوٹ باندھتے ہو۔

بیان) تَمَسَّ کا استعمال دخول کے معنی میں۔ اور مَا لَا يَعْلَمُوْنَ کا استعمال کذب (جھوٹ) کے معنی میں ؟ مجازاً ہے۔ مَا لَا يَعْلَمُوْنَ کا حقیقی معنی ؟ غیر معلوم چیز ہے اور یہ سالبہ بانتفاء موضوع سے عام ہے۔ یعنی اس وجہ سے معلوم نہیں ہے کہ موجود ہی نہیں ہے۔ بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔ پس یہ عام ؟ خاص یعنی جھوٹ میں ؟ بے اصل ہونے کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ اور ایسا استعمال مجازی

ہوتا ہے۔ (بدیع) ۱ یکتبون الکتاب۔ لیشتروا۔ اور مما کتبت۔ مما
یکسبون میں محسناتِ معنویہ میں سے لف ونشر مرتب ہے ۲ یکتبون اور الکتاب
اور کتبت میں محسنات لفظیہ میں سے صنعت اشتقاق ہے ۳ لیشتروا ثمنا قلیلا
سے مما یکسبون تک۔ اتخذتم سے عہدہ تک میں مراعاۃ النظیر ہے۔

(دوسرا فائدہ) علم کلام۔ قاضی ابو بکر باقلانی نے کہا ہے کہ آیت
مبارکہ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ (تا آخر) (اونکے لئے جہنم ہے جو خود کتاب
لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کے پاس سے آئی ہے) بتاتی ہے کہ اونکا کتاب لکھنا خدا
کا فعل نہیں ہے۔ کیونکہ اگر خدا کا فعل ہوتا تو اونکا یہ کہنا کہ خدا کے پاس سے ہے۔ واقع
کے مطابق ہوتا۔ مانا کہ بندوں کے ہاتھ سے یہ فعل حاصل ہوا لیکن چونکہ کرنے والا اس کا
(اشاعرہ کے اعتقاد کے مطابق) خدا ہی ہے (اور بندوں کے ہاتھ بطور ہتھیار کے
فعل کے حصول کا ذریعہ ہیں) اسلئے اس فعل کی نسبت خدا کی طرف دینی زیادہ قوی
(اور مناسب) ہے؟ اس سے کہ بندوں کی طرف دیجائے۔ اور ایسی صورت میں
اس بات کے کہنے پر کہ یہ کتاب خدا کے پاس سے ہے؟ کہنے والے تعریف کے مستحق
تھے (کیونکہ اونھوں نے سچی بات کہی تھی نہ کہ مذمت کے) اور چونکہ خدا نے اونکی تعریف
نہیں کی (بلکہ مذمت کی اور جہنم کا مستحق بتایا) اسلئے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا خدا کا فعل
نہ تھا (اور اشاعرہ کا بندوں کے فعلوں کو خدا کا فعل سمجھنا باطل اور غلط ہے) میں عرض
کرتا ہوں کہ رازی صاحب کے خیال میں چونکہ بڑا بننے کا معیار کچھ بولتے رہنا ہے اگرچہ
غلط سہی؟ اس لئے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ اس لکھنے کا ارادہ جو لکھنے والوں کے
دل میں پیدا ہوا خدا ہی کا فعل ہے اسلئے لکھنا بھی اوسی کا فعل ہوگا[1] میں عرض
کرتا ہوں کہ یہ جواب؟ اَکَلَ از قفا (پیچھے سے منہ میں لقمہ ڈالنے) کا مصداق ہے
کہیں تو سیدھے بندوں کے فعل کو خدا کا فعل کہتے ہیں اور کہیں اوسکے سبب
یعنی ارادہ کو اوس کا فعل قرار دیکر؟ فعل کو اوسکے واسطہ سے فعلِ خدا قرار دیتے ہیں
یہ جواب دو وجہوں سے غلط ہے ایک اس وجہ سے کہ لکھنے کا ارادہ بندوں میں پیدا

بندوں کا فعل اون کا اختیاری ہے

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ صـ ۳۸۲۔ ۱۲ منہ

کرنا؟ بغیر اسکے ہو نہیں سکتا کہ خدا بھی ارادہ کتابت رکھتا ہو؟ یعنی جھوٹی کتاب لکھی جانے کو چاہتا ہو؟ اور میں تفسیر سورہ الحمد صفحہ ۱۱۷ میں تفصیل سے لکھ آیا ہوں کہ خدا کا ارادہ خود اوس کا فعل ہے۔ یہ دونوں دو چیزیں نہیں ہیں۔ اسلیئے اسکی برگشت اوسی کی طرف ہوتی ہے جسکو قاضی نے کہا ہے کہ جب خدا کا فعل ہے تو اونکی ملامت کیوں کی۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اونہیں ارادہ پیدا کردینے کے بعد دو حال سے خالی نہیں؟ یا تو وہ اوس فعل کو چھوڑ سکتے ہیں یا کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر چھوڑ سکتے ہیں تو میرا مطلب ثابت ہے وہ یہ کہ بندے اپنے کاموں کے کرنے اور چھوڑنے میں پورا پورا اختیار رکھتے ہیں۔ اور اگر مجبور ہیں تو چونکہ ہر سمجھدار جانتا ہے کہ مجبور شخص ملامت اور سزا کا مستحق نہیں ہوتا اسلیئے ویل یعنی جہنم جس کا مستحق خدا نے تحریف کرنے والوں کو قرار دیا ہے۔ ایک تو معاذ اللہ اوس کا مستحق خود ہی ٹھہرتا ہے دوسرے بصورت اسکے کہ اونکی سزا کرے ظالم ٹھہرتا ہے۔ تیسرے چونکہ قرآن میں خود ہی فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ (بیشک خدا کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے اوپر خود ہی ظلم کرتے ہیں) اس لئے اس کلام میں معاذ اللہ جھوٹا ٹھہرتا ہے۔ چوتھے چونکہ مجبور کے مستحقِ سزا ہونے کو کوئی سمجھدار تجویز نہیں کرتا۔ اور خدا ان مجبوریوں کو تجویز کر رہا ہے اسلئے معاذ اللہ بے سمجھ ٹھہر رہا ہے۔ پانچویں اپنے دین کی ترویج میں خود خلل انداز ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ ادہر حضرت موسیٰؑ کو حکم دے رہا ہے کہ اپنی امت کو توریت دو اور پڑھاؤ اور ہمارے دین کو رواج دو اور ادہر یہودیوں کو مجبور کرکے اپنی ہی کتاب توریت اور اپنے ہی احکام میں تحریف کرا رہا ہے۔ اشاعرہ کے عقیدہ کے مطابق معاذ اللہ خداوند مقدس نرالے ڈھنگ کا شخص ٹھہر رہا ہے۔ ادہر چوکیدار سے کہہ رہا ہے کہ حفاظت کر۔ اِدھر چوروں کا ہاتھ پکڑکر اپنے ہی دین و مذہب کے قلعہ میں سیند مار رہا ہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ رازی صاحب بھاگے پرنالے سے اور گرے سنڈاس میں۔ یعنی چند خطاکاروں کو غضب اور ظلم کے طعنہ سے بچانے کے لیئے؟ افعال انسان کے اختیاری ہونے سے انکار کیا۔ اور خدائے مقدس کو مجمع عیوب ٹھہرایا۔ صاحبان عقل و شعور عبرت حاصل کریں۔

(تیسرا فائدہ ۵) علم نحو۔ سوال۔ یہاں پر ایا مًا معدودۃ ہے اور سورہ

آل عمران میں ایاماً معدودات ؟ ایسا کیوں ہے - جواب - اصل قاعدہ یہ ہے کہ لفظ مذکر کی جمع کی صفت صرف "ت" کے ساتھ ہونی چاہیے - اور لفظ مونث کی جمع کی صفت "الف اور ت" کے ساتھ - لیکن کبھی مذکر کی جمع کی صفت بھی الف اور "ت" کے ساتھ آتی ہے[1]

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ قاعدے اگر کتاب خدا کے تابع اور اوسی کے مطابق بنائے گئے ہین تو صفت کا دونوں ہی طرح سے آنا اصل ہے اور رازی صاحب کا نادر (کبھی) کہنا غلط ہے - اور اگر کلام عرب کے تابع اور اوسکے مطابق بنائے گئے ہیں تو خلاف قاعدہ ہونا غلطی ہے اور کلام خدا غلط نہیں ہو سکتا - اور یہ دعوے بظاہر صحیح ہے کہ قاعدے کلام عرب سے بنائے گئے ہیں - اس لئے ماننا پڑیگا کہ آل عمران میں یوم کی جمع ایام کی صفت معدودات لانا ترتیب دینے والوں کی جہالت کا نتیجہ ہے جس کو میں مقدمہ ستائیس صفحہ میں ثابت کر آیا ہوں -

(چوتھا فائدہ) علم کلام فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (پس خدا اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہ کرے گا) رازی لکھتے ہیں کہ یہ آیت بتا رہی ہے کہ ثواب اور عذاب کا جھوٹا وعدہ کرنے سے خدا منزہ اور پاک ہے (اسکی دلیل) ہمارے علماء (اشاعرہ) نے بیان کی ہے کہ جھوٹ بولنا عیب ہے اور عیب خدا کے لئے محال ہے اور معتزلہ نے یہ بیان کی ہے کہ بُری چیز کی بُرائی کو خدا جانتا ہے - اور یہ بھی جانتا ہے کہ بُرا کام کرنے کی اوس کو حاجت نہیں ہے - اور جھوٹ بولنا بُرا ہے - اور بُری چیز کی بُرائی کو - اور بُرے کام کی طرف اپنے محتاج نہ ہونے کو جاننے والا اوس کو کر نہیں سکتا - اسلئے خدا جھوٹ نہیں بول سکتا - اسی واسطے اس آیت میں فرمایا ہے کہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہ کریگا[2]

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ دونوں دلیلیں اسکے ثبوت کے لئے درست ہیں کہ خدا کے لئے جھوٹ بولنا محال ہے - لیکن وعدہ خلافی نہ کرنے کے لئے درست نہیں ہیں کیونکہ جھوٹ اور سچ ؟ خبر کی صفتیں ہیں - اور ثواب یا عذاب کا وعدہ ؟ انشاء ہے خبر نہیں ہے - اور وعدہ خلافی کے معیوب ہونے کی دلیل اپنی بے وقاری اور بے اعتباری اور انتظام عالم میں خلل - اور اپنے مطلوبات میں رکاوٹ پیدا کرنا ہے - ہاں

(ایاماً معدودة جمع قلت ہے ایاماً معدودات)

([illegible] وعدہ کو [illegible])

---

[1] تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۳۸۳ مسئلہ ثالثہ ۱۲ منہ [2] تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۳۸۴ مسئلہ رابعہ - ۱۲ منہ

لَن يُخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ چونکہ خبر ہے اسلئے مذکورہ دونوں دلیلیں اس میں جاری ہونگی اور ملوں گ... کو کہیگی کہ اس فرمائش کی مخالفت یعنی ثواب نہ دینا یا عذاب نہ کرنا خدا کے لئے جائز نہیں ہے ورنہ جھوٹ لازم آئیگا لیکن یہ گفتگو مذکورہ بالا مسئلہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ اوس مسئلہ سے متعلق ہے جو اسکے بعد ذکر کیا جائیگا۔

(پانچواں فائدہ) علم کلام لَن يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ (خدا ہرگز اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا) **رازی لکھتے ہیں** کہ اگر کہا جائے کہ عہد کا معنی وعدہ ہے (اور وعدہ ثواب کو وعدہ۔ اور وعدۂ عذاب کو وعید کہتے ہیں) اور صرف ایک چیز کو ذکر کرنا دوسرے کی نفی (موجود نہ ہونے) کو بتاتا ہے۔ پس خاص کرکے وعدہ کو ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ وعید یعنی وعدۂ عذاب کی مخالفت یعنی عذاب نہ کرنا جائز ہے۔ اور یہ عقل کے مطابق بھی ہے کیونکہ ثواب کے وعدہ کی مخالفت لؤم یعنی بخالت اور کنجوسی اور طبیعت کی ذلت اور پستی ہی اور وعید یعنی وعدۂ عذاب کی مخالفت؟ کرم اور بخشش۔ (جو ممدوح صفت ہے) **تو جواب دونگا** کہ دلیلِ مذکور (یعنی لن یخلف اللہ وعدہٗ) ہر جھوٹ میں جاری ہے[1] (اسلئے خدا وعدۂ عذاب کی بھی مخالفت نہ کرے گا)۔ **میں عرض کرتا ہوں** کہ سوال اور جواب دونوں غلط ہیں۔

سوال؟ ایک اس وجہ سے غلط ہے کہ اس میں وعدہ کو؟ وعید کا مخالف قرار دیا ہے حالانکہ ان دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے اس واسطے کہ وعدہ؟ اہل لغت کی تصریح کے مطابق؟ خیر و شر یعنی اچھے اور بُرے دونوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور شر کے مقام میں قرآن میں بھی استعمال کیا گیا ہے ارشاد فرماتا ہے وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا (میں نے بنو اسرائیل سے توریت میں بیان کردیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد پھیلاؤ گے اور بہت زیادہ سرکشی کرو گے) فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا (پس جب پہلی دفعہ فساد کرو گے تو میں تم پر اپنے کچھ ایسے بندوں کو مسلط کردونگا جو تمہارے گھروں میں گھسکر (قتل و غارت کرینگے) اور میرا یہ وعدہ پورا ہوکر رہے گا۔

عذاب ... کے وعدہ کی مخالفت جائز نہیں

[1] تفسیر کبیر جلد ا صـ ۳۸۴ ـ ۱۲ منہ

اسمیں تباہ و برباد کرنے کے وعدہ کو لفظ وعد سے تعبیر فرمایا ہے۔ وعید نہیں فرمایا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے غلط ہے کہ سائل نے ایک کے ذکر کو دوسرے کے نفی (موجود نہ ہونے) کا ثبوت قرار دیا ہے حالانکہ اِثْبَاتُ الشَّیِٔ لَا یَنْفِی مَاعَدَاہُ (ایک چیز کو ثابت کرنا دوسرے کی نفی نہیں کرتا) مشہور کلام ہے تیسرے اس وجہ سے غلط ہے کہ اس نے عذاب کے ہر وعدہ کو ہر حال میں قابلِ مخالفت سمجھا ہے۔ حالانکہ علاوہ اسکے کہ قرآن یا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا؟ آیت مبارکہ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاءُ (جس کو چاہے گا بخشیگا اور جس پر چاہے گا عذاب کرے گا) اس کی رد کر رہی ہے۔ اور اسکے علاوہ جہاں خدا سے بخشش کی امید رکھنی ضروری ہے وہاں خوف رکھنا بھی۔ پس اگر انسانِ سرکش پر یہ بات کھول دی جاتی کہ اونکی ہر گوہ خوریوں کو بخش دینا کرم اور بخشش ہے اور خدا کریم ہے؟ تو اوچکتے کو ٹیلنے کا بہانا ہو جاتا اور خوب چھُٹ کھیلتے۔ اور دنیا کا انتظام درہم و برہم ہو جاتا۔ ہاں وعدۂ خیر کی مخالفت البتہ خدا کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور خود بھی فرمادیا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (اچھا کام کرنے والوں کے بدلے کو خدا برباد نہ کریگا) لیکن یہ بھی عام اور بے قید نہیں ہے تاکہ کہا جاسکے کہ کفار اور مرتدوں نے جو اچھے کام کئے ہیں اونکا بدلا اونکو آخرت میں بھی ملے گا۔ بلکہ بہت سی آیتوں اور حدیثوں نے اس آیت کو موافات[عہ] کے ساتھ مقید کر دیا ہے یعنی یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اگر دینِ صحیح پر مرے تو اونکے کارِ خیر کا بدلا آخرت میں ملیگا ورنہ دنیا ہی میں دے دیا جائیگا تاکہ وہاں کی نعمتوں سے اونکے لئے کوئی حصہ نہ رہے۔

اور جواب اس وجہ سے غلط ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے لئے کسی وعدۂ عذاب کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ حالانکہ بخشش کے وعدوں سے قرآن بھرا ہوا ہے جن میں سے ایک وعدہ، مذکورہ بالا آیت یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ میں کیا گیا ہے۔ **پس صحیح یہ ہے** کہ وعدۂ ثواب کی مخالفت اوسکے لئے جائز نہیں ہے۔ جو دنیا سے ایمان کے ساتھ جاتے ہیں اونکی بھلائیوں کا بدلا دینا اور آخرت دونوں جگہ دیا جائیگا۔ اور جو بے ایمان جاتے ہیں عالم الغیب چونکہ اونکے انجام کو جانتا ہے۔ اونکی بھلائیوں کا بدلا اونکو دنیا ہی میں دیدیتا ہے

ثواب کے وعدہ کی مخالفت جائز ہے یا نہیں

عہ ملاحظہ ہو جلد ا صفحہ ۳۱۳ کا حاشیہ احباط و تکفیر کے متعلق ۱۲ منہ

رہ گیا وعدۂ عذاب تو لَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَھْدَہٗ میں یہ بھی داخل ہے - اور یہ آیت مطلق ہو لیکن اطلاق (عموم) اس کا مقصود نہیں ہے بلکہ اون آیتوں اور حدیثوں نے اس کو مقید کر دیا ہے جن کا مضمون یہ ہے کہ اگر گناہگار نے توبہ نہ کی یا شفاعت سے محروم رہا یا کوئی ایسا کار خیر نہ کیا جو باعثِ نظرِ رحمتِ پروردگار اور سببِ بخشائش ہے؟ تب اوس پر عذاب کیا جائیگا -

(چھٹاں فائدہ) علم کلام - جُبّائی نے کہا ہے کہ آیت لَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَھْدَہٗ سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کرنے کے بعد گنہگاروں کو جہنم سے نکالنے کا وعدہ نہ تو خدا نے حضرت موسٰیؑ سے کیا ہے نہ اونسے پہلے کے انبیاء سے - کیونکہ اگر ایسا وعدہ کیا ہوتا تو یہودیوں کے بارے میں لَنْ یُّخْلِفَ (ہرگز خلاف نہ کرے گا) نہ فرماتا اور جب ایسا ہے تو ضرور ہے کہ اون پر عذاب دائی ہو اور (خوارج میں سے فرقہ) وعیدیہ بھی یہی کہتے ہیں - اور جب دائمی ہونا دوسری امتوں کے لئے ثابت ہے تو اس امت کے لئے بھی ثابت ہونا ضروری ہے - کیونکہ گناہوں میں برابر ہونے کے بعد وعدہ اور وعید میں فرق نہیں ہو سکتا (رازی نے اس کا اچھا جواب دیا ہے)

۱؎ میں اسی کو نہیں مانتا کہ خدا نے حضرت موسٰیؑ سے نکالنے کا وعدہ نہیں کیا ۲؎ یہ کوئی ضرور نہیں ہے کہ یہودیوں کو نہ بخشنے کا جو وعدہ کیا ہے تو دوسروں کو بھی نہ بخشے ۳؎ یہودی چونکہ کافر تھے اسلئے اون پر عذاب دائی ہوگا ۴؎ اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت موسٰیؑ یا دوسرے نبیوں سے بخشنے کا وعدہ نہیں کیا تو اس سے یہ نہیں نکلتا کہ بخشیگا بھی نہیں ۵؎ اگر مان لیا جائے کہ امت موسٰیؑ کو نہ نکالیگا - تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امت محمدی کو بھی نہ بخشیگا ۶؎ یہ کلام بھی غلط اور بے ثبوت ہے کہ وعدہ اور وعید نہیں بدلتا - کیونکہ عذاب کرنا خدا کا حق ہے اور وہ اپنے حق کا مالک ہے جس کو چاہے اپنے تفضل سے بخش سکتا اور جس پر چاہے اپنے عدل و انصاف سے عذاب کر سکتا ہے ۱؎

(ساتواں فائدہ) اصول فقہ - فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ کلام

۱؎ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ - ۱۲ منہ

گناہگار مومن کا عذاب ابدی نہیں

پروردگار ۔ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (یا خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو)
یہودیوں کے اوس کلام کی رد کا آخری حصہ ہے جو اونھوں نے کہا تھا کہ ہم لوگ جہنم میں چند
دن سے زیادہ نہ رہیں گے اور اون کا یہ کلام افتراء اس وجہ سے ہے کہ اس مدت کی تعیین
یا تو قرآن سے ہوسکتی ہے یا حدیث سے اور یہودیوں کے بارے میں تعیین نہ خدا نے
توریت میں کی نہ حضرت موسیٰ نے ۔ پس ایسی صورت میں خدا کی طرف سے اس کو بیان
کرنا ایسی بات کو کہنا ہے جسکو وہ جانتے نہیں تھے (اور اسی کو افتراء کہتے ہیں) رازی
اسکے بعد لکھتے ہیں کہ جو لوگ (شیعہ ۔ دین خدا میں) قیاس کو باطل سمجھتے ہیں اونھوں
اس آیت کو اپنی دلیل قرار دی ہے ۔ اور کہتے ہیں کہ قیاس سے علم حاصل نہیں ہوتا اور
بغیر علم (یقین) کے مذہبی بات بولنے پر خدا نے اس آیت میں ملامت کی ہے ۔ اسلئے
قیاس کو چھوڑنا واجب ہے ۔ پھر جواب دیا ہے کہ دلیلوں سے جب ثابت ہو چکا ہے
کہ قیاس سے جو گمان حاصل ہو اوس پر عمل کرنا واجب ہے؟ تو اب اوسکے مطابق حکم دینا
حکم بغیر علم نہیں کہا جاسکتا ۱؎ میں عرض کرتا ہوں کہ علماء اہلسنت کی عادت ہے کہ جس بات
کو خود کہتے ہیں اگر اوسی بات کو شیعے اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں تو وہ اوس سے انکار کرتے
ہیں بلکہ حدیث صحیح کو خود لکھکر دوسرے کے مقابلہ کے وقت غلط اور ضعیف کہ دیتے ہیں ۔ اور
اگر شیعوں کا کلام نقل کرتے ہیں تو کبھی واقعی بات کو چھپا دیتے ہیں اور کبھی اوس میں کمی
یا زیادتی کر دیتے ہیں چنانچہ اسی قیاس کے بارے میں فیض آبادی نے منتہے الکلام میں
اور شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں؟ مولانا محمد باقر مجلسی اور ابن جنید
علیہما الرحمہ پر جھوٹ باندھا ہے ۲؎ اور رازی صاحب نے یہاں پر شیعوں کے اصل
کلام کو چھپایا ہے ۲؎ اور قیاس کے جائز ہونے کو ثابت کیا ہے حالانکہ خود اسکی رد بڑے
زوروں میں کر چکے ہیں ۔ اصل کلام چھپانے کا بیان یہ ہے کہ شیعے؟ یہ ہرگز نہیں
کہتے کہ قیاس اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اُس سے حکم کا گمان حاصل ہوتا ہے؟ یقین
حاصل نہیں ہوتا ۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ خدا نے قرآن میں اور
حضرت سرور عالم اور اونکے اوصیاء برحق نے حدیثوں میں اس سے منع کیا ہے ۔ اور

۱؎ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ - ۱۲ منہ ۲؎ دیکھو استقصاء الافہام جلد ۱ صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۲ - ۱۲ منہ

اکثر علماء اہلسنت اور اونکی حدیثیں اس بارے میں اونکی مؤید ہیں جیسا کہ آگے ذکر کیا جائےگا
سب جانتے ہیں کہ اکثر آیتوں اور اکثر حدیثوں سے حکم کا گمان ہی حاصل ہوتا ہے۔ یقین
حاصل نہیں ہوتا۔ اگر یقین کی پابندی کی جائے تو بہت سے احکام خدا سے ہاتھ دھو بیٹھنا
پڑے گا اور بہت سے دینی اعمال کا دروازہ بند ہو جائیگا پھر ایسی حالت میں شیعے
کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس دلیل سے گمان حاصل ہو وہ قابل عمل نہیں ہے۔ اصل یہ ہے
کہ رازی صاحب کو اس کا جواب دینا آسان نہ تھا اس لئے واقعی بات کو چھپا کر اس
پہلو کو اختیار کیا ہے۔ رہ گیا **قیاس منصوص العلۃ** یعنی وہ قیاس جسکے حکم کا سبب
معصوم نے بیان کر دیا ہے؟ جسکو شیعہ صحیح مانتے ہیں تو یہ در حقیقت قیاس نہیں ہے
بلکہ وہ ایک ایسی فرد پر حکم عام کو مطابق کرتے ہیں جسکو معصوم نے خاص کر کے ذکر نہیں فرمایا
ہے؟ اور جس فرد کو ذکر فرمایا ہے اوسکو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں جیسے ایک
حدیث میں معصوم نے فرمایا ہے کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ نشہ والی کل چیزیں حرام ہیں۔ پھر
دوسری حدیث میں فرمایا ہے اَلْخَمْرُ حَرَامٌ لِاَنَّہٗ مُسْکِرٌ شراب حرام ہے کیونکہ وہ
نشہ لاتی ہے۔ پہلی حدیث میں عام حکم بیان فرمایا ہے۔ اور دوسری حدیث
میں خاص شراب کا حکم؟ اور اوس حکم کا سبب یعنی نشہ لانا پس تاڑی مثلاً؟ جسکو
معصوم نے خاص کر کے بیان نہیں فرمایا ہے۔ شیعے کہتے ہیں کہ یہ بھی حرام ہے جس طرح
شراب حرام ہے کیونکہ یہ بھی نشہ لاتی ہے اور اسی کا نام قیاس منصوص العلۃ رکھتے ہیں۔

قیاس کے ناجائز ہونے کی آیتیں اور حدیثیں۔ رازی صاحب نے اپنے
رسالہ مناقب شافعی کی تیسری قسم میں قیاس کو بہت روزوں میں باطل اور ناجائز ثابت
کیا ہے اور اوسکے ثبوت میں جو آیتیں اور حدیثیں نقل کی ہیں وہ یہ ہیں۔ **آیتیں**۔
۱؎ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اوسکی پیروی نہ کرو۔
۲؎ لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ خدا اور رسول کے آگے قدم نہ بڑھاؤ۔
(یعنی خدا و رسولؐ کے کلام کے سوا کسی دوسری چیز کو حکموں کی دلیل قرار نہ دو) ۳؎
لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ اگر ہم سنتے یا سمجھے ہوتے۔ اس میں سمع یعنی نقلی دلیلوں قرآن
اور حدیث کو پہلے ذکر کیا ہے ۴؎ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ خدا اور
رسولؐ اور اولوالامر کی پیروی کرو۔ اطاعت خدا سے قرآن۔ اور اطاعت رسولؐ سے حدیث

اور اطاعت اولوالامر سے اجماع مقصود ہے۔ حدیثیں ۱؎ عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں
کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے دین میں جو شخص اپنی
رائے (قیاس) سے حکم دے اوسکو مار ڈالو ۲؎ حضرت عمر کہتے ہیں حضرتؐ نے ارشاد
فرمایا کہ جب کوئی عالم (قرآن و حدیث) باقی نہ رہیگا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لینگے
اون سے مسئلے پوچھے جائیں گے پس وہ بغیر علم کے فتوا دینگے پس خود بھی گمراہ ہونگے اور
دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس میں فتوے بغیر علم سے ؟ قیاس کے مطابق جواب
دینا مقصود ہے ۳؎ عوف بن مالک کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت
کچھ اوپر ستر فرقوں پر تقسیم ہوجائیگی اونمیں سے سب سے زیادہ جس فرقہ سے میری
امت میں فساد پھیلے گا وہ ؟ وہ فرقہ ہے جو لوگوں کو اپنی رائے (قیاس) سے فتوے
دیگا ۴؎ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کچھ دنوں قرآن
پر عمل کرے گی۔ پھر کچھ دنوں میری حدیثوں پر۔ پھر کچھ دنوں قیاس پر ؟ جب
قیاس پر عمل کرے گی تو گمراہ ہوجائیگی ۵؎ جابر انصاری کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے ارشاد
فرمایا کہ جس شخص نے دین میں قیاس سے فتوے دیا اوس نے مجھے بدنام کیا۔
صحابہ اور تابعین کی فرمائشیں ۱؎ حضرت عمر کہتے ہیں کہ دین میں قیاس کرنے کو برا سمجھو
(یا بدنام کرو) ۲؎ ابن عباس کہتے ہیں کہ قیاس سے ڈرتے رہو اور اوس کو چھوڑ دو۔
۳؎ ابن مسعود کہتے ہیں کہ ایک جماعت ؟ احکام کو قیاس سے بیان کریگی پس اسلام خراب
و برباد ہوجائیگا ۴؎ عمر بن عبد العزیز نے لوگوں کو لکھا کہ حدیث رسول اللہؐ کے ہوتے
ہوئے کسی کو قیاس پر عمل کرنے کا حق نہیں ہے ۵؎ امام شعبی کہتے ہیں کہ جو حکم قیاس
کے مطابق دیں اوس پر پیشاب کردو ۶؎ ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے حسین بصری
کو قیاس کرنے سے منع کیا ۷؎ حسن بصری کہتے ہیں کہ منافق قیاس پر عمل کرتے اور اپنے
دینی حکموں کو اوسی سے نکالتے ہیں ۸؎ عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ہشام بن
عروہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے باپ (عروہ) نے کہا کہ بنو اسرائیل کا امر اوسوقت
تک درست رہا جب تک اونمیں غلام زادے نہیں ہوئے تھے۔ اونکے ہونے
کے بعد اونھوں نے اونمیں قیاس کو جاری کیا اور اونکو ہلاک (گمراہ) کیا ۹؎ امام زہری
قیاس کو پسند نہیں کرتے تھے ۱۰؎ امام شعبی کہتے ہیں کہ تم اس وجہ سے ہلاک ہوئے

کہ حدیث چھوڑ کر قیاس اختیار کیا [۱] امام ابن سیرین کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ شیطان ہے اور جو حکم تم سے قیاس کے مطابق بیان کریں اوس کو کوڑے پر ڈال دو [۲]
ان حدیثوں اور فرمائشوں سے کچھ نمبروں کو مندرجہ ذیل لوگوں نے بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ جیسے حدیث [۲] کو صحیح بخاری باب ما یذکر من ذم الرای وتکلف القیاس میں اور حدیث [۵، ۴] کو ملا علی متقی نے کنز العمال میں اور فرمائش [۷] کو قزوینی نے اپنی کتاب سنن ابن ماجہ میں اور فرمائش [۱] کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حنفی نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور کنز العمال میں ایک حدیث یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ دین میں قیاس نہ کرو کیونکہ اس میں قیاس نہیں کیا جاتا اور سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا تھا۔ اور علامہ سیوطی نے تفسیر در منثور میں ایک حدیث یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے جد حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے پہلے جس نے دین میں قیاس کیا وہ شیطان ہے (آخر حدیث میں فرماتے ہیں کہ) پس جس نے دین میں قیاس کیا قیامت کے دن اوس کا حشر شیطان کے ساتھ ہوگا کیونکہ اوس نے اوسکی پیروی کی ہے [۵] قیاس کے ناجائز ہونے پر علماء اہلسنت کی رائیں:۔ ابن جوزی نے ایک مفصل تحریر لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں فقہاء قرآن اور حدیث پر عمل کرتے تھے۔ پھر گھٹتے گھٹتے نوبت یہاں تک پہونچی کہ آخر زمانہ کے علماء نے کہا کہ ہمیں اسی قدر کافی ہے کہ قرآن کی صرف اونھیں آیتوں کو لیلیں جو احکام سے تعلق رکھتی ہیں اور حدیث کی کتابوں میں سے مشہور کتابوں کو۔ اسکے بعد نوبت یہاں تک پہونچی کہ اپنے مطلب کے ثبوت میں ایسی آیتوں کو پیش کرنے لگے جس کا معنی نہیں جانتے تھے یا ایسی حدیث کو جسکے متعلق اون کو خبر نہیں تھی کہ صحیح ہے یا نہیں

---

[۱] استقصاء الافحام جلد ا صـ ۲۷۸ تا ۲۸۱-۱۲ منہ [۲] استقصاء الافحام جلد ا صـ ۲۷۷ تا ۲۷۸-۱۲ منہ [۳] ان حدیثوں اور فرمائشوں میں سے حدیث [۳] اور فرمائش [۷] کو بعض حدیثوں اور بعض فرمائشوں کے اضافہ کے ساتھ کراجکی علیہ الرحمہ کی کنز الفوائد سے ؟ انوار القرآن جلد ا صـ ۶۰۵ میں بھی نقل کر آیا ہوں ۱۲ منہ

اور اکثر ایسا بھی کرنے لگے کہ حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے اپنی بے خبری سے قیاس پر عمل کرنے لگے اور یہ سب خیانت ہے - اور جیسے جیسے سلاطین کا رنگ بدلتا گیا ہے ویسے ویسے اونکی پیروی میں یہ لوگ اپنا رنگ بدلتے گئے ہیں [۱] اور شیخ ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں قیاس کرنے کی مذمت کی ہے [۲] اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کتاب انصاف فی بیان سبب الاختلاف میں [۳] اور رسالہ عقد الجید فی الاجتہاد والتقلید میں [۴] اور علامہ ذوالنبیین نے کتاب شرح اسماء النبی میں [۵] اور اونکے امام غزالی نے احیاء العلوم کتاب العلم میں [۶] اب میں اس بحث کو اوس کلام پر ختم کرتا ہوں جسکو امام اہلسنت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اکثر قیاس کرنے والے جو اسکے ذریعہ سے قوم پر فخر کرتے اور اہلحدیث پر بڑائی جتلاتے ہیں یہ قیاس اونکے لئے ایسا وبال جان ہوگا جسکی اونھیں خبر نہیں ہے - [۷] واضح رہے کہ حدیثوں اور فرمائشوں کے نقل کرنے والے اکثر اور خود شاہ ولی اللہ حنفی تھے (دیکھو حدائق حنفیہ) - میں نے اختصار کی غرض سے مضمون نقل نہیں کیا جو صاحب دیکھنا چاہیں کتاب استقصاء الافہام میں مذکورہ حاشیہ صفحوں کے حوالہ سے ملاحظہ کریں

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

ع ۹ / ۱۱ / ۹

[۱] استقصاء الافہام جلد ۱ صـ ۲۹۳ تا ۲۹۵ بحوالہ تلبیس ابلیس مصنفہ سبط ابن جوزی ۱۲ منہ [۲] استقصاء صـ ۳۰۲ - ۱۲ منہ [۳] استقصاء صـ ۳۰۶ - ۱۲ منہ [۴] استقصاء صـ ۳۱۰ - ۱۲ منہ [۵] استقصاء صـ ۳۱۱ - ۱۲ منہ [۶] استقصاء صـ ۳۱۳ ۱۲ منہ [۷] استقصاء صـ ۳۲۱ - ۱۲ منہ

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۸۳

(الفاظ کے معانی) بَلٰی - ہاں + مَنْ - جو شخص + كَسَبَ - حاصل کرے + سَيِّئَةً - گناہ - برائی + وَ - اور + اَحَاطَتْ گھیر لیا + بِہٖ - اوسکو + خَطِيْئَتُہٗ - گناہ + ہٗ - اوس + فَ - پس + اُولٰٓئِكَ - وہ لوگ + اَصْحَابُ - ساتھی + النَّار - آگ - جہنم + هُمْ - وہ لوگ + فِيْ - میں + هَا - اوس + خَالِدُوْنَ - ہمیشہ رہیں گے + اَلَّذِيْنَ - جو لوگ + اٰمَنُوْا - ایمان لائے + عَمِلُوْا - کام کیا + صَالِحَاتُ - نیک کام + جَنَّةً - بہشت + اِذْ - جب + اَخَذْنَا - میں نے لیا + بَنِيْ - اولاد - امت + اسرائیل - حضرت یعقوب + لَا - نہیں + تَعْبُدُوْنَ - عبادت کروگے + اِلَّا - لیکن - مگر + اللّٰہ - خدا + وَ - اور + بِ - ساتھ + وَالِدَيْنِ - ماں باپ + اِحْسَانًا - بھلائی + ذِيْ - صاحب + قُرْبٰی - نزدیکی + (ذی القربیٰ - عزیزوں - قرابتداروں) يَتٰمٰی - یتیموں - مَسَاكِيْن - محتاجوں + قُوْلُوْا - کہو + لِ - واسطے + نَاس - لوگوں + حُسْنًا اچھی - بھلی + اَقِيْمُوْا - برپا کرو + صَلٰوةَ - نماز - اٰتُوا - دو + زَكٰوةَ - زکوۃ ثُمَّ - پھر + تَوَلَّيْتُمْ - تم پھر گئے - منہ موڑ لیا + قَلِيْلًا - تھوڑے + مِنْ - سے + كُمْ - تم + اَنْتُمْ - تم + مُعْرِضُوْنَ - منہ پھیرے ہوئے - منہ پھیرنے والے -

(بامحاورہ ترجمہ) ہاں (یہ بات تمہاری غلط ہے کہ چند روزہ عذاب کے بعد تم بہشت میں جاؤگے اور جہنم میں تمہارے قائم مقام مومنین ہونگے بلکہ) جو شخص برا کام (کفر اختیار) کرے گا اور اوسکی برائیاں اوسکو گھیر لینگی وہ دوزخی ہے

ع روایت عکرمہ ۲ بطریق اہلسنت میں یہ مضمون گذر چکا ہے اور خالدین فیہا کی جگہ پر ہم کو بڑھانا اور پہلے ذکر کرنا اس کا مؤید ہے اور اصول مذہب بھی یہی ہے کہ جہنم کی ہمیشگی کافروں کے لئے ہے اور بہشت کی ہمیشگی مومنوں کے لئے - اور روایت عکرمہ کے مضمون کا فرمائش معصوم

وہی اوس میں ہمیشہ رہیگا (نہ مومن) اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھا کام کیا وہ جنتی ہیں۔ وہی اوسمیں ہمیشہ رہیں گے (نہ کافر) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنو اسرائیل (تمہارے بزرگوں) سے وعدہ لیا تھا کہ عبادت نہ کرنا لیکن خدا ہی کی۔ اور ماں باپ اور قرابتداروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا (جو اپنے لئے پسند کرتے ہو) اور برابر نمازیں پڑھنا اور زکوۃ دینا؟ اسکے بعد تم میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا تم (تمہارے باپ دادا اپنے وعدہ سے) پھر گئے اور تم بھی (اونہیں کی طرح) مُنہ موڑے ہوئے ہو۔

(علم صرف) سَیِّئَۃً؟ اصل میں سَیْوِئَۃً تھا "و" اور "ی" ایک کلمہ میں جمع ہوئے "و" کو "ی" کیا۔ اور "ی" کو "ی" میں ملا دیا سَیِّئَۃً ہو گیا۔ اَحَاطَتْ؟ اصل میں اَحْوَطَتْ تھا "و" کے پہلے حرف صحیح کو جزم تھا فتحہ واؤ کا بدل دیا اَحَاطَتْ ہو گیا۔ اٰمَنُوْا؟ اصل میں اَأْمَنُوْا تھا ہمزہ کے پہلے زبر تھا اسلئے اوس کو الف سے بدل دیا اٰمَنُوْا ہو گیا۔ اُتُوْا؟ اصل میں اُأْتُوْا تھا اوس میں بھی یہی قاعدہ جاری ہوا ہے۔ تُوْلُوْا؟ اصل میں اُقْوُلُوْا تھا ضمہ (پیش) ہمزہ پر گراں تھا اس واسطے "ق" کو دیدیا۔ ہمزہ اسلئے لائے تھے تاکہ شروع لفظ میں جزم نہ رہے۔ اب اوسکی ضرورت باقی نہ رہی اسلئے گرا دیا قُوْلُوْا ہو گیا۔ اَقِیْمُوْا؟ اصل اَقْوِمُوْا تھا "و" پر کسرہ (زیر) گراں تھا اس واسطے اوسکو "ق" کو دے دیا۔ اب اوسکے پہلے زیر ہونے کی وجہ سے اوسکو "ی" سے بدل دیا اقیموا ہو گیا۔

(علم نحو) بَلٰی اور نَعَمْ دونوں حرف جواب ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ بلی انکار کی ہوئی بات کو ثابت کرنے کے لئے لایا جاتا ہے جیسے یہودیوں نے کہا تھا کہ چند روز سے زیادہ ہم لوگ جہنم میں نہ رہیں گے؟ تو خدا نے اس حرف سے اوسکے ثبوت یعنی زیادہ رہنے کو ظاہر کیا ہے اور نَعَمْ؟ ثبوتی یا انکاری کے اقرار کے لئے؟ جیسے اگر کوئی پوچھے کہ اَجَاءَ زَیْدٌ (کیا زید آیا) تو کہتے ہیں نَعَمْ (ہاں آیا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۳) میں نہ ہونا اسکی غلطی کا ثبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ مخالف مضمون کا ذکر کرنا اس کا ثبوت ہوتا ہے ذکر نہ کرنا ثبوت نہیں ہوتا ۱۲ منہ

۲ نقل حرکت واؤ کو الف سے

اسی طرح اگر کوئی کہے مَا جَاءَ زَیْدٌ (کیا زید نہیں آیا) تو کہتے ہیں نَعَمْ (ہاں نہیں آیا)۔ مَنْ یا تو الذی کے معنی میں اسم موصول ہے یا اِنْ (اگر) کے معنی میں شرطیہ۔ بہرحال مبتدا ہے اور اولئک مبتدا اور اوسکی خبر یعنی اصحاب النار۔ دونوں مل کر جملہ ہو کر اوسکی خبر یا جواب شرط۔ اور اَحَاطَتْ کا عطف؟ کَسَبَ پر ہے اور یہ دونوں مل کر اسم موصول کا صلہ ہیں۔ اور بِہٖ کی ضمیر؟ مَنْ اسم موصول کی طرف پھرتی ہے۔ لَا تَعْبُدُوْنَ یا تو اوس قسم کا جواب ہے جو یہاں پر قرینہ سے سمجھی جاتی ہے اور معنی اس کا یہ ہے کہ اَحْلَفْنَا هُمْ لَا تَعْبُدُوْنَ (میں نے اونہیں قسم دی کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کریں) یا یا ق اَنْ پوشیدہ ہے اور اصل اسکی عَلٰی اَنْ لَا تَعْبُدُوْا ہے یعنی اون سے اس کا وعدہ لیا کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کریں پس حرف جر یعنی علٰی کو اور اَنْ کو تخفیف کے لئے گرا دیا ہے یا مقام نصب میں ہے اور ترکیب میں بنو اسرائیل کا حال واقع ہے یعنی اَخَذْنَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ مُوَحِّدِیْنَ (میں نے بنو اسرائیل سے اوس وقت وعدہ لیا جب وہ موحّد تھے) یا خبر کی صورت میں انشاء یعنی نہی ہو۔ یعنی لَا تَعْبُدُوْنَ کا معنی لَا تَعْبُدُوْا (عبادت نہ کرو) ہو اِحْسَانًا؟ اَحْسِنُوْا (بھلائی کرو) فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ حُسْنًا؟ کا موصوف قَوْلًا۔ اور مضاف ذا۔ دونوں پوشیدہ ہیں اصل اس کی قُوْلُوْا قَوْلًا ذَا حُسْنٍ تھی یعنی بھلائی والی بات کہو۔ اس بنا پر ذَا حُسْنٍ مضاف اور مضاف الیہ مل کر قولًا کی صفت ہے۔ اور موصوف اور صفت مل کر قُوْلُوْا کا مفعول بہ ہے۔

(قرائت) اہل مدینہ نے خَطِیْئَاتُهٗ بلفظ جمع پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے خَطِیْئَتُهٗ ابن کثیر اور حمزہ اور کسائی نے لَا یَعْبُدُوْنَ "ی" کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی نے "ت" کے ساتھ۔ حمزہ اور کسائی نے حَسَنًا پڑھا ہے اور باقی نے حُسْنًا۔

(ظاہری تفسیر) بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً۔ یہودیوں نے جو کہا تھا کہ ہم لوگ چند روز سے زیادہ جہنم میں نہ رہیں گے؟ اس آیت میں خداوند عالم اونکی رد فرمانا چاہتا ہے؟ مقصود یہ ہے کہ ویسا نہیں ہے جیسا تم کہ رہے ہو بلکہ جو شخص گناہ (کفر) کرے گا اور گناہ اوسکو گھیر لیں گے وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ سَیِّئَةً کے معنی میں مفسروں میں اختلاف ہے ابن عباس؟ مجاہد؟ قتادہ؟ نے کہا ہے کہ شرک مقصود ہے۔ اور حسن بصری نے کہا ہے کہ گناہ کبیرہ مقصود ہے جو جہنم میں

جانے کا سبب ہوتا ہے۔ سُدّی نے کہا ہے کہ وہ گناہ مقصود ہیں جن پر خدا نے جہنم کا وعدہ کیا ہے اور پہلا کلام (ابن عباس وغیرہ کا) ہمارے مذہب (شیعہ) کے مطابق ہے کیونکہ ہم شیعوں کے نزدیک شرک کے سوا دوسرے گناہ جہنم میں ہمیشہ رہنے کا سبب نہیں ہیں۔ اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ یا تو اَحَاطَتْ کا معنی؟ چاروں طرف سے گھیر لینا ہے جیساکہ آیت کریمہ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ میں یہی معنی مراد لیا گیا ہے (یعنی کافروں کو جہنم چاروں طرف سے گھیرے ہوگا) یا ہلاک کرنا ہے جس طرح کلام پروردگار اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ اور وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ اور وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ میں مراد لیا گیا ہے۔ اور ان سب میں ہلاکت ہی مقصود ہے۔ پس (اس بنا پر) اس کا معنی یہ ہوگا کہ کافروں پر راہِ نجات بند کردیگئی ہے اور خَطِیْئَتُہٗ کا معنی ابن عباس؟ ضحاک؟ ابو العالیہ نے شرک کہا ہے اور حسن بصری نے گناہ کبیرہ اور عکرمہ اور مقاتل نے گناہوں پر اصرار (یعنی بار بار) کرنا۔ خداوند عالم نے (باوجودیکہ دونوں جگہ ایک ہی معنی مقصود ہے) ایک جگہ سَيِّئَةً اور ایک جگہ خَطِیْئَۃٌ (صورت میں دو طرح کے لفظ) اس واسطے فرمایا ہے تاکہ فصاحت اور بلاغت بڑھ جائے فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ابن عباس وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اوس سے نکل نہ سکیں گے اور ابن عباس کا کلام ہمارے مذہب کے مطابق ہے کیونکہ اس آیت کے حکم میں مومن داخل نہیں ہیں اور کلام پروردگار وَاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ اس کلام کو قوت دے رہا ہے۔ اسلئے کہ معنی اس کا یہ ہے کہ اوسکے گناہوں نے اوس کو چاروں طرف سے اس طرح گھیر لیا ہے کہ وہ کسی طرح چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ اگر اسکے ساتھ کچھ عملِ خیر بھی ہوتا تو گناہ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے نہ ہوتا۔ اور عملِ خیر کے حبط ہونے (مٹ جانے) کے بطلانؑ پر دلیلیں موجود ہیں اور خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے اَلَّذِيْنَ

عہ میں عرض کرتا ہوں کہ لفظ سیئہ اور خطیئہ سے اگر شرک اور کفر (یعنی عام یعنی بخدا و رسولؐ و ائمہؑ برحق) مقصود ہے تو ان تکلفات اور مسئلہ حبط و تکفیر کو درمیان میں لانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جیساکہ میں اس تفسیر کی جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ کے

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیا وہ جنتی ہیں وہی اوس میں ہمیشہ رہیں گے) اس آیت میں اوس نے اہل تصدیق اور اطاعت (یعنی فرمانبردار مومنوں) کے لئے ثواب دائم (ہمیشگی بہشت) کا وعدہ کیا ہے۔ پس ہمیشگی عذاب ہمیشگی ثواب کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سیئۃ سے شرک مقصود ہے (جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا) پس اس بنا پر؟ اس آیت کو؟ بدکار مومن کے اس میں داخل ہونے کا ثبوت قرار دینا باطل اور غلط ہے علاوہ اوسکے جیسا کہ اہل تفسیر نے بیان کیا ہے کہ اکثر مخالفوں کے نزدیک ایک گناہ کل عمل نیک کو باطل نہیں کرتا۔ اور اس صورت میں اس آیت سے عام حکم نکل نہ سکے گا۔ اسواسطے ضرور ہوگا کہ لفظ سیئۃ سے بہت بڑے گناہ مراد لئے جائیں اور وہ شرک ہے تاکہ دونوں آیتوں (یعنی من کسب سیئۃ اھ اور الذین امنوا اھ) کا معنی جمع ہو سکے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۶) حاشیہ میں مسئلہ موافات میں لکھ آیا ہوں۔ ان کا دنیا سے کفر پر جانا ہی ہمیشگی جہنم کے لئے کافی ہے۔ اور اگر گناہ مقصود ہیں تو یہ کلام درست نہیں ہے ایک اس وجہ سے کہ حبط سے انکار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ حبط اور تکفیر بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے (ملاحظہ ہو اس تفسیر کی جلد ا صفحہ ۱۳۰ کے حاشیہ میں مولانا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ کی فرمائش) دوسرے اس وجہ سے کہ بہتیری حدیثوں سے ثابت ہے کہ مومن اگر گناہوں میں ڈوبا ہوا بھی ہو جب بھی وہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا۔ اور حضرت سرورِ عالم اور ائمہ معصومین علیہم الصلوۃ والسلام نے شفاعت کا وعدہ کیا ہے۔ حضرتؐ صاف فرماتے ہیں کہ اِدَّخَرْتُ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ (میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت سے گناہان کبیرہ والوں کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہے) اور بے شمار حدیثیں بتاتی ہیں کہ اس فرمائش میں امت سے مومنین امت مقصود ہیں (ملاحظہ ہو انوار القرآن جلد ا صفحہ ۱۲۹ صفحہ ۱۳۶۔ اور جلد ۲ صفحہ ۹ تا ۱۱ کا حاشیہ اور صفحہ ۳۹ تا ۴۶ کا حوض و حاشیہ) ۱۲ منہ

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ یہاں سے خداوند عالم نے بنو اسرائیل کا ذکر پھر شروع کیا ہے۔ اور میثاق سے عہد مقصود ہے اور بعض نے عقلی اور شرعی دلیلیں کہی ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ وعدہ مقصود ہے جو انبیاء نے اپنی امتوں سے لیا تھا اور وعدہ کلام ہی سے ہوتا ہے۔ پس گویا کہ اس کا معنی اَمَرْنَاهُمْ ہیں نے اون کو حکم دیا۔ اور وَصَّيْنَاهُمْ ہیں نے اونھیں وصیت کی۔ وَاَكَّدْنَا عَلَيْهِمْ اون پر تاکید کی۔ اور قُلْنَا لَهُمْ ہیں نے اونسے کہا ہے۔ اور لَا تَعْبُدُوْنَ کے معنی میں چار صورتیں بیان کی گئی ہیں جن کو علم نحو میں لکھ آیا ہوں، وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ماں باپ کے ساتھ حسن احسان کا اون کو حکم دیا گیا تھا وہ ہماری امت (مسلمانوں) پر بھی واجب ہے (اور اوسکی بہت سی فردیں ہیں جن میں سے ایک اونکے ساتھ بھلائی کرنا۔ دوسرے اچھی باتیں تیسرے فروتنی چوتھے محبت پانچویں مہربانی چھٹیں دعاے خیر وغیرہ۔ وَذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ اور قرابت داروں کے ساتھ صلۂ رحم (اچھا برتاؤ۔ احسان۔ بھلائی) کریں اور یتیموں کے ساتھ رحم دلی اور مہربانی۔ اور محتاجوں کے اون حقوق کو ادا کریں جو خدا نے اون پر اونکے مالوں میں واجب کیا ہے (جیسے خمس۔ زکوٰۃ۔ فطرہ۔ اور اونکے اضطراب اور پریشانی کے وقت اونکی مدد اور اونکی جان اور مال اور عزت کی حفاظت) وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا اور میں نے اون سے کہا کہ لوگوں سے اچھی باتیں کرو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ قولِ حَسَن (اچھی بات) سے بھلی باتیں اور خوش خلقی مقصود ہے جسکو خدا پسند کرتا اور دوست رکھتا ہے اور سفیان ثوری نے کہا ہے کہ اچھی باتوں کا حکم دینا اور بُری باتوں سے منع کرنا مقصود ہے۔ اور ربیع بن انس نے کہا ہے کہ پسندیدہ باتیں مقصود ہیں۔ اور جابر انصاری نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے وہ باتیں مقصود ہیں جن کو انسان اپنے لئے پسند کرتا ہو کیونکہ مومنوں پر لعنت کرنے والوں اور اونکو گالیاں دینے والوں اور اون پر طعن کرنے والوں۔ اور بدکلاموں اور بھکڑ بازوں اور بیچ آدمیوں کو خدا دشمن رکھتا ہے۔ اور جو باحیا اور اپنی آبرو بچانے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

پھر اس میں دوسرا اختلاف یہ ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث میں بھی یہی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ صرف مومن ہی اس میں داخل ہیں پھر جن لوگوں نے کہا ہے کہ مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے اون میں بھی اختلاف ہے۔

ابن عباس اور قتادہ نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ اسکی آیت سیف (تلوار یعنی حکم جہاد) ہے اور کلام پروردگار عالم قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَوْ يُقِرُّوْا بِالْجِزْيَةِ یعنی اون سے جنگ کرو یہاں تک کہ لا الٰہ الا اللہ کہیں یا جزیہ دینا قبول کریں۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی اس مضمون کی حدیثیں نقل کی گئیں ہیں۔ اور اکثر نے کہا ہے کہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ اچھے طریقہ سے اون کو ایمان کی دعوت دینے (تلقین کرنے) کے ساتھ جنگ ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یعنی خدا کی راہ کی طرف حکمت (علم) اور اچھی نصیحتوں سے لوگوں کو بلاؤ اور اچھے طریقہ سے اون سے جدال (مذہبی جنگ) کرو اور دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ یعنی اون غیر خداؤں کو برا نہ کہو جن کو وہ خدا مانتے ہیں ورنہ وہ بھی خدا کو (نہ سمجھے) اپنی نادانی سے ظلماً برا کہیں گے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور نماز کو اوسکے حدود (شرائط اور اجزاء) کے ساتھ بجا لاؤ۔ اور زکوٰۃ جو خدا نے تم پر واجب کیا ہے اوسکے مستحقوں کو دو ابن عباس کہتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر جو زکوٰۃ واجب تھی وہ قربانی تھی جبکہ آسمان سے آگ اوتر کر اوٹھا لے جاتی تھی اور قبولیت کی پہچان یہی تھی پس اگر آگ نہیں اوترتی تھی تو سمجھا جاتا تھا کہ قربانی مقبول نہیں ہوئی۔ اور انکی دوسری حدیث میں ہے کہ اس سے خدا کی اطاعت اور خالص نیت سے اوسکی عبادت مقصود ہے ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ اس آیت میں خداوند عالم نے یہ خبر دی ہے کہ یہودیوں نے اپنا عہد و پیمان توڑ دیا اور وعدہ کے خلاف کیا اور خدا سے منہ موڑ لیا۔ سوا اون تھوڑے سے لوگوں کے جن کو خدا نے (

سے) بچایا (کہ اونھوں نے خدا کی فرمانبرداری چاہی۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ میری راہ میں کوشش کرتے ہیں انھیں اپنی راہ دکھادیتا ہوں) پس اوس نے بھی ان کے بارے میں اپنا وعدہ پورا کیا اور ان کو قلیل (تھوڑا) اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ یہ اون سرکشوں سے کم تھے اس میں اختلاف ہے کہ یہ عہد و پیمان توڑنے والے کون تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کے زمانہ کے یہودی تھے اور خدا نے انھیں کی مذمت کی ہے کیونکہ انھوں نے اوس عہد و پیمان کو توڑا اور اون حکموں کو بدلا تھا جو ان سے توریت میں لیا گیا تھا۔ اور گناہوں میں بتلا رہے اور بعض نے ان کے بزرگوں کو کہا ہے اور تَوَلِّیْ اور اِعْرَاض دونوں کا معنی ایک ہی یعنی منہ موڑنا اور پھر جانا ہے۔ پس تاکید کی غرض سے دونوں کو اکٹھا ذکر کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تَوَلِّیْ سے پھر جانا مقصود ہے اور مُعْرِضُوْنَ سے اس سرکشی پر باقی رہنا۔ یہ آیت حقوق کی ترتیب کو بھی بتا رہی ہے کیونکہ خدا نے پہلے اپنے حق کو بیان کیا ہے اور ہر صاحبِ حق کے حق سے اوس کو اوپر رکھا ہے کیونکہ وہ خالق اور منعم ہے پھر ماں باپ کے حق کو ذکر کیا ہے کیونکہ وہ پیدائش کے سبب اور پرورش کرنے والے ہیں پھر قرابتداروں کو ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے قرابتدار بہ نسبت غیروں کے (رشتہ میں) اوس سے زیادہ نزدیک ہیں (اگرچہ اَقْرَبْ (زیادہ قریبی رشتہ دار) عَقْرَبْ (بچھو) کا کام کریں اور ڈنگ لگا لگا کر تڑپاتے رہیں۔ لیکن خدا شناسوں کو چاہیئے کہ جہاں تک ہوسکے اون کے مظالم سہیں۔ کمینہ پن کو برداشت کریں اور بقدر امکان بھلائی سے ہاتھ نہ روکیں پھر یتیموں کو ذکر کیا ہے کیونکہ وہ کمزور ہیں۔ اور فقیروں کو ذکر کیا ہے کیونکہ وہ محتاج ہیں[۱]

حدیثیں

(بطریق شیعہ) بتلاے مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً سے خَالِدُوْنَ تک۔ بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ سَیِّئَةً

---

[۱] مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۶۴ - ۱۲ منہ

محیطہ (گھیر لینے والا گناہ) وہ ہے جو دینِ خدا سے نکال دے اور ولایتِ خدا سے جدا اور غضبِ خدا میں مبتلا کردے۔ اور یہ ۱؎ خدا کے ساتھ شرک کرنا اور ۲؎ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہٖ کی نبوت اور ۳؎ حضرت علی مرتضٰے علیہ السّلام کی امامت (بلافصل) کو نہ ماننا ہے۔ ان تینوں گناہوں میں سے ہر ایک سیئہ محیط ہے اور اعمال نیک کو گھیر کر باطل کردیتا اور مٹا چھوڑتا ہے پس انھیں گناہوں کے کرنے والے دوزخی ہیں جو اوس میں ہمیشہ رہیں گے۔

عہ (آریہ) دیانندجی نے کفار کے ہمیشہ معذب ہونے کے متعلق ۱؎ اپنے منہ سے محقق بن کر اپنی علمی قابلیت کی داد دی ہے اور اپنی پوشیدہ خوش نفسی کو ظاہر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ چونکہ جیو (روح) غیر متناہی گناہ اور ثواب کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اسلئے ہمیشہ کے لئے بہشت یا دوزخ میں نہیں رہ سکتے۔ اور اگر خدا ایسا کرے تو بے منصف (سبحان اللہ کیا فصاحت ہے) اور لاعلم ٹھہرے۔ اگر قیامت کی رات عہ انصاف ہوگا تو انسانوں کے گناہ و ثواب مساوی ہونے چاہئیں۔ اگر اعمال غیر متناہی نہیں ہیں تو اونکا ثمرہ غیر متناہی کیونکر ہوسکتا ہے (پھر دو سطروں میں مسلمانوں اور خدا پر طعن کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ) پرمیشور کے کام ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور جس قدر کسی کے گناہ و ثواب ہوتے ہیں اوسکے مطابق ہی اوسکو ثمرہ دیتا ہے۔ لہذا قرآن کی بات سچی نہیں ہے سہ۔ جواب۔ اس عبارت کی فصاحت و بلاغت سے چشم پوشی (جس پر دیانندجی کو ہزاروں مرتبہ صدقہ ہونا چاہیے تھا) اس کا نقضی جواب یہ ہے کہ خود ۱؎ دیانندجی نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۱۸/۶۵ میں لکھا ہے کہ "اگر گواہ راج سبھا خواہ کسی نیک آدمیوں کی سبھا میں دیکھے اور سُنے کے خلاف بولے۔ تو زمان حال (یعنی زندگی) میں قطع اللسان یعنی زبان کاٹنے سے رنج و تکلیف کو فائز ہو۔ اور بعد مرگ وہ راحت (آرام) سے بے بہرہ ہوگا (منو ۸-۷۵) ۲؎ پھر نمبر دعہ ۲۲۰/۶۸ میں لکھتے ہیں کہ "اگر باستثنا اُن (راج سبھا اور نیک آدمیوں کی سبھا) کے دیگر موقعہ پر گواہ جھوٹ بولے تو اوس کو حسب ذیل مختلف قسم کی سزا دیں ۱؎ لالچ سے بولے تو ع۱ ار جرمانہ ۲؎ غلبۂ الفت سے بولے تو ۲ ار ۳؎ خوف

عہ یوم قیامت کا ترجمہ ؟ قابل دیانندجی نے قیامت کی رات کیا ہے ۱۲ منہ
سہ ستیارتھ پرکاش کا مستند اردو ترجمہ سملاس ۱۴ ۱۶۱ صفحہ ۶۷۸ مطبوعہ ۱۸۹۹ء نولکشور پریس لکھنؤ ۱۲ منہ

امام علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہٖ نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ کی امامت کا اعتقاد ایسا کار خیر ہے جسکے ہوتے ہوئے کوئی گناہ اگرچہ بڑا ہو نقصان نہیں پہونچا سکتا (بہشت میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتا) صرف اتنا ہوگا کہ اون گناہوں سے پاک کر دینے کے لئے گنہگار دنیا کے مصائب اور آخرت کے تھوڑے سے عذاب میں مبتلا کیا جائیگا۔ اوسکے بعد اپنے ائمہ طیبین و طاہرین کی شفاعت سے نجات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۱) سے بولے تو سے ہم دوستی کی وجہ سے بولے تو عہ ۸ ہے نفسانیت کی وجہ سے بولے تو عہ ۹ ہے غضب کے باعث بولے تو عہ ۱۴ ہے ناواقفیت کی وجہ سے بولے تو سے ہے طفولیت کی وجہ سے بولے تو عص ۳ ہے پھر صفحہ ۲۲۳ میں لکھتے ہیں کہ چور جس عضو سے چوری کرے اوس کو کاٹ ڈالنا چاہیے۔ (منو ۸ - ۳۳۴) اور مال مسروقہ (چوری کے مال) سے آٹھ گنا شودر کو - ۱۶ گنا ویش کو - ۲۰ گنا کشتری کو - چونسٹھ یا سو یا ایک سو اٹھائیس گنا برہمن کو - تاوان دینا چاہیے (منو ۸ - ۳۳۸) ہے پھر صفحہ ۲۲۵ میں لکھتے ہیں کہ عورت زنا کرے تو اوس کو جیتے جی بہت سے عورتوں اور مردوں کے سامنے کتوں سے کٹوا کر مروا ڈالے (منو ۸ - ۳۷۱) اور مرد زنا کرے تو لوہے کے پلنگ کو آگ میں تپا کے اور سرخ کر کے اوس پر اوس گنہگار مرد کو سلا کر لوگوں کے سامنے جلا دے (منو ۸ - ۳۷۲) ہے پھر صفحہ ۲۲۳ میں لکھتے ہیں کہ ایک ہی قسم کے جرم میں معمولی آدمی کی نسبت راجہ کو ہزار گنا سزا ہونی چاہیے ہے پھر صفحہ ۲۲۳ کا جو جواب دیا ہے اوس کا خلاصہ؟ سرخی کی عبارت میں یوں لکھا ہے کہ "جرائم میں سخت سزا دینا دراصل سختی نہیں ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ اصول اسلام کے مطابق؟ کفر کے سوا باقی گناہوں کی دنیا میں سزا پانے کے بعد پھر آخرت میں سزا نہیں ہے۔ اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ دو جگہوں میں سے ایک جگہ سزا دینے کے بعد دوسری جگہ سزا دینی خلافِ انصاف اور ظلم ہے لیکن دیانند جی کے شاستر میں زبان کاٹنے کا بھی حکم ہے اور آخرت میں تکلیف دینے کا بھی وعدہ کیا ہے۔ اسلئے دیانند جی کی رائے کے مطابق وید کی بات سچی نہیں ہے ہے عقل اور انصاف کا حکم یہ ہے کہ قصور کی سزا کی جائے اور مال مسروقہ یا اوس کا بدلا

سچی نہیں ہے

پائے گا اور علیؑ کے دشمنوں کی امامت کا اعتقاد؟ اور علیؑ کی مخالفت ایسا گناہ ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی چیز فائدہ نہ دے گی۔ صرف اتنا ہوگا کہ ان کی عبادتوں کے بدلے میں دنیا کی نعمتیں اور جسمانی صحت اور رزق میں وسعت دیدی جائیگی اور آخرت میں خالی ہاتھ پہونچیں گے اور) ہمیشہ کے لئے عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ علیؑ کی امامت سے انکار کرنے والے جنت کو آنکھوں سے ہرگز نہ دیکھیں گے مگر اس قدر کہ ان کو وہ جگہیں دکھادی جائیں گی جہاں؟ امامتِ علیؑ کے اعتقاد کی

(بقیہ حاشیہ ص۳۵۲) مالک کو دلوا دیا جائے۔ مال مسروقہ سے بڑھکر تاوان وصول کرنا اور ہاتھ بھی کاٹنا خلاف انصاف ہے اس لئے وید کی بات سچی نہیں ہے ۴ اگر راجہ گناہ کرے تو ویدی منوجی کی تحریر کے مطابق اوسکو ہزار گنا سزا کرنی چاہیئے۔ اور دیانندجی لکھتے ہیں کہ سزا کو گناہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اس لئے وید کی بات سچی نہیں ہے۔ اور اس کا حلی جواب پہلا یہ ہے کہ ۵ میں دیانندجی خود ہی لکھ رہے ہیں کہ جرائم میں سخت سزا دینا دراصل سختی نہیں ہے۔ اور ۱۲ میں خود ہی ظاہر کردیا ہے کہ سختی کی مقدار میں کمی اور زیادتی ہوسکتی ہے تو جب معمولی جرموں میں سخت سزا سختی نہیں ہے اور سختی کی مقدار کی تجویز حاکم حقیقی کی رائے پر ہے تو اگر شرک و کفر کی سزا خدا نے ہمیشگی عذاب تجویز کیا تو دیانندجی اس کو کیوں سختی کہتے اور نامناسب سمجھتے ہیں دوسرا یہ ہے کہ جب زنا کی سزا جیتے جی بیرجی سے جلاکر مار ڈالنا ہے اور راجہ کی سزا ہزار گنا۔ تو زنا کے جرم میں راجہ دنیا میں ہزار دفعہ کیونکر جلاکر مارا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ضرور ہوا کہ ایک مرتبہ دنیا میں۔ اور ایک کم ہزار مرتبہ آخرت میں جلاکر مارا جائے یہ تو زنا کے متعلق تھا۔ پس اگر کوئی شخص زنا کی جگہ پر دین و مذہب ہی سے نکل جائے خارج کرکے اگر یہ شخص راجہ ہو یا مثل دیانندجی کے برہمن پنڈت ہو تو اوسکی سزا ہمیشگی عذاب کے سوا اور کیا ہونی چاہیئے تیسرا یہ ہے کہ دیانندجی ص۲۲۵ کے جواب میں لکھتے ہیں کہ سخت سزا اس واسطے دی جاتی ہے تاکہ دوسرے لوگ بڑے کاموں سے بچیں پس جب کہ زنا کی سزائے مذکورہ بدترین سزا ہے دیانندجی کو ڈرانے کے لئے کافی نہ ہوئی یہانتک

صورت میں رکھے جاتے۔ پس حسرتیں اور پچھتاوے اونکے بڑھ جائیں گے۔ اور
جو لوگ علیؑ کی امامت کا اعتقاد کرینگے وہ کبھی جہنم کو آنکھوں سے نہ دیکھیں گے لیکن
اس قدر کہ اونھیں جہنم دکھلا دیا جائیگا اور کہا جائیگا کہ اگر علیؑ کی امامت کا اعتقاد نہ رکھتے
تو اسی میں ڈال دیئے جاتے ہاں امامت کے معتقدوں میں سے جن لوگوں نے بہت
زیادہ گناہ کیا ہوگا اور کفر میں مبتلا ہوئے ہوں گے وہ جہنم میں اس قدر رکھے جائینگے کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۳) کہ اونھوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اور ویدوں کی توہین
کی جیسا کہ انوار القرآن جلد ا ص ۶ تا ۹ کے حاشیہ میں لکھ آیا ہوں تو اب ایسے لوگوں
کو ڈرانے کے لئے ہمیشگی عذاب کے وعدہ اور دھمکی کے سوا دوسری کیا چیز کافی
ہو سکتی تھی آریوں کے ایشور (آفتاب اور آگ) اور مسلمانوں کے خدائے
واحدِ بے مثال میں فرق ہے۔ ایشور ؟ جیو یعنی روحِ اہل دنیا اور پرکرتی یعنی مادہ
کا برابر کا بھائی ہے اسلئے جاہل اور عاجز و مجبور ہے۔ اور خدا ان تینوں کا خالق
ہے اور چونکہ وہ عالم الغیب ہے اور جانتا تھا کہ شنکرن کھاپج کے بنائے ہوئے
ادھورے وید کے احکام اور اوسکی مقرر کی ہوئی سزائیں دیانند جی جیسے دل دماغ
کے لوگوں کو ڈرانے اور اون پر حجت تمام کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ اور وہ قادر
مطلق ہے اور آخرت میں بھی طرح طرح کے عذاب کرنے پر قدرت رکھتا ہے
اسی لئے اوس نے اتمام حجت اور ڈرانے کے لئے دنیاوی سزا اور اخروی عذاب
دائم دونوں کا وعدہ کیا۔ اور بقول دیانند جی کے سزا میں سختی کرنا در اصل سختی نہیں
ہے بلکہ عین انصاف اور بدکرداری سے روکنے کے لئے حکمت اور مصلحت کے مطابق
ہے۔ اور اسلام میں یہ بات ثابت ہے کہ کفار اگرچہ سب کے سب ہمیشہ جہنم
ہی میں رہیں گے لیکن درجوں میں اور عذاب کی کمی و زیادتی میں فرق ہوگا۔ آسمانی
کتاب کی توہین کرنے والے برہمن پنڈت پر اعلےٰ درجہ کا عذاب ہوگا۔ چوتھا
جواب یہ ہے کہ جہنم میں ہمیشہ رہنا مقدار گناہ کے مقابل میں نہیں ہے بلکہ ایسے مالک
کی مخالفت اور اوسکی خدائی کو نہ ماننے کے مقابل میں ہے جسکی عظمت اور بڑائی لامحدود
ہے۔ پس وہ اصل عذاب لامحدود عظمت لامحدود کی توہین کے مقابل اور بدلے

گناہوں سے اس طرح صاف ہو جائیں جس طرح گرم حمام میں بدن سے میل صاف
کرتے ہیں۔ اسکے بعد اپنے ائمہ (پیشواؤں) کی سفارش سے بہشت میں داخل
کردیئے جائیں گے ع۵ وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ سے مُعۡرِضُوۡنَ
تک بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد
فرمایا کہ خداوند عالم (زمانہ رسول اللہؐ کے) بنو اسرائیل سے ارشاد فرماتا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۴) میں ہے پانچواں جواب یہ ہے کہ چونکہ اوس منعم حقیقی کی
لامحدود نعمتوں سے اوسکے بندے فائدہ اوٹھا رہے ہیں اسلیئے کفار لامحدود نعمتوں
کی ناشکری کر رہے ہیں اور انصاف یہی چاہتا ہے کہ ایسے لوگ لامحدود ہی عذاب
میں مبتلا کیئے جائیں۔ خاص کر کے اگر ناشکری کرنے والے برہمن پنڈت اور اپنے
آپ کو مذہبی سردار سمجھتے ہوں ۱۲ منہ

ع۵ اس حدیث کا باقی حصہ۔ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے پھر ارشاد
فرمایا کہ اے شیعو؟ خدا سے ڈرو؟ بہشت اگرچہ تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے تمہیں دیر
میں ملے لیکن ضرور ملے گی پس اوس کے درجوں کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے
سے بڑھ جانے کی کوشش کرو۔ کسی نے حضرتؐ سے پوچھا کہ آپ کے اور علیؑ کے
دوستوں میں سے کوئی شخص جہنم میں بھی جائیگا؟ فرمایا ہاں وہ شخص جو میری اور علیؑ کی
مخالفت کرے اور گناہوں میں مبتلا ہو۔ اور مومن مردوں اور مومنہ عورتوں پر ظلم کرے
اور شرعی حکموں کی مخالفت کرے۔ وہ قیامت کے دن گندہ اور کثیف آئیگا پس
محمدؐ (میں) اور علیؑ اوس سے کہیں گے کہ اے فلاں تو گندہ ہے اور اپنے پیشواؤں
کی رفاقت (ساتھ رہنے) اور حوروں اور فرشتوں کے گلے ملنے کے قابل نہیں ہے
اور بہشت کی نعمتوں تک پہونچ نہیں سکتا جب تک گناہوں سے پاک نہ ہو جائے۔
پس جہنم کے اوپر والے طبقہ میں ڈالا جائیگا۔ اور بعض گناہوں کے بدلے میں اوس پر
عذاب کیا جائیگا اور بعض ایسے ہونگے جن پر محشر ہی میں سختیاں کی جائیں گی۔ اوسکے
بعد جہنم اور محشر دونوں جگہوں سے انھیں وہ شخص چُن لائیگا جس کو ان کے پیشوا (ائمہ
معصومین) بھیجیں گے۔ وہ انھیں اوس طرح چُن لے گا جس طرح چڑیا دانہ چُن لیتی

اوس وقت کو یاد کرو جب کہ میں نے (تمہارے بزرگ) بنو اسرائیل سے وعدہ لیا تھا کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا یعنی میرا مثل کسی کو نہ سمجھنا۔ میرے حکموں سے آگے قدم نہ بڑھانا میری عبادتیں ؟ دوسروں کو خوش کرنے اور دکھانے سُنانے کے لئے نہ کرنا۔ اور ماں باپ کی نعمتوں اور بھلائیوں کے بدلے میں اونکے ساتھ بھلائیاں کرنا۔ اونکا احترام کرنے اور اونکو آرام پہونچانے میں سخت تکلیفوں کو برداشت کرنا۔ اور ماں باپ کے قرابتداروں کے ساتھ بھلائیاں کرنا کیونکہ ماں باپ کی عزت اور بزرگی اسی کو چاہتی ہے اور یتیموں کے ساتھ بھلائیاں کرنا کیونکہ وہ اپنے ماں باپ سے جدا ہو گئے ہیں۔ اون کے امور کی نگرانی کرنا اونکے پاس کھانا پہونچانا۔ اونکے آرام کا سامان مہیا کر دینا۔ اور باقی لوگوں سے جن کے ذات میں تمہیں کچھ خرچ نہیں ہے ؟ اچھی باتیں کرنا اور اچھا برتاؤ رکھنا۔ اور پانچوں نمازوں کو پابندی سے بجالانا۔ اور محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین پر ہر حال میں درود بھیجتے رہنا۔ خواہ تم غصہ میں ہو یا خوشی کی حالت میں۔ خواہ مصیبت میں ہو یا آرام میں خواہ تمہارے رزق میں وسعت ہو یا تنگی ؟ اور تمہارے دل غمگین ہوں۔ پس اے یہودیو ؟ اس عہد و پیمان کو تم نے بھی تو پورا نہ کیا حالانکہ تم سے بھی کہا گیا ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۵) ہے اور بعض ایسے ہونگے جن کے گناہ کم ہونگے پس وہ ان گناہوں سے یا تو بادشاہوں کی سختیوں اور ایذ ارسانیوں سے پاک ہو جائیں گے یا جسمانی تکلیفوں سے تاکہ قبر میں پاک و پاکیزہ اوتارے جائیں۔ اور بعض ایسے ہوں گے جن کے موت کے وقت کچھ گناہوں کے رہ جانے کی وجہ سے جان کنی میں سختی کیجائیگی اور وہی اونکا کفارہ ہو جائیگی۔ اگر اسکے بعد بھی کچھ گناہ رہ گیا اور موت کے وقت اوس کو دست آگئے یا بیچینی بڑھ گئی اور دیکھنے والوں نے اس کو (طعن کے طور پر) بیان کیا جو اسکی ذلت کا سبب ہوا تو یہی کفارہ ہو جائیگا اگر اسکے بعد بھی کچھ رہ گیا تو قبر کی سختیوں سے پاک کر دیا جائیگا اگر گناہ اس سے بھی زیادہ ہوئے تو جہنم کے اعلےٰ طبقہ میں پاک کیا جائیگا یہ لوگ جن کے گناہ بہت زیادہ ہونگے اور اون پر عذاب بہت زیادہ ہوگا ہمارے محب ہیں شیعے نہیں ہیں۔ ہمارے شیعے وہ ہیں جو ہمارے اعمال میں ہماری پیروی کریں (تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام) ۱۲ منہ

م ہو سے تو قیامت کی سختیوں سے پاک کر دیا جائیگا۔ اگر گناہ اس سے بھی زیادہ

تمہارے بزرگوں نے تم تک پہونچادیا ہے۔ لیکن تم اس کو چھوڑے ہوئے غافل
بیٹھے ہو لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد
فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو عبادت
خدا؟ رزق طلب کرنے کا موقع نہ دیتی ہو؟ خداوند عالم اوس کو۔ اوس چیز سے بہتر
دیگا جو طلب کرنے والے کو دیگا۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ
خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بندو؟ میں نے
جو کچھ تمہیں حکم دیا ہے اوسکے مطابق میری عبادت کرو۔ اور اپنی حاجت کی چیزیں مجھے
نہ بتاؤ کیونکہ اون چیزوں کو میں جانتا ہوں اور تمہاری حاجت کی چیزیں تمہیں دینے
میں بخل نہ کروں گا (میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ تحصیل
رزق میں کوشش اور فکر چھوڑ کر عبادت میں مشغول رہنا جائز ہے اور کئی حدیثوں
میں کوشش اور فکر کی تاکید کی گئی ہے بلکہ بعض ائمہ معصومین علیہم السلام نے کوشش
نہ کرنے پر ملامت کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ رزق کا ضامن خدا ضرور ہے لیکن فکر نہ کرنے
والوں کے پاس پہونچانا؟ اوس نے اپنا وظیفہ نہیں قرار دیا ہے۔ اور تحصیل رزق
میں ائمہ علیہم السلام کے محنت اور مشقت کرنے کے متعلق بھی حدیثیں نقل کی گئی ہیں
پس ان دونوں طرح کی حدیثوں کے مضمون کو جمع کرنے کے لئے یا تو یہ کہنا چاہئے
کہ پہلی حدیثیں اون لوگوں کے لئے ہیں جو اپنے قوت بازو سے رزق حاصل نہیں کرسکتے
اور اونکے رزق کا ذریعہ دوسروں کی ہمدردی میں منحصر ہے جیسے علماء وطلبہ؟ جن کے
اوقات دینی خدمتوں میں صرف ہوتے ہیں اور وہ لوگ جن کے ہاتھ پاؤں تحصیل
معاش کی قابلیت نہیں رکھتے۔ جیساکہ عبارت حدیث مَنْ شَغَلَهُ عِبَادَةُ اللّٰهِ عَنْ
مَسْئَلَتِهٖ میں لفظ مَسْئَلَتِهٖ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور دوسری حدیثیں؟ حاصل کرسکنے
والوں کے لئے یا یہ کہنا چاہئے کہ پہلی حدیثیں اون لوگوں کے لئے ہیں جو عبادت
کرنے پر بہت حریص ہیں اور دوسری اون کے لئے جو عبادتوں سے زیادہ مانوس
نہیں ہیں یا یہ کہنا چاہئے کہ پہلی اون لوگوں کے لئے ہیں جو تحصیل رزق کی تاکید سے
بے خبر اور خدا کے وعدۂ رزق پر کامل بھروسہ کئے ہوئے عبادتوں میں مشغول ہیں
جیساکہ اصمعی سے ایک اعرابی کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اور اسکے علاوہ بھی جمع کی صورتیں

تحصیل رزق کی ضروری ہے یا نہیں

نکل سکتی ہیں) وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا اس آیت کی تفسیر میں کئی مضمون کی حدیثیں نقل کی گئی ہیں ۱؎ بسند معتبر معاویہ بن عمار حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک صحیح طور پر کسی کا حال معلوم نہ ہو اوس کے حق میں بھلائی کے سوا برائی کا ذکر نہ کرو ۲؎ بسند صحیح جابر بن یزید جعفی حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو بات اپنے لئے پسند کرتے ہو اوس سے زیادہ پسندیدہ باتیں دوسروں کے حق میں کہا کرو۔ کیونکہ مومنوں پر لعن وطعن کرنے والوں اور ساتھ کو گالیاں دینے والوں اور بدکاروں اور جھگڑالو بازوں اور سوال کرنے میں لیچڑ پنا کرنے والوں کو خدا دشمن رکھتا ہے اور شرم وحیا والوں اور بردباروں اور اپنی آبرو کی حفاظت کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۳؎ بسند ضعیف حفص بن غیاث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت ذمیوں کے حق میں نازل ہوئی تھی اور اسکے بعد منسوخ ہو گئی اور اسکی ناسخ آیت مبارکہ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (یعنی یہودیوں میں سے جو لوگ خدا اور روز قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور رسولؐ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور دین حق (اسلام) پر نہیں چلتے اون سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینا منظور کریں) میں عرض کرتا ہوں کہ صاحبان فہم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان تینوں حدیثوں کے مضامین آپس میں مخالفت نہیں رکھتے کیونکہ پہلی حدیث برا ذکر کرنے سے روکتی اور مجمل طور پر ذکر خیر کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ اور دوسری اوس ذکر سے بہتر ذکر کی ہدایت کر رہی ہے جس کو انسان اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اور تیسری حدیث یہ ظاہر کر رہی ہے کہ پہلی دونوں حدیثوں کا مضمون منسوخ ہونے سے پہلے ذمیوں کو بھی شامل تھا اب صرف مومنوں کے لئے ہے)

۴؎ بسند صحیح سدیر صیرفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق

مومن کا اعلیٰ مرتب ہے

علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایسے مسلمان کو کھانا کھلاتا ہوں جس کو پہچانتا نہیں (کہ کس مذہب کا آدمی ہے) فرمایا ہاں جس کا مومن یا دشمن امام برحق ہونا معلوم نہ ہو اوس کو دو۔ کیونکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا اور جس کے متعلق معلوم ہو جائے کہ ائمہ برحق میں سے کسی کا دشمن ہے یا باطل پیشواؤں میں سے کسی کی ترویج کرتا ہے اوس کو مت دو۔ ۵ بروایت عیاشی علیہ الرحمہ جسکی سند معلوم نہیں ہوئی؟ عبداللہ بن سنان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ (اے دوستو!) خدا سے ڈرو اور لوگوں (مخالفوں) کو اپنی گردنوں پر سوار (مسلط) نہ کرو کیونکہ خداوند عالم اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ فرمایا کہ اون کے بیماروں کو دیکھنے جاؤ۔ اونکے جنازوں میں شرکت کیا کرو۔ اونکی مسجدوں میں اونکے ساتھ (اپنے طریقہ پر) نمازیں پڑھا کرو۔ یہاں تک کہ (ہمارے اور اونکے درمیان میں) تفرقہ ہو جائے ۶ بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ لفظ ناس (لوگ) میں مومن اور مخالف سب داخل ہیں لیکن مومن پس اون سے دل کھول کر ملو۔ لیکن مخالف پس اون سے دلجوئی کی باتیں کرو تاکہ وہ ایمان (تشیع) کی طرف مائل ہوں اور اگر مائل نہ ہوں گے تو کم سے کم تم اور تمہارے مومن بھائی اونکی شرارت سے محفوظ رہو گے (میں عرض کرتا ہوں کہ اگلی حدیثوں میں مخالفوں کے ساتھ خوش کلامی کی ہدایت کی گئی ہے اور نمبر ۵ میں عملی بھلائی کی اور ۶ میں اوس کا فائدہ بیان کیا گیا ہے) ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ پس اے یہودیو؟ تم میں سے تھوڑے کے سوا باقی سب کے سب اوس عہد سے پھر گئے اور اے (موجود) یہودیو؟ خدا کے اس واجب حکم سے تم بھی تو پھر گئے ۱ میں عرض کرتا ہوں کہ آیت کے

ل تفسیر برہان جلد ۱ ص ۷۷ و ۷۸ - ۱۲ منہ

پر متعصب مخالف کو صدقہ دو۔ متعصب کو نہ دو

بعد معصوم کی بعینہٖ فرمائش یہ ہے یَا مَعْشَرَ الْیَهُوْدِ الْمَاْخُوْذِ عَلَیْکُمْ مِنْ هٰذِهِ الْعُهُوْدِ مَا اُخِذَ عَلٰی اَسْلَافِکُمْ وَاَنْتُمْ مُعْرِضُوْنَ عَنْ اَمْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَرْضَهٗ اے یہودیو؟ تم سے بھی تو یہی وعدے لئے گئے تھے جو تمہارے بزرگوں سے لئے گئے تھے اور تم بھی تو حکم خدا سے منہ موڑے ہوئے ہو جس کو اوس نے واجب کیا تھا پس اس عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ انتم معرضون میں زمانہ حضرت رسولؐ کے یہودیوں سے خطاب ہے اور ثم تولیتم میں اون کے بزرگوں سے۔ اس لئے بعض مفسروں کا اسکو تکرار قرار دینا درست نہیں ہے اور اگلے یہودیوں کے لئے حاضر کا صیغہ استعمال کرنے کی وجہ اسکے قبل کئی جگہ ذکر کی جا چکی ہے۔ اور آئندہ بھی فن معانی بیان میں انشاء اللہ ذکر کروں گا۔

ولطریق اہلسنت مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓئَتُهٗ ۱؎ ابن عباس؟ مجاہد؟ عکرمہ؟ قتادہ نے کہا ہے کہ سیئہ سے شرک مقصود ہے اور ابن عباس نے اپنی دوسری حدیث میں اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ (اے یہودیو) جو لوگ ویسا کام کریں جیسا تم نے کیا اور اون چیزوں (رسالت وغیرہ) کے ساتھ کفر کریں (نہ مانیں) جن کے ساتھ تم نے کفر کیا یہاں تک کہ اونکا کفران نکی بھلائیوں کو گھیر لے؟ وہی جہنمی ہیں اور وہی اوس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ اون چیزوں پر ایمان لائیں جن کے ساتھ تم نے کفر کیا ہے اور اون دینی کاموں کو انجام دیں جن کو تم نے چھوڑا ہے؟ اونکے لئے بہشت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے خداوند عالم اس امر کی خبر دے رہا ہے کہ اچھا اور برا کام کرنے والوں کے لئے (آخرت کا ثواب اور عذاب ہمیشہ کے لئے برقرار رہے گا۔ کبھی ختم نہ ہوگا ۲؎ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ خطیئہ سے شرک مقصود ہے۔ ۳؎ قتادہ کہتے ہیں کہ خطیئہ گناہان کبیرہ کو کہتے ہیں ۴؎ حسن بصری؟ مجاہد کہتے ہیں کہ خطیئہ وہ گناہ ہیں جن پر قرآن میں جہنم کا وعدہ کیا گیا ہے (میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی صحیح السند حدیث میں گذر چکا کہ سیئہ اور خطیئہ دونوں کا مخرج شرک ہے۔ پس علاوہ اس کے کہ

معصوم کی فرمائش ؟ ابوہریرہ کی حدیث کی تائید کرتی ہے ۔ قتادہ اور حسن بصری اور مجاہد کا کلام ؟ دوسری کئی وجہوں سے بھی درست نہیں ہے ایک اس وجہ سے کہ ان میں آپس میں اختلاف ہے دوسرے اس وجہ سے کہ کوئی شیعی حدیث انکی تائید نہیں کرتی تیسرے اس وجہ سے کہ سیئۃ سے جب بدون اختلاف شرک مقصود ہے تو لفظ خطیئہ سے بھی عہد ذہنی کے طور پر وہی مقصود اور اوسی کی طرف اشارہ ہونا چاہیئے چوتھے اس وجہ سے کہ سیئۃ یعنی شرک کے بعد ؟ اصول مذہب اسلام کی بنا پر ہمیشگی جہنم کے لیئے گناہوں کے احاطہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ؟ اسکے لئے شرک ہی کافی ہے پانچویں اس وجہ سے کہ سوائے شرک کے گناہان صغیرہ وکبیرہ سب کی بخشائش کا وعدہ خدا نے اور شفاعت کا وعدہ حضرت سرور عالم وائمہ کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے کیا ہے اسلیئے ایسے گنہگاروں کے لیئے جہنم کی ہمیشگی محال ہے جیسا کہ میں اسکے قبل اسی آیت کی تفسیر کے حاشیہ میں لکھ آیا ہوں ۔ اسلیئے صحیح ابوہریرہ کی تفسیر ہے) ۵ ربیع بن خیثم ؟ اعمش کہتے ہیں کہ احاطہ خطیئہ سے بغیر توبہ کیئے گناہ کے ساتھ مرنا مقصود ہے ۔ (میں عرض کرتا ہوں کہ یہ دونوں کلام مسئلہ موافات کی تائید کر رہے ہیں جس کو اسکے قبل حاشیہ میں لکھ آیا ہوں وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۱ ابن عباس نے اسکی تفسیر میثاق قسم سے کی ہے ۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ زمانہ حضرت سرور عالم کے یہودیوں سے خطاب ہے کہ تم سے وعدہ لیا گیا تھا ۲ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ زمانہ حضرت موسیٰ کے یہودیوں سے وعدہ لیا گیا ۳ قتادہ کہتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ جو وعدہ بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اوس پر تم بھی عمل کرو وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو (اس بنا پر اس خطاب میں مسلمان بھی داخل ہیں) وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ اس سے امر بمعروف و نہی از منکر مقصود ہے یعنی کافروں کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے کا حکم دو ۔ اور انکی دوسری حدیث میں ہے کہ امر بمعروف اور نہی از منکر کرو (یعنی اچھے کاموں کا حکم دو ۔ اور برے کاموں سے منع کرو)

۲ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب حضرت امام محمد باقر علیہم الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ لفظ ناس سے (مسلمان اور کافر) کل مقصود ہیں اور عطاء نے بھی

یہی کہا ہے۔ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ ابن عباس کہتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ تم نے میری اطاعت سے مُنہ موڑا اور ان کل وعدوں کو چھوڑا؟ بجز تھوڑے لوگوں کے جن کو میں نے اپنی اطاعت کے لئے اختیار کیا تھا (یعنی اونکے ارادہ اطاعت پر اونھیں اس پر توفیق اور اس میں مدد دی تھی) لہ

باطنی تفسیر

(بطریق شیعہ) بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً (سے خَالِدُوۡنَ تک) بلا السند حضرت امام محمد باقر یا حضرت امام جعفر صادق علیہم الصلوۃ والسّلام سے منقول ہے آپ نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ جب لوگ حضرت امیر المومنین (علی ابن ابیطالب علیہ السلام) کی امامت سے انکار کرینگے تو وہ جہنم میں جائیں گے اور اوس میں ہمیشہ رہیں گے ۲ بسند حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا تو صحابہ میں سے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ اصحاب نار (دوزخی) کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد علیؑ سے لڑینگے پس یہی لوگ دوزخی ہیں جو کفار کے ساتھ (جہنم میں) رہینگے کیونکہ حق بات (امام برحق کی امامت) کے ساتھ اونھوں نے کفر کیا (اوسکو نہ مانے) آگاہ ہو جاؤ کہ علیؑ میرے ٹکڑا ہیں جس نے اون سے جنگ کی اوس نے مجھ سے جنگ کی اور میرے پروردگار کو غضبناک کیا۔ پھر (حضرتؐ نے) حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا اے علیؑ تم سے لڑنے والا مجھ سے لڑنے والا ہے۔ تم سے میل رکھنے والا مجھ سے میل رکھنے والا ہے۔ میرے اور میری امت کے درمیان (حق کی) نشانی تمہیں ہو ۳ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے خَالِدُوۡنَ تک ۱ مولانا ابوالحسن شریف علیہ الرحمہ نے مقدمہ مرآۃ الانوار لغت صالح میں۔ اور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار جلد ۷ صـ۱۱۶ تا ۱۲۰ باب تاویل المومنین والایمان اہ میں متعدد حدیثیں اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ہیں جن میں سے کئی حدیثوں کا مضمون

لہ تفسیر در منثور علامہ سیوطی جلد ۱ صـ۸۵-۸۶ چھاپہ مصر ۱۲ منہ ۲ تفسیر برہان جلد ۱ صـ۷۸-۱۲ منہ

یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیا) سے حضرت علیؑ اور باقی گیارہ ائمہ معصومینؑ اور اونکے شیعے مقصود ہیں ۲؎ و ۳؎ اور دو کا مضمون یہ ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی؟ الذین امنوا وعملوا الصالحات تم ہو اور تمہارے شیعے۔ اور تمہارے اور اونکے وعدہ کی جگہ حوض کوثر ہے۔ وہ لوگ سیر و سیراب ہونگے اور پیشانیاں اونکی نورانی ہونگی؟ اور سروں پر اونکے تاج ہونگے ۴؎ اور ایک کا مضمون یہ ہے کہ قیامت کے دن جھنڈا نور کا لایا جائیگا اور ایک پکارنے والا پکاریگا کہ سید المومنین؟ اور بعثت محمدؐ کے بعد جو لوگ ایمان لائے کھڑے ہو جائیں پس علی بن ابیطالبؑ کھڑے ہو جائیں گے پس وہ نورانی جھنڈا اونکے ہاتھ میں دیا جائیگا اور اوسکے نیچے کل مہاجرین و انصار جو پہلے ایمان لائے تھے جمع ہو جائیں گے اور دوسرے (مخالفین) اس سے کنارے ہونگے پس حضرت علی علیہ السّلام نور کے منبر پر تشریف رکھینگے۔ اور سب لوگ ایک ایک کر کے آپکے سامنے لائے جائیں گے اور حضرتؑ ہر ایک کو ثواب اور نور عطا کرینگے جب سب کو دے چکینگے تو اون لوگوں سے پوچھا جائیگا کہ کیا تم لوگوں نے اپنی عزت و منزلت بہشت میں دیکھ لی؟ تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ میرے پاس تمہارے لئے مغفرت اور اجر عظیم یعنی بہشت دار النعیم ہے پس حضرت علی علیہ السّلام کھڑے ہو جائیں گے اور کل مومنین اوس جھنڈے کے نیچے ہوں گے یہاں تک کہ حضرتؑ اون سب کو بہشت میں داخل کر کے منبر کے پاس واپس تشریف لائیں گے اسی طرح کل مومنین (گروہ گروہ) آپکی خدمت میں لائے جائینگے اور حضرتؑ اونکو بہشت میں داخل کرتے رہیں گے؟ اور ایک قوم (مخالفوں کو) جہنم میں داخل فرمائینگے ۱؎

وَاِذْ اَخَذْنَا سے اِحْسَانًا تک ۱؎ حضرت سرور عالم اور بارہوں ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسّلام سے بہت سی حدیثیں اس مضمون کی نقل کی گئی ہیں کہ والدین سے محمد اور علی علیہم الصلوٰۃ والسّلام مقصود ہیں اونمیں سے ایک حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی؟ اور ایک حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر برہان میں نقل کی گئی ہے جو تیرہ معصومؑ کی فرمائشوں کو شامل ہے اور بہت سی بحار الانوار جلد ۷ صـ ۷۸ تا ۸۳ میں۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی حدیث صحیح کا مضمون یہ ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے ماں باپ سے افضل اور تمہارے شکریہ کے زیادہ حقدار محمدؐ اور علیؑ ہیں اور حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

۱؎ بحار الانوار جلد ۷ صـ ۱۱۶ تا ۱۲۰۔ باب تاویل مومن و ایمان ۱۲ منہ

کہ حضرت سرورِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور علیؑ اس امت کے باپ ہیں اور ادن پر ہم لوگوں کا حق اونکے ماں باپ کے حق سے بہت زیادہ ہی کیونکہ اگر وہ ہم لوگوں کی فرمانبرداری کریں تو ہم لوگ اونکو جہنم سے نکالکر بہشت میں پہونچاتے ہیں اور (کفر کی) غلامی سے نکال کر نیکو کار آزادوں (مومنوں یا ائمہ معصومینؑ) کا ساتھی بنا دیتے ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا نے ارشاد فرمایا کہ محمدؐ اور علیؑ اس امت کے باپ ہیں کیونکہ اگر وہ اونکی اطاعت کرینگے تو یہ دونوں بزرگ اونکی کجی کو درست کرینگے اور اونکو عذاب دائم سے نجات دینگے اور نعیم دائم کا حقدار بنادینگے اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ محمدؐ و علیؑ اس امت کے باپ ہیں۔ اوس کا اچھا حال ہوگا جو ان کا حق پہچانیگا اور ہر حال میں انکا فرمانبردار ہوگا کیونکہ خداوند عالم بہشتیوں میں سے افضل لوگوں میں اوسکو قرار دیگا اور اپنی کرامت اور خوشنودی سے سرفراز فرمائیگا اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے دونوں افضل باپ محمدؐ اور علیؑ کے حق کو پہچانیگا اور پوری طرح اونکی فرمانبرداری کریگا تو اوس سے کہا جائیگا کہ بہشت میں جہاں جی چاہے رہے اور حضرت سید سجادؑ نے فرمایا کہ اگر تمہارے ماں باپ کا حق تم پر اس وجہ سے بہت زیادہ ہے کہ اونھوں نے تم پر احسان کیا ہی تو محمدؐ اور علیؑ کا احسان تم پر اوس سے بھی بہت زیادہ ہے۔ پس یہ دونوں بزرگوار باپ ہونے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور حضرت باقرؑ نے فرمایا کہ جو شخص یہ سمجھنا چاہتا ہو کہ اوسکی منزلت خدا کے نزدیک کتنی ہے؟ اوسکو یہ دیکھنا چاہیے کہ اوسکے دونوں افضل باپ محمدؐ اور علیؑ کی منزلت اوسکی نگاہوں میں کتنی ہے۔

اور حضرت جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دونوں افضل باپ محمدؐ اور علیؑ کے حق کو ادا کرے اوسکو اپنے ماں باپ اور دوسروں کے حقوق برباد کرنے سے نقصان نہ ہوگا کیونکہ یہ دونوں بزرگ اون لوگوں کو راضی کرلینگے اور حضرت کاظمؑ نے فرمایا کہ نماز کا ثواب اوسی قدر زیادہ ہوگا جس قدر نمازی اپنے دونوں افضل باپ محمدؐ و علیؑ کی قدر و منزلت کرتا ہوگا۔

اور حضرت رضاؑ نے فرمایا کہ کیا تم کو یہ بُرا نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے نسبی ماں باپ کی ولدیت سے نکال دیئے جاؤ؟ سب نے کہا؟ بے شک بُرا معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا جب بُرا معلوم ہوتا ہے تو تمہیں کوشش کرنی چاہیئے کہ اپنے ایسے باپ کی ولدیت سے نکال نہ دیئے جاؤ جو تمہارے نسبی ماں باپ سے بھی افضل ہیں۔

اور حضرت نقی علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اگر میں

ٹکڑے ٹکڑے بھی کیا جاؤں جب بھی محمدؐ اور علیؑ کو نہ چھوڑوں گا۔ تو حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ جس قدر تم اون کے حق کو ادا کرو گے ضرور ہے کہ وہ بھی اوسی قدر تمہارا حق بھی ادا کریں اور قیامت کے دن تمہارے لئے خدا سے ایسی چیز طلب کرینگے کہ تمہارا احسنِ سلوک اون کے ساتھ؟ اوسکے لاکھویں جزو کے برابر بھی نہ ہوگا اور حضرت نقیؑ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دینی باپ محمدؐ و علیؑ کی اپنے نسبی ماں باپ سے زیادہ عزت نہ کرتا ہو وہ خدا کی طرف سے نہ تو حلال میں ہے نہ حرام میں نہ تھوڑے میں نہ زیادہ میں (یعنی دین خدا اور رحمتِ خدا اور اخروی نعمتوں سے بالکل بے تعلق اور محروم ہوگا) اور خود حضرت حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے نسبی ماں باپ کی فرماں برداری پر اپنے دینی باپ محمدؐ و علیؑ کی فرمانبرداری کو ترجیح دے گا خداوند عالم اوس سے ارشاد فرماتا ہے کہ میں بھی تجھے اوسی طرح ترجیح دوں گا جس طرح تو نے اونکو ترجیح دی اور جس طرح تو نے اونکی محبت کو اپنے ماں باپ کی محبت پر ترجیح دینے کی شرافت حاصل کی؟ میں بھی اون دینی باپوں کے سامنے تجھے عزت و شرافت سے سرفراز کروں گا (تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام ص۱۶۷ تا ۱۶۸ چھاپہ مطبع جعفری)

وَذِی الْقُرْبٰی ہمارے حدیث کی کتابوں میں بہت سی حدیثیں اس مضمون کی نقل کی گئی ہیں کہ ذِی الْقُرْبٰی سے باطنی تفسیر میں اولادِ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ مراد لئے گئے ہیں۔ ان حدیثوں کو حیات القلوب کشوری جلد ۳ باب ۲ فصل ۷ ص۶۸ تا ۷۳۔ اور تفسیر برہان جلد ا ص۷۸۔ اور بحار الانوار جلد ۷ ص۷۸ تا ۷۳ میں بھی کافی مقدار سے نقل کیا ہے۔ سندیں انکی اچھی ہیں اور مضمون ان کا متواتر ہے اونمیں سے ایک صحیح حدیث حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ذی القربیٰ؟ تمہارے باپ اور ماں کے قرابتدار ہیں؟ تم سے کہا گیا ہے کہ اونکے حق کو پہچانو جس طرح اس کا وعدہ بنو اسرائیل سے لیا گیا تھا اور اے محمدؐ کے اُمتیو؟ (مسلمانو) محمدؐ کے قرابتداروں کو پہچاننے (اونکے حقوق ادا کرنے کا وعدہ تم سے بھی لیا گیا ہے اور اونکے قرابتدار؟ ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں جو اونکے بعد ہوئے اور وہ نیکوکار جو اونکے دین و مذہب پر ہوئے اور ہونگے۔ اور حضرت سرورِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے ماں باپ کے عزیزوں کے حقوق ادا کرے

ذوی القربیٰ سے اولادِ رسول الثقلین

اوسکو بہشت میں ایک ہزار درجے دیئے جائینگے جن میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہوگا کہ ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک ؟ نہایت تیز گھوڑا سو برس دوڑنے کے بعد پہونچ سکے۔ اونمیں سے ایک درجہ چاندی کا ہوگا۔ دوسرا سونے کا تیسرا موتی کا چوتھا زمرد کا۔ پانچواں زبرجد کا چھٹاں مشک کا ساتواں عنبر کا۔ آٹھواں کافور کا اسی طرح ہر درجہ جداگانہ ہوگا۔ اور جو شخص محمدؐ اور علیؑ کے قرابتداروں کے حقوق ادا کرے اوسکے درجوں کی فضیلت اور ثوابوں کی زیادتی اوسی اندازہ سے ہوگی جس اندازہ سے ان دونوں بزرگوں کو اوسکے نسبی ماں باپ پر فضیلت اور بزرگی حاصل ہے [۱] وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ

[۲] بسند صحیح حضرت امام حسنؑ عسکری سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کے یتیموں کی یتیمی سے ؟ اون یتیموں (جاہلوں) کی یتیمی زیادہ سخت ہے جو اپنے امام (زمانہ) سے جدا پڑ گئے ہیں اور اون تک پہونچ نہیں سکتے ؟ اور جن دینی حکموں کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اونکو نہیں جانتے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ہمارے شیعوں میں سے جو شخص ہمارے علوم کو جانتا ہو اور ہمارے اون جاہل شیعوں کی ہدایت اور تعلیم کرے جو ہم لوگوں کو دیکھنے سے مجبور ہو کر مثل یتیموں کے اونکی گود میں پڑے ہوئے ہیں وہ بہشت بریں میں ہمارے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث کو میرے پدر بزرگوار نے اپنے آباء کرام کے سلسلہ سے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ سے روایت کیا ہے [۳] اسی حدیث میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے شیعوں میں سے جو شخص ہمارے شرعی علوم کو جانتا ہو اور ہمارے جاہل شیعوں کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر اوس علم کی روشنی میں داخل کرے جسے ہم لوگوں نے اوسے تعلیم کیا ہے ؟ تو قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اوسکے سر پر نور کا تاج ہوگا جو میدان قیامت کو نورانی کر دے گا اور ایسا حُلّہ پہنے ہوئے ہوگا کہ پوری دنیا اپنی کل چیزوں کے ساتھ اوسکے ایک تار کی بھی قیمت نہ ہو سکے گی۔ پھر ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے بندگان خدا یہ شخص بعض آل محمدؐ صلے اللہ علیہ و آلہ کے شاگردوں میں سے

حقیقی یتیم و مسکین شیعیان آل محمدؐ ہیں

جاہل مومنوں کی تعلیم اور ہدایت کرنے کا ثواب اور فضائل

[۱] بحار الانوار جلد ۷ صـ۷۹ و تفسیر برہان جلد ا صـ۷۸ - ۱۲ منہ

ایک عالم ہے۔ پس جسکو اس نے دنیا میں جہالت کی سرگردانی سے نکالا ہے اوسکو چاہیے
کہ اس کا دامن پکڑ لے ؟ تاکہ اس تاریک میدان کی سرگردانی سے بھی نکال کر اوسکو
بہشت میں پہونچادے ؟ پس جن لوگوں کو اوس نے دنیا میں تعلیم کیا ہوگا اور جہالت
کا تالا اوسکے دل سے کھولا ہوگا۔ اور دینی شبہوں کو دفع کیا ہوگا وہ سب کے سب
نکل کر اسکے پاس آجائیں گے ؟ ٣ اسی حدیث میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے
ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ شخص ہے جسکو محتاجی اور ناداری نے حرکت[ع] کرنے (ہلنے) سے
مجبور کردیا ہو ؟ آگاہ ہو جاؤ کہ جو شخص ایسے شخص کے ساتھ اپنے بچے کھچے مال سے (بھی)
ہمدردی کرے ؟ خداوند عالم اپنی بہشت کو اوس پر وسیع کردے گا اور اپنی بخشش
اور خوشنودی سے اوسے سرفراز کرے گا۔ اسکے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ محمد و
علی صلوات اللہ علیہم اجمعین کے دوستوں میں بھی کچھ مساکین ہیں جن کے ساتھ ہمدردی
کرنی ؟ دوسرے فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی کرنے سے افضل ہے۔ اور یہ وہی
لوگ ہیں جن کے اعضاء ایسے دشمنانِ خدا کے مقابلہ سے تھک چکے اور قوتیں اون کی
ضعیف ہو چکی ہیں جو اون کے مذہب (حق پر ہونے) کی وجہ سے اونکو ملامت کرتے
اور بے عقل ٹھہراتے ہیں ؟ آگاہ ہو جاؤ کہ جو شخص اونھیں علم دین سکھا کر زور دار بنا دے
اور اونکی (مذہبی) کمزوریوں کو دفع کردے اور اونکے ظاہری دشمن ناصبیوں اور باطنی
دشمن شیطان اور اوسکے چیلوں پر اونھیں اس طرح مسلط اور غالب کردے کہ وہ دینِ خدا
پر حملے کرنے سے اون دشمنوں کو شکست دے دیں۔ اور آل محمد صلے اللہ علیہ و آلہ
کے دوستوں پر حملے کرنے سے پسپا کردیں (اور اونکے ذریعہ سے) خداوند عالم کمزوروں
کو انھیں شیطانوں پر پلٹ دے اور گمراہ کرنے سے اونکو مجبور کردے تو خداوند عالم اسکے
بدلے میں حضرت سرورِ عالم کی زبان مبارک (اوس عالمِ ہادی کے حق میں) مناسب
حکم جاری فرمائے گا ؟ ١٢ اسی حدیث میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنین
علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایسے شیعوں کو اونکے مخالف مذہب ناصبیوں پر قوت
دے جو اپنے دین میں (تعلیم کے) محتاج اور اپنی معرفت میں کمزور ہیں ؟ پس وہ اون

ع اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ "محتاجی نے تھکا دیا" ١٢ منہ

ناصبیوں کو مغلوب کر سکیں۔ تو خداوند عالم اس (عالم ہادی) کو جس دن قبر میں اوتارا جائیگا اون کلموں کو تلقین کرے گا جن کو (منکر و نکیر کے جواب میں) وہ کہے گا کہ اللہ میرا پروردگار ہے۔ اور محمدؐ میرے نبی اور علیؑ میرے ولی ہیں۔ اور کعبہ میرا قبلہ ہے اور قرآن میرا نور اور زینت اور سرمایۂ آخرت ہے اور مومن میرے بھائی ہیں۔ پس خداوند عالم اوس سے ارشاد فرمائیگا کہ تو نے اپنی حجت (ایمان کا ثبوت) پیش کر دی۔ پس مجھ پر واجب ہے کہ تجھ پر بہشت کا دروازہ کھول دوں۔ پس اوس وقت اوسکی قبر بہترین باغہائے بہشت کی صورت میں بدل دیجائیگی لہ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ بر اسی حدیث میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ نماز کو پوری طرح اوسکے رکوعوں اور سجدوں کے ساتھ اوسکے وقت میں اوسکے اون حقوق کے ساتھ ادا کرو کہ اگر وہ حقوق ادا نہ کئے جائیں تو وہ مقبول نہ ہو گی؟ کاش تم سمجھ لیتے کہ وہ حقوق کیا ہیں؟ وہ حقوق یہ ہیں کہ نماز کے ساتھ محمدؐ اور علیؑ اور اونکی آلِ پاک پر یہ اعتقاد رکھتے ہوئے درود بھیجا کرو کہ وہ حضرات بہترینِ خلقِ خدا اور حقوقِ خدا کو پورا کرنے والے اور اوسکے دین کے ناصر و مددگار ہیں۔

کہ اسی حدیث میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے مال اور عزت اور قوتِ بدن کی زکوۃ ادا کرو۔ زکوۃِ مال برادران مومنین کے ساتھ (مال سے) بھلائی کرنی ہے۔

اور زکوۃِ عزت یہ ہے کہ جن دلی خواہشوں کے حاصل کرنے سے (مالی) کمزوری کی وجہ سے وہ مجبور ہو گئے ہیں اون خواہشوں کو پورا کر دو۔

اور زکوۃِ قوتِ بدن یہ ہے کہ اپنے ایسے برادر مومن کی مدد کرو جسکی سواری کا گدھا (گھوڑا وغیرہ) ٹھوس گیا ہو۔ یا ایسے میدان یا راہ میں لے جا کر عاجز ہو گیا ہو جہاں کوئی اوسکی فریاد کو نہیں پہونچتا۔ پس تم اوسکو اور اوسکے مال کو اوٹھا کر قافلہ تک پہونچا دو اور ان کل کاموں کو ائمہ معصومین علیہم الصلوۃ والسلام کی امامت اور اونکے دشمنوں سے برائت کا اعتقاد رکھتے ہوئے انجام دو (کیونکہ بغیر اس اعتقاد کے ان کاموں کا ثواب آخرت میں نہیں مل سکتا) اسی اعتقاد کی بدولت خدا تمہارے کل کاموں کو قبول فرمائیگا اور اونکے ثواب زیادہ کرے گا لہ

لہ تفسیر امام حسن عسکریؑ صـ ۱۷ چھاپہ لکھنؤ و تفسیر برہان جلد ۱ صـ ۷۸ سطر ۱۲۔ لہ تفسیر امام حسن عسکریؑ صـ ۱۸۲ و تفسیر برہان جلد ۱ صـ ۷۸ سطر ۱۲

(بطریق اہلسنت) مَن کَسَبَ سَیِّئَۃً (جو شخص سیئہ یعنی گناہ کرے اور گناہ اوسے گھیر لے وہی جہنم میں جائیگا جس میں ہمیشہ رہیگا) ۱؎ معاذ ابن جبل کہتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ سے محبت حسنہ ہے جسکے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہ کرے گا اور ان سے دشمنی سیئہ ہے جسکے ہوتے ہوئے کوئی کار خیر فائدہ نہ دے گا ۔ ۲؎ انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ منبر پر تشریف لے گئے پس بہت سے مضامین بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ علی بن ابیطالبؑ کہاں ہیں پس حضرت علی علیہ السلام اوٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ حاضر ہوں ۔ پس حضرتؐ نے اونکو سینہ مبارک سے لگایا اور پیشانی چومی اور بلند آواز سے فرمایا کہ اے مسلمانو؟ یہ میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے اور میرے داماد ہیں اور یہ میرے گوشت اور خون اور بال ہیں یہ میرے دونوں نواسوں حسنؑ و حسینؑ سرداران جوانان بہشت کے باپ ہیں ۔ یہ میری بیچینیوں کو دفع کرنے والے ہیں ۔ یہ شیر خدا اور اوسکی زمین میں اوسکے دشمنوں پر اوسکی تلوار ہیں ۔ انکے دشمنوں پر خدا اور کل لعنت کرنے والونکی

۱؎ ارجح المطالب باب ۳ ص ۵۲۲ ۔ بحوالہ دیلمی وکنوز الحقائق امام مناوی ص ۱۱ حاشیہ جامع صغیر ص ۹۸ وینابیع المودۃ باب ۴۲ ص ۱۰۲ ۔ بحوالہ موفق بن احمد خوارزمی بروایت انس بن مالک ۱۲ منہ

۲؎ معاذ بن جبل صحابی تھے اور حضرت علی علیہ السلام کے دشمن تھے اول و دوم اور ابو عبیدہ جراح اور سالم مولے ابو حذیفہ اور معاذ نے مل کر صحیفہ مشومہ لکھا تھا جس میں یہ عہد کیا تھا کہ حضرت سرور عالم کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے خلافت چھین لینگے جسکو پورا کیا اور جس پر مرنے کے وقت آہ و واویلا کرتے تھے (تنقیح المقال فی علم الرجال جلد ۳ ص ۲۲۰ چھاپہ نجف اشرف مصنفہ آقا شیخ عبداللہ مامقانی علیہ الرحمہ) اور بہترین تعریف وہ ہے جو دشمن کی زبان سے نکلے ۱۲ منہ

۳؎ یہ بھی صحابی اور حضرتؑ کے دشمن طیر مشوی (چڑیا کے کباب) کے قصہ میں حضرتؑ کو دو مرتبہ واپس کیا ۔ اور غدیری واقعہ پر گواہی دینے سے انکار کیا ۔ پس حضرتؑ نے بددعا کی ۔ اور یہ اندھے اور مبروص ہو گئے ۔ اس کے قبل اس کا ذکر کئی جگہ گذر چکا ہے ۱۲ منہ

لعنت ہے۔ اون دشمنوں سے خدا بیزار ہے اور میں بیزار ہوں پس جو شخص پسند کرتا ہو کہ خدا سے اور مجھ سے بیزار رہے وہ علیؑ سے بیزاری رکھے میرے اس کلام کو تم لوگ اون تک پہنچا دینا جو موجود نہیں ہیں [1] واضح رہے کہ معاذ بن جبل اور انس بن مالک حضرت علی علیہ السلام کے دونوں ہی دشمن تھے معاذ نے خم غدیر میں حضرت سرورؐ عالم سے کہا تھا کہ خلافت میں اول اور دوم کو شریک کر لیجئے جس پر آیت مبارکہ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ نازل ہوا یعنی اے رسولؐ اگر کسی کو شریک کیا تو تمہاری خدمت رسالت باطل اور بے ثمر ہو جائیگی اور تم گھاٹا اوٹھانے والوں سے ہو جاؤ گے [2] اور انس نے خم غدیر کے واقعہ کو چھپایا جس پر حضرت علی علیہ السلام نے بد دعا کی کہ اگر اس نے چھپایا ہو تو اس کو ایسی بلا میں مبتلا کر جس کو چھپا نہ سکے پس وہ اندھے اور مبروص (کوڑھی) ہو گئے [3] وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (تا آخر) اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیا وہی بہشت میں جائیں گے جس میں ہمیشہ رہیں گے [1] ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے قرآن میں جس قدر آیتیں نازل کی ہیں جن میں الذین امنوا ہے علیؑ اون مومنوں کے رئیس اور سردار اور بزرگ ہیں [4] [2] جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے پس حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بھائی آئے پھر خانہ کعبہ پر ہاتھ رکھکر فرمایا کہ قسم ہے اوسکی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں اور یہ (علیؑ) اور انکے شیعے ہی قیامت کے دن بہشت میں جائینگے تم میں سب سے پہلے یہی مجھ پر ایمان لائے۔ اور تم لوگوں میں سب سے زیادہ عہد خدا کو پورا کرنے والے اور رعایا میں انصاف کرنے والے۔ اور خدا کے نزدیک بہت زیادہ صاحب عزت۔ اور انصاف سے مال تقسیم کرنے والے یہی ہیں۔ انھیں کے حق میں اَلَّذِيْنَ

---

[1] ذخائر العقبےٰ مصنفہ علامہ محب الدین طبری مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ ہجری ۱۲ منہ

[2] تفسیر برہان جلد ۲ صـ ۹۴۲ - ۱۲ منہ [3] رجال ابو علی علیہ الرحمہ ۱۲ منہ

[4] ینابیع المودۃ باب ۲۴ صـ ۱۰۳ بروایت خوارزمی و اعمش و لیث و ابن ابی لیلے و طبرانی و ابن ابی حاتم ۱۲ منہ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ نازل کیا گیا ہے لہ
ىمہ۲ ابن عباس کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت سرور عالم نے حضرت علیؑ سے
ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ تم اور تمہارے شیعے قیامت کے دن ایسی حالت سے آؤ گے
کہ تم لوگ خدا سے راضی ہو گے اور خدا تم لوگوں سے راضی ہوگا ٹہ ىمہ۳ و ۴ اس آیت کی تفسیر
میں زید بن شراحیل اور ابو سعید خدری کی حدیثیں بھی ارجح المطالب ص ۶۹ میں نقل کی گئی ہیں
جن کو بنظر اختصار چھوڑتا ہوں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ
الرَّحْمٰنُ وُدًّا (جو ایمان لائے اور عمل نیک کیا بہت جلد خدا اونکی محبت دلوں میں ڈالدیگا)
ىمہ۱ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے ٣ ىمہ۲ محمد بن حنفیہ
کہتے ہیں کہ کوئی مومن ایسا نہیں ہے جسکے دل میں علی علیہ السلام اور اونکے اہلبیتؑ کی محبت نہ ہو تتمہ
ىمہ۳ ابن عباس کی لمبی سی حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام
کے حق میں نازل ہوئی ہے ۵ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ طُوْبٰى لَهُمْ
وَحُسْنُ مَآبٍ (جو ایمان لائے اور عمل نیک کیا اونکے لئے طوبےٰ ہے اور پلٹنے کی اچھی جگہ (بہشت)
حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ درخت طوبےٰ کی جڑ علیؑ کے گھر
میں ہوگی اور ڈالیاں اہل بہشت کے گھروں پر ٦ میں عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ ان آیتوں میں
خبریں مختلف ہیں ایک میں خیر البریہ ہے۔ دوسری میں وُدّ۔ تیسری میں طوبےٰ۔ لیکن
میری غرض صرف اسی قدر ہے کہ ان آیتوں میں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ
سے حضرت علیؑ اور اونکی اولاد پاک اور اونکے شیعے مقصود ہیں۔ یہی بہشت میں جائینگے
اور اوس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى (والدین

لہ ارجح المطالب باب۲ ص ۶۸ بحوالہ خوارزمی و ابن عساکر و در منثور سیوطی و ینابیع المودۃ
باب ۵۹ ص ۲۵۱ بحوالہ صواعق محرقہ ٢ ارجح المطالب بہ نشان بالا ۳ ارجح المطالب باب۲
ص ۶۹ بحوالہ مسند احمد و صحیح بخاری و سنن ابو داؤد جمع بین الصحیحین مصنفہ حمیدی و عبدری
و مشکوۃ و ترمذی و حافظ ابو نعیم و تفسیر ثعلبی و ابن مردویہ و تذکرہ خواص الامہ و صواعق
محرقہ و ینابیع ص ۲۵۲ بحوالہ صواعق ۱۲ منہ ٤ ارجح المطالب نشان بالا و ذخائر العقبےٰ ص ۸۹
۵ ارجح بہ نشان بالا ٦ ینابیع المودۃ باب ۲۴ ص ۷۹ بحوالہ تفسیر ثعلبی ۱۲ منہ

اور صاحبانِ قرابت کے ساتھ بھلائی کرو) ۱؎ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور علیؑ دونوں اس امت کے باپ ہیں ۲؎ ارشاد فرمایا علیؑ کا حق مسلمانوں پر ویسا ہے جیساکہ باپ کا بیٹے پر ہوتا ہے ۳؎ ارشاد فرمایا اے علیؑ تمہارا حق مسلمانوں پر ویسا ہے جیساکہ باپ کا بیٹے پر ہوتا ہے ۴؎ ارشاد فرمایا اے علیؑ میں اور تم اس امت کے باپ ہیں ۵؎ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ قُربےٰ سے حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے قرابتدار مقصود ہیں ۲؎ ابن عباس کہتے ہیں کہ قُربےٰ سے علیؑ اور فاطمہؑ اور اون کے دونوں فرزند مقصود ہیں ۳؎ سعید بن جبیر کی روایت کو ینابیع المودۃ میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

نتیجۂ کلام۔ فریقین کی اس باطنی تفسیر کی بنا پر ان آیتوں کے معانی کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور اونکی آل پاک علیہم الصلوۃ والسّلام کے دشمن اور مخالف ہی اہل سیئہ ہیں اور وہی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور خود یہ حضرات اور انکے شیعے ہی مومن اور عمل صالح کرنے والے ہیں اور یہی بہشت بریں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور حضرت سرورِ عالم اور حضرت علی صلوات اللہ علیہم اس امت کے باپ ہیں اور انکا حق امت محمدی پر خدا کے حق کے بعد اور کل حقداروں کے حق سے پہلے ہے اور انکے حق کو پورا کرنا سب پر لازم ہے۔ اور ذوی القربےٰ حضرت سرورِ عالم اور حضرت علی صلوات اللہ علیہم کی اولاد پاک ہے جن کے حقوق کو پورا کرنا سب پر واجب ہے۔ اور بنو اسرائیل

۱؎ ینابیع المودۃ باب ۴۱ صـ۱۰۱ بحوالہ الخوارزمی بروایت جابر انصاری و عمار یاسر و ابو ایوب و انس بن مالک و بحوالہ المناقب بروایت حضرت علی علیہ السّلام۔ و ارجح المطالب باب ۲ صـ۵۰۰ بحوالہ حاکم بروایت عمار یاسر و بحوالہ دیلمی بروایت جابر انصاری و ابو ایوب انصاری رض

۵؎ ذخائر العقبےٰ صـ۹ چھاپہ مصر ۱۳۵۶؁ھ ہجری ۱۲ منہ

۳؎ ارجح المطالب باب ۳ صـ۳۴۷ بحوالہ مسند احمد و ابن ابی حاتم و طبرانی و حاکم و دیلمی۔ و ثعلبی و ینابیع المودۃ صـ۸۷ باب ۳۲ بحوالہ مسند احمد و طبرانی و ابن ابی حاتم و حاکم و واحدی۔ و ابونعیم و ثعلبی و حموینی ۱۲ منہ

سے بھی انھیں حقوق کو پورا کرنے کا وعدہ لیا گیا تھا جسکو انجام نہ دینے سے وہ مستحق عذاب ہوئے

چند فائدے

(پہلا فائدہ) معانی - بیان - بدیع (معانی)

مَنْ كَسَبَ (جو شخص گناہ کرے) اور اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو لوگ ایمان لائیں اور اچھا کام کریں) اس میں التفات ہے - یعنی اسکے قبل کی آیتوں میں بنو اسرائیل کو حاضر قرار دیکر اونکے لئے حاضر کے صیغے لائے گئے تھے - اور ان آیتوں میں بھی اگرچہ خطاب اونھیں سے ہے لیکن اسم موصول جو عموم کا فائدہ دیتا ہے اور غائب کے صیغے ؟ اس واسطے لائے گئے ہیں تاکہ انکے احکام عام ہوجائیں اور یہ شبہ نہ ہو کہ یہ احکام ؟ خاص بنو اسرائیل کے لئے ہیں اور اونھیں میں سے جو شخص گنہگار ہوگا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا - اور جو ایمان لاکر کار خیر کریگا وہ ہمیشہ بہشت میں رہے گا - اور ان حکموں کو دوسروں سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ (وہی جہنمی ہیں) اس میں تقدیم مسند الیہ یعنی مبتدا کو پہلے اسلئے ذکر کیا ہے تاکہ حصر کا فائدہ دے - یعنی اس امر کو ظاہر کرے کہ یہی لوگ جہنمی ہیں اور اسی طرح اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ میں ۔ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہی اوس میں ہمیشہ رہیں گے) اس میں اطناب ہے یعنی اگرچہ پورے مراد کو بیان کرنے کے وقت صرف اَصْحٰبُ النَّارِ اور اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ فرمانا اور مطلق یعنی بے قید رکھنا ہمیشگی دوزخ و بہشت کے سمجھنے کے لئے کافی تھا اور اسکے علاوہ مطلق اصحاب بھی اوسی کو کہتے ہیں جو ہمیشہ ساتھ رہتا ہو ؟ ورنہ قید بڑھا دیتے ہیں جیسے اصحاب سفر اصحاب درس - اصحاب مائدہ (دستر خوان وغیرہ) لیکن چونکہ شبہہ ہو سکتا تھا کہ پورے مراد کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے اسلئے اطلاق یعنی بے قید رکھنا ہمیشگی کا ثبوت نہیں ہو سکتا ؟ اسلئے ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ بڑھا گیا تاکہ اطلاق کی تاکید ہوجائے اور شبہہ بھی دفع ہوجائے ۔ وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ (اور اوس کا گناہ اوسکو گھیر لے) اس میں بھی اطناب ہے اور اس کو بڑھا کر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ گناہ اگرچہ کفر ہو ؟ توبہ کر لینے کے بعد برطرف ہوجاتا ہے اور گنہگار اوسکے گھیر سے نکل جاتا ہے - پس اے بنو اسرائیل

تم اگر توبہ کروگے تو حکم جہنم تم سے اوٹھ جائیگا۔ اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں بھی اطناب ہے
کیونکہ ایمان یعنی پانچوں اصول دین کے اعتقاد اور اقرار کا لازمی اثر ہے کہ مومن ہمیشہ کے
لئے بہشت میں رہے۔ لیکن ہمیشگی جنت کا واقعی معنی یہ ہے کہ دفن ہوتے ہی اوسکی نعمتوں
سے فائدہ اوٹھانے لگے۔ اور اسکے تھوڑا ہی قبل حاشیہ میں تفصیل سے لکھ آیا ہوں
کہ بعض گنہگار مومن ایسے بھی ہونگے جو برزخ میں اور میدان حشر میں اور جہنم کے بالائی
طبقے میں تکلیفیں اوٹھائیں گے۔ تاکہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ پس ایسے مومن کے
لئے بھی ہمیشگی ہے لیکن ادھوری اور غیر واقعی یعنی سزا کے بعد۔ اسلئے عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
بڑھا کر ہمیشگی کے واقعی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اوسکو حاصل کرنے پر رغبت دلائی
ہے ۵ وَاِذْ اَخَذْنَا میں جمع متکلم کی ضمیر ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ عــہ۔ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ عــہ کے مقابل
میں لانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی عظمت کی طرف اشارہ کرنا اور اس امر کو ظاہر کرنا مقصود
ہے کہ تم لوگوں نے میری عظمت اور بزرگی کا کوئی خیال نہ کیا اور وعدہ کرکے پلٹ گئے حالانکہ
معمولی آدمی سے وعدہ کرکے اوسکے خلاف کرنا بھی بُرا ہے اور یہ منافقوں کی صفت ہے۔
۶ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ (پھر تم پلٹ گئے) اس میں التفات ہے کیونکہ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ میں اونکو غائب قرار دیا گیا ہے اور اسمیں حاضر۔ اور اس سے دعوٰی کے ساتھ
ساتھ زیادتی ملامت مقصود ہے۔ اور تفسیر میں لکھ آیا ہوں کہ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ میں
اون یہودیوں سے خطاب ہے جو حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ میں موجود
تھے۔ اسلئے یہ جملہ نہ تو تاکید کے لئے ہے جیسا کہ بعض مفسروں نے کہا ہے اور نہ اسمیں
التفات ہے ۷ سَيِّئَةً کی تنوین تنکیر یعنی دو زبر ہے جو غیر معین کو بتاتا ہے گناہ کی
ایک غیر معین فرد مقصود نہیں ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ ایک گناہ محیط نہیں ہوتا یعنی

عــہ ایک شخص کے لئے جمع کا صیغہ یا ضمیر؟ اوسکی عظمت کے خیال سے لائی جاتی ہے
جیسے اردو زبان میں تو کی جگہ پر تم یا آپ؟ اور گیا تھا کی جگہ پر گئے تھے وغیرہ ۱۲ منہ
عــہ ملامت اور بُرائی کو مضبوط کرنے اور اوسکی زیادتی ظاہر کرنے کی غرض سے
غائب کو حاضر کے حکم میں قرار دے کر اوسی کے مناسب صیغے اور ضمیریں لائے
ہیں ۱۲ منہ

گھیر نہیں لیتا۔ دوسرے اس وجہ سے کہ ایک گناہ بلکہ اوس سے زیادہ بھی ایمان کے ساتھ قابلِ بخشائش ہے گناہانِ صغیرہ کے بخشنے کا خدا نے وعدہ کیا ہے اور گناہانِ کبیرہ کے بخشوانے کا حضرت سرورِ عالم اور ائمہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تیسرے اس وجہ سے کہ اگر نہ بھی بخشا جائے جب بھی مومن کے لئے ہمیشگیِ جہنم کا سبب نہیں ہوتا جیسا کہ اصول مذہب حق سے ثابت ہے۔ چوتھے اس وجہ سے کہ اہلبیت عصمت وطہارت کی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ سیئہ سے کفر بمعنی عام یعنی باطل مذاہب کا اعتقاد مقصود ہے۔ اسلئے یہ تنوین؟ تحقیر یعنی اس اعتقاد کی ذلت کو بتانے کے لئے لائی گئی ہے

(بیان) اِمَنْ کَسَبَ (جو حاصل کرے) اعضاء سے حاصل کرنے کی چیزوں میں لفظ کسب کو زیادہ تر استعمال کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوس کا اصلی (حقیقی) معنی اونہیں چیزوں کو حاصل کرنا ہے۔ پس اس بناپر اعتقادی چیزوں کے اعتقاد کرنے میں اس کا استعمال مجازی ہوگا۔ ۲ اَلصّٰلِحٰتِ میں بھی بظاہر مجازی ہی معنی مراد لیا گیا ہے۔ کیونکہ صالحات؟ صالحۃ کی جمع ہے۔ جو کل عمل خیر یعنی واجبات اور مستحبات سب کو شامل ہے۔ اور الف ولام جو اس پر داخل ہے وہ استغراق کا ہے جو کل امورِ خیر کے مراد ہونے کو بتاتا ہے۔ اور اصولِ مذہب شیعہ بلکہ دین اسلام سے ثابت ہے کہ نہ تو مستحبات کو (بغیر نظر توہین کے) چھوڑنا سزا اور عذاب کا سبب ہے اور نہ ان کو بجالانا ہمیشگی بہشت کی شرط ہے بلکہ یہ؟ ترقیِ درجات کا ذریعہ ہوتے ہیں اور یہاں پر ایمان اور اعمال صالحۃ ہمیشگیِ بہشت کی شرط قرار دیئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الصالحات سے یہاں پر صرف واجبات مقصود ہیں اور یہ اوسکے مجازی معنی ہیں۔ اور لفظِ عام کا فرد خاص میں خصوصیت کے ساتھ استعمال استعمالِ مجازی کہلاتا ہے ۳ اَخَذْنَا (ہم نے وعدہ لیا) اور وَالِدَیْنِ اور ذِی الْقُرْبٰی کا استعمال بھی مجازی ہی معنی میں ہے۔ کیونکہ واقع میں حضرت موسٰیؑ نے وعدہ لیا تھا۔ لیکن چونکہ بحکم خدا لیا تھا اسلئے اوس نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ اور والدین کا حقیقی معنی نسبی ماں باپ ہیں۔ جو باطنی تفسیر میں حضرت سرورِ عالم اور علی علیہم الصلوٰۃ والسلام میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور ذی القربٰی

الصالحات سے صرف واجبات مقصود ہیں

کا حقیقی معنی اپنے قرابتدار ہیں جو باطنی تفسیر میں حضرت سرورِ عالم کے قرابتدار دینی استعمال کیا گیا
(بدیع) مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ میں استخدام ہے۔ یعنی لفظ
مَنْ سے پہلے شخص مراد لیا گیا ہے اور بہ کی ضمیر پھرنے کے وقت اوسکی مدت حیات؟
اور مقصود یہ ہے کہ جس کا کفر اوسکی مدت حیات کو گھیرلے اور موت اوسکی کفر پر ہو وہی
جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ اور تفسیر میں گذر چکا کہ خطیئہ سے بھی کفر ہی مقصود ہے۔
اور یہ مسئلۂ موافات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ پس فخر الدین رازی کا یہ کہنا صحیح
نہیں ہے کہ گناہان کبیرہ کا؟ اطاعتوں کے ثواب کو گھیر لینا مقصود ہے۔ پہلے اس وجہ
سے کہ یہاں پر ثوابِ طاعات کا کوئی ذکر نہیں ہے تاکہ بہ کی ضمیر سے استخدام ہی کے
طور پر سہی؟ وہ مراد لئے جاسکیں دوسرے اس وجہ سے کہ سیئہ سے گناہان
کبیرہ مقصود نہیں ہیں کیونکہ یہ؟ ہمیشگی جہنم کا سبب نہیں ہوتے تیسرے اس وجہ
سے کہ حبط[ع] و تکفیر کی بنا پر گناہ؟ ثواب کو مٹا دیتے اور فنا کر دیتے ہیں۔ نہ یہ کہ وہ باقی
رہتے اور یہ اونکو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔

(دوسرا فائدہ) علم کلام مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً سے خَالِدُوْنَ
تک فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کے بارے میں مسلمانوں
میں یہ اختلاف ہے کہ آیا وہ جہنم میں جائیں گے یا نہیں۔ اکثر معتزلہ اور خوارج نے کہا ہے
کہ ہمیشہ کے لئے جائینگے اور اکثر صحابہ اور تابعین اور کل اشاعرہ اور اکثر امامیہ (شیعہ)
اور بعض معتزلہ اور بعض خوارج نے کہا ہے کہ کچھ دنوں کے لئے جائیں گے اور بشر مریسی
اور خالدی نے بھی یہی کہا ہے۔ اور مقاتل بن سلیمان مفسر نے کہا کہ نہیں جائینگے
اور معتزلہ نے اپنے دعوے کو بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے ثابت کیا ہے جن کا
ظاہری معنی یہ بتاتا ہے کہ گناہ کبیرہ کرنے والے جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ جیسے مَنْ
يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا[لہ] یعنی جو
شخص خدا اور اوسکے رسول کی مخالفت کرے گا اور خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے
قدم بڑھائیگا اوس کو وہ جہنم میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا بیان استدلال

[لہ] تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۳۸۵ - ۱۲ منہ

[ع] گناہ ہونے کا؟ ثواب کو مٹا دینا حبط کہلاتا ہے اور کار خیر کا؟ گناہوں کا مٹا دینا تکفیر ۱۲ منہ

میں یہ کہا ہے کہ یہ مسئلہ علم اصول میں طے ہو چکا ہے کہ مَنْ (اور مَا) جو اسم موصول ہیں اگر شرط کے معنی میں ہوں جس طرح اس آیت میں ہیں تو عموم کا فائدہ دیتے ہیں یعنی کل فردوں کو شامل ہوتے ہیں پس اس بنا پر جتنے لوگ خدا اور رسول کی مخالفت کرینگے اور اوسکے حکموں سے آگے قدم بڑھائیں گے وہ اس آیت کے مطابق جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

اور کہا ہے کہ لفظ حدود سے کل احکام مقصود نہیں ہیں اسلئے جو لوگ بعض احکام کی مخالفت کرینگے وہ بھی اسی حکم میں داخل ہوں گے اور جیسے اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ [1] (کل بدکاری کرنے والے جہنم میں جائیں گے) اور نَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا [2] (گنہگاروں کو ہانک کر جہنم میں لیجائیں گے) **بیان استدلال میں** کہا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ جمع یعنی فجار اور مجرمین پر الف اور لام داخل ہوا ہے۔ اور جمع پر جب الف اور لام داخل ہوتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اس واسطے اس آیت کے مطابق کل گنہگار جہنم میں جائیں گے۔ **فخر الدین رازی** نے ان دلیلوں کے جواب میں **ایک بات** یہ کہی ہے کہ میں اس کو نہیں مانتا کہ مَنْ جب شرط کے معنی میں ہو اور لفظ جمع پر جب الف ولام داخل ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتے ہیں کیونکہ ان صیغوں (لفظوں) پر لفظ کل اور لفظ بعض داخل ہوتا ہے جیسے کُلُّ مَنْ دَخَلَ دَارِیْ اَکْرَمْتُہٗ (ہر وہ شخص جو میرے گھر میں داخل ہوگا اوس کا اکرام کروں گا) اور بَعْضُ مَنْ دَخَلَ دَارِیْ اَکْرَمْتُہٗ (بعض شخص جو میرے گھر میں داخل ہوگا اوس کا اکرام کروں گا) پس اگر یہ عموم کے لئے ہوتے تو لفظ کل کا داخل کرنا تکرار ہوتا۔ اور لفظ بعض کو داخل کرنا مخالف اور مناقض **دوسری بات** یہ کہی ہے کہ ان لفظوں سے کل افراد مقصود نہیں ہیں بلکہ اکثر فرد مقصود ہیں جس طرح آیت کریمہ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ (بلقیس کو کل چیزیں یعنی اکثر چیزیں دیگئی تھیں)

تیسری بات یہ کہی ہے کہ بہت سی آیتیں جو بخشائش کے بارے میں نازل ہوئی ہیں وہ ان آیتوں کی مخصص ہیں یعنی ان کے حکم کو کافروں کے ساتھ خاص ہونیکو بتاتی ہیں ان تین کے علاوہ بھی چند باتیں لکھی ہیں جو لائق توجہ نہیں ہیں اسلئے اونکو چھوڑتا

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۳۸۶ [2] تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۳۸۷ ۱۲ منہ

مَنْ اور مَا عموم کے لئے نہیں ہے نہ عموم نہیں

ہوں ؎ میں عرض کرتا ہوں کہ رازی صاحب کا پہلا جواب ایک اس وجہ سے غلط ہے کہ اونھوں نے ان لفظوں کے؟ عموم کے لئے ہونے سے انکار کیا ہے حالانکہ قابل انکار نہیں ہے؟ ہاں مراد کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں کبھی استغراق کے طور پر کل افراد بیک وقت حکم میں داخل کیئے جاتے ہیں۔ اور کبھی کل افرادی کے طور پر فرداً فرداً (جُدا جُدا) جیساکہ دوسرے جواب میں رازی صاحب نے خود ہی اس کا اقرار کیا ہے۔ اور انکے امام فخر الاسلام امام بزدوی اشعری اپنی کتاب اُصُول ص۳۲ میں لکھتے ہیں کہ مِنْ ذٰلِکَ کَلِمَۃُ مَنْ یعنی جن لفظوں کا معنی عام ہے اون میں سے لفظ مَنْ ہے۔ پھر آیت کو مثال میں ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ اَصْلُھَا الْعُمُوْمُ یعنی اصلی معنی اس کا عام ہے اور ص۳۳ و ۳۴ میں لکھا ہے وَضَرْبٌ اٰخَرُ اِذَا دَخَلَ لَامُ التَّعْرِیْفِ یعنی عام کے الفاظ میں سے ایک قسم وہ بھی ہے جس پر الف اور لام داخل ہو جیسے الانسان۔ السارق وغیرہ اور شارح نے لکھا ہے کہ ان الفاظ کے معانی کے عام ہونے پر کل علمار کا اجماع اور اتفاق ہے کسی نے انکار نہیں کیا ہے اور انکے ہم مشرب یعنی اشعری مسلک امام علامہ شوکانی اپنی کتاب ارشاد الفحول بحث عام ص۱۰۱ میں لکھتے ہیں کہ جمہور (قریب قریب کل علمار) نے کہا ہے کہ عام کے لئے صیغے ہیں جو حقیقۃً اوسی کے لئے بنائے گئے ہیں اور وہ صیغے اسمار شرط ہیں اور اسمار استفہام اور اسمار موصول اور جمع جس پر الف اور لام داخل ہو (تا آخر) اور ص۱۰۲ میں لکھتے ہیں کہ مَنْ اور مَا اور اَیْنَ اور مَتٰی جب یہ دونوں استفہام کے لئے ہوں کیونکہ یہ صیغے یا تو صرف عموم کے لئے ہیں یا خصوص کے لئے یا دونوں میں مشترک۔ یا کسی کے لئے نہیں؟ سوا پہلے کے باقی سب باطل ہیں اور چونکہ شوکانی صاحب رازی صاحب کا کلام پابندی سے نقل کرتے ہیں اور اس مسئلہ کے مخالفوں میں ان کا نام نہیں لیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور علمار میں یہ بھی داخل ہیں دوسرے اس وجہ سے غلط ہے کہ دونوں مثالیں جو انھوں نے نقل کی ہیں اون کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اوس پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

؎ تفسیر کبیر جلد ۱ ص۳۹۰۔ ۱۲ منہ

پہلا اعتراض یہ ہے کہ بصورت عموم؟ جواونھوں نے کہا ہے کہ لفظ کل کالانا تکرار ہوگا اور
لفظ بعض کالانا مناقض اور مخالف ؟ توانکی رائے پر بھی بعینہٖ یہی اعتراض ہوگا کیونکہ ان
لفظوں سے اگر بعوض عام کے خاص مراد لیا جائے تو لفظ بعض کولانا تکرار ہوگا۔ اور لفظ کل کولانا مناقض
اور مخالف دوسرا اعتراض یہ ہے کہ خاص مراد لینے کی صورت میں؟ مَنْ دَخَلَ اور اَلْفُجَّارُ اور
اَلْمُجِیْئُ مِیْنَ سب کے سب قضیہ مخصوصہ؟ اور زَیْدٌ دَخَلَ اور زَیْدُ نِ الْفَاجِرُ اور زَیْدُ نِ الْمُجْرِمُ
کے معنی میں ہوجائیں گے کیونکہ باتفاق کل علماء نحویین ومنطقیین واصولیین وفقہاء ولغویین
جنس الاجناس جیسے اَلْاَشْیَاءُ۔ اور جنس سافل جیسے اَلْحَیَوَانَاتُ اور نوع جیسے اَلنَّاسُ اور
صنف جیسے اَلْعُلَمَاءُ یا اَلْفُقَهَاءُ یہ سب کے سب عام ہیں اسلئے کُلُّ مَنْ دَخَلَ کا معنی کُلُّ زَیْدٍ
دَخَلَ اور بَعْضُ مَنْ دَخَلَ کا معنی بَعْضُ زَیْدٍ دَخَلَ ہوگا۔ اور یہ غلط محض ہے کیونکہ شخص معین پر
لفظ کل یا بعض کا داخل ہونا غیر معقول ہے اور اگر رازی صاحب الاشیاء وغیرہ کے عام ہونے سے
بھی انکار کریں تو دنیا میں عام کا وجود ہی نہ ہوگا اور لفظ عام بے معنی یا بے مصداق ہوجائیگا۔
تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مَنْ دَخَلَ اور اَلْفُجَّارُ وغیرہ پر لفظ کل اور بعض کا داخل ہونا ہی اونکے
عموم کا ثبوت ہے کیونکہ قضیہ مخصوصہ پر یہ دونوں لفظ آہی نہیں سکتے اور نہ تو ایسا قضیہ لفظ کل سے
مقید ہوتا ہے اور نہ لفظ بعض سے اوسکے بعض فردوں کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ پس استثناء
خود دلیل عموم ہے۔ چوتھا اعتراض یہ ہے کہ رازی صاحب نے کُلُّ مَنْ دَخَلَ دَارِیْ
اَکْرَمْتُهٗ اور بَعْضُ مَنْ دَخَلَ دَارِیْ اَکْرَمْتُهٗ اور کُلُّ الْفُجَّارِ لَفِیْ جَحِیْمٍ اور بَعْضُ
الْفُجَّارِ لَفِیْ جَحِیْمٍ کا معنی ہی نہیں سمجھا ہے۔ پہلی مثال کا معنی یہ ہے کہ جتنے لوگ میرے گھر میں
داخل ہوں گے سب کی تعظیم کروں گا۔ اور دوسری کا معنی یہ ہے کہ جتنے داخل ہوں گے اونمیں
سے بعض کی تعظیم کروں گا۔ اور تیسری کا معنی یہ ہے کہ جتنے بدکار ہیں کل جہنم میں جائیں گے۔ اور
چوتھی کا معنی یہ ہے کہ جتنے بدکار ہیں اون میں سے بعض جہنم میں جائیں گے اور اصل انکی یوں
ہے مَنْ دَخَلَ اَکْرَمْتُ کُلَّهُمْ وَاَکْرَمْتُ بَعْضَهُمْ اور اَلْفُجَّارُ کُلُّهُمْ فِیْ جَحِیْمٍ۔ وَ
بَعْضُهُمْ لَفِیْ جَحِیْمٍ۔ اور یہ معانی صاف پکار رہے ہیں کہ یہ الفاظ عموم کے لئے ہیں۔
اور دوسرا جواب ایک اس وجہ سے غلط ہے کہ ان آیتوں سے اکثر فردیں مقصود نہیں
ہیں اور نہ اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سے اکثر چیزیں مقصود ہیں بلکہ کُلُّ شَیْءٍ اپنے پورے عموم پر
باقی ہے اور بعضیت یا اکثریت کو لفظ مِنْ بتاتا ہے جو تبعیضیہ یعنی بعض کے معنی میں ہے۔

دوسرے اس وجہ سے غلط ہے کہ اگر اکثر ہی افراد مراد لئے جائیں جب بھی معتزلہ کا مطلب یعنی گناہ کبیرہ والوں کا جہنم میں ہمیشہ رہنا ثابت ہو جائیگا کیونکہ اس مطلب کے ثبوت کے لئے ایجاب جزئی یعنی بعض کے لئے ہمیشگی جہنم کا ثبوت کافی ہے۔ حالانکہ اشاعرہ اور شیعے سب کلی کے قائل ہیں یعنی کوئی مومن اگرچہ گناہ کبیرہ کرے جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ پس صحیح انکا تیسرا جواب ہے وہ یہ کہ یہ آیتیں مومن اور کافر سب سے عام ہیں۔ اور وہ بے شمار آیتیں جن میں مومنوں کے لئے مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ بہت سی حدیثیں جن میں حضرات معصومین علیہم الصّلوٰۃ والسّلام نے شفاعت کا وعدہ کیا ہے۔ ان آیتوں کے حکم کو کافروں کے ساتھ خاص کرتی ہیں۔ اور یہی جواب اون حدیثوں کا بھی ہے جن کو معتزلہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ نہ گیا وہ مومن جو کسی مومن کو جان بوجھکر (اور جائز سمجھکر) قتل کر تو وہ بنص خاص جہنم میں ہمیشہ رہے گا کیونکہ قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے کہ گناہ کو جائز سمجھنا کفر اور ارتداد کا سبب ہے مگر یہ کہ توبہ کرنے کے بعد خون کا بدلا دے دے یا اوسکے بدلے میں قتل کیا جائے ایسا کرنے کے بعد وہ بھی قابل بخشائش ہے۔ ہاں معتزلہ کی دلیلوں پر دو اعتراض دوسرے وارد ہوتے ہیں جو اونکو دلیل ہونے کی قابلیت سے نکال دیتے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ گناہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں سے عام ہے۔ اور اس عموم کا حاصل یہ ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں طرح کا گناہ کرنے والے جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور صغیرہ کے بارے میں اس عموم کو معتزلہ خود بھی نہیں مانتے۔ لہذا جو جواب وہ صغیرہ والوں کے بارے میں دینگے وہی جواب ہم لوگ کبیرہ والوں کے بارے میں دینگے

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ وغیرہ آیتوں میں ہمیشگی کا ذکر نہیں ہے اور اطلاق یعنی عدم ذکر اسکے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے اور اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ کے مقابل میں اوس کو ذکر کرنا بھی ہمیشگی کو ثابت نہیں کرسکتا کیونکہ میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ نیکوکار دفن ہوتے ہی نعمات بہشت سے فائدہ اوٹھائیں گے۔ پس مقابلہ یہ بتائیگا کہ بدکار مومن دفن ہوتے ہی فائدہ نہ اوٹھائیں گے بلکہ گناہوں کے کفارہ کے لئے کچھ دنوں جہنم میں رہیں گے۔ اور آیات مغفرت اور احادیث شفاعت کے مطابق کفارہ کے بعد بہشت میں داخل کردیئے جائیں گے۔

تتمہ کلام معتزلہ نے اس مقام پر کہا ہے کہ آیتیں اور حدیثیں ہمیشگی عذاب اور

مغفرت دونوں کے بارے میں موجود ہیں۔ اور ایسے مقام میں کئی وجہوں سے ترجیح اونھیں
آیتوں اور حدیثوں کو حاصل ہے جو عذاب کو ظاہر کر رہی ہیں اون وجہوں میں
سے ایک وجہ یہ ہے کہ امت محمدی نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ فاسق پر لعنت کرنی چاہیے
اور اوسکی سزا کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنے فسق کا بدلہ بھگتے اور دوسرے نصیحت حاصل کریں۔
اوس پر لعنت کرنے کا ثبوت دو چیزیں ہیں **ایک قرآن کی آیتیں** ۱۔ مومن کو قتل کرنے
والے کے حق میں ارشاد فرماتا ہے وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ (خدا اوس پر غضب ناک
ہوگا اور اوس پر لعنت کرے گا) ۲۔ ظالم کے حق میں ارشاد فرماتا ہے اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ
(آگاہ ہو جاؤ کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے) (اور سورہ آل عمران پ۳ آیت ۸۱ و ۸۲ میں ارشاد
فرماتا ہے وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ اَنَّ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃَ
اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی ظالموں کو خدا (بہشت کی) راہ نہ دکھائیگا۔ اور انکا
بدلا یہی ہے کہ بے شک ان پر خدا اور فرشتوں اور آدمیوں کی سب کی لعنت ہے اور ۳۔ جھوٹوں
کے حق میں ارشاد فرماتا ہے لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ (جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے) اور
۴۔ زنا کرنے والوں کی سزا کے متعلق ارشاد فرماتا ہے وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
یعنی زانی اور زانیہ کے عذاب کو چاہیے کہ مومنوں کا ایک گروہ دیکھے۔ **دوسرے مسلمانوں کا
اجماع** جو ظاہر ہے یعنی چھپی ہوئی چیز نہیں ہے۔ **رازی صاحب** نے فاسقوں کے
استحقاقِ لعنت[ع۵] کو مانتے ہوئے جواب یہ دیا ہے کہ جہاں یہ آیتیں یہ بتاتی ہیں کہ اون پر لعنت

فاسق پر لعنت کرنا چاہیے

ع۵ (اہل سنت) معتزلی؟ فاسقوں کے مستحق لعنت ہونے پر مسلمانوں کے اتفاق اور
اجماع کا دعوے کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ اجماع پوشیدہ چیز نہیں ہے اور رازی صاحب بھی
اس کو تسلیم کر رہے ہیں اور آیتیں بھی صاف صاف بتا رہی ہیں۔ **اور ان کے امام بخاری**
صحیح بخاری کتاب الادب باب ما ینہی من السباب واللعن جلد ۴ چھاپہ میمنیہ مصر ۱۳۲۷ھ ص ۳۹
میں لکھتے ہیں کہ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ یعنی مسلمان کو گالی دینی فسق کا سبب ہے اور
اوس سے جنگ کرنا کفر کا سبب ہے اور اسی کتاب کی جلد ۲ ص ۱۸۴ باب علامات نبوۃ۔ اور کتاب البر
والصلہ باب قول الضیف لصاحبہ جلد ۴ چھاپہ بمبئی ص ۳۲ مطبوعہ ۱۲۷۰ھ میں لکھتے ہیں کہ حضرت
ابو بکر کے گھر چند مہمان آئے اور یہ اوس وقت حضرت سرور عالم کے پاس تھے جب واپس آئے اور

لعنت کرنی چاہیے؟ وہاں کچھ آیتیں ایسی بھی ہیں جو بتاتی ہیں کہ مومن ہونے کی وجہ سے اونکی تعظیم کرنی چاہیے جیسے اِذَا جَآئَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ یعنی جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اون سے کہو کہ تم پر سلام ہو۔ تمہارے پروردگار نے (تمہارے لئے) اپنے اوپر رحمت واجب کرلی ہے [1] میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جواب ایک اس وجہ سے غلط ہے کہ دو حال سے

(بقیہ حاشیہ ص۳۷۷) مہمانوں کو دیکھا تو گھر والوں سے پوچھا کہ مہمانوں کو کچھ کھلایا یا نہیں۔ زوجہ نے جواب دیا کہ ان لوگوں نے بغیر تمہارے کھانا پسند نہ کیا۔ پس ان کو غصہ آگیا اور پہلے اپنی زوجہ کو پھر مہمانوں کو خوب گالیاں دیں اور بد دعا کی" بلکہ امام علامہ سیوطی؟ تاریخ الخلفاء ص۱۴ بیان احادیث فضائل ابوبکر تنہا میں اور امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ باب۳ فصل ۳ ص۴۳ چھاپہ میمنیہ مصر ۱۳۴۴ھ میں کَانَ اَبُوْبَکْرٍ سَبَّابًا بصیغہ مبالغہ لکھا رہے ہیں یعنی حضرت ابوبکر بڑے جھگڑا باز تھے۔ پس جب کہ حدیث سباب المسلم کے مطابق ایک مرتبہ گالی دینے والا فاسق اور مستحق لعنت ٹھہرتا ہے تو اس لحاظ سے مبالغہ کا صیغہ یعنی سباب یہ چاہتا ہے کہ بڑے جھگڑا باز کے لئے دونوں حکم زیادتی کے ساتھ ثابت ہونا چاہیے یہ ایک بڑی مشکل؟ ان آیتوں اور حدیثوں اور اجماع سے درپیش ہوگئی ہے۔ مناسب ہے کہ حضرات علماء اہلسنت؟ اس کو حل کرنے کی کوئی معقول صورت جلد نکالیں۔ اس حدیث کی اصل عربی عبارت یوں ہے عَنِ الْمِقْدَامِ قَالَ اِسْتَبَّ عَقِیْلٌ وَاَبُوْبَکْرٍ قَالَ وَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ سَبَّابًا اَوْ نَسَّابًا غَیْرَ اَنَّہٗ تَحَرَّجَ مِنْ قَرَابَۃِ عَقِیْلٍ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ فَاَعْرَضَ عَنْہُ یعنی مقدام نے کہا کہ عقیل اور ابوبکر نے آپس میں گالی گلوج کیا اور ابوبکر بڑے گالی بکنے والے یا بڑے نسب جاننے والے تھے لیکن حضرت رسول سے عقیل کی عزیزداری کی وجہ سے ابوبکر نے پرہیز کیا اور عقیل کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ حدیث صاف پکار رہی ہے کہ اصل حدیث لفظ سبابًا تک ہے اور اونسابا سے آخر حدیث تک کے مضامین بڑھائے گئے ہیں۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اِسْتَبَّ کا معنی ہر ایک کا دوسرے کو گالی دینا ہے اسی وجہ سے اس فعل کا فاعل

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ ص۳۹۵۔ ۱۲ منہ

خالی نہیں یا تو وجوب رحمت اور سلامتی کا حکم؟ اوسکے ایمان کے کل زمانوں کو شامل ہی
جن میں استحقاق لعنت (رحمت سے دوری) اور استحقاق سزا و سنگساری کا زمانہ بھی داخل ہی
یا اس زمانہ کو شامل نہیں ہے اگر شامل ہے تو لعنت اور سزا کا حکم غلط ٹھہرتا ہے کیونکہ لعنت
اور رحمت اور سزا اور معافی کا ایک زمانہ میں ایک شخص کے لئے جمع ہونا عقلاً۔ عرفاً۔ شرعاً ہر طرح
سے محال ہے۔ اور اگر شامل نہیں ہے بلکہ خاص اوس زمانہ کے لئے ہے جس میں وہ لعنت
اور سزا کے مستحق نہیں ہیں تو سوال اور جواب میں کوئی تعلق ہی باقی نہیں رہتا کیونکہ معتزلہ کی
گفتگو اس زمانہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی دوسرے اس وجہ سے غلط ہے کہ احکام خدا
بھی آیات ہی ہیں جن پر ایمان لانا سبب رحمت ہے اور تیسری وجہ میں جو حدیث ہے وہ
بتاتی ہے کہ اونکی مخالفت؟ اون پر ایمان رکھنے کے منافی ہے دونوں جمع نہیں ہو سکتے
تیسرے اس وجہ سے غلط ہے کہ صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۱ چھاپہ مطبع میمنیہ مصر ۱۳۲۷ھ
کتاب محاربین باب اثم الزناۃ میں دو حدیثیں ایک ابن عباس کی اور دوسری ابوہریرہ
کی نقل کی ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ شراب پینے۔ چوری کرنے۔ زنا کرنے کے وقت ایمان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۲) جس طرح عقیل کو قرار دیا ہے ابوبکر کو بھی قرار دیا ہے بلکہ
كَانَ اَبُوْبَكْرٍ سَبَّابًا یہ بتا رہا ہے کہ اس قصہ میں عقیل سے زیادہ انھیں نے گالی دی۔ اگر
صرف عقیل گالی دیئے ہوتے تو یہ جملہ سَبَّ عَقِيْلٌ اَبَابَكْرٍ ہوتا یعنی عقیل نے ابوبکر کو گالی
دی اور جب انھوں نے بھی گالی دی تو پھر پرہیز کرنے اور منہ پھیر لینے کا ذکر غلط اور بے شبہ
اضافہ ٹھہرتا ہے۔ عقیل سے زیادہ حرمت قرابتِ رسولؐ کے حقدار علیؑ و فاطمہؑ تھے
اون پر کیوں ظلم کیا گیا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ حضرت عقیل سے گالی گلوچ کو حضرت ابوبکر
کے نسب داں ہونے سے کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ حضرت عقیل حضرت سرورِ عالم کے چچا زاد اور
حضرت علیؑ کے حقیقی بھائی تھے۔ اگر کوئی شخص ان دونوں بزرگوں کے نسب میں کوئی عیب
نکال سکتا ہو تو حضرت ابوبکر بھی عقیل کے نسب میں عیب نکال سکتے تھے۔ حالانکہ بقول
ابوسفیان کے قریش کے پست قوموں سے اور بقول شیبانی لڑکے کے قریش کے
جرواہے خود ہی تھے۔ بنو ہاشم کے مقابل میں انکی نسب دانی کیا کام آسکتی تھی۔
اس سے معلوم ہوا کہ نسب دانی کا ٹھکرا بازی کے عیب کو شبہہ میں ڈالنے کے

نکل جاتا ہے اور جب تک توبہ نہ کرے واپس نہیں آتا۔ پس اس بنا پر ان گناہوں کے بعد ایمان باقی ہی نہیں رہتا تاکہ آیت سلام و رحمتِ مذکورہ جواب اوسکو شامل ہو سکے پس بہتر جواب یہ ہے کہ علمِ اصول فقہ میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ترجیح اون دو حدیثوں میں تلاش کی جاتی ہے جو آپس میں پورا معارضہ یعنی پوری مخالفت رکھتی ہوں اور اوپر ذکر کیا گیا کہ عذاب دائم ظاہر کرنے والی آیتیں عام ہیں اور وعدۂ مغفرت کی آیتیں خاص؟ اور عام دلیلیں خاص پر محمول کی جاتی ہیں ان میں ترجیح نہیں تلاش کی جاتی اور مقاتل بن سلیمان مفسر نے جو کہا ہے کہ گناہ کبیرہ کرنے والوں پر بالکل عذاب نہ ہوگا؟ اونکی دلیلیں بھی چند آیتیں ہیں ۱ اِنَّ الۡخِزۡیَ الۡیَوۡمَ وَالسُّوٓءَ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ (تحقیق کہ آج (قیامت) کے دن ذلت اور برائی کافروں پر پڑیگی) ۲ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا (اے میرے ایسے بندو جنہوں نے اپنے اوپر بہت زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو؟ بے شک وہ کل گناہ بخش دے گا) ۳ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوۡ مَغۡفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلۡمِہِمۡ (بے شک خدا لوگوں کے ظلموں کو بخشنے والا ہے) ۴ لَا یَصۡلٰىہَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَی الَّذِیۡ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (جہنم میں نہ جائیگا مگر وہی بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا) ۵ ہَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡکَفُوۡرَ (خدا نہیں سزا دے گا لیکن کفر کرنے والوں کو) ۶ یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ (جس دن خدا نہ رسوا کرے گا نبی کو اور اُن لوگوں کو جو اون پر ایمان لائے) چند آیتیں اور بھی ذکر کی ہیں؟ لیکن

مقاتل کی دلیلیں اور انکا جواب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۳) لئے بڑھایا گیا ہے اور باقی مضامین انکی فضیلت اور بارگاہ رسالت میں قرب و منزلت ظاہر کرنے کے لئے کیونکہ اعرض عنہ کے بعد ہے کہ انہوں نے حضرتؐ سے عقیلؓ کی شکایت کی تو حضرتؐ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ کیا تم لوگ ہمارے رفیق کو نہ چھوڑو گے تمہارے مرتبہ کو اونکے مرتبہ سے کیا تعلق ہے۔ تم میں سے ہر شخص کے دروازے پر تاریکی رہتی ہے۔ سوا ابوبکر کے دروازہ کے۔ اونکے دروازہ پر نور برستا ہے۔ تم لوگوں نے ہم کو جھٹلایا۔ ابوبکر نے تصدیق کی۔ تم لوگوں نے بخل

اونکی بہتر دلیلیں یہی ہیں جو ذکر کی گئیں فخر الدین رازی نے یہاں پر ان سب کا
صرف ایک جواب یہ دیا ہے کہ عذاب کی آیتیں انکی معارض ہیں ۵ میں عرض کرتا
ہوں کہ عذاب اور مغفرت دونوں طرح کی آیتوں کا عموم جو آپس میں متعارض (ایک دوسرے
کا پورا مخالف) ہے۔ اوسکو جمع کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ صرف عذاب کفار کے لئے
قرار دیا جائے۔ اور صرف مغفرت ؟ گناہان صغیرہ والوں اور اون لوگوں کے لئے جو
گناہان کبیرہ میں جہالت اور نادانی سے مبتلا ہوئے ہونگے۔ اور عذاب کے بعد
مغفرت اون لوگوں کے لئے ؟ جنہوں نے جان بوجھکر گناہ کبیرہ کیا ہوگا۔ اور صغیرہ پر
اصرار کیا ہوگا اور ایسے گناہوں سے لد گئے ہونگے اور اس جمع پر بہت سی آیتیں
اور معتبر حدیثیں شاہد ہیں جن کی تفصیل باعث طوالت ہے۔ اون میں سے ایک آیت
مبارکہ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ
ہے (البتہ خدا گناہ شرک کو نہ بخشیگا اور اسکے سوا باقی گناہوں کو جسکے لئے چاہیگا
بخشدیگا) پس اسمیں شرک کو نہ بخشنے کا قطعی حکم ہے۔ اور بہت سی آیتوں اور حدیثوں
سے یہ بھی ثابت ہے کہ بخشائش کا سبب یا توبہ ہے یا شفاعت یا بعض کار خیر جو خدا
کو زیادہ پسند آجائے یا اوسکی رحمت جس کا کسی دوسری وجہ سے مستحق ہو جائے جیسے
ع داڑھی کی سفیدی وغیرہ جو مختلف حدیثوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور لمن یشاء جسکے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۴) کیا۔ اونھوں نے اپنا مال ہماری ذات میں خرچ کیا اور ہم سے ہمدردی کی
اور ہماری پیروی کی ۱۲ منہ ۵ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۹۱ و ۳۹۲ - ۱۲ منہ
ع حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم ہر صبح و شام بوڑھے
مومن کی صورت پر نظر (رحمت) ڈالتا اور ارشاد فرماتا ہے کہ اے بندے عمر تیری زیادہ
ہوئی اور ہڈیاں تیری پتلی ہوگئیں اور چمڑا تیرا باریک ہوگیا اور موت تیری نزدیک آگئی
اور میرے پاس تیرے آنے کا زمانہ آگیا پس مجھ سے شرم کر اور میں تیرے بوڑھاپے سے
شرم کرتا ہوں کہ تجھے آگ میں جلاؤں پھر دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ
خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ سفید داڑھی میرا نور ہے۔ پس میں اپنے نور کو اپنی آگ
سے نہ جلاؤنگا (جامع الاخبار باب ۱۴۲ فصل ۲ ذکر فضیلت شیبہ و ہرم) ۱۲ منہ

لئے چاہیگا) صاف ظاہر کر رہا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے جو بغیر توبہ اور شفاعت وغیرہ کے جب تک سزا نہ جھیل لیں بخشے نہ جائیں گے اور اس مضمون کی مفصل حدیث اس کے قبل حاشیہ میں ذکر کیجا چکی ہے۔ اسکے علاوہ مقاتل کی دلیلوں کا جدا جدا جواب یہ ہے پہلی آیت ؟ خزیان کو کافروں کے لئے ثابت کر رہی ہے اور ایک کے لئے ثبوت دوسرے سے نفی کو نہیں چاہتا دوسری آیت میں لفظ عبادی جو جمع مضاف اور مفید عموم ہے کافروں کو بھی شامل ہے جس کا مخصص آیت لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ ہے۔ اسی طرح اَسْرَفُوْا بھی انکو شامل ہے اور الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا شرک کو ؟ اور ان دونوں کا مخصص بھی یہی آیت ہے اور الذُّنُوْبَ گناہان کبیرہ کو اور عِبَادِیْ اور اَسْرَفُوْا کبیرہ کرنے والوں کو شامل ہے۔ اور ان کا مخصص لِمَنْ یَّشَاءُ ہے (یعنی جسکے لئے چاہیگا) جو اوپر کی آیت میں گذرا پس تخصیص کے بعد اس آیت میں صرف وہی داخل رہیں گے جو جہالت اور توبہ وغیرہ کی وجہ سے بغیر سزا کے قابل بخشائش ہیں تیسری آیت میں لفظ النَّاسِ ہے جس میں کفار بھی داخل ہیں اسلئے یہ بھی اپنے عموم پر باقی نہیں ہے اور غَیْرِ الْمُشْرِکِ عہ وغَیْرِ ذِی الْکَبَائِرِ سے تخصیص کر دینے کے قابل ہے جان کر کبیرہ کرنے والوں کے ؟ بغیر سزا بخشے جانے کو نہیں بتا سکتی۔ چوتھی آیت میں لَا یَصْلٰھَا (جہنم میں نہ جائیگا) مطلق ہے۔ اور عذاب کی آیتیں اور حدیثیں اور لِمَنْ یَّشَاءُ کا مفہوم بتا رہا ہے کہ جہنم میں کچھ مومن بھی کچھ زمانہ کے لئے جائیں گے اسلئے لَا یَصْلٰھَا ؟ لفظ خُلُوْدٌ ودوام سے مقید کرنے کے قابل ہے۔ اور مقید کرنے کے بعد اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہمیشہ کے لئے نہ جائیگا مگر جھٹلانے والا اور منہ موڑنے والا۔ پانچویں آیت میں لفظ کَفُوْر ہر نافرمانی اور ناشکری کرنے والوں کے لئے بھی بہت استعمال ہوا ہے اس لئے ہر گنہگار اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور قابل تخصیص ہے۔ اور تخصیص کے بعد اس کا معنی یہ ہوگا کہ گناہ صغیرہ والوں اور جہالت سے گناہ کبیرہ کرنے والوں پر عذاب نہ ہوگا اور باقی پر ہوگا خواہ تھوڑا یا ہمیشہ چھٹیں آیت میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کل مومنوں سے عام ہے۔ اور مومنوں پر عذاب وسزا کی بیشمار

عہ یعنی بے سزا مغفرت انکے لئے ہے جو مشرک نہیں ہیں اور گناہ کبیرہ نہیں کیا ہے ۱۲ منہ

آیتیں اور حدیثیں اس سے خاص ہیں اس لئے یہ آیت ان لوگوں کے لئے خاص کردی جائیگی جنہوں نے گناہ کبیرہ نہیں کیا۔
اشاعرہ اور شیعوں کی دلیلیں؟ معتزلہ اور مقاتل کی دلیلوں یعنی آیات عذاب اور آیات مغفرت؟ اور اونکے جوابوں اور اون مضامین کے جمع کی تقریروں کو سمجھ لینا ہی؟ اشاعرہ اور شیعوں کے دعوے کی حقیت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے اور طرفین کی دلیلیں بعینہ اونکی دلیلیں ہیں اسی لئے ان دلیلوں کو مستقل طور پر پھر دہرانا غیر ضروری اور بے کار طول دینا ہے۔
(تیسرا فائدہ) اصول دین۔ رازی صاحب لکھتے ہیں کہ خداوند عالم نے پورے قرآن میں جہاں جہاں عذاب کا وعدہ کیا ہے اوسکے ساتھ ساتھ ثواب کا بھی وعدہ کیا ہے اور اس ذکر میں کئی فائدے ہیں ایک یہ کہ اوس پاک ہستی کی عدالت (انصاف) ظاہر ہو جائے کیونکہ جب اوس نے کفر پر اصرار (ضد) کرنے والوں کے لئے ہمیشگی عذاب کا حکم کیا ہے تو واجب ہے کہ ایمان پر اصرار کرنے والوں کیلئے بھی ہمیشگی نعمت کا حکم کرے۔ دوسرے یہ کہ ضرور ہے کہ اوس قہار اور رکریم سے مومن کا خوف اور امید دونوں برابر رہیں اور برابری اسی طرح حاصل ہوسکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ وعدۂ ثواب سے اوسکی کامل رحمت ظاہر ہو جائے اور وعدۂ عذاب سے کامل حکمت؟ تاکہ معرفت کا سبب ہو سلہ میں عرض کرتا ہوں کہ حق بات زبان پر جاری ہوکر رہتی ہے واضح ہو کہ رازی صاحب جماعت اشاعرہ کے سرتاج ہیں اور دو امروں پر ان لوگوں نے اجماع اور اتفاق کیا ہے اور بہت سختی سے اوسکے معتقد ہیں ایک یہ کہ برا کام بھی خدا ہی کراتا ہے جس کو میں اسکے قبل کئی جگہ تفصیلی جواب کے ساتھ ذکر کر آیا ہوں۔
دوسرے یہ کہ خداوند عالم کو حق ہے کہ گناہگار کو ثواب دے اور فرمانبرداروں پر عذاب کرے ۲ے حالانکہ یہ دونوں ہی عقیدے عقل اور نقل کے خلاف اور اوس مقدس ہستی کی بے اعتباری اور اوسکے حکموں کی بے وقاری اور اوسکے محبوب

سلہ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۹۶-۱۲ منہ ۲ے شرح مواقف بحث احباط صفحہ ۵۸۷ سطر ۱۸ چھاپہ استنبول ۱۲ منہ

خدا عادل ہے

دین اسلام کے مٹنے کا سبب ہیں۔ پہلے عقیدہ کی خرابیوں کو کئی جگہ ذکر کر آیا ہوں۔ اور دوسرے عقیدہ کی خرابی بھی ظاہر ہے کیونکہ اگر یہ عقیدہ عام طور سے رائج ہو جاتا تو یہ سمجھ لینے کے بعد؟ کہ خدا اپنے وعدۂ ثواب و عذاب پر عمل نہ کرے گا۔ ایک تو خود اوسکی عزت نگاہوں میں باقی نہ رہتی۔ دوسرے اوسکے احکام کی طرف کوئی بھی توجہ نہ کرتا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ جس دینِ عزیز کی؟ وہ اشاعت اور ترویج چاہتا ہے اوس کا نام و نشان تک باقی نہ رہتا۔ اور بعد دنیا کے لوگ دینِ برحق سے اوسیطرح آزاد ہو جاتے جس طرح باطل مذاہب والے آزاد ہو گئے ہیں تعجب ہے کہ خدا کی عدالت کے لئے رازی صاحب مقام وعدہ میں تو ثواب و عذاب دونوں کے ساتھ ساتھ ذکر کو لازم سمجھتے ہیں لیکن مقام عمل میں دونوں وعدوں کے پورا کرنے کو لازم نہیں سمجھتے۔ حالانکہ قرآن مقدس کی صریح آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ (البتہ خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا) خدا کے وعدہ خلافی نہ کرنے کو صاف بتا رہی ہے۔ اور صحیح بخاری جلد ۲ چھاپہ مصر کتاب مظالم باب اذا خاصم فجر صفحہ ۶۶ میں حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کی حدیث ہے کہ وعدہ خلافی منافقوں کی صفت ہے۔ گویا کہ رازی صاحب صفت نفاق کو انسان جیسی معیوب ہستی کے لئے عیب سمجھتے ہیں لیکن خدا کی مقدس ذات کے لئے عیب نہیں سمجھتے۔

عمل ایمان کا جزو نہیں ہے

چوتھا فائدہ علم کلام وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو لوگ ایمان لائے اور اچھا کام کیا) علماء میں؟ اس میں اختلاف ہے کہ فروع دین پر عمل کرنا ایمان کے معنی میں داخل ہے یا نہیں اس بارے میں شہید ثانی علیہ الرحمہ نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام حقائق الایمان ہے اس کتاب میں ہر گروہ کا کلام اور اوسکی تفصیلی دلیلیں نقل کی ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ ایمان کا معنی لغت میں تصدیق یعنی یقین اور اطمینان ہے۔ اور علماء نے اس کے شرعی معنی میں سات قولوں پر اختلاف کیا ہے ایک یہ کہ ایمان کا معنی؟ صرف دل سے تصدیق کرنا ہے؟ اور یہ کلام؟ اشاعرہ اور اگلے علماء امامیہ میں سے ایک جماعت کا اور پچھلے علماء امامیہ میں سے محقق طوسی علیہم الرحمہ کا ہے جس کو محقق نے اپنی کتاب

فصول میں لکھا ہے۔ **دوسرے** یہ کہ ایمان کا معنی ؟ صرف کلمہ شہادتین پڑھنا ہے ؟ اور یہ کلام ؟ کرامیہ کا ہے۔ **تیسرے** یہ کہ اس کا معنی ؟ کل واجبات اور مستحبات کو بجالانا ہے۔ اور یہ کلام ؟ خارجیوں اور اگلے معتزلہ اور علاف اور قاضی عبد الجبار کا ہے۔ **چوتھے** یہ کہ اس کا معنی ؟ صرف واجبات کو بجالانا اور حرام فعلوں کو چھوڑنا ہے۔ اور یہ کلام ؟ ابو علی جُبائی اور اون کے بیٹے ابو ہاشم اور اکثر معتزلہ بصرہ کا ہے۔ **پانچویں** یہ کہ اس کا معنی ؟ اصول دین کا اعتقاد کرنا اور کل عبادتوں کو بجالانا ہے ؟ اور یہ کلام ؟ اہل حدیث اور اگلے ایک گروہ جیسے ابن مجاہد وغیرہ کا ہے۔ **چھٹیں** یہ کہ اس کا معنی ؟ دل سے اعتقاد کرنا اور کلمۂ شہادتین پڑھنا ہے ؟ اور یہ کلام ؟ ابوحنیفہ اور ایک گروہ (اہلسنت) کا ہے۔ **ساتویں** یہ کہ اس کا معنی پانچوں اصول دین کا دل سے اعتقاد کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ہے۔ اور یہ کلام محقق طوسی علیہ الرحمہ کا ہے جس کو انھوں نے تجرید میں لکھا ہے[۱] **میں عرض کرتا ہوں** کہ شہید ثانی علیہ الرحمہ نے جو ہر ایک کی دلیلیں لکھی ہیں اون کو نقل کرنے کے لئے مستقل، کتاب کی ضرورت ہے اسلئے اونکو چھوڑتا ہوں **مختصر طور** پر اتنا عرض کردیتا ہوں کہ ان ساتوں کلاموں میں سے ترجیح ساتویں کلام کو ہے اور فروع دین پر عمل کرنا ؟ ایمان کے معنی میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ امتِ محمدی کا اس پر اجماع ہے کہ ایمان ؟ عبادتوں کے قبول ہونے کی شرط ہے اور کوئی چیز اپنی شرط آپ نہیں ہوتی۔ اور بہت سی آیتیں اور حدیثیں بھی بتاتی ہیں کہ عمل ؟ ایمان کا جز نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو گنہگار بے ایمان ہوتے اور اونکی بخشائش نہ ہوسکتی۔ اور اصولِ مذہب سے ثابت ہے کہ گناہگار مومن کی بخشائش ضرور ہوگی جیسا کہ اس کے قبل تفصیل سے لکھ آیا ہوں۔

(پانچواں فائدہ) علم کلام اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (ترجمہ اوپر ذکر کیا گیا) **رازی صاحب** لکھتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کرنے سے پہلے جو شخص ایمان لاچکا اور عمل صالح کرچکا ہو اوس پر یہ آیت صادق آتی ہے یعنی وہ اس میں داخل ہے اس لئے وہ ہمیشہ بہشت میں رہیگا **پھر یہ اعتراض** کیا ہے کہ اگر گناہ کبیرہ کرنے کے بعد وہ توبہ نہ کرے تو وہ اس میں داخل نہ ہوگا کیونکہ توبہ بھی عمل صالح ہے جس کو اوس نے نہ کیا اس لئے عملوا الصالحات اوس پر صادق نہ آئیگا **پھر جواب** یہ دیا ہے کہ گناہ کرنے سے پہلے وہ اس میں داخل ہوچکے تھے اس لئے داخل رہینگے

گناہ کبیرہ والے بہشت میں رہا کریں گے

[۱] حقائق الایمان چھاپہ ایران صـ۴ کتاب کلاں اور صـ۱۰۲ اسی مجموعۂ کتب کے سلسلۂ صفحات کے مطابق ۱۲ منہ

کیونکہ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قَبْلَ الْمَعْصِیَۃِ جو قبلِ معصیت سے مقید ہے جب اون پر صادق ہے تو صرف عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بھی جو مطلق یعنی بے قید ہے صادق آئیگا اور حکم خلودِ بہشت ثابت رہیگا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اوپر ذکر کر آیا ہوں کہ اَلصَّالِحَاتِ جمع ہے جس پر الف اور لام داخل ہوا ہے جسکو جمع مُحَلّٰے باللام کہتے ہیں اور جمع مُحَلّٰے باللام استغراق کے لئے آتی ہے یعنی کل فردوں کو بیک وقت شامل ہوتی ہے۔ اور یہ بھی لکھ آیا ہوں کہ خُلُوْد کا حقیقی معنی ؟ دفن ہوتے ہی بہشت میں داخل ہو جانا ہے خواہ وہ بہشت آخرت ہو جیسا کہ بعض حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے یا قیامت تک بہشت دنیا اور اوس کے بعد بہشت آخرت ؟ جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بادشاہ عادل کی فرمائش ہے جَزَاءُ سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُهَا (سورہ شوریٰ پ ۲۵ آیت ۳۹) یعنی برائی کا بدلا ویسی ہی برائی ہے۔ اسلئے خلود کے مذکورہ معنی کے لحاظ سے عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ میں وہی لوگ داخل ہونگے جو گنہگار نہوں پس اس بنا پر گنہگاروں کے اگلے اچھے اعمال اون کو اس آیت میں داخل نہیں کر سکتے ؟ جس کو رازی صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ بہشت سے بالکل محروم بھی نہ رہیں گے جس کو معتزلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ چہاردہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام شفاعت کا وعدہ کر چکے ہیں پس گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے خلود یعنی ہمیشگی بہشت ؟ شفاعت یا رحمت پروردگار حاصل ہونے پر حقیقی معنی کے مطابق ہوگا۔ اور حاصل نہ ہونے پر سزا جھیلنے کے بعد مجازی معنی کے مطابق۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب الصَّالِحَاتِ جمع محلےٰ بلام ؟ ایسے لوگوں کو داخل ہی نہیں ہونے دیتا تو صدقِ مقید و مطلق کی گفتگو کا موقع ہی باقی نہیں رہتا جس کو رازی صاحب نے لکھا ہے علاوہ اسکے کہ جو حکم ؟ مطلق پر بحیثیت اطلاق ہوتا ہے اوس کے جاری ہونے کے لئے بالواسطہ صدق کافی نہیں ہے یعنی جو حکم کسی فرد پر ؟ بے قید ہونے کی حیثیت سے ہوتا ہے وہ اوس فرد پر جاری نہیں ہوتا جس میں کوئی قید ہوتی ہے اور اس آیت کا ظاہری معنی یہ ہے کہ خلودِ بہشت اون کے لئے ہے جن کے عمل صالح میں قبلِ معصیت یا بعد معصیت بے توبہ کی قید نہ ہو۔

(چھٹاں فائدہ) عِلْم کلام اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ابو علی جُبّائی نے کہا ہے کہ اولٰئک

عـه کیونکہ مطلق ؟ مقید کی ہر فرد پر صادق آتا ہے جس طرح عام ؟ خاص کی ہر فرد پر صادق آتا ہے اور مقید ؟ مطلق کی ہر فرد پر صادق نہیں آتا جس طرح خاص ؟ عام کی ہر فرد پر صادق نہیں آتا ہے

۱۲ منہ

کو پہلے ذکر کرنا حصر کے لئے ہے۔ اور اس حصر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بہشت بہشت میں تفضلاً نہیں جائینگے بلکہ باستحقاق جائیں گے اور رازی نے ان کے جواب میں کہا ہے کہ ہو سکتا ہے مقصود یہ ہو کہ اعمال صالح کرنے والے تو باستحقاق جائیں گے۔ لیکن کچھ لوگ بتفضل بھی جائیں گے جو اس آیت میں داخل نہیں ہیں [1] میں عرض کرتا ہوں کہ باستحقاق داخل ہونے والوں کا دخول بھی بتفضل ہی ہے۔ کیونکہ شکر منعم عقلاً اور نقلاً واجب ہے۔ اور خداوند منعم کی ایک نعمت کا شکریہ ادا کرنا بھی محال ہے۔ اور شکریہ کا معنی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ پس چونکہ اطاعت و فرمانبرداری؟ سابق نعمتوں کا واجب عقلی و نقلی شکریہ ہے اس لئے اس کے بدلے میں شکرگذار کسی عوض کا مستحق نہیں ہے باوجود اس کے اوس کریم و رحیم کا اس کے بدلے میں نعمات بہشت سے سرفراز کرنا تفضل ہی تفضل ہے۔ ہاں فرق یہ ہے کہ چونکہ فرماں برداروں کے لئے آیت کریمہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (اگر شکریہ ادا کرو گے تو میں نعمتیں ضرور بڑھاؤں گا) میں ان نعمتوں کا کریمانہ وعدہ کر لیا ہے اس لئے ان کو ایک گونہ استحقاق حاصل ہو گیا ہے۔ اور نافرمان اس استحقاق سے محروم ہیں۔

(ساتواں فائدہ) اصول دین۔ فروع دین۔ اخلاق وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ (اور اوس وقت کو یاد کرو جب کہ میں نے بنو اسرائیل سے وعدہ لیا تھا کہ خدا (میرے) سوا کسی کی عبادت نہ کرینگے)۔ اس آیت کا سیاق یعنی اس کے بعد قُولُوا۔ اور أَقِيمُوا۔ اور آتُوا۔ امر کے تین صیغوں کا ہونا بتاتا ہے کہ قرآن مجید کے جاہل ترتیب دینے والے اس آیت کو لکھنے کے وقت اونگھ گئے تھے؟ اس وجہ سے لَا تَعْبُدُوا (عبادت نہ کرنا) کی جگہ پر لَا تَعْبُدُونَ (عبادت نہ کرو گے) لکھ دیا جو وعدہ لینے سے؟ محاورہ کے لحاظ سے بھی مناسبت نہیں رکھتا۔ بہر حال یہ صیغہ نہیں کے معنی میں ہے اور غیر خدا کی عبادت کرنے سے منع کرنا مقصود ہے۔ اور یہ جملہ اپنے

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۳۹۷ - ۱۲ منہ [2] شکریہ کا عقلی وجوب دوسرے مقدمہ ص ۷ تا ۱۳ میں ملاحظہ کریں۔ اور نقلی وجوب کا ثبوت کلام رب العزت ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ...... أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ یعنی میں نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کی (پھر حمل اور رضاعت کی تکلیف ذکر کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ) اور اس کی وصیت کی کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کر۔ تجھے میرے پاس پلٹ کر آنا ہے ۱۲ منہ

دخول بہشت بتفضل ہے ؟ اور باستحقاق

اصول دین - فروع دین - اخلاق

چار لفظوں سے اصول دین اور فروع دین اور اخلاق سب کو شامل ہے۔

بیان اصول دین یہ ہے کہ عبادت بغیر قصد قربت کے صحیح نہیں ہے۔ اور اس کا معنی امتثالِ امر مولے یعنی مالک حقیقی کا حکم بجالانے کا ارادہ ہے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے جب تک اوسکی ذات اور صفات کو پہچان نہ لے اور خالقیت و رازقیت اوسکی خاص صفت ہے اس لئے یہ؟ اوسکی وحدانیت کو بتاتا ہے۔ اور چونکہ فرماں برداری اور نافرمانی کا؟ اچھے اور بُرے بدلا کے لئے سبب ہونا عقلی چیز ہے اور انصاف اسی کو چاہتا ہے اس لئے یہ؟ عدالت اور قیامت کو بتاتا ہے۔ اور چونکہ طریقہ عبادت کو جاننا بغیر علم کے ممکن نہیں ہے اور حصول علم؟ عمار کے ہونے پر موقوف ہے جن پر احکام نازل کئے جائیں اور ہر زمانہ میں ایک معلم کے ہونے پر موقوف ہے جو لوگوں کو سکھائیں۔ کیونکہ ہر زمانہ کے لوگ اسکے محتاج ہیں اسلئے یہ رسالت اور امامت کو بتاتا ہے۔ اور یہی پانچوں چیزیں اصول دین ہیں۔ **بیان فروع دین** یہ ہے کہ تَعَبُّدُونَ کا مصدر عبادت ہے اور اس کا معنی صاحبِ منجد نے تذلل اور خضوع اور طاعۃ لکھا ہے۔ یعنی چھوٹا بننا اور فروتنی اور فرماں برداری کرنا۔ اور مولانا شیخ بہاء الدین عاملی علیہ الرحمہ نے شرح اربعین عربی ص ۱۲۷ میں حصر کے طور پر لکھا ہے کہ خضوع اور تذلل اور الطاعۃ اور انقیاد (فرماں برداری) کے سوا عبادت کا کوئی دوسرا معنی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے خدا نے شیطان کی فرماں برداری کو اوسکی عبادت قرار دے کر لا تعبدوا الشیطان فرمایا ہے۔ یعنی شیطان کی فرماں برداری نہ کرو۔ اور مولانا فخر الدین طریحی نجفی علیہ الرحمہ نے مجمع البحرین میں غایۃ خضوع و تذلل لکھا ہے۔ یعنی بے حد فروتنی کرنا اور چھوٹا بننا جس کا لازمی نتیجہ بے حد فرماں برداری ہے۔ اور طریحی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ محقق طوسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں ایک۱ وہ جو دل پر واجب ہے جیسے اعتقاد وحدانیت وغیرہ (جو بیان اصول دین میں ذکر کیا گیا) دوسرے۲ وہ جو اعضاء (بدن) پر واجب ہے جیسے نماز۔ روزہ وغیرہ۔ تیسرے۳ وہ جو آپس کے برتاؤ میں واجب ہے جیسے خرید۔ فروخت۔ ہبہ۔ اجارہ۔ نکاح۔ ادائے امانت۔ ایک دوسرے کی مدد اور ہمدردی وغیرہ پس اس بنا پر لفظ تعبدون کل فرعی حکموں کو شامل ہوگا۔

بیان اخلاق یہ ہے کہ عبادت کی تین قسمیں جو ذکر کی گئیں اونمیں سے تیسری قسم کے لحاظ سے یہ لفظ کل اخلاقی باتوں کو بتائیگا۔ کیونکہ خرید و فروخت وغیرہ کے آداب بھی اخلاق ہی میں داخل ہیں۔

(آٹھواں فائدہ | علم اخلاق وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَ بِذِي الْقُرْبٰى سے تَقُولُوا

لِلنَّاسِ حُسْنًا تک خداوند حکیم نے اس آیت میں حقوق کی ترتیب قائم کرنے میں مقدار نعمت کو پیش
نظر رکھا ہے جو سلسلہ ترتیب کا بہترین سبب ہے پس پہلے اپنے حقوق کی ادا کاری کو ذکر کیا ہے
کیونکہ کل اہل دنیا کے حقوق سے ماں باپ کے حقوق بڑے ہیں اور ان کے حقوق سے خدا کے حقوق
بالاتر ہیں جسکی کئی وجہیں ہیں ایک یہ کہ وہ اصلی پیدا کرنے والا اور نعمتیں دینے والا ہے - اور
ماں باپ مجازی (غیر اصلی) دوسرے یہ کہ اوسکی نعمتیں بے انتہا ہیں اور ماں باپ کی محدود -

حقوق کی تفصیل

تیسرے یہ کہ اوسکی نعمتیں خود اوسی کی ہیں اور ماں باپ کی نعمتیں اوسکی دی ہوئی -
اور ماں باپ کے حقوق کو دوسروں کے حقوق سے پہلے کئی وجہوں سے ذکر کیا ہے ایک یہ کہ وہ پیدائش کا ذریعہ
ہیں اور دوسرے نہیں ہیں دوسرے یہ کہ عام طور سے پرورش وہی کرتے ہیں اور دوسرے کبھی کبھی -
تیسرے یہ کہ وہ پیدا اور پرورش کرنے سے نہیں گھبراتے اور دوسرے گھبرا جاتے ہیں چوتھے یہ کہ وہ احسان نہیں
رکھتے دوسرے احسان رکھتے ہیں یہ وجہیں مثال کے طور پر ذکر کی گئی ہیں - غور کرنے والے ماں
باپ کے حقوق پر خدا کے حقوق کی - اور دوسروں کے حقوق پر ماں باپ کے حقوق کی ترجیح کے لئے
بہت سی وجہیں قائم کر سکتے ہیں اور قرابتداروں کے حقوق غیروں کے حقوق سے اس وجہ سے
بالاتر ہیں کہ قرابتدار ماں باپ کے خون میں شرکت رکھتے ہیں اور دوسرے نہیں رکھتے اور یتیموں کے حقوق مسکینوں کے حقوق
سے اس وجہ سے زیادہ ہیں کہ وہ دنیا میں ماں باپ جیسے ہمدرد کو کھو کر بے سہارا اور ضعیف القلب
ہوگئے ہیں - باقی رہی حقوق کی تفصیل تو چونکہ چھوٹے حقداروں کے حقوق سے بڑے
حقداروں کے حقوق کا اندازہ اچھی طرح ہو سکتا ہے اسلئے چھوٹے حقوق سے سلسلہ شروع
کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے - عام مومنوں کے حقوق کے متعلق چند حدیثیں تفسیر سورہ بقرہ جلد اصفحہ ۵۳

محتاج مومنوں کے حقوق

وہ ۵ میں لکھ آیا ہوں وہاں ملاحظہ کریں - محتاج مومنوں کے حقوق کے متعلق کلام پروردگار سے
منجملہ بہت سی آیتوں کے ایک یہی آیت ہے جسکی تفسیر لکھ رہا ہوں - اور اہلبیت ع کی فرمائشوں
میں سے فرمائش حضرت سید سجاد صلوات اللہ علیہ و علے آبائہ الطاہرین و ابنائہ المعصومین ہے
آپ اپنے شیعوں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ہمارے شیعو ؟ بہشت خواہ تمہیں جلد ملے یا دیر میں
تمہارے ہاتھ سے جا نہیں سکتا - لیکن تمہیں چاہئے کہ درجات حاصل کرنے میں ایک دوسرے
سے بڑھ جانیکی کوشش کرو - اور سمجھ لو کہ تم میں سے سب سے بلند درجہ اور بہت بہتر قصر اور مکان

ے خلود کے معنی میں ذکر کیا گیا ہے کہ دنیا پاک اٹھنے والوں کو فوراً ملیگا - اور گنہگار اٹھنے والوں کو سزا کے بعد ۱۲ منہ

والا وہ شخص ہوگا جو مومنوں کی حاجتوں کو زیادہ پورا کرے گا اور فقراء مومنین کے ساتھ اچھا برتاؤ زیادہ رکھیگا۔ یقین کرو کہ خداوند عالم تم میں سے اوس شخص کو اپنی بارگاہ سے نزدیک کرے گا جو محتاج مومن سے ایک دفعہ بھی اچھی بات بولے ہوگا۔ اور اوسکی نزدیکی (بہ نسبت دوسروں کے) ایک لاکھ برس کی راہ سے زیادہ ہوگی۔ اگرچہ وہ عذاب جہنم کا مستحق رہا ہو۔ پس اپنے بھائیوں کے ساتھ بھلائی کرنے کو چھوٹی بات نہ سمجھو۔ کیونکہ یہ بھلائی تم کو ایسی جگہ فائدہ پہونچائیگی جہاں دوسری کوئی چیز اسکی قائم مقام نہ ہوسکے گی۔ اور حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا کہ اوسکی قسم جس نے مجھے برحق نبی بنایا کہ خدا کے بعض بندے قیامت کے دن ایسی جگہ ہونگے جہاں اونکے اوپر جہنم کے شعلے دنیا کے کل پہاڑوں سے زیادہ اونچے نکلتے ہونگے اور اوس کو گھیر لیں گے اور وہ متحیر ہوگا کہ یک بیک وہ روٹی یا چاندی کا وہ سکہ جو کسی برادر مومن کو دیا ہوگا

ع۵ خیر و خیرات کے نفع کو جن لوگوں نے سمجھ لیا ہے وہ مال دنیا ذخیرہ نہیں کرتے۔ خرم شاہ بادشاہ ہندوستان کے یہاں ایک شخص نوکر تھا جسکی سالانہ آمدنی چار لاکھ اشرفی تھی جس کو راہ خدا میں خرچ کر دیا تھا۔ بادشاہ کو خبر دی گئی اوس نے اوس سے کہا کہ انسان کو چاہیئے کہ مال سے کچھ محبت رکھتا ہو اور میں نے سُنا ہے کہ تو محبت نہیں رکھتا۔ اوس نے جواب دیا کہ اے بادشاہ مال کی محبت پر مجھ سے زیادہ کوئی شخص حریص نہیں ہے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ اپنا کل مال اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اور دوسرے لوگ چاہتے ہیں کہ دنیا ہی میں چھوڑ جائیں۔ پس مجھ سے زیادہ کوئی شخص حریص نہیں ہے۔ اسی طرح ایک جوان کو باپ کے متروکہ سے بہت سا مال ملا پس وہ اوس کو راہ خدا میں خرچ کرنے لگا۔ اوسکی ماں نے اوسکے باپ کے ایک دوست سے اوسکی شکایت کی اور کہا کہ میں اسکے محتاج ہوجانے سے ڈرتی ہوں۔ اوس دوست نے اس جوان سے کہا کہ مناسب ہے کہ انسان کچھ مال اپنے لئے بھی رکھ چھوڑے۔ اوس نے جواب میں کہا کہ اوس شخص کے حق میں تم کیا کہتے ہو جو شہر (آخرت) کی سرحد پر بستا ہو اور اب اوس شہر میں جانا چاہتا ہو۔ اور اپنے جانے سے پہلے اپنا مال شہر والے مکان میں بھیجتا ہو؟ آیا یہ بہتر ہے کہ مال چھوڑ کر خود چلا جائے حالانکہ یہ نہیں جانتا کہ اوس کا مال اوس تک پہونچا دیا جائیگا یا نہیں پس وہ دوست اس سے اوس کا مطلب سمجھ گیا اور صدقات میں خرچ کرنے کی اجازت دیدی (لآلی الاخبار جلد ۲ باب ۶ صـ ۲۱۵ و ۲۱۶ - ۱۲ منہ

ہوشیار مثال

اوس کے سر پر فضا میں دکھائی دے گا اور بہت بڑے گول پیالے کی طرح ہو کر اوتریگا اور اوسکو ڈھانک لیگا اور شعلہ کی لپک سے بچالیگا پس اوس تک نہ آگ پہونچ سکیگی نہ دھواں۔ یہاں تک کہ بہشت میں داخل کر دیا جائیگا۔ اور قسم ہے اوسکی جس نے مجھے برحق نبی بنایا کہ بعض مومن اس سے بھی زیادہ فائدہ اوٹھائیں گے؟ جب وہ قیامت میں آئیں گے تو اونکے گناہ و برائیاں جو مومن کے ساتھ کئے ہوں گے اونکے سامنے پیش کئے جائیں گے اور اون سے اونکے نامۂ اعمال بھرے ہونگے۔ اور اونکی نیکیاں اون مومنوں پر تقسیم کر دی جائینگی جن پر ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے ظلم کئے ہوں گے۔ پس یہ حیران و پریشان ہوں گے اور انکو اوتنے ہی نیکیوں کی ضرورت ہوگی جتنے ان کے گناہ ہوں گے۔ پس وہ مومن ان کے پاس آئیگا جس کے ساتھ بھلائی کی ہوگی اور کہیگا کہ تمہارے احسان کے بدلے میں نے اپنی کل نیکیاں تمہیں دیں۔ پس خداوند عالم اوسکی نیکیوں کی وجہ سے ان کو بخش دے گا۔ اور اوس مومن سے فرمائیگا کہ اب تو کس ذریعہ سے بہشت میں جائیگا۔ عرض کرے گا کہ پروردگارا تیری رحمت کے ذریعہ سے۔ پس ارشاد فرمائیگا کہ میں نے تیری کل نیکیاں تجھے دیں اور میں بہ نسبت تیرے ہ کرم اور بخشش کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ تیری نیکیوں کو تیرے برادر مومن کے حق میں بھی میں نے قبول کیا اور اونکو دوگنا کر کے تجھے عطا کیا۔ پس یہ مومن اہل بہشت کے افضل لوگوں سے ہوگا[1] اور حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ فقیر جو آکر سوال کرے وہ تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہے پس اوس کو نہ دینا خدا کو نہ دینا ہے اور اوس کو دینا خدا کو دینا ہے اور فرمایا کہ اگر تیرے پاس سائل گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور ہاتھ پھیلائے (یعنی سوال کرے) تو اوس کا حق واجب ہوگیا اگرچہ آدھے خرما سے ادا کرو۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سائل کو دو اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ اور غیر مستحق کو بھی دو تاکہ (دھوکے میں) مستحق واپس نہ جائے۔ اور فرمایا کہ دینے والے کو اگر معلوم ہو جائے کہ دینے میں کیا فائدہ ہے تو کبھی کسی سائل کو واپس نہ کرے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سائل کو واپس کر دینے والے اگر سمجھ لیں کہ واپس کرنے میں کیا نقصان ہے تو کبھی کسی کو واپس نہ کریں[2] یتیموں کے حقوق۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ ..... وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى (بقرہ پ ۲ آیت ۱۷۳) یعنی اچھا

یتیموں کے حقوق

[1] لآلی الاخبار جلد ۲ باب ۶ ص ۲۱۳ ۔ ۱۲ منہ [2] لآلی الاخبار جلد ۲ باب ۶ ص ۲۲۳ ۔ ۱۲ منہ

کام یہ ہے کہ خدا اور قیامت اور فرشتوں اور قرآن اور انبیاء پر ایمان لائے اور مال سے محبت رکھتے ہوئے اوس کو عزیزوں اور یتیموں کو دے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یتیم کے سر پر محبتانہ ہاتھ پھیرے تو جتنے بالوں پر اوس کا ہاتھ گذریگا ہر بال کے بدلے خداوند عالم قیامت کے دن ایک نور اوس کو عطا کریگا۔ اور حضرتؑ کی دوسری حدیث میں ہے کہ ہر بال کے بدلے ایک ایک قصر عطا کریگا اور ہر قصر پوری دنیا سے بڑا ہوگا اور اوس میں وہ نعمتیں ہونگی جن کو دل چاہیگا۔ اور آنکھیں لذت اوٹھائیں گی اور وہ اوس میں ہمیشہ رہیگا۔ اور حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یتیم کی نگرانی (یعنی پرورش) اپنے ذمے لے اور اچھی طرح نگرانی کرے اور اوس کے سر پر ہاتھ رکھے (یعنی اوس سے محبت اور ہمدردی کرے) تو خداوند عالم ہر بال کے بدلے اوسکے نامہ عمل میں ایک کار خیر لکھے گا اور ایک گناہ مٹائیگا اور ایک درجہ بلند کرے گا۔ اس بارے میں حدیثیں بہت ہیں یتیم کے حق کی آخری حد سمجھنے کے لئے دو حدیثیں کافی ہیں ایک میں حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والے بہشت میں ویسے ہونگے جیسے یہ دونوں میری انگلیاں اور بیچلی اونگلی اور شہادت کی اونگلی جوڑ کر دکھایا (مطلب حضرتؐ کا یہ تھا کہ میرے ساتھ ہونگے) اور دوسری میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ جب یتیم روتا ہے تو عرش لرزنے لگتا ہے۔ پس خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ کس نے میرے ایسے بندے کو رولایا جس کی کمسنی میں میں نے اوس کے ماں باپ کو اوس سے (مصلحت) لے لیا۔ میری عزت اور جلالت اور بزرگی کی قسم، جو بندۂ مومن اس کو چپ کریگا میں بہشت کو اوس پر واجب کردوں گا [1]

عزیزوں کے حقوق

قرابتداروں کے حقوق ۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (کیا یہ بات جلد ہونے والی ہے کہ جب تم بااختیار ہوگے تو زمین میں فساد اور عزیزوں کے ساتھ برائی کروگے؟ ایسے ہی لوگوں پر خدا نے لعنت کی ہے اور اونکو بہرا اور اندھا کردیا ہے، حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے بدن اور مال

[1] لآلی الاخبار جلد ۳ باب ۶ صفحہ ۲۵۹ - ۱۲ منہ

سے عزیزوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے لئے جائے تو خداوند عالم اوس کو (شہداء بدر میں سے) سو شہیدوں کا ثواب دیگا۔ اور ہر قدم کے بدلے چالیس ہزار نیکیاں اوسکے نامہ عمل میں لکھے گا اور چالیس ہزار گناہ مٹائیگا اور چالیس ہزار درجے بلند کرے گا اور وہ مثل اوس شخص کے سمجھا جائیگا جس نے سو برس خالص نیت سے خدا کی عبادتوں میں تکلیفیں برداشت کی ہوں۔ اور حضرت کی دوسری حدیث میں چالیس ہزار کی جگہ پر چالیس لاکھ لکھا ہوا ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اوسکی جان کنی کی تکلیف میں تخفیف کی جائے اوس کو چاہئے کہ اپنے عزیزوں اور ماں باپ کے ساتھ زیادہ بھلائی کرے۔ پس جو شخص ایسا کرے گا جانکنی کو خدا اوس پر آسان کردیگا اور زندگی بھر کبھی محتاج نہ ہوگا۔ حضرت پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ جسکے پاس پانچ خرمے یا پانچ روٹیاں یا پانچ اشرفیاں یا پانچ درہم (چاندی کے سکے) ہوں اور اونکو خرچ کرنا چاہتا ہو تو افضل یہ ہے کہ ایک ماں باپ کو دے اور دوسرا اپنی اور اپنے عیال کی ذات میں خرچ کرے اور تیسرا اپنے محتاج عزیزوں کو دے اور چوتھا ہمسایہ کے محتاجوں کو دے اور پانچواں راہ خدا میں خرچ کرے؟ اجر و ثواب کے لئے یہ کام بہت اچھا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث شریف سے حقوق کی ترتیب بھی معلوم ہوگئی یعنی پہلا حق ماں باپ کا ہے اوس کے بعد اپنا اور اپنے عیال کا کیونکہ آیت مبارکہ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (نہ تو اپنے ہاتھوں کو اپنی گردن میں باندھ لو یعنی بخل کرو؟ اور نہ بالکل

عزیزوں کے حقوق

علی بن ابراہیم علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے نازل ہونے کا سبب بسند صحیح یہ لکھا ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کسی سائل کو واپس نہیں کرتے تھے۔ پس ایک عورت نے اپنے بیٹے کو کچھ مانگنے کے لئے بھیجا اور اوس سے کہدیا کہ اگر فرمائیں کہ کچھ موجود نہیں ہے تو کہنا کہ اپنا کرتا دیدیجئے چنانچہ وہ آیا اور حضرتؐ کا کرتا لے گیا۔ پس خدا نے حضرت کو بخشش کا طریقہ سکھانے کے لئے اس آیت کو نازل کیا۔ اور ایک حدیث میں بسند صحیح یہ نقل کیا ہے کہ حضرتؐ کے پاس ایک اوقیہ (سوا پاؤ) سونا تھا پس آپ کو اچھا نہ معلوم ہوا کہ رات کو گھر میں رہ جائے اور شام تک سب کو فقراء پر تقسیم کردیا پس صبح کو ایک فقیر نے آکر سوال کیا اور آپ کچھ دے نہ سکے۔ پس اوس نے بہت ملامت کی۔ اور اوس کو نہ دے سکنے کی وجہ سے حضرتؐ بھی بہت غمگین ہوئے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۶۰۲) ۱۲ منہ

کھول دو یعنی جو کچھ موجود ہو دوسروں کو دے کر خدا اور بندگان خدا کے نزدیک لائق ملامت اور محتاج ہو کر بیٹھ جاؤ) (سورہ بنی اسرائیل پ ۱۵ - آیت ۳۱) یہ بتا رہی ہے کہ اپنا کل مال دوسروں کو دیکر خود محتاج بن بیٹھنا اسراف کہلاتا ہے جس کو خدا نے حرام کیا ہے اور فرمایا ہے لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (سورہ انعام پ آیت ۱۴۲) (بیجا خرچ نہ کرو کیونکہ بیجا خرچ کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا) اور اوسکے بعد محتاج عزیزوں کا اوسکے بعد ہمسایہ کے محتاجوں کا۔ اوسکے بعد غیروں کا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ صدقہ کس کو دینا چاہئے عام فقیروں کو یا عزیزوں کو؟ تو ارشاد فرمایا کہ عزیزوں کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو نہ دے کیونکہ ان کا حق بہت بڑا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ عزیز محتاج کے ہوتے ہوئے غیروں کو صدقہ دینے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ کئی حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ چار صفتیں رکھنے والوں پر بہشت واجب ہے ۱ ماں باپ کے ساتھ ۲ عزیزوں کے ساتھ ۳ ہمسایہ والوں کے ساتھ بھلائی کرنا ۴ خوش خلقی۔ اور عزیزوں کے ساتھ بھلائی کرنے والوں کے لئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام چار چیزوں کے ضامن ہوئے ہیں ۱ عزیزوں کا اون سے محبت کرنا ۲ مال کی زیادتی ۳ طولِ عمر ۴ بہشت میں داخل ہونا۔ اور عزیزوں کے ساتھ بھلائی کرتے والوں کی عمر اگر تین سال باقی رہ جاتی ہے تو بڑھا کر تیس سال کر دی جاتی ہے اور اون کے ساتھ برائی کرنے والوں کی عمر اگر تیس سال باقی رہ جاتی ہے تو گھٹا کر تین سال کر دی جاتی ہے اور قیامت کے دن پوچھا جائیگا کہ عزیزوں کے ساتھ بھلائی کی تھی یا نہیں۔ اگر کچھ نہیں کر سکتا تو کم سے کم سلام ہی کیا کرے [1]

ماں باپ کے حقوق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا (بنی اسرائیل پ ۱۵ - آیت ۲۴) (تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اوسکے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کر اور ماں باپ کے

[1] لآلی الاخبار باب ۶ جلد ۲ صـ ۲۱۱ و ۲۱۲ - ۱۲ منہ

حقوق ۱۸ ۱۷ ۱۶

ساتھ بھلائی کر اگر وہ دونوں یا ایک بوڑھے ہو جائیں تو (اُنکی مخالف مزاج باتوں پر) اف نہ کر اور نہ جھڑک اور اُن سے نرمی سے باتیں کیا کر اور مہربانی سے اونکے آگے ذلیل بنکر رہ اور کہہ کہ خداوندا ان پر رحم کر جس طرح انھوں نے مہربانی کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا۔ تمہارا پروردگار تمہارے دل کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اگر تم بھلائی کا ارادہ رکھتے ہو تو (ماں باپ کی حق تلفی کے بعد توبہ کرنے والوں کے گناہوں کا بہت بڑا بخشنے والا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں جو بسند صحیح منقول ہوئی ہے حضرتؑ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تجھے آزردہ کر دیں تو اُف نہ کر اور اگر ماریں تو نہ جھڑک اور کہہ کہ خدا آپ لوگوں کے گناہوں کو بخشے قول کریم کا معنی یہی ہے۔ اور اونکے آگے ذلیل بن کر رہ اور اونکو گھور کر نہ دیکھ لیکن محبت اور مہربانی کی نگاہ سے ؛ اور اونکی آواز پر اپنی آواز اونکے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ بلند نہ کرنا اور اونکے آگے نہ چلنا۔ اور اونکے ساتھ برتاؤ اچھا رکھنا اور اونکی حاجت کی چیزیں بغیر مانگے دے دیا کرنا۔ اگرچہ وہ خود مالدار ہوں۔ کیونکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ جب تک اپنا محبوب مال اونکی ذات میں خرچ نہ کرو نیکوکار نہیں ہو سکتے [۱] اور ارشاد فرمایا[۲] کہ اونکو تیز نگاہ سے دیکھنا عاق ہو جانیکا سبب ہے اور ارشاد فرمایا[۳] کہ میرے پدر بزرگوار نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اپنے باپ کے بازو پر بوجھ ڈال کر چل رہا ہے تو اس بے ادبی کی وجہ سے غصہ ہو کر حضرتؑ نے اپنی آخر عمر تک اوس لڑکے سے باتیں نہیں کیں اور ارشاد فرمایا[۴] کہ عاقِ والدین بہشت کی خوشبو نہ سونگھے گا اور اوسکی خوشبو پانچ سو برس کی راہ تک جاتی ہے (اور ایک حدیث میں ایک ہزار برس کی راہ تک لکھا ہے)[۵] اور بسندؑ موثق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کی اطاعت کرو اور اونکے ساتھ بھلائی کرو خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ اور اگر وہ تمہیں حکم دیں کہ اپنے اہل و عیال اور مال سے جُدا ہو جاؤ تو ایسا کرو کیونکہ

---

[۰] اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جوان ماں باپ کی باتوں پر اُف کرنا یا ڈانٹنا جائز ہے کیونکہ ماں باپ کا حق برابر ہے خواہ جوان ہوں یا بڈھے بلکہ زیادتی تاکید مقصود ہے کیونکہ بڈھوں کے دل زیادہ نازک ہوتے ہیں ۱۲ منہ [۱] اصول کافی کتاب الکفر والایمان باب البر بالوالدین ص ۵۲ چھاپہ کشوری ۱۲ منہ [۲] لآلی الاخبار باب ۱۰ جلد ۲ ص ۵۱۹ ع ۲ و ع ۳ و ع ۴ صاحب لآلی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کی حدیثوں کو معتبر کتابوں سے نقل کیا ہے اسی وجہ سے سندوں کو ذکر نہیں کیا ہے ۱۲ منہ

یہ ایمان کے آثار سے ہے **اور بسند موثق** حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نے حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ سے پوچھا کہ ماں باپ کا حق کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اونکا نام لے کر نہ پکارے۔ اونکے آگے نہ چلے۔ اونسے پہلے نہ بیٹھے۔ اور ایسا کام نہ کرے جسکی وجہ سے لوگ اوسکے ماں باپ کو بُرا کہیں۔ **اور بسند صحیح** حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے معمر بن خلاد نے آپ سے پوچھا کہ اگر میرے ماں باپ مخالف مذہب کے ہوں تو میں اون کے لئے دعائے خیر کروں (یا نہ کروں) فرمایا اون کے لئے دعا کرو۔ صدقہ دو۔ اور اگر زندہ ہوں تو اچھا برتاؤ رکھو۔ کیونکہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدا نے مجھے رحمت کے ساتھ مبعوث کیا عقوق (نافرمانی اور حق تلفی) کے ساتھ مبعوث نہیں کیا ہے لہ **مولانا محمد باقر مجلسی** علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس حدیث میں لفظ مخالف سے وہ شخص مراد لیا جائے جو اہلبیتؑ عصمت و طہارت سے دشمنی نہ رکھتا ہو اور ان دعاؤں اور بھلائیوں کا فائدہ تخفیف عذاب ہے۔ **میں عرض کرتا ہوں** کہ اس طرح کے اکثر احکام جو مسلمان مخالفوں اور کفار کے لئے معتبر اور صحیح حدیثوں میں پائے جاتے ہیں **جیسے** اَکْرِمِ الْجَارَ وَلَوْ کَانَ کَافِرًا یعنی ہمسایہ والوں کی عزت کرو اگرچہ کافر ہوں **اور** اَکْرِمِ الضَّیْفَ وَلَوْ کَانَ کَافِرًا یعنی مہمان کی عزت کرو اگرچہ کافر ہو **اور** اَطِعِ الْوَالِدَیْنِ وَلَوْ کَانَا کَافِرَیْنِ یعنی ماں باپ کی اطاعت کرو اگرچہ کافر ہوں اور لَا تَرُدَّ السَّائِلَ وَاِنْ کَانَ کَافِرًا یعنی سائل کو نہ پھیرو اگرچہ کافر ہو **اون کے بیان کا** مقصد چند چیزیں ہیں ایک مذہب حق کی خوبی کا اظہار جو غیروں کی رغبت کا سبب ہے۔ دوسرے دلجوئی جو مذہب حق سے اُنس اور محبت کا سبب ہے۔ تیسرے خود عمل کرنے والوں کے خلق کا اظہار چوتھے حاجت کے وقت اوسکی حاجتوں اور مشکلوں میں اون غیروں کا مدد دینا جن کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تھا وغیرہ وغیرہ **پس** ایسی صورت میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ مقاصد اون لوگوں سے حاصل ہو سکتے ہیں یا نہیں جنکے ساتھ اچھا برتاؤ کر رہا ہے اگر حاصل ہو سکتے ہیں تو اونکے ساتھ حُسن سلوک کرنا مناسب ہے اگرچہ وہ دشمن اہلبیت ہوں لیکن نیت یہ نہ ہو کہ یہ شخص اس کے مستحق ہیں بلکہ یہ ہو کہ شائد راہ راست پر آجائیں یا کسی وقت سلوک کرنے والے کی جان مال عزت کی حفاظت کا سبب ہو سکیں جن کے لئے تقیہ کی تاکید کی گئی ہے **اور اگر** اونکے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوں اور اون سے ان مقاصد کی ہرگز امید نہ ہو۔ لیکن اونکے ساتھ حسن سلوک دیکھکر دوسروں کے راہ راست پر آنیکی امید ہو جب بھی کرنا چاہیئے اور اگر

بموجب اس باب کے اکثر احترام کرو

لہ منقول از اصول کافی کتاب الکفر والایمان باب البر بالوالدین ۱۲ منہ ۵ جامع الاخبار باب ۱۴۴ فصل ۳۲ ذکر فضیلت بر الوالدین ۱۲ منہ

فائدہ بالکل متصور نہ ہو تو فرمائش معصومؑ کے مطابق مستضعف یعنی غیر دشمن اہلبیتؑ کے ساتھ کرے اور دشمن اہلبیتؑ کے ساتھ ہرگز نہ کرے کیونکہ نہ تو وہ اس کا مستحق ہے اور نہ یہ فعل کوئی فائدہ رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ اسکے ماں باپ ہوں **اور جو مستحق حسن سلوک** ہیں اگر زندہ ہیں تو اونکے لئے بہترین دعا ہدایت اور توفیقِ راہِ راست کی دعا ہے جو خیر دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے **اور اگر مر چکے** ہیں تو اونکے لئے دعا کرے کہ خدایا اونکے ساتھ وہ برتاؤ کر جسکے وہ مستحق ہیں **رہ گیا صدقہ** اور خیر و خیرات تو معصومؑ کی فرمائش کی تعمیل کرنی چاہیئے اگر وہ مستحق ہونگے تو اونکو پہونچیگا نہیں تو کرنے والے کی طرف پلٹ آئیگا۔ **بسند صحیح** حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں میں مخالفت کرنے کی اجازت نہیں دیگئی ہے۔ ایک[1] نیکوکار اور بدکار دونوں کی امانت واپس دینا۔ دوسرے[2] نیکوکار اور بدکار دونوں سے جو وعدہ کیا ہے اوس کو پورا کرنا۔ تیسرے[3] ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنی خواہ نیکوکار ہوں یا بدکار[لہ]

خدا کے حقوق۔ خدا کے حقوق کی کوئی حد و پایان نہیں ہے اور نہ اونکو گنوانا انسانی طاقت کی شان ہے۔ مختصر یہ ہے کہ وہ نعمتِ وجود و عزت و مال میں اصل ہے اور ماں باپ فرع۔ پس جب فرع کی حق تلفی جہنم کے واجب اور بہشت کے حرام ہو جانیکا سبب ہے تو اصل کی حق تلفی بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ **پس ہر حقدار** کی حق تلفی کرنے کا علاج اسی میں منحصر ہے کہ سچی نیت سے توبہ کرکے آئندہ حقوق کی ادا کاری میں کوشش کرے خدا غفور الرحیم ہے اوسکی بخششوں اور رحمتوں سے ناامید نہ ہو اور تلف کئے ہوئے حقوق کو بقدر امکان ادا کرے اور باقی کو بخشوالے اور اگر بخشوانا ممکن نہ ہو اور صاحب حق خدا ہے تو بخشش کی دعا کرے۔ اور اگر صاحب حق انسان ہو تو اونکے لئے خیر و خیرات کرے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اونکی مغفرت کی دعا کرے۔ یہی دعا اسکی بخشائش کا بھی سبب ہوگا۔

(نواں فائدہ) فقہ اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (نماز پڑھو اور زکوۃ دو) اس آیت میں تین چیزیں قابل ذکر ہیں [1] نماز اور زکوۃ کا وجوب [2] دونوں کو ساتھ ذکر کرنے کی مصلحت [3] نماز کو زکوۃ سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ پہلی بات کا بیان یہ ہے کہ اقیموا۔ اور اٰتوا؟ امر کے صیغے ہیں جو وجوب کو بتاتے ہیں۔ اور حضرت

لہ وسائل الشیعہ جلد ۳ کتاب النکاح باب ۹۴ صفحہ ۱۳۵ - ۱۲ منہ

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ هَلِ الدِّيْنُ اِلَّا الْحُبّ یعنی دین کا معنی ؟ محبت خدا کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔ اسکے بعد حضرتؑ نے دو شعر پڑھے ؎ تَعْصِي الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ + هٰذَا الْمُحَالُ فِي الْفِعَالِ بَدِيْعٌ + خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور اوس سے محبت بھی ظاہر کرتا ہے یہ بات محال اور تعجب خیز ہے۔ لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهُ + اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اوسکی فرمانبرداری ضرور کرتا۔ کیونکہ دوست اپنے دوست کا فرمانبردار ہوتا ہے اور مذہب کا لغوی معنی چلنے کا راستہ ہے پس اس بنا پر دین اور مذہب دونوں کا معنی ؟ عمل ٹھہرتا ہے۔ اس لئے جو شخص مذہبی حکموں پر عمل نہیں کرتا وہ درحقیقت سچے دل سے دین اور مذہب نہیں رکھتا۔ اور اس کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ اوس کے دل کو اوسکے دین و مذہب کی خبر نہیں ہے۔ اگر اوس کا دین اوسکے دل میں جگہ رکھتا تو اوسکے ارکان پر ضرور عمل کرتا کیونکہ دل بادشاہ بدن ہے اعضاء پر وہی افعال جاری ہوتے ہیں جن کا دل حکم کرتا ہے اس کے علاوہ معلومات میں دنیا کے کل فرقے والے شریک ہیں مثلاً جہاں مسلمان ؟ خداوند وحدہ لاشریک لہ کے موجود ہونے کا یقین رکھتے ہیں وہاں اس کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے پتھر کے بُت موجود ہیں۔ اسی طرح ہنود بھی جہاں بتوں کے موجود ہونے کا یقین رکھتے ہیں وہاں اس کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ مسلمان بھی ایک خدا کو موجود مانتے ہیں۔ اور مشترک چیز تفریق پیدا نہیں کرتی۔ اس لئے اولاد آدمؑ چونکہ خدا اور بُت دونوں کے موجود ہونے کا یقین رکھتے ہیں اسلئے صرف یقین وجود سے خدا پرست یا بُت پرست نہیں کہے جاسکتے جب تک ایک کے آگے سر نہ جھکائیں پس خدا کے آگے سر جھکانے سے انسان مسلمان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اور بُت کے آگے سر جھکانے سے بُت پرست کہلاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دین و مذہب ؟ نام ہے پرستش یعنی عبادت کا۔ اور عبادتوں میں سے دو بڑی فردیں نماز اور زکوٰۃ ہیں۔ اس واسطے ان کا حق یہ ہے کہ واجب کی جائیں کیونکہ دین و مذہب کا دارومدار درحقیقت انہیں پر ٹھہرتا ہے۔ اسی واسطے دونوں بصیغہ امر تعبیر کئے گئے ہیں تاکہ ان کا وجوب ظاہر ہوجائے دوسری بات یعنی دونوں کو ساتھ ذکر کرنے کی مصلحت یہ ہے کہ فروع دین چھ ہیں نماز۔ روزہ۔ خمس۔ زکوٰۃ۔ حج۔ جہاد۔ ان میں سے خداوند مالک الملوک کی عظمت و جلالت کو جس قدر نماز

ع صحیح السند حدیث میں مختصر لیکن جامع فائدوں کو حضرت امام رضا علیہ السلام نے یوں ارشاد فرمایا ہے

نماز اور زکوٰۃ کو ساتھ ذکر کرنے

ظاہر کرتی ہے اوس قدر باقی پانچ فرعیں ظاہر نہیں کرتیں جسکی تفصیل شہید ثانی علیہ الرحمہ کی کتاب
اسرار الصلوۃ سے معلوم کرسکتے ہیں۔ اور خلق خدا کی پرورش میں جس قدر زکوۃ کو دخل ہے باقی
پانچ فرعوں کو نہیں ہے اور اس مقام میں زکوۃ، خمس اور فطرہ کو بھی شامل ہے۔ **پس چونکہ** حقِ
خدا کے اظہار اور حقوق بندگانِ خدا کی ادا کاری اور اونکی پرورش اور بقاءِ حیات میں یہی
دونوں چیزیں زیادہ دخل رکھتی ہیں اور اسکے علاوہ نماز، مسلمانوں کو اسلامی صورت میں ظاہر کرتی
ہے۔ اور زکوۃِ مال کی (مالی؟) اور فطرہ جان کی حفاظت کا ذریعہ ہے جیسا کہ حدیثوں میں مذکور ہے۔
اسلئے چھ فرعوں میں سے ان دونوں کو قرآن مقدس میں کئی جگہ ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے اور باقی
چار پر ان کو ترجیح دی ہے۔ **تیسری بات** یعنی نماز کو زکوۃ سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ چند
باتیں اس کو حاصل ہیں جو دوسری فرعوں کو حاصل نہیں ہیں ۱ خدا کی عظمت وجلالت کا اعلیٰ درجہ پر
اظہار ۲ نجاستوں اور گندگیوں سے نمازی کی طہارت اور پاکی جو باعثِ عزت؟ اور عام محبوبیت
کی چیز ہے کیونکہ نماز میں بدن اور کپڑے کا پاک ہونا شرط ہے بغیر اوسکے درست نہیں ہے ۳
مسلمانوں کی مذہبیت کا اظہار کیونکہ زکوۃ وخمس وفطرہ دینے کی خبر بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے اور
فقراء دے ہی نہیں سکتے۔ اور نماز چونکہ پانچ وقتوں میں واجب ہے اور سفر وحضر اور صحت وبیماری
وغیرہ ہر حالت میں پڑھنا لازم ہے اور امیر وفقیر سب کے سب پڑھنے پر مجبور ہیں۔ اسلئے
ہر مسلمان کا اسلام اسی سے ظاہر ہوسکتا ہے۔ اور باقی فرعیں ہر شخص کا اسلام ظاہر نہیں کرسکتیں
جیسا کہ صحیح السند حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ مَا بَیْنَ
الْکُفْرِ وَالْاِسْلَامِ اِلَّا تَرْکُ الصَّلٰوۃِ ۱ یعنی کفر اور اسلام کے درمیان (پہچان) نہیں ہے مگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۲)

کہ نماز کے واجب ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں ۱ خدا کی ربوبیت کا اقرار ہے ۲ نفی شریک
اور اقرار وحدانیت ۳ مالک جبار کے سامنے ذلت اور فروتنی کے ساتھ کھڑا ہونا ۴ اوس سے اپنی
حاجتوں کو چاہنا ۵ اوسکے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرنا اور بخشائش چاہنا ۶ اوسکی تعظیم اور
اظہار بزرگی کے لئے اپنی پیشانی زمین پر رکھنی ۷ اوس کو یاد کرنا اور آپے سے باہر نہ ہوجانا۔
یعنی اپنی سراپا محتاج ہستی کو بھول نہ جانا ۸ دین اور دنیا کی زیادتی چاہنی ۹ اپنے مالک اور
حاجتیں پوری کرنے والے سے غافل نہ ہوجانا جس کا فائدہ یہ ہے کہ آئندہ گناہوں اور بہت سی خرابیوں سے
بچتا رہیگا (وسائل الشیعہ جلد ۱ صفحہ ۲۱ کتاب الصلوۃ باب وجوب الصلوۃ) ۱۲ منہ ۱ وسائل الشیعہ جلد ۱ کتاب الصلوۃ صفحہ ۱۶ باب

(کافروں کا) نماز چھوڑنا اور مسلمانوں کا پڑھنا) دین اسلام میں جیسی تاکید نماز کی گئی ہے کسی دوسری عبادت کی نہیں کی گئی۔ باوجود اس کے مسلمانوں میں زیادہ فردیں ایسی ہیں جو نماز ہی کو ضروری نہیں سمجھتیں اور جیسی غفلت اس کی طرف سے ہے کسی دوسری چیز کی طرف سے نہیں۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تنبیہ غافل کے لئے چند آیتیں اور حدیثیں نقل کردوں۔

نماز چھوڑنے کی مذمت

نماز چھوڑنے کی برائی میں۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ یعنی توبہ کرکے خدا کی طرف توجہ کرو اور اوس سے ڈرو اور نماز پڑھو اور مشرکین سے نہ ہو جاؤ (سورہ روم پ ۲۱۔ آیت ۳۰) اس آیت کا مطلب؟ بیان کرنے کا محتاج نہیں ہے اور ہر شخص بے غور و فکر سمجھ سکتا ہے کہ اپنا خوف دلانے اور نماز کی ہدایت کرنے کے مقابلہ میں شرک سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو بے حقیقت اور معمولی چیز سمجھکر چھوڑنا شرک کا سبب ہے اور حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ سے بسند صحیح منقول ہے۔ آپ سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے وصیت (نصیحت) فرمائیے فرمایا ارشاد فرمایا کہ جان بوجھ کر نماز نہ چھوڑنا۔ کیونکہ جو شخص جان بوجھکر نماز چھوڑتا ہے دین اسلام اوس سے بری (جدا) ہو جاتا ہے اور بسند موثق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مسعدہ بن صدقہ روایت کرتے ہیں کہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ زناکار؟ کافر نہیں کہلاتا اور نماز چھوڑنے والا کافر کہلاتا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ زانی اور اوسکے مثل دوسرے شہوت (لذت) کے غلبہ کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں۔ اور نماز نہ پڑھنے والے اوس کو معمولی اور بے وقعت چیز سمجھکر چھوڑتے ہیں۔ ان کو اوسکے چھوڑنے میں کوئی لذت حاصل نہیں ہوتی اور جب لذت نہ ہوئی تو استخفاف حاصل ہوا (یعنی بے وقعت سمجھا) اور جب بے وقعت سمجھا تو کفر واقع ہوا۔ اور بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے اور کفر کی وجہ بیان نہیں کی گئی ہے[۱]

نماز پڑھنے کی فضیلت

اور **نماز پڑھنے کی فضیلت میں** خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۳)

ثبوت کفر و ارتداد بہ ترک نماز واجب بجحود او استخفافا ۱۲ منہ [۱] وسائل الشیعہ جلد ا کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۲۱۵ و ۲۱۶ باب ثبوت کفر و ارتداد ۰۰ ۵ کل حدیثیں ۱۲ منہ

قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اس کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اطاعتِ خدا زمین میں اوسکے حکموں پر عمل کرنا ہے اور کوئی فرمانبرداری نماز کے برابر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے فرشتوں نے حضرت زکریا کو اوس وقت پکارا تھا جب کہ وہ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اور دوسری حدیث میں جو بسند صحیح منقول ہوئی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب نمازی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو آسمان سے اوس پر رحمت اُترنے لگتی ہے اور فرشتے اوس کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے نمازی اگر تجھے معلوم ہوجائے کہ نماز میں کیا فائدے ہیں تو تو یہاں سے کبھی نہ ہٹیگا۔ اور دوسری حدیث میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اوس کے قدموں سے لے کر آسمان تک فرشتے اوس کو گھیر لیتے ہیں اور آسمان سے لے کر اوسکے سر تک رحمتوں کی بارش کا سلسلہ بندھ جاتا ہے اور ایک فرشتہ اوس کو پکار کر کہتا ہے کہ نمازی اگر سمجھ لے کہ کس سے باتیں کررہا ہے تو جانماز سے ہرگز نہ ہٹیگا اور کئی صحیح السند حدیثوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز؟ دینِ اسلام کے لئے ستون ہے جس طرح بغیر ستون کے چھت ٹھہر نہیں سکتی اور کوئی شخص اوس سے فائدہ نہیں اوٹھا سکتا؟ اوسی طرح بغیر نماز کے کوئی شخص دینِ اسلام سے فائدہ نہیں اوٹھا سکتا [۱] (یعنی بغیر سزا و عذاب کے بہشت میں نہیں جاسکتا) اور کئی معتبر اور صحیح حدیثوں میں حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کو معمولی چیز اور بے وقعت سمجھے؟ اور جو (تاڑی) شراب پیا کرتا ہو وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور اوس کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ اور میرے پاس حوضِ کوثر پر نہ آئیگا [۲] اور کئی معتبر حدیثوں میں ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا جو رکوع اور سجدہ میں ٹھہرتا نہ تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اگر اسی حالت میں مرجائے تو اسکی موت غیر دینِ اسلام پر ہوگی [۳]

زکوۃ دینے کی فضیلت۔ بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلوۃ والسلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ خشکی یا دریا میں کوئی مال برباد نہیں ہوتا مگر زکوۃ نہ دینے سے پس تم لوگ اپنے مالوں کی حفاظت زکوۃ سے کرو (یعنی زکوۃ دو تا کہ مال محفوظ رہے) اور اپنے بیماروں کی

زکوۃ دینے کی فضیلت

---

[۱] وسائل الشیعہ جلد ا ص ۲۱۳ تا ۲۱۵ - باب ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ کل حدیثیں ۱۲ منہ

[۲] وسائل الشیعہ جلد ا کتاب الصلوۃ باب ۶ بیان حرمت استخفاف نماز ص ۲۱۳ - ۱۲ منہ

[۳] وسائل الشیعہ جلد ا کتاب الصلوۃ باب ۹ بیان کراہۃ تخفیف نماز ص ۲۱۵ - ۱۲ منہ

حفاظت صدقہ سے کرو۔ اور بلاؤں کے دروازوں کو استغفار سے بند کرو۔ اور ذکر خدا کرنے والوں
پر بجلی نہیں گرتی۔ اور کوئی چڑیا شکار نہیں ہوتی لیکن وہ جو تسبیح خدا چھوڑ دے۔ میں عرض کرتا
ہوں کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (سورہ نور پ۱۸ آیت ۴۱) یعنی کیا نہیں دیکھتے
کہ خدا کی تسبیح آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اور چڑیاں پر پھیلائے ہوئے کرتی ہیں اور البتہ
ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ معلوم ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ چڑیاں بھی تسبیح خدا کرتی ہیں۔
رہ گیا یہ کہ تسبیح کرنا اون پر واجب ہے یا نہیں جس کا نتیجہ آخرت کی جزا و سزا ہے۔
تو جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث صحیح عقوبت دنیا کو صاف بتا رہی ہے۔ اور آیت مبارکہ تسبیح کرنیکو۔
اور عقوبت؟ واجب حکم کی مخالفت پر ہوتی ہے۔ اور مجھے ابھی تک کوئی ایسی آیت یا حدیث
نہیں ملی ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ غیر انسان جانداروں پر (جو آیت مذکورۂ بالا کی صراحت کے
مطابق تسبیح اور اوسکے طریقہ کو جانتے ہیں) تسبیح بھی واجب نہیں ہے اسلئے کہا جا سکتا ہے
کہ چونکہ تسبیح اور اوسکے طریقہ کو سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں اس واسطے اون پر واجب ہونا خلاف
عقل نہیں ہے ہاں اگر کسی دلیل سے واجب نہ ہونا ثابت ہو گیا تو اوس وقت کہا جائیگا کہ تسبیح اونکے
بقاء حیات کی شرط قرار دی گئی ہے۔ پس جب تک یہ شرط پوری ہوتی رہتی ہے وہ زندہ رہتی ہیں
اور جب چھوڑ دیتی ہیں موت کا لقمہ بن جاتی ہیں۔

تنبیہ:۔ ۱؎ مذکورہ بالا حدیث میں زکوۃ سے زکوۃ واجب مقصود ہے جس میں زکاۃِ مال اور زکوۃِ
جان یعنی فطرہ دونوں داخل ہیں۔ اور صدقہ سے مستحب صدقہ؟ جو بیماروں کی طرف سے دیا جاتا
ہے ۲؎ متعدد حدیثوں میں ہے کہ زکوۃ دینا نماز کے مقبول ہونے کی شرط ہے۔ پس اس کا شرط ہونا
یہ بتاتا ہے کہ زکوۃ دینے کا ایک فائدہ؟ نماز کا قبول ہونا بھی ہے ۳؎ اہلبیت عصمت و طہارت
نے کئی حدیثوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ کافر کی امانت کو بھی اونکے سپرد کردینا واجب ہے۔ اور
مالِ زکوۃ؟ مسلمان فقیروں کا مال ہے جو مالداروں کے پاس امانتِ شرعی ہے اس لئے اس کو ادا
کرنا ایک واجب حق سے ذمہ کے پاک ہونے کا ذریعہ ہے۔

زکوۃ نہ دینے کی برائی ۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (سورہ توبہ پ۱۰ آیت ۳۴)
یعنی جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اوس کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے (یعنی زکوۃ نہیں دیتے

زکوۃ نہ دینے کی برائی

ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دو ہ[1] بسند صحیح حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کی کتاب میں یہ لکھا ہوا پایا کہ جب زکوٰۃ روکی جاتی ہے تو زمین سے برکت اوٹھالی جاتی ہے ہ[2] اور کئی معتبر حدیثوں میں ہے کہ روپیہ اور اشرفی کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کے گلے میں آگ کا زہریلا سانپ طوق بنایا جائیگا جو اوس کو ڈسا کرے گا۔ اور غلوں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کے گلے میں اوس کے مزروعہ کی زمین ساتوں طبق تک کاٹ کر (آگ کا) طوق بنائی جائیگی۔ اور جانوروں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کو قیامت کے دن وہی جانور روندیں گے۔ اور کئی حدیثوں میں زکوٰۃ نہ دینے کو جائز سمجھنے والے کافر کہے گئے ہیں اور ایسے لوگ قرآن اور حدیث اور فتویٰ تینوں کے رو سے مرتد اور نجس ہیں اگرچہ اپنے کو مسلمان سمجھتے ہوں۔

خمس نہ دینے کی برائی خمس امام علیہ السلام کا مال ہے۔ اور اسکے نہ دینے کی برائی سمجھنے کے لئے صرف ایک حدیث کافی ہے جس کو صدوق علیہ الرحمہ نے اکمال الدین میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت امام آخرالزمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ناجائز طور پر (یعنی بغیر ہماری اجازت کے) ہمارے مال سے ایک درہم (۳ر) کھائے اوس پر خدا اور فرشتوں اور کل آدمیوں کی لعنت ہے ہ[3] میں عرض کرتا ہوں کہ شیعوں کو صرف اس قدر سوچ لینا کافی ہے کہ ایک حق کے غصب کرنے پر جب خود ہی لوگ بکہ لوگوں پر لعنتیں کرتے ہیں تو خمس کو غصب کرکے لعنت کے مستحق کیوں بنتے ہیں۔

خمس نہ دینے کی برائی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝٨٤ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

---

[1] وسائل الشیعہ جلد ۲ صفحہ ۳ ۱۲ منہ [2] باب ۳ ذکر تحریم منع زکوٰۃ ۱۲ منہ [3] وسائل الشیعہ جلد ۲ صفحہ ۶۶ کتاب الخمس باب ۳ ذکر وجوب ایصال حصہ امام ۱۲ منہ

يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۸۶

(الفاظ کے معانی)

وَ - اور + اِذْ - جب - وقت + اَخَذْنَا - ہم نے لیا + مِيْثَاقَ - وعدہ + كُمْ - تم + لَا تَسْفِكُوْنَ - نہ بہاؤ گے + دِمَآءَ - خون + كُمْ - اپنا + لَا تُخْرِجُوْنَ - نہ نکالو گے + اَنْفُسَ - اپنوں - اپنے + مِنْ - سے + دِيَارِ - گھروں + ثُمَّ - پھر - بعد + اَقْرَرْتُمْ - تم نے اقرار کیا + اَنْتُمْ - تم + تَشْهَدُوْنَ - گواہی دیتے ہو + هٰٓؤُلَآءِ - وہی لوگ + تَقْتُلُوْنَ - مارتے ہو + اَنْفُسَ - جانیں + تُخْرِجُوْنَ - نکالتے ہو + فَرِيْقًا - گروہ + هِمْ - اپنے + تَظٰهَرُوْنَ - مدد دیتے ہو + عَلٰى - پر + بِ - ساتھ + اِثْمِ - گناہ + عُدْوَانِ - ظلم - دشمنی + اِنْ - اگر + يَّاْتُوْ - آتے ہیں + اُسٰرٰى - قیدی + تُفٰدُوْا - فدیہ - بدلا - تاوان دیتے ہو + وَ - حالانکہ + مُحَرَّمٌ - حرام ہے + اِخْرَاجُ - نکالنا + اَ - کیا + فَ - پس - پھر + تُؤْمِنُوْنَ - ایمان لاتے - ایمان رکھتے ہو + تَكْفُرُوْنَ - کفر - انکار کرتے ہو + بَعْضِ - بعض - ٹکڑا + مَا - نہیں + جَزَآءُ - بدلا + مَنْ - شخص + يَّفْعَلُ - کرتا ہے + ذٰلِكَ - ایسا + اِلَّا - لیکن - مگر + خِزْيٌ - رسوائی - گھاٹا - نقصان + فِيْ - میں + حَيٰوةِ - زندگانی - زندگی + دُّنْيَا - دنیا + يَوْمَ - دن + قِيٰمَةِ - قیامت - آخرت + يُرَدُّوْنَ - لوٹائے جائیں گے + اِلٰى - طرف + اَشَدِّ - بہت سخت + غَافِلٍ - غافل - بے خبر + مَا - جو کچھ + تَعْمَلُوْنَ - کرتے ہو + اُولٰٓئِكَ - وہ لوگ + الَّذِيْنَ - وہی ہیں + اشْتَرَوُا - خریدا ہے + اٰخِرَةِ - آخرت + فَلَا - پس نہیں + يُخَفَّفُ - کم کیا جائیگا + عَنْ - سے + يُنْصَرُوْنَ - مدد دیئے جائینگے

(بامحاورہ ترجمہ)

اور اے بنو اسرائیل اوس وقت کو یاد کرو جب کہ میں نے تم سے اور تمہارے بزرگوں سے وعدہ لیا تھا کہ اپنوں کا خون نہ بہانا اور ایک دوسرے کو اونکے گھروں سے نہ نکالنا پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم (اب بھی) اسکی گواہی دے رہے ہو۔ پھر تم وہی اقرار کرنے والے ہو کہ (اقرار کے بعد) ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو اونکے گھروں سے نکال رہے ہو۔ اور قتل کرنے والوں اور نکالنے والوں

کی مجرمانہ طور پر اور ناحق مدد کر رہے ہو۔ حالانکہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو اونکے عوض میں مال دیکر اونکو چھوڑا بھی لیتے ہو باوجودیکہ اون کو گھروں سے نکالنا تم پر حرام کیا گیا ہے۔ کیا تم کتاب (توریت) کے بعض حکم (یعنی بدلا دیکر چھوڑا لینے) پر ایمان رکھتے ہو اور بعض حکم (یعنی نکالنے) کو نہیں مانتے۔ تم میں سے جو لوگ ایسا کام کر رہے ہیں اونکی سزا نہیں ہے مگر (یہ کہ) زندگی میں ذلت و رسوائی میں (پڑے رہیں گے) اور قیامت کے دن بہت سخت عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو خدا اوس سے بے خبر نہیں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا (یعنی دنیا کو اختیار کیا اور آخرت کو چھوڑا) ہے پس نہ تو ان سے عذاب کم کیا جائیگا۔ اور نہ کوئی انکی مدد کر سکے گا (تاکہ عذاب سے بچ جائیں)

(صرف) تُفَادُوْ۔ اصل میں تُفَادِیُوْنَا تھا۔ "ی" پر ضمہ (پیش) گراں تھا اس لئے اوس کو نقل کر کے "د" کو دے دیا اور دو ساکن جمع ہونے کی وجہ سے "ی" کو گرا دیا تفادو ہوگیا۔

(نحو) میثاقکم؟ اخذنا کا مفعول ہے اور لا تسفکون دمائکم ولا تخرجون انفسکم من دیارھم؟ دونوں جملہ معطوف اور معطوف علیہ ہوکر؟ میثاق کا بدل ہے۔ وانتم تشہدون میں "و" حالیہ ہے اور جملہ؟ اقررتم کے فاعل کا حال۔ انتم ھولاء میں تین قول ہیں ایک یہ کہ انتم مبتدا ہے اور تقتلون اوسکی خبر اور ھولاء منادا ے مفرد یعنی یا ھولاء انتم تقتلون۔ دوسرے یہ کہ ھولاء؟ انتم کی تاکید ہے۔ تیسرے یہ کہ ھولاء؟ الذین کے معنی میں ہوکر؟ انتم کی خبر ہے اور تقتلون؟ اوس کا صلہ اور اوس کو کوفیوں نے جائز سمجھا ہے اور بصریوں نے ناجائز۔ فریقا؟ تخرجون کا مفعول ہے اور منکم؟ کائنا کا متعلق ہوکر فریقا کی صفت۔ تظاھرون علیھم؟ تخرجون کے فاعل کا حال ہے۔ بالاثم والعدوان؟ تظاھرون کا متعلق ہے۔ وھو محرم علیکم اخراجھم؟ میں "و" حالیہ ہے اور جملہ؟ تخرجون کے فاعل کا حال۔ اور ھو کا مرجع اخراج ہے جو تخرجون سے معلوم ہوتا ہے اور اخراجھم اوسکی تاکید۔ یا ھو ضمیر قصہ ہے اور اخراجھم مبتدا مؤخر اور محرم علیکم خبر مقدم۔ فما جزاء؟ مبتدا ہے اور خزی اوسکی خبر وما اللہ میں ما؟ لیس کے معنی میں ہے اور لفظ اللہ اوس کا اسم اور بغافل اوسکی خبر۔ اور عما؟ تعملون کا متعلق۔ اولئک؟ مبتدا ہے اور الذین اوسکی خبر۔ اور اشتروا؟ اوس کا صلہ۔

ف بعض مترجمین نے اس کو تَظٰهَرُوْنَ کا مفعول قرار دیا ہے اور یہ غلط ہے ۱۲ منہ

فلا یخفف میں ف جزائیہ ہے اور جملہ جزاء۔

(ظاہری تفسیر) وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ اور (اوس وقت کو یاد کرو) جبکہ ہم نے تمہارے بزرگوں سے وعدہ لیا تھا۔ جو حضرت موسے اور اونسے اگلے انبیاکے زمانہ میں تھے۔ اور چونکہ زمانہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کے یہودی انھیں کی اولاد سے تھے اس لئے اونکے وعدہ اور اقرار کو انکی طرف نسبت دی لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَائَکُمْ (اس کا وعدہ لیا تھا) کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا کیونکہ اپنوں کو قتل کرنا (گویا کہ) اپنی ہی جان مارنی ہے کیونکہ ایک دین اور ایک مذہب کے لوگ آپس کی محبت میں ایک شخص کے حکم میں ہیں جیسا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومنین آپس کی رحمدلی اور محبت میں بمنزلہ ایک بدن کے ہیں کہ جب بدن کے ایک ٹکڑہ کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو باقی اعضا کا آرام بھی باقی نہیں رہتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص کسی غیر کو قتل نہ کرے کیونکہ اوس کے بدلے میں وہ بھی مارا جائیگا۔ اور چونکہ اپنے مارے جانے کا سبب خود ہوگا اسلئے اپنا قاتل آپ ہوگا۔ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ۔ بعض نے اسکا معنی یہ کہا ہے کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا گھر چھین کر اوس کو آوارہ وطن نہ کرو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ایسا کام نہ کرو جو گھر سے تمہارے نکالے جانے کا سبب ہو جیسا کہ بنونضیر نے کیا (اور اپنے گھروں سے نکالے گئے) ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ پھر تم نے بھی وعدہ کا اقرار کیا اور اسکی بھی گواہی دیتے ہو کہ تمہارے بزرگوں سے وعدہ لیا گیا تھا اور انھوں نے قبول کیا تھا اور (اوس پر پابندی عمل کرنے کو) سکارا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اقرار کا معنی راضی ہونا اور اوس پر صبر کرنا (یعنی طبیعت کو روک کر اوس وعدہ پر عمل کرنا) ہے۔ مفسروں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ میں خطاب کس سے ہے ابن عباس نے کہا ہے کہ اون یہودیوں سے خطاب ہے جو حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کی ہجرت کے زمانہ میں موجود تھے۔ خداوند عالم نے اس بات پر اونکی ملامت کی ہے کہ توریت جو اون کے ہاتھوں میں تھا اوس کے احکام پڑھتے تھے لیکن اون پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اور فرمایا ہے کہ تمہارے بزرگوں نے اقرار کیا تھا اور تم بھی اسکی گواہی دیتے اور تصدیق کرتے ہو کہ خون ریزی نہ کرنے اور گھروں سے نہ نکالنے کا ان سے اقرار لیا گیا تھا اور ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں اون کے بزرگوں کی حالتوں سے خدا نے خبر دی ہے (اور اونھیں کی ملامت کی ہے) اور

چونکہ یہ اونھیں کی اولاد ہیں اس لیئے حاضر کے صیغے لائے گئے ہیں اور انتم تشہدون سے مقصود یہ ہے کہ اونکے اقرار اور مخالفتوں پر تم بھی گواہ ہو۔ اور احتمال ہے کہ دوسرے دو معنی میں سے کوئی ایک مقصود ہو۔ ایک یہ کہ اپنے اقرار کے گواہ تم خود ہی ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنوں کو قتل کرنے اور گھروں سے نکالنے میں تم بھی حاضر (یعنی شریک) رہتے ہو۔ اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ یہ آیت بنو قُریظہ اور بنو نضیر کے حق میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے یہودیوں کے بزرگوں کے حق میں کہا ہے ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ اے یہود بنو اسرائیل تم ہی وہ ہو کہ عہد و پیمان کے اقرار اور اپنے اوپر اس امر کی گواہی کے بعد کہ اس اقرار پر عمل کرنا تم پر واجب اور لازم ہے آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہو یا اپنے مارے جانے کا کام کر رہے ہو وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور اپنوں میں سے ایک گروہ کو اون کے گھروں سے نکالتے اور نکالنے میں ناحق اور ظالمانہ مدد دے رہے ہو وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ اور باوجود قتل کرنے اور نکالنے کے اگر اونکو کسی غیر کے ہاتھ میں جو تمہارے بھی دشمن ہیں گرفتار پاتے ہو تو بدلے میں مال دیکر چھوڑا بھی لیتے ہو۔ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ حالانکہ اونکو قتل کرنا اور گھروں سے نکالنا اوسی طرح حرام ہے جس طرح دشمنوں کے ہاتھوں میں مقید چھوڑ دینا پس یہ کیسی بات ہے کہ مارنے اور آوارہ وطن کرنے کو تو جائز جانتے ہو اور دشمنوں کے ہاتھوں میں مقید چھوڑنے کو پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ اس واجب حکم میں دونوں برابر ہیں کیونکہ جس طرح میں نے بدلا دیکر چھوڑانیکو واجب کیا ہے اوسی طرح مارنے اور نکالنے کو حرام کیا ہے۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ کیا تم کتاب (توریت) کے بعض حکم یعنی بدلا دیکر چھوڑا لینے پر ایمان رکھتے ہو وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ اور بعض یعنی مارنے اور نکالنے کی حرمت کو نہیں مانتے۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ بعض کو نہ ماننا وعدہ کو توڑنا ہے اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کن لوگوں سے خطاب ہے۔ عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قُریظہ اور نضیر دو بھائی تھے۔ جیسے اَوس اور خزرج پس ان دونوں میں دشمنی ہوگئی۔ نضیر؟ خزرج کے ساتھ ہو گیا اور قریظہ؟ اَوس کے ساتھ پس لڑائی کے وقت بنو نضیر؟ بنو خزرج کی مدد کرتے تھے۔ اور اولاد قریظہ؟ اولاد اَوس کی۔ اور جنگ ختم ہونے پر بنو نضیر حکم توریت کے مطابق بنو قریظہ کے قیدیوں کو بدلا دیکر چھوڑاتے تھے۔ اور بنو قریظہ؟ بنو نضیر کے

بنو اسرائیل کی عہد شکنی اور وعدہ خلافی

قیدیوں کو اور اوس اور خزرج بُت پرست تھے جو بہشت اور دوزخ اور قیامت اور کتاب کو نہیں مانتے تھے۔ پس خدا نے یہودیوں کو اون کے اسی فعل کی خبر دی ہے۔ اور ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ بنو اسرائیل میں سے ایک گروہ جب دوسرے گروہ پر قابو پاتا تھا تو اوس کو گھروں سے نکال دیتا تھا حالانکہ خدا نے اون سے وعدہ لیا تھا کہ قتل نہ کریں اور گھروں سے نہ نکالیں اور اس کا وعدہ لیا تھا کہ اگر ایک دوسرے کو قید کرلے تو بدلا دیکر چھوڑا لیا کریں۔ پس فدیہ یعنی بدلا دیکر چھوڑا لینے پر ایمان لائے اور بدلا دیا کرتے تھے۔ اور قتل نہ کرنے اور نہ نکالنے کو نہ مانے اور قتل کیا کرتے اور نکال دیا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ نکالنے والے دوسرے تھے اور فدیہ (بدلا) دینے والے دوسرے جو اونھیں کے ہم مذہب یہودی تھے جسکی خدا نے اونھیں خبر دی ہے۔ اور ابو مسلم اصفہانی نے کہا ہے کہ اس آیت میں نکالنے کی حرمت اور بدلا دینے کے وجوب کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کی صفتوں اور دوسری باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ (یعنی توریت میں حضرتؐ کی صفتیں جو لکھی ہوئی ہیں اونکو تو نہیں مانتے اور اوس کے دوسرے حکموں کو مانتے ہیں) فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا پس تم میں سے جو شخص ایسا کام کرے اوسکی سزا نہیں ہے لیکن زندگی میں خزی۔ خِزْيٌ کے معنی میں مفسروں میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے وہ حکم مقصود ہے جو حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ پر نازل کیا گیا کہ مقتول کے بدلے قاتل مارا جائے اور مظلوم کا بدلا ظالم سے لیا جائے اور بعض نے کہا ہے کہ جب تک ذمی (یعنی مسلمانوں کی حمایت میں اور اون سے مصالحت کے ساتھ) رہیں اون سے ذلت کے ساتھ جزیہ وصول کیا جائے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کا بنو نضیر کو اونکے گھروں سے نکال دینا مقصود ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ بنو قریظہ کو نکال دینا اور اونکے بال بچوں کو قید کرلینا مقصود ہے پھر خداوند عالم نے اس سے بھی آگاہ کردیا ہے کہ اونکے گناہوں کی سزا اتنا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد وہ عذاب عظیم میں بھی مبتلا کیے جائیں گے پس ارشاد فرماتا ہے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ یعنی قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور یہ وہی عذاب ہے جسے خدا نے اپنے دشمنوں کے لیے مہیا کر رکھا ہے جس میں ذرہ برابر بھی آرام نہ ملے گا اور نہ اوس سے چھٹکارہ کی امید ہے۔ وَمَا

اللہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ اور تم جو کچھ کر رہے ہے خدا اوس کو بھولنے والا نہیں ہے بلکہ یاد رکھے گا اور اوس کا بدلا دیگا۔ اور اس میں خطاب اون لوگوں سے ہے جو توریت کے بعض حکموں کو مانتے اور بعض سے انکار کرتے تھے سوال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص میں ایمان اور کفر دونوں جمع ہو سکتے ہیں حالانکہ مذہب کا صحیح حکم یہ ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا جواب یہ ہے کہ اونھوں نے بعض حکم پر ایمان کو ظاہر کیا تھا اور بعض سے انکار کو (یعنی یا تو درحقیقت کل پر ایمان رکھتے تھے لیکن اپنی دنیاوی مصلحتوں سے بعض سے انکار ظاہر کیا تھا یا درحقیقت کل کے منکر تھے لیکن مصلحتاً بعض پر ایمان ظاہر کیا تھا) اور احتمال ہے کہ مقصود یہ ہو کہ اگرچہ تم اعتقاد تو سب پر رکھتے ہو لیکن بعض پر عمل نہ کرنا اوس پر ایمان نہ رکھنے کے حکم میں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض سے انکار کرنے کی وجہ سے؟ بعض پر اون کا ایمان لانا اونھیں فائدہ نہ دے گا۔ اور یہ آیت حضرت سرورِ عالم کی تسلی کے لئے نازل کی گئی ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ جب اس کا اقرار رکھتے ہوئے کہ توریت میں نے نازل کی؟ اوسکے بعض حکموں پر ایمان نہیں لاتے اور عمل نہیں کرتے؟ تو تمہارے کلام کو کب مانیں گے اور تم پر ایمان کیوں لائیں گے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ انھوں نے دنیاوی حکومت وریاست کو آخرت کے بدلے خریدا ہے اور آخرت کی نعمتوں کے بدلے جس کو خدا نے مومنوں کے لئے مہیا کیا ہے اسی کو پسند کیا ہے۔ آخرت کی نعمتوں کو جن کو اونھوں نے اپنے کفر کی وجہ سے چھوڑا ہے خدا نے دنیا کی ذلیل نعمتوں کی قیمت قرار دیکر (لفظ اشتروا... بالآخرۃ سے تعبیر کیا ہے) پھر یہ خبر دی ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے اور ارشاد فرمایا ہے فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ یعنی اونکے عذاب میں کچھ بھی کمی نہ کی جائیگی وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ اور نہ آخرت میں کوئی شخص اونکی مدد کرسکے گا جسکی مدد سے عذاب خدا اون سے ہٹ سکے[1]

حدیثیں

(بطریق شیعہ) بسند صحیح حضرت امام حسنؑ عسکری سے منقول ہے۔ آپ نے

[1] مجمع البیان جلد ۱ ص ۶۵-۶۶-۱۲ منہ

کہ ایمان اور کفر دونوں جمع ہو سکتے ہیں

ان آیتوں کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ اے بنو اسرائیل اوس وقت کو یاد کرو جب کہ میں نے تمہارے بزرگوں سے اور اونکی اولاد میں سے اون لوگوں سے وعدہ لیا تھا جن تک اسکی خبر پہونچے جنمیں تم بھی داخل ہو؟ کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور اونکو اون کے گھروں سے نہ نکالنا- پھر تم نے بھی اوس وعدہ کا اقرار کیا جس طرح تمہارے بزرگوں نے اقرار کیا تھا- اور اوس پر عمل کرنے کو اوسی طرح سکارا تھا جس طرح تمہارے بزرگوں نے سکارا تھا- اور تم اپنے اقرار پر اور اپنے بزرگوں کے اقرار پر گواہی دے رہے ہو- پھر بھی تم لوگ غصہ میں ظالمانہ طور پر آپس میں ایک دوسرے کی جانیں مارتے اور اونکو اون کے گھروں سے نکال رہے ہو اور قتل کرنے اور نکالنے میں ایک دوسرے کو ناحق اور ظالمانہ مدد دیتے ہو اور جن کو تم ناحق قتل کرنا اور نکالنا چاہتے ہو جب وہ تمہارے اور اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر آتے ہیں تو تم اپنے مال سے بدلا دے کر اونکو چھوڑا بھی لیتے ہو- حالانکہ اونکو نکالنا تم پر حرام ہے کیا تم بدلا دینے پر جس کو خدا نے واجب کیا ہے ایمان رکھتے ہو- اور قتل کرنے اور نکالنے پر جس کو اوس نے حرام کیا ہے ایمان نہیں رکھتے- جب کتاب خدا (توریت) نے قتل کرنے اور نکالنے کو حرام اور بدلا دینے کو واجب کیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعض میں فرمانبرداری کرتے ہو اور بعض میں مخالفت؟ اور بعض پر ایمان رکھتے ہو اور بعض سے انکار- اے یہودیو! تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا اسکی سزا اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ زندگی میں اونسے جزیہ لیا جائے اور ذلیل کئے جائیں اور (مرنے کے بعد) قیامت میں بد ترین عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں جسکی کمی اور زیادتی؟ گناہ کی کمی اور زیادتی کے اندازہ سے ہوگی اور جو کچھ یہ یہودی کرتے ہیں خدا اوس سے بے خبر نہیں ہے- یہی وہ ہیں جنہوں نے آخرت کی نعمتوں کے بدلے جس کا استحقاق خدا کی فرمانبرداری سے ہوتا ہے؟ دنیا کی ناپائدار نعمتوں کو پسند کیا- پس نہ تو ان سے عذاب کم کیا جائیگا اور نہ کوئی انکی مدد کر سکے گا جو عذاب کو ان سے دفع کر سکے [۱]

(بطریق اہلسنت) لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اس کی تفسیر میں ابو العالیہ کہتے ہیں؟ تم میں کا کوئی شخص اپنوں میں سے

---

[۱] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۷۹ - ۱۲ منہ

کسی شخص کو قتل نہ کرے اور نہ اوس کے گھر سے اوس کو نکالے۔ پھر تم نے اس وعدہ کا اقرار کیا اور اس کے گواہ ہو۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ سے تَفٰدُوْهُمْ تک ابن عباس کہتے ہیں کہ تم اسکی گواہی دے رہے ہو کہ تم سے میرا یہ عہد و پیمان درست اور حق ہے۔ پھر تم ہی وہ ہو کہ مشرکوں سے میل کرکے اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اونکے گھروں سے اون کو نکالتے ہو۔ اور ظالمانہ طور پر اونکو قتل کرنے اور نکالنے میں مشرکوں کو مدد دیتے ہو۔ واقعہ اس کا یہ ہی کہ جب (مشرکوں کے دو قبیلوں) اوس اور خزرج میں جنگ ہوتی تھی تو بنو قینقاع خزرج کا ساتھ دیتے تھے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کا۔ (یہ تینوں قبیلے یہودیوں کے تھے) پس دونوں فریق (یعنی ۱۔ بنو قینقاع اور ۲۔ بنو نضیر و بنو قریظہ) اپنے اپنے حلیفوں کا ساتھ دے کر ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ اور جنگ موقوف ہونے کے بعد ان میں سے ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے قیدیوں کا بدلا مشرکوں کو دیکر اونکو چھوڑا لیتے تھے تاکہ توریت کے حکم کی تعمیل ہو جائے۔ پس خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ تم جانتے ہو کہ بدلا دینا واجب اور نکالنا حرام ہے پس کیا تم بعض حکم پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو مومن بن کر بدلا دیتے ہو اور کافر بن کر اون کو گھروں سے نکالتے ہو۔ ۲۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن سلام کوفہ میں راس جالوت (یہودی) کے پاس سے گذرے وہ (یہودی قیدی) عورتوں میں سے صرف اونھیں عورتوں کو چھوڑاتا تھا جن سے عربوں نے ہم بستری نہیں کی تھی اور جن سے وہ ہم بستری کر لیتے تھے اون کو نہیں چھوڑاتا تھا۔ تو عبداللہ بن سلام نے اوس سے کہا کہ تیری کتاب یعنی توریت میں لکھا ہوا ہے کہ کل عورتیں چھوڑائی جائیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ قتادہ کہتے ہیں کہ دنیا کی تھوڑی نعمتوں کو آخرت کی زیادہ نعمتوں کے بدلے انھوں نے پسند کیا ہے[1]

(باطنی تفسیر) بطریق شیعہ ۱۔ ظاہری تفسیر کی شیعی حدیث میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ آیت یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ان یہودیوں نے اپنے وعدہ کو جو خدا سے کیا تھا توڑا اور اوس کے رسولوں کو جھٹلایا اور اوسکے اولیاء کو قتل کیا؟ کیا میں

[1] تفسیر درمنثور علامہ سیوطی جلد ۱ ص ۸۶ کل نمبر ۱۲ منہ

تمہیں اونکی خبر دوں جو میری امت کے یہودیوں میں سے اون (اسرائیلی) یہودیوں کے مثل ہیں سب نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ؟ ارشاد فرمایا کہ میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو میرے دین پر ہونے کا دعوی کریں گے باوجود اس کے میری ذریت (اولاد) میں سے بہترین افراد کو قتل کریں گے اور میری شریعت اور دین^{عه} کو بدلیں گے۔ اور میرے دونوں فرزند حسن^{عه} اور حسین^{عه} کو قتل کریں گے؛ جس طرح ان اسرائیلی یہودیوں کے بزرگوں نے حضرت زکریاؑ اور حضرت یحیےؑ کو قتل کیا تھا۔ آگاہ ہوجاؤ کہ یقیناً خدا ان پر لعنت کرے گا جس طرح اون یہودیوں پر لعنت کی۔ اور قیامت سے پہلے؛ انکی باقیماندہ نسل پر (یعنی انکی اولاد پر جو انکی ہمخیال اور ان کے اس فعل پر راضی ہوگی) حسینؑ مظلوم کی اولاد سے ایک ہادی مہدی (امام آخرالزمان علیہ السلام) کو خدا مسلط کرے گا اور اوسکے اولیاء دوستوں مددگاروں) کی تلواروں سے ان کو آتش جہنم تک پہونچائیگا۔ اور حسینؑ کے قاتل اور اوس قاتل کے دوستداروں اور مددگاروں اور بغیر تقیہ کے اوس پر لعنت نہ کرنے والوں پر لعنت کرے گا اور اُن لوگوں پر رحمت نازل کرے گا جو محبت اور درد دل کی وجہ سے حسینؑ پر روئیں گے اور اونکے قاتلوں پر لعنت کرینگے اور اون قاتلوں کے ظلموں کی وجہ سے اونکے دل غیظ و غضب سے بھرے ہونگے۔ آگاہ ہوجاؤ کہ حسینؑ کے قتل پر راضی رہنے والے بھی شریک قتل ہیں (یعنی یہ بھی اونھیں کے حکم میں ہیں جو

قاتلوں پر لعنت و عذاب اور رونے والوں پر رحمت کی خبر

عہ دین کو بدلنے کی تفصیل انوار القرآن جلد ۲ تفسیر سورہ بقرہ صہ ۴۷ تا ۵۵ میں کر آیا ہوں وہاں ملاحظہ کریں ۱۲ منہ عہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو معاویہ نے خلیفہ اول کی بھانجی جعدہ دختر اشعث ابن قیس کندی سے جو حضرتؑ کی زوجیت میں تھی زہر دلوایا (مرآۃ العجائب و ربیع الابرار زمخشری باب ۸۱ و تاریخ مدائنی و استیعاب چھاپہ دکن صہ ۱۴۱ - و تذکرہ خواص الامۃ و تہذیب الکمال و تہذیب التہذیب و مختصر فی اخبار البشر و حسن السریرہ و مفتاح النجا و مستطرف و ثمرۃ الاوراق وغیرہ) اور خبر شہادت سُن کر خوشی کی اور سجدہ شکر کیا (تہذیب التہذیب جلد ۱ صہ ۱۰۱ و نزل الابرار و مفتاح النجا و ابوالفداء جلد ۱ صہ ۱۹۳ و محاضرات راغب جلد ۲ صہ ۲۲۴ در نفی شماتت از موت و عقد الفرید جلد ۳ صہ ۱۲۴ و حیوۃ الحیوان جلد ۱ صہ ۶۳ چھاپہ مصر مطبع محمد علی صبیح و تاریخ خمیس ۱۲ منہ سہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو بہتّر عزیز جانوں کے ساتھ تین دن بھوکا پیاسا رکھکر معاویہ کے اشارہ کے مطابق (عقد الفرید جلد ۳ صہ ۱۳۲) اوسکے بیٹے یزید نے میدان کربلا میں شہید کیا

قتل میں شریک تھے) آگاہ ہو جاؤ کہ حسینؑ اور انصار حسینؑ کے قتل کرنے والے اور ان قاتلوں کے مددگار اور پیرو اور ہمخیال سب کے سب دین خدا سے بری یعنی جدا ہیں خداوند عالم مقرب فرشتوں کو حکم دیگا؟ وہ حسینؑ پر رونے والوں کے آنسوؤں کو لے جاکر خازن بہشت کے سپرد کر دیں گے وہ اون آنسوؤں کو آب حیات سے ملائیں گے پس اونکی مٹھاس اور نفاست ہزار درجہ بڑھ جائیگی اور حسینؑ کے قتل پر خوش ہونے والوں اور ہنسنے والوں کے آنسوؤں کو لے جاکر ہاویہ (جہنم کے ساتویں طبقہ) میں ڈال دینگے پس وہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ اور خون سے ملائے جائیں گے پس اونکی گرمی اور سختی ہزار گونا بڑھ جائیگی اور اوس میں آل محمدؐ کے دشمن ڈال دیئے جائیں گے[۱]

علی بن ابراہیم علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت جناب ابوذر رحمہ اللہ اور خلیفہ سوم کے حق میں نازل ہوئی ہے؟ اور نازل ہونے کا سبب وہ واقعہ ہے جو ان دونوں صاحبوں کے درمیان واقع ہونے والا تھا۔ وہ یہ کہ جب خلیفہ سوم نے حضرت ابوذر کو ربذہ بھیجنے کا حکم دیا تو حضرت ابوذر اونکے پاس عصا ٹیکتے ہوئے گئے کیونکہ بیمار تھے۔ اوس وقت خلیفہ سوم کے سامنے ایک لاکھ درہم رکھا ہوا تھا جو کسی جگہ سے (وصول ہوکر) آیا تھا۔ اور اونکے حاشیہ نشین اون کو گھیرے ہوئے تقسیم کی امید میں بیٹھے تھے۔ حضرت ابوذر نے پوچھا کہ یہ مال کیسا ہے؟ کہا ایک جگہ سے لایا گیا ہے ایک لاکھ درہم ہے میں چاہتا ہوں کہ اسی قدر اور آجائے تو جو مناسب ہو کروں۔ حضرت ابوذر نے پوچھا کہ اے عثمان ایک لاکھ درہم زیادہ ہے یا چار دینار۔ جواب دیا کہ ایک لاکھ درہم؟ کہا کیا تم کو وہ وقت یاد نہیں ہے جب میں اور تم حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں شام کے وقت حاضر ہوئے تو حضرتؐ کو غمگین اور محزون پایا پس حضرت پر سلام کیا لیکن حضرتؐ نے جواب نہ دیا۔ پھر جب ہم لوگ صبح کے وقت حاضر خدمت ہوئے تو حضرتؐ کو خوش اور ہنستا ہوا پایا۔ پس میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں (کیا وجہ ہے) کہ کل ہم لوگوں نے آپ کو غمگین پایا اور آج خوش اور مسرور دیکھ رہے ہیں؟ تو حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ کل مسلمانوں کے مال سے چار دینار میرے پاس رہ گئے تھے جن کو میں نے تقسیم نہیں کیا تھا۔ میں ڈر رہا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور یہ دینار میرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۶) جو مشہور ہے اور ثبوت کا محتاج نہیں ہے ۱۲ منہ

[۱] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۷۹ - ۱۲ منہ

پاس رہ جائیں۔ آج اونکو تقسیم کرکے آسودہ ہوگیا۔ پس عثمان نے کعب الاحبار کی طرف دیکھکر کہا کہ اے ابو اسحاق؟ تم اوس شخص کے حق میں کیا کہتے ہو جو اپنے مال کی واجب زکوۃ دیچکا ہو گیا اس کے بعد بھی اوس پر کچھ واجب ہے؟ کعب نے کہا نہیں اگرچہ اوس کے پاس سونے اور چاندی کی اینٹیں ہوں کچھ بھی اوس پر واجب نہیں ہے۔ پس حضرت ابوذر نے اپنے عصاء سے کعب کے سر پر مارا اور فرمایا اے پسر یہودیہ مشرکہ تو کون ہوتا ہے جو مسلمانوں کے احکام میں دخل دیتا ہے۔ خدا کا کلام تیرے کلام سے زیادہ سچا ہے جو وہ ارشاد فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ

یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ سے

مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ تک۔ عثمان نے کہا اے ابوذر تم بڈھے ہو سٹھیا گئے ہو اور عقل تمہاری جاتی رہی ہے اگر رسولؐ کے صحابی نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔ حضرت ابوذر نے کہا کہ اے عثمان تم غلط کہ رہے ہو تم برواے ہو؟ میرے حبیب حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے مجھے خبر دی ہے کہ اے ابوذر نہ تو کوئی تمہیں دھوکا دے سکتا ہے اور نہ قتل کرسکتا ہے لیکن میری عقل کو جو تم نے کہا تو وہ اس قدر باقی ہے جس نے مجھے وہ حدیث یاد دلا دی جس کو میں نے حضرت رسول اللہ سے سُنا تھا جس کو حضرتؐ نے تمہارے اور تمہاری قوم کے بارے میں فرمایا تھا۔ عثمان نے کہا کیا سنا تھا جواب دیا کہ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ابو العاص (عثمان کے دادا) کی اولاد میں جب تیس آدمی ہوجائیں گے تو وہ مال خدا کو اپنے لئے دولت قرار دینگے اور کتاب خدا کو خراب کردینگے اور بندگان خدا کو اپنا لونڈی غلام بنائیں گے اور اچھوں سے لڑینگے اور بدکاروں کو اپنا گروہ بنائیں گے۔ یہ سُن کر عثمان نے کہا اے اصحاب محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ) کیا تم میں سے کسی نے اس حدیث کو رسول اللہ سے سُنا ہے۔ کہا نہیں ہم لوگوں نے نہیں سُنا ہے۔ پس عثمان نے کہا علیؑ کو بلالاؤ پس حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف لائے تو عثمان نے کہا کہ اے ابو الحسنؑ سنو یہ جھوٹا بڈھا (ابوذر) کیا کہ رہا ہے حضرتؐ نے فرمایا اے عثمان ٹھہر جاؤ ان کو جھوٹا نہ کہو۔ میں نے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ سے سُنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی[عہ] بولنے والے پر آسمان نے سایہ نہ ڈالا اور اوس کو زمین

عہ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۶۹ قسم اقوال نمبر حدیث ۲۸۳۹ تا ۲۸۴۸ میں اسی مضمون کی سات حدیثیں بحوالہ ابن سعد مالک ابن دینار سے۔ وابن عساکر بجنغ بن قیس سے۔ وابن عساکر علی علیہ السلام سے۔ وابن عساکر ابو ہریرہ سے۔ وابن سعد ابو ہریرہ سے۔ وحب۔ ک۔ ابوذر سے۔ وحم۔ ت۔ ک۔ ابن عمر سے نقل کی گئی ہیں ۱۲ منہ

سنے نہ اوٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو کل صحابہ نے کہا کہ علی علیہ السلام نے سچ فرمایا اس حدیث
کو حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ سے ہم لوگوں نے بھی سُنا ہے۔ پس حضرت ابوذر رو دیئے
اور کہا تم لوگوں پر وائے (افسوس) ہے تم سب کے سب اس مال (ایک لاکھ درہم) کیطرف
گردنیں بڑھائے ہوئے ہو اور تم نے میرے متعلق گمان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ و آلہ پر جھوٹ باندھا۔ پھر اون لوگوں کی طرف دیکھکر کہا کہ (دولو) تم سے اچھا کون ہے
سب نے کہا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم لوگوں سے اچھے ہو۔ کہا ہاں۔ میں نے اپنے حبیب
رسولؐ اللہ کو بہشت میں چھوڑا اور اونکے بعد بہشت میرے لیئے ہے۔ اور تم لوگوں
نے دین میں بہت سی بدعتیں پیدا کیں جن کے بارے میں خدا تم لوگوں سے سوال
کرے گا اور مجھ سے نہ پوچھے گا۔ پھر عثمان نے کہا کہ اے ابوذر میں تم سے رسولؐ اللہ
کے حق کا واسطہ دے کر ایک بات پوچھتا ہوں اوس کا جواب دو۔ حضرت ابوذر نے کہا کہ
اگر رسولؐ اللہ کے حق کا واسطہ نہ دیتے جب بھی میں جواب دیتا۔ پوچھا کہ کون سا شہر تمہیں
زیادہ پسند ہے جس میں رہنا چاہتے ہو کہا مکہ جو حرم خدا اور حرم رسولؐ خدا ہے چاہتا ہوں
اوس میں رہکر مرتے دم تک عبادتِ خدا کرتا رہوں۔ عثمان نے کہا قسم خدا کی وہاں نہ جانے
دونگا۔ حضرت ابوذر نے کہا مدینہ جو حرم رسولؐ اللہ ہے۔ کہا وہاں بھی نہ جانے دوں گا
پس ابوذر چپ ہو رہے۔ پھر پوچھا کس شہر سے زیادہ نفرت رکھتے ہو جہاں رہنا نہیں
چاہتے۔ ابوذر نے جواب دیا کہ ربذہ جہاں میں کفر کے زمانہ میں تھا پس عثمان نے کہا تمہیں
وہیں جانا ہوگا۔ پس حضرت ابوذر نے کہا کہ جو کچھ تم نے پوچھا میں نے صاف صاف
بتا دیا؟ اب میں بھی ایک بات پوچھتا ہوں اوس کا ٹھیک جواب دو؟ کہا ہاں جواب
دوں گا۔ پوچھا؟ یہ بتاؤ کہ اگر تم مجھے ربذہ مشرکوں کے پاس بھیجو۔ اور وہ مجھے قید کر لیں
اور تم سے تمہارے مال کا ایک تہائی حصہ لے کر چھوڑنا چاہیں تو تم کیا کرو گے۔ کہا دیکر
چھوڑا لوں گا۔ پوچھا؟ اگر آدھا مال لینا چاہیں کیا کرو گے۔ کہا دوں گا۔ پوچھا؟ اگر
کل مال مانگیں کیا کرو گے۔ کہا دوں گا۔ یہ سُن کر حضرت ابوذر نے کہا اللہ اکبر؟ میرے
حبیب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ نے مجھ سے ایک دن پوچھا کہ اے ابوذر اوس
دن تمہارا کیا حال ہوگا جس دن تم سے پوچھا جائیگا کہ کون سا شہر تمہیں زیادہ پسند
ہے اور تم جواب دو گے کہ مکہ جو حرم خدا اور حرم رسولؐ ہے چاہتا ہوں مرتے دم تک

وہاں رہکر عبادت خدا کروں؟ اور کہا جائیگا کہ وہاں نہ جانے دوں گا۔ پھر کہو گے کہ مدینہ جو حرم رسول ہے۔ اور کہا جائیگا کہ وہاں بھی نہ جانے دوں گا۔ پھر پوچھا جائیگا کہ کس شہر سے زیادہ نفرت ہے اور تم کہو گے کہ ربذہ جس میں کفر کے زمانہ میں تھا۔ پس تم سے کہا جائیگا کہ تم کو وہیں جانا پڑے گا۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کیا یہ بات ہونے والی ہے۔ فرمایا قسم خدا کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ بات ہو کر رہے گی۔ میں نے عرض کیا کہ ایسے وقت میں کیا میں کندھے پر تلوار رکھکر قدم بقدم اون سے جنگ نہ کروں۔ فرمایا نہیں بلکہ چپکے چلے جانا اگرچہ بندہ حبشی تم کو بھیجے۔ خداوند عالم نے تمہارے اور تمہارے دشمن عثمان کے بارے میں آیت نازل ع کی ہے۔ میں نے عرض کیا وہ آیت کون سی ہے تو حضرت نے یہی آیت تلاوت فرمائی لہ

(باطنی تفسیر ۲) بطریق اہلسنت ۱ امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر میں ذکر کیا گیا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ "دنیا میں اپنی امت کے یہودیوں میں سے اونکی خبر دوں جو یہود بنی اسرائیل کے مثل ہیں" ۔ اور امام اہلسنت محمد بن اسمٰعیل بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنے اگلوں یعنی یہود نصاریٰ کی پیروی کروگے ایک ایک ہاتھ اور ایک ایک بالشت ناپ کر یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے ہونگے تو تم بھی گھسوگے ؎۲

ع جس مناسبت سے یہ آیت حضرت عثمان کے حق میں نازل ہوئی ہے اوس کا بیان یہ ہے کہ حضرت عمر نے بیان کیا کہ اس آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے (ملاحظہ ہو انوار القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۵ سطر ۵ تفسیر سورہ بقرہ) اور اس آیت میں چند چیزیں ذکر کی گئی ہیں جو حضرت عثمان سے ظاہر ہوئیں ۱ اسلام قبول کرکے احکام خدا پر عمل کرنیکا اقرار ۲ حضرت ابوذر جیسے مقرب صحابی کو شہر بدر کرنا ۳ حیوۃ دنیا یعنی مال دنیا اختیار کرنا ۴ اون کو شہر بدر کرنے میں معاویہ کو مدد دینی ۵ حضرت ابوذر کا بدلا دیکر اونکو چھوڑ دینے کا اقرار کرنا جس پر حضرت ابوذر نے اللہ اکبر کہا تھا ۶ دنیا میں اپنی کج رویوں کی وجہ سے ذلت سے مارا جانا ۱۲ منہ لہ تفسیر صافی چھاپہ ایران صفحہ ۳۸ - ۱۲ منہ ؎۲ صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالسنہ باب لتتبعن سنن

امام علیہ السلام کی تفسیر میں ہے کہ حضرت نے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو قتل کرنیکی خبر دی
حضرت امام حسن علیہ السلام کو معاویہ نے زہر دلوایا اور خبر شہادت پاکر خوشی میں تکبیر اور سجدہ شکر
کیا اور کہا کہ اب میرے دل کو چین ملی اور خلافت میرے لئے وغدغہ سے پاک ہو گئی۔
ان مضامین کے حوالے حاشیہ ص۱۴۶ میں بھی ذکر کر آیا ہوں۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو معاویہ
کے بیٹے یزید نے شہید کیا جسکی خبر حضرت سرورِ عالم نے دی تھی لہ
ان حدیثوں کا مضمون خبر شہادت ہے۔ اور کربلا میں شہید کرنا۔ اور جناب ام سلمہ کو خاکِ کربلا
دینا اور یہ فرمانا کہ شہادت کے بعد وہ مٹی خون ہو جائیگی۔ اور صحابہ سے فرمانا کہ اوس وقت
تم میں سے جو موجود رہے وہ انکی مدد کرے۔ اور حضرتؑ کے دوستوں کا فائز ہونا اور
دشمنوں کا جہنم میں جانا اور اہل عراق کی اس بات پر ملامت کہ فرزند رسولؐ کو قتل کیا اور مکھی
مارنے کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔ اور یہ کہ حضرتؑ کو ابلق (چیتا) کُتا قتل کرے گا۔ اور شمر ابلق
یعنی مبروص تھا۔ اوس مٹی کا خون ہو جانا۔ آسمان و زمین کا رونا۔ آسمان سے خون برسنا
اور زمین سے خون اوبلنا۔ حضرت رسولؐ کا روز عاشورا اپنے سر پر خاک ڈالنا اور شہداء
پر رونا۔ جنوں کا رونا اور مرثیہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ واضح ہو کہ انس بن مالک صحابی اوس وقت
زندہ تھے لیکن حضرتؑ کی مدد نہ کی۔ بلکہ اہلبیتؑ جب کوفہ میں ابن زیاد کے دربار میں لائے گئے
تھے تو تماشائی بنکر اوسکے پہلو میں یہ بھی رونق افروز تھے اور جب وہ حضرتؑ کے چہرہ
پر چھڑی لگا رہا تھا تو اوس کو منع نہیں کیا بلکہ خوشامدانہ اتنا کہنے کی زحمت گوارا کی کہ یہ رسول اللہ
سے بہت مشابہ تھے ؎۲ حضرات مومنین! یہی انس ہیں جو مذہب اہلسنت میں بڑے

(بقیہ حاشیہ ص۴۲۰) من قبلکم جلد ۴ ص۱۷۶ چھاپہ مصر ۱۲ منہ

لہ ملاحظہ ہو ارجح المطالب ص۲۸۲ تا ۲۸۸ و وسیلۃ النجاۃ مصنفہ مولوی مبین صاحب فرنگی محلی حنفی لکھنوی ص۲۷۵ تا ۲۷۸ و ینابیع المودۃ مصنفہ ملا سلیمان حنفی ص۲۶۴ تا ۲۷۷ بحوالہ مشکوۃ و بیہقی و جمع الفوائد و اصابہ و تاریخ بخاری و بغوی و ابن سکین و مودۃ القربے و صحیح بخاری جلد ۴ ص۲۷ کتاب المناقب باب مناقب حسنؑ و حسینؑ و ترمذی و ابن سعد و طبرانی و ابو داؤد و حاکم و مسند احمد بن حنبل وغیرہ ۱۲ منہ ؎۲ صحیح بخاری جلد ۴ کتاب مناقب ص۲۷ چھاپہ بمبئی باب مناقب حسنؑ و حسینؑ ۱۲ منہ

معتبر اور جلیل القدر راوی اور محدث سمجھے جاتے اور انکی حدیثیں اہلبیتؑ رسولؐ کی حدیثوں سے زیادہ معتبر اور قابلِ عمل سمجھی جاتی ہیں فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ) ۳ حضرت ابو ذر کے ربذہ بھیجے جانے کی تفصیل جو قمی علیہ الرحمہ کی تفسیر سے نقل کی گئی ہے اوس کو سید ذاکر حسین صاحب کی تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۳۱ تا ۳۳ میں ملاحظہ کریں جس کو اونھوں نے مروج الذہب مسعودی اور اعثم کوفی اور روضۃ الصفاء اور تاریخ خمیس سے نقل کیا ہے علاوہ ان کتابوں کے؟ جن کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے وہ یہ ہیں ۱ روضۃ الاحباب مصنفہ محدث جمال الدین جلد ۲ شرح جامع صغیر مصنفہ عزیزی ۳ فتح الباری شرح بخاری ۴ مسند احمد بن حنبل ۵ کنز العمال جلد ص چھاپہ دکن ۶ شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید جزء ۳ ص ۱۳۸ چھاپہ ایران ۷ تذکرہ خواص الامۃ ۸ طبقات ابن سعد ۹ رجال مشکوۃ ص ۱ از عبدالحق محدث دہلوی ۱۰ کوکب منیر شرح جامع صغیر ۱۱ وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۲۲۴ ذکر یحیٰے بن اکثم ۱۲ استیعاب ذکر ابوذر ۱۳ طیبی شرح مشکوۃ ۱۵

چند فائدے

(پہلا فائدہ) معانی - بیان - بدیع - (معانی) ۱ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (پھر تم نے وعدہ کا اقرار کیا اور اس وقت بھی اوس اقرار پر گواہی دے رہے ہو) میں اطناب ہے - یعنی ان دونوں جملوں کو اس واسطے بڑھایا ہے تاکہ برائی اور سزا اور عذاب کا استحقاق ثابت اور لازم اور قوی ہو جائے - کیونکہ کسی بزرگ کی فرمائش کو بغیر انکار کے چپکی کے ساتھ ٹال دینا بھی برا ہے اور اقرار کر کے انجام نہ دینا بدتر - اور چونکہ اقرار کے بھول جانے کا عذر اگرچہ جھوٹ ہو؟ جھوٹ ثابت ہونے سے پہلے؟ ملامت کو اوٹھا دیتا ہے - اور اوس کے یاد ہونے پر گواہی دینی اور باوجود اس کے عمل نہ کرنا بہت زیادہ سرکشی اور شوخ چشمی کو ثابت کرتا ہے - اور بنو اسرائیل نے ایسا ہی کیا تھا - اس واسطے خداوند عالم نے ۱ اپنا وعدہ لینا ۲ اون کا اقرار کرنا ۳

---

۱۵ ملاحظہ ہو تشئید المطاعن جلد ۲ ذکر مطاعن عثمان ص ۱۲۰ تا ۱۲۹ - اس میں کل کتابوں کی عبارتیں بھی نقل کی گئی ہیں ۱۲ منہ

وعدہ اور اقرار پر گواہی دینی۔ ان تینوں امروں کو ظاہر فرمادیا ہے تاکہ نہ تو یہ عذر کرسکیں کہ ہم نے اقرار نہیں کیا تھا۔ تاکہ عذاب میں کمی رہے۔ نہ یہ کہہ سکیں کہ ہم وعدہ کو بھول گئے تھے تاکہ سزا و ملامت اوٹھ جائے۔ **اور** یہ اپنی بے حد سرکشی اور خباثت کی پوری سزا کے سزاوار ہو جائیں اور وہ دنیا میں زیاں کاری اور آخرت میں بدترین عذاب ہے جس کو آیت کے آخر میں ذکر فرمایا ہے ۲ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ (پھر تم ہی وہ ہو) میں ایک تقدیم مسند الیہ ہے۔ دوسرے اطناب؟ مسند الیہ یعنی اَنۡتُمۡ (تم ہی) کو ھولاء سے جو خبر ہے پہلے اس واسطے ذکر فرمایا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ قتل و اخراج نہ کرنے کا اقرار کرنے والے یہی ہیں کوئی دوسرا نہیں ہے اور باوجودیکہ ثم تقتلون (پھر قتل کرتے ہو) فرمادینا کافی تھا اس مبتدا اور خبر یعنی انتم ھولاء کو اس واسطے بڑھایا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ قتل و اخراج کرنے والے وہی ہیں جنہوں نے وعدہ پر عمل کرنے کا اقرار کیا تھا اور اوس کے یاد رہنے پر گواہی دی تھی اور یہ عذر نہ کرسکیں کہ وعدہ اور اقرار کرنے والے ہم لوگ تھے ۳ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ سے مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تک میں اطناب ہے یعنی باوجودیکہ قتل و اخراج سے بچنے کے وعدہ اور اقرار کو ذکر کرنے کے بعد ثُمَّ اَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِىۡ (تم نے وعدہ خلافی کی) فرمادینا کافی تھا؟ لیکن چونکہ سلبِ جزء (یعنی ایک جزء کی مخالفت) سے سلبِ کل (یعنی مجموعہ مفقود) ہو جاتا ہے اور اوس سے اس کا پتہ صاف نہیں ملتا کہ انھوں نے اپنے وعدہ کے ایک جزء میں مخالفت کی ہے۔۴ اس واسطے کھول کر ارشاد فرمادیا کہ تم نے وعدہ کے کسی جزء پر عمل نہیں کیا؟ قتل بھی کیا اور اخراج بھی ۵ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ (مجرمانہ اور ظالمانہ طور پر اونکے قتل و اخراج میں دوسروں کو مدد بھی دیتے ہو) اس کو زیادتی استحقاقِ ملامت و عذاب کے لئے ذکر فرمایا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ انھوں نے صرف قتل و اخراج

ع مولانا سید نعمۃ اللہ جزائری علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مولانا نورالدین علیہ الرحمہ کتاب فروق اللغۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اِثۡم ہر گناہ کو کہتے ہیں اور عُدۡوَان ظلم کو۔ اس بنا پر اثم عام ہے اور عدوان خاص اور ان دونوں میں عام و خاص مطلق کی نسبت ہے۔ اس لئے خاص کو عام کے بعد ذکر کرنا اہمیت اور زیادتِ شناعت کو ظاہر کرنے کی غرض سے ہے۔ مقصود یہ ہے کہ بنو اسرائیل ہر طرح کے گناہوں میں مبتلا رہتے جو بدترین گناہ ہے کیونکہ اس میں خدا اور خلقِ خدا دونوں کے حقوق برباد ہوتے ہیں ۱۲ منہ

ہی نہیں کیا بلکہ ان دونوں امروں میں دوسروں کو مدد بھی دیتے تھے ؎ وَاِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ (اور جب وہ تمہارے پاس قید ہو کر آتے ہیں تو تم اون کا بدلا دیکر اونہیں چھوڑا لیتے ہو۔ حالانکہ اون کو نکالنا تم پر حرام ہے) یہ فرمائش تعجب اور مذمت کے مقام میں ارشاد ہوئی ہے وہ یہ کہ یہ لوگ مذہب کا پابند خود ہونا نہیں چاہتے تھے بلکہ مذہب کو اپنا پابند کرنا اور اپنے اختیار میں رکھنا چاہتے تھے کہ جس کو چاہیں اختیار کریں اور جس کو چاہیں چھوڑیں (اس چودہویں صدی میں بھی بہت سے لوگ ایسے دیکھے جا رہے ہیں جو ان یہودیوں کے قدم بقدم چل رہے ہیں اور اپنی خواہشوں کو مذہب کا تابع بنانا نہیں چاہتے بلکہ مذہب کو اپنی خواہشوں کا تابع رکھنا چاہتے ہیں اور احکام خدا میں سے بعض پر عمل کرتے اور بعض کو چھوڑتے ہیں اور اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کے مصداق بن رہے ہیں) ان آیتوں میں لفظ اخراج تین جگہ ذکر کیا گیا ہے دو جگہ ذکر قتل کے ساتھ اور ایک جگہ ذکرِ فدیہ یعنی بدلا دینے کے ساتھ اور مفسروں نے تینوں جگہ ایک ہی معنی مراد لیا ہے۔ یعنی گھروں سے نکال دینا میں عرض کرتا ہوں کہ احتمال یہ ہے کہ خداوند حکیم نے پہلی دو جگہوں میں گھر سے نکال دینا مراد لیا ہو۔ اور تیسری جگہ گھر سے نکلنے اور جنگ کرنے پر مجبور کرنا کیونکہ ایک تو لَا تُخْرِجُوْنَ؟ نہی بصورت خبر ہے جو حرمت اخراج کو بتاتی ہے۔ اس لئے اس کے ذکر کے بعد هُوَ مُحَرَّمٌ فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ دوسرے گھر سے نکال دینے کو قتل سے زیادہ مناسبت ہے۔ اور گھر سے نکلکر جنگ کرنے اور گرفتار ہونے کو فدیہ دینے سے۔ اور ظاہری تفسیر میں ذکر کیا گیا کہ بنو نضیر خزرج کے حلیف تھے اور بنو قریظہ اوس کے۔ اور عربوں کا آج بھی دستور ہے کہ چند قبیلے آپس میں میل ملاپ کرتے اور ہم قسم ہوتے ہیں کہ اونمیں سے جس قبیلہ کے مقابل میں کوئی دشمن کھڑا ہوگا اوس کے حلیف یعنی ہم قسم اوسکی مدد کرینگے پس گویا مرادِ خدا یہ ہے کہ اے بنو نضیر و بنو قریظہ میں نے تم پر اس بات کو حرام کیا تھا کہ تم میں سے کوئی قبیلہ اپنے حلیف کی مدد کرے جسکی وجہ سے تمہارا دوسرا قبیلہ اپنے حلیف کی مدد میں جنگ کرنے پر مجبور ہو کر گھروں سے نکل پڑے اور اس امر کو واجب کیا تھا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جائے تو اوس کا بدلا مال دیکر اوس کو چھوڑا لیا کرنا لیکن تعجب ہے کہ چھیڑ کر جنگ کرنے اور مجبور کرنے کو جو میں نے حرام کیا تھا اوس پر تو تم عمل نہیں کرتے۔ اور جب وہ جنگ میں گرفتار

ہو جاتے ہیں تو فدیہ دیکر چھوڑ الینا ضروری سمجھتے ہو کیا تم بعض حکم پر ایمان رکھتے ہو اور
بعض سے انکار کرتے ہو۔ یہ صرف احتمال ہے جس کو میں نے ذکر کردیا مجھے ابھی تک
اس پر کوئی شاہد نہیں ملا ہے ۲ اَفَتُؤْمِنُوْنَ میں ہمزہ استفہام انکاری کا ہے جو توبیخ یعنی
مذمت اور ملامت کے لئے لایا گیا ہے اور مقصود یہ ہے کہ بعض حکم کو ماننا اور بعض کو چھوڑنا
بُرا اور ملامت کا سبب ہے ۳ فَمَا جَزَآءُ ..... اِلَّا خِزْیٌ سے اَشَدِّ الْعَذَابِ تک۔
اس میں مَا حرف نفی کے بعد اِلَّا حرف استثنا حصر کے لئے ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ایسے کش
اور بد ذات کی سزا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ دنیا میں رسوا اور آخرت میں عذاب سخت
میں مبتلا کئے جائیں ۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (یہی
ہیں جنہوں نے دنیا کی ذلیل نعمتوں کو آخرت کی نعمتوں کے بدلے میں اختیار کیا ہے) اسمیں
قصر صفت بر موصوف ہے یعنی باوجودیکہ بنو اسرائیل کے مسلسل ذکر کے بعد صرف
اِشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فرما دینا اس امر کو سمجھنے کے لئے کافی تھا کہ یہ بھی اونہیں کی صفت ہی
اور دنیا میں دوسرے بھی ایسے بہت تھے جو اس صفت میں اونکے شریک تھے اور آخرت کو چھوڑکر
دنیا کو اختیار کر رکھا تھا؟ پھر بھی اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ (یہی وہ ہیں) کو ذکر کرنا جو حصر و اختصاص
یعنی اس امر کو بتاتا ہے کہ اس فعل میں یہ منفرد ہیں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں ہے؟ بظاہر اس
غرض سے ہے کہ اونکی بے انتہا خباثت اور شورہ پشتی اور دنیا داری اور آخرت سے انحراف اور
خدا اور اوس کے عذاب سے بے پروا ہونا ظاہر ہو جائے اور یہ بات اوسی صورت میں ظاہر
ہوسکتی ہے جب کہ عام اور کلی صفت کو کسی خاص فرد یا خاص جماعت کے ساتھ مخصوص کردی جائے
جیسا کہ یہاں کیا گیا ہے اور یہ حصر و اختصاص؟ اوس عذاب کے ذکر کے لئے تمہید ہے
جو اس کے بعد بیان کیا گیا ہے یعنی عذاب میں تخفیف نہ ہونا اور کسی کا مدد نہ کرسکنا ۵ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا ... اور يُخَفَّفُ اور عَنْهُمْ اور هُمْ اور يُنْصَرُوْنَ میں التفات ہے
یعنی اگلے صیغے اور ضمیریں حاضر کی لائی گئی ہیں اور یہ غائب کی۔ اور حاضر کے بعد غائب قرار دینا
تبعید یعنی ذلت کی طرف اشارہ کے لئے ہوا کرتا ہے اور یہی تبعید اور ذلت یہاں بھی مقصود ہے
۶ اور يُرَدُّوْنَ کے بعد تَعْمَلُوْنَ میں غائب سے حاضر کی طرف التفات؟ زیادتی مبغوضیت
کو ظاہر کرنے کے لئے ہے

(بیان) ۱؎ دِمَائَکُمْ (اپنا خون) ۲؎ اَنْفُسَکُمْ (اپنے آپ کو) ۳؎ مِنْ دِیَارِکُمْ (اپنے ملکوں سے) ان لفظوں میں دماء۔ انفس۔ دیار کی نسبت ؟ کم ضمیر مخاطب کی طرف مجازی ہے کیونکہ اس ضمیر سے خود مخاطب مقصود نہیں ہیں بلکہ اونکی قوم کے لوگ مقصود ہیں جن کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوئے اونکو مبالغہ کے طور پر ان کا قائم مقام بنا دیا ہے تاکہ اونکے حقوق کی عظمت اور اون پر ظلم کرنے کی بے انتہاء شناعت اور برائی ظاہر ہو جائے۔ اس واسطے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان لفظوں میں مضاف محذوف (گرا ہوا) ہے اور یہ ؟ اصل میں یوں تھے دِمَاءَ اِخْوَانِکُمْ (اپنے بھائیوں کا خون) اَنْفُسَ اِخْوَانِکُمْ (اپنے بھائیوں کی جانوں) مِنْ دِیَارِ اِخْوَانِکُمْ (اپنے بھائیوں کے ملکوں سے) کیونکہ مضاف محذوف لینے سے یہ عظمت اور شناعت ظاہر نہ ہوگی۔

(بدیع) مقتضائے حال کے مطابق گفتگو کرنے کو بلاغت کہتے ہیں ان آیتوں میں بنو اسرائیل کی حالتوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ پہلے عہد و پیمان ذکر کیا گیا ہے پھر زیادتی تاکید اور شدت اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اونکی قوم کے لوگوں کو اونکی جانوں کے برابر قرار دیا ہے۔ پھر اقرار اور گواہی کو ذکر کر کے قتل و اخراج نہ کرنے کے وعدہ کو مضبوط کیا ہے۔ پھر اونکی بدعہدی اور وعدہ خلافی کو بیان کیا ہے۔ پھر اونکے مناسب حال سزا کو ذکر کیا ہے۔ اور اونکے اعمال سے اپنے عالم ہونے کو ۔ ۲؎ تؤمنون اور تکفرون۔ اور حیات دنیا اور آخرت میں تقابل تضاد ہے۔

لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَائَکُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِنْ

(دوسرا فائدہ) دِیَارِکُمْ (میں نے تم سے وعدہ لیا کہ جو تمہاری جانوں کے برابر ہیں اونھیں قتل نہ کرنا اور گھروں سے نہ نکالنا) حضرت عمر نے مسلمانوں سے کہا کہ بنو اسرائیل گذر گئے ان آیتوں میں صرف تمہیں مراد لئے گئے ہو ۱؎ پس اس بناء پر ثابت ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں مسلمانوں سے خطاب ہے کہ عام مسلمانوں کو جو تمہاری جانوں کے برابر ہیں قتل نہ کرو اور گھروں سے نہ نکالو اور جب عام مسلمانوں کا قتل و اخراج حرام ہے تو اولاد رسول کا قتل و اخراج بدرجہ اولےٰ حرام ہوگا کیونکہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ

آیتوں کا اولاد رسول کو قتل و اخراج کرنا

۱؎ تفسیر درمنثور سیوطی جلد ا صفحہ ۸۶ چھاپہ مصر بروایت ابن منذر و ابن ابی حاتم ۱۲ منہ

نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک مجھے اپنی جان سے اور میرے عیال کو اپنے عیال سے اور میری اولاد کو اپنی اولاد سے زیادہ دوست اور عزیز رکھے [۱] پس اس سے ثابت ہوتا ہی کہ اولاد رسولؐ کو دوست نہ رکھنے والے نعمت ایمان سے محروم ہیں۔ اور جب دوست نہ رکھنے والے محروم ہیں تو دشمن رکھنے والے۔ ستانے والے۔ قتل کرنے والے بدرجہ اولےٰ۔ یہ تو عام اولاد کے حقوق ہیں جن کو یہ حدیث بیان کر رہی ہے اور خاص پنجتن پاک کے لئے اس کے علاوہ خاص حدیثیں بھی ہیں جو صاف صاف بتا رہی ہیں کہ اون کے حقوق کو برباد کرنے والے اور اونکو ستانے والے دین اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے تھے اب خدا اور رسولؐ کی ان تاکیدوں کے بعد؟ اولاد رسولؐ کے ساتھ اپنوں کا سلوک بھی ملاحظہ کر لیجئے کہ حضرت ابو بکر نے کہا اِرْقَبُوْا مُحَمَّدًا فِیْ اَھْلِبَیْتِہٖ یعنی محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ) کے اہلبیتؑ کے بارے میں اونکے حقوق کی حفاظت کرو (صحیح بخاری جلد ۲ صـ۲۰۳ ذکر مناقب حسنؑ وحسینؑ چھاپہ مصر) باوجود اسکے خلافتِ اولےٰ سے لیکر آخر خلفاء بنو عباسیہ یعنی مستعصم باللہ کے وقت تک چھ سو چھیالیس برس خلفاء ثلثہ اور خلفاء بنو امیہ اور بنو عباسیہ نے اولاد رسولؐ پر کیسے کیسے مظالم کے پہاڑ ڈھائے [۱] بیعت لینے کے لئے حضرت علیؑ کے گلے میں رسی باندھی گئی [۲] جب تک زندہ رہے متعدد لڑائیاں لڑی گئیں [۳] حضرت رسولؐ کی پارۂ جگر کا بازو دُرّہ سے زخمی کیا گیا۔ بقول نظامؔ سُنی متعصب اونکے شکم مبارک پر بار کر کے محسن کُش نے حضرت محسنؑ کو شہید کیا [۴] فدک چھین لیا گیا۔ [۵] خمس جو خاص ان لوگوں کا حق تھا بند کر دیا گیا [۶] حضرت امام حسنؑ کو زہر سے شہید کیا گیا [۷] حضرت امام حسینؑ کو بہتر عزیز جانوں کے ساتھ بے رحمی سے ذبح کیا گیا [۸] باقی ائمہ قید اور زہر سے شہید کئے گئے [۹] باقی اولاد تلاش کر کر کے قتل کی گئی [۱۰] اپنا ملک و دیار چھوڑ کر دور دراز ملکوں کی طرف بھاگنے پر مجبور کی گئی [۱۱] بھاگنے پر بھی جان نہ بچتی تھی

---

[۱] کنز العمال جلد ا صـ۱۱ نمبر حدیث ۳ و ۹ چھاپہ دکن ذکر ایمان فصل ۲ - ۱۲ منہ [۲] ان مضامین کی تفصیل اور کتابوں کے حوالے انوار القرآن تفسیر سورہ بقرہ جلد ۲ صـ۶-۷-۸ کے حاشیہ میں ملاحظہ کریں ۱۲ منہ [۳] عرب و عجم میں سادات کی کمی اور ہندوستان میں زیادتی کا سبب یہی ہوا ہم کو ہندوستان کے اصلی باشندوں کی قدر کرنی چاہیئے جنہوں نے مسلمانوں کے نکالے ہوئے

جنگلوں میں چھپتے تھے مارے جاتے تھے۔ مسجدوں میں پناہ لیتے تھے مارے جاتے تھے۔ جسکے گھر میں پناہ لیتے تھے؟ خلفاء بنو امیہ و بنو عباسیہ کی تو شاہدی میں خود ہی قتل کر دیتا تھا جس کو اپنا دوست سمجھتے تھے وہی دشمن ثابت ہوتا تھا۔ زمین خدا اون پر تنگ اور دنیا اونکی آنکھوں میں تاریک ہو گئی تھی جیسا کہ خداوندعالم ارشاد فرماتا ہے ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ یعنی زمین باوجود اپنی کشادگی کے اون پر تنگ ہو گئی تھی جو صاحب تفصیل ملاحظہ کرنا چاہیں میری کتاب مرشد امت۔ اور ابوالفرج اصفہانی مروانی کی کتاب مقاتل الطالبین۔ اور مولانا سید مرتضےٰ علم الہدےٰ طبرانی کی کتاب کنزالانساب ملاحظہ کریں دشمنان اہلبیت رسولؐ نے اس پر بھی دم نہ لیا وہ جس طرح مہاجرین حبشہ کا پیچھا کئے ہوئے حبشہ پہونچے تھے اونکی اولاد ہندوستان پہونچگئی اور آج تک خونریزیوں اور دل آزاریوں سے ہاتھ نہیں روکا۔

(تیسرا فائدہ) اخلاق لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآئَكُمْ سے دِيَارِكُمْ تک اس آیت میں خداوندعالم نے دو چیزوں کی حرمت کو بیان کیا ہے ایک؟ کسی مومن کو قتل کرنا۔ دوسرے اوس کو اوسکے گھر سے نکال دینا اگرچہ یہ آیت بنو اسرائیل کے حق میں نازل کی گئی ہے لیکن دو امروں کے سمجھ لینے کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ اون سے لیکر قیامت تک کے لوگوں کو یہ حکم شامل ہے ایک یہ کہ تکلیف یعنی احکام خدا کے جاری ہونے کی قابلیت میں اولاد آدم سب کے سب برابر ہیں اور بلوغ وعقل؟ جس پر احکام خدا کے جاری ہونے کا دارومدار ہے ہر امت کے لوگوں میں بغیر فرق کے ایک طرح سے پایا جاتا ہے دوسرے یہ کہ خداوند عزوجل کی شان قصہ گوئی سے اَجل وارفع ہے۔ اوس نے گذشتہ امتوں کے قصہ کو داستان گو بن کر اولاد آدم کی دل بستگی کے لئے بیان نہیں کیا ہے۔ بلکہ نصیحت اور عبرت کے لئے بیان کیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اگلے لوگ کس گناہ کی وجہ سے کس سزا میں مبتلا کئے گئے اور اون گناہوں سے پرہیز رکھیں پس اس قصہ کا واقعی مقصد امت محمدیؐ کو آگاہ کرنا ہے کہ قتل اخراج

(حاشیہ: قتل و اخراج حرام ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۷) مظلوم سادات کو محترم ہستی کی اولاد سمجھ کر جگہ دی زمین دی۔ عزت کی۔ اون کے ہاتھوں پر ایمان لائے ۱۲ منہ

جس طرح اون پر حرام تھا تم پر بھی حرام ہے اور جس طرح وہ مبتلائے عذاب کئے گئے تم بھی کئے جاؤگے۔ اور قتل کی برائی کو سورہ مائدہ میں یوں ارشاد فرماتا ہے مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا یعنی (چونکہ حضرت آدمؑ کے بیٹے قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو مار ڈالا تھا) اس لئے ہم نے بنواسرائیل کے حق میں یہ لکھدیا کہ جو شخص کسی کو قتل کریگا بغیر اسکے کہ اوس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد پھیلایا ہو اوس نے گویا دنیا کے سب لوگوں کو قتل کردیا۔ متعدد صحیح السند حدیثوں میں اس آیت کی تفسیر میں ائمہ معصومین علیہم الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک مومن کو قتل کرے گا وہ جہنم کے اوس طبقہ میں رکھا جائیگا جہاں کل اہل دنیا کے عذاب کی تکلیف پہونچیگی اور یہی جگہ اوسکی بھی ہے جو کل لوگوں کو قتل کرے ہاں عذاب میں اسکے زیادتی کردی جائیگی [۱] اور اس بارہ میں حدیثیں انوار القرآن جلد ۲ ص ۱۹۳ میں لکھ آیا ہوں وہاں ملاحظہ کریں اور گھروں سے نکالنا اس وجہ سے برا ہے کہ اذیت اور تکلیف اور ہلاکت کا سبب ہوتا ہے۔ اگر نکالا ہوا شخص ہلاک ہوجائے تو نکالنے والا قاتل کی سزا کا مستحق ہوگا۔ اور اگر ہلاک نہ ہوا ؟ تو تکلیف اور ایذا رسانی کی سزا کا مستحق ہوگا جسکے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا

قتل کی برائی

مومن کو ستانے کی برائی

---

[۱] تفسیر برہان جلد ۱ ص ۲۸۳ - ۲ امنہ عہ علی بن ابراہیم قمی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومنین سے حضرت علیؑ اور مومنات سے حضرت فاطمہ علیہما السلام مقصود ہیں (اور اس میں جمع کا صیغہ ایک شخص کے لئے اوسی طرح کا تعظیمی ہے جیسا آیۃ مباہلہ میں لفظ انفس حضرت علیؑ کے لئے اور لفظ نساء حضرت فاطمہؑ کے لئے) اور علماء اہلسنت میں سے ابن مردویہ اور ابوالمظفر اور نظری نے اس کے نازل ہونے کا سبب یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر نے بیان کیا کہ میں علیؑ کو ستایا کرتا تھا تو حضرت سرور عالم نے فرمایا کہ اے عمر تو نے مجھے تکلیف دی میں نے عرض کیا کہ بپناہ بخدا کہ میں آپکو تکلیف دوں فرمایا کہ تو نے علیؑ کو تکلیف دی اور جس نے علیؑ کو تکلیف دی اوس نے مجھے تکلیف دی۔ اور ترمذی اور حافظ ابونعیم اور بخاری اور موصلی اور احمد بن حنبل اور خطیب نے لکھا ہے کہ

مُبِیناً (سورہ احزاب پ ۲۲ - آیت ۵۸) جو لوگ مومن مرد اور مومنہ عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں وہ جھوٹے الزام کا وبال اور کھلا گناہ اپنے سر لیتے ہیں - اور حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مومن کو ذلیل کرنے کے ارادہ سے اوس پر ہاتھ ڈالے یا اوس کو طمانچہ مارے تو خداوند عادل قیامت کے دن اوس کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا اور آگ کو اوس پر مسلط کردے گا اور بیڑیوں میں جکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائیگا - اور فرشتے اوس پر لعنت کرینگے (یہ مضمون دو حدیثوں کا خلاصہ ہے) اور حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس کو صعداء کہتے ہیں اور صعداء میں ایک میدان ہے جس کو سقر کہتے ہیں اور سقر میں ایک کنواں ہے جس کو ہبہب کہتے ہیں جب اوس کنویں کے منہ پر سے پردہ ہٹایا جاتا ہے تو اوسکی گرمی سے جہنمی چیخ اٹھتے ہیں ؛ ظالموں کی جگہ وہی کنواں ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مومن کو تکلیف دینے میں آدھی بات سے بھی مدد دے تو وہ قیامت میں ایسی حالت سے آئیگا کہ اوسکی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص رحمتِ خدا سے مایوس ہے [1]

(چوتھا فائدہ) علم کلام - تَظٰهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (اونکے قتل و اخراج پر مجرمانہ اور ظالمانہ طور پر مدد دیتے ہو)

ظلم میں خدا مدد دیتا

فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ جس طرح ظلم کرنا حرام ہے اوسی طرح اوسمیں مدد دینا بھی حرام ہے پھر اعتراض یہ کیا ہے کہ خدا نے چونکہ ظالم کو ظلم کرنے پر قدرت دی ہے اور ظلم سے روکنے والی چیزوں کو برطرف کردیا ہے اور ظلم کرنے کی خواہش کو ظالم پر مسلط کردیا ہے اس لئے وہ بھی ظالم کا مددگار ٹھہرتا ہے پس اگر ظلم کرنا بُرا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ خدا خود ایسا نہ کرتا (اور جب کیا تو معلوم ہوا کہ ظلم کرنا اور اوسمیں مدد دینا بُرا نہیں ہے) پھر جواب دیا ہے کہ اگرچہ خدا نے ظلم کرنے پر ظالم کو قدرت دی ہے لیکن اس سے منع بھی کردیا ہے - بخلاف مددگار کے کہ وہ منع نہیں کرتا بلکہ رغبت دلاتا اور اوسکے فعل کو اچھا بتاتا اور ظلم پر اوس کو

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۹) حاطب بن ابی بلتعہ اور بریدہ اسلمی نے حضرت سرورِ عالم سے حضرت علیؑ کی (بے وجہ) شکایت کی تو یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر برہان جلد ۲ ص ۸۶۲ تفسیر سورہ احزاب) ۱۲ منہ

[1] عین الحیات ینبوع سوم جدول چہارم ص ۳ چھاپہ سلطان المطابع لکھنؤ ۱۲ منہ

ابھارتا ہے لہ میں عرض کرتا ہوں کہ جواب سے صاف ظاہر ہے کہ رازی صاحب نے خدا کے مدد دینے کو تسلیم کرتے ہوئے جواب دیا ہے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُوْنَ (نورِ خدا یعنی ایمان صحیح سے کنارہ کشی کرنے کی وجہ سے اوس کو انکے پاس چھوڑنے کو بے فائدہ سمجھکر خدا نے اوس نور کو انسے واپس لے لیا اور انکو گمراہی کی تاریکی میں چھوڑ دیا ہے کہ اب حق بات انکو دکھائی نہیں دیتی) سیدھی بات اور ٹھیک جواب یہ ہے کہ ظلم پر قدرت دینے اور ظلم کے لئے قدرت دینے میں فرق ہے خداوند عالم مددگار اوس وقت کہلاتا جب ظلم کرنے کے لئے یعنی اسی غرض سے قدرت دیتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اوس نے اولادِ آدم کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا اور عبادت جو فعل ہے بغیر قدرت اور قوت کے انجام نہیں پاسکتی تھی اس واسطے اوس نے کام کرنے کی قدرت اور قوت عطا کی۔ اور چونکہ یہی قوت و قدرت بُرے کاموں کے کرنے کا بھی ذریعہ ہوسکتی تھی اس لئے اوس نے اچھی اور بُری راہ بتاکر اچھے کاموں کا حکم دیا اور بُرے کاموں سے منع کردیا اور بندوں کو اونکے کاموں کا مالک و مختار بنادیا کیونکہ سزا و جزا کا دار و مدار اپنے ہی ارادہ و اختیار پر ہے۔ اور کرنے یا نہ کرنے پر مجبور کردینا اسکے منافی ہے جیساکہ سورہ دہر میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (ہم نے انسان کو راہ بتادی اب اوسکو اختیار ہے چاہے میری فرمانبرداری کرے یا کفر اور نافرمانی) اور ظلم سے روکنے والی چیز ایک تو عقل ہے جس کو خدا نے برطرف نہیں کیا بلکہ یہ نعمت ؎ حجت تمام کرنے کی غرض سے ہر شخص کو دی ہے اور اگر اس چیز سے وہ چیزیں مقصود ہیں جو کام کرنے سے مجبور کردیتی ہیں تو چونکہ مجبور کردینا عقلاً جائز نہیں ہے اس لئے خدا نے ان چیزوں کو برطرف نہیں کیا بلکہ ظالم اور اوسکے ظالمانہ فعل کے درمیان میں حائل نہیں کیا اور دونوں کو اپنی حالت پر چھوڑدیا تاکہ مجبور کردینے کی قباحت لازم نہ آئے۔ رہ گیا خواہش کو مسلط کرنا؟ تو یہ بھی غلط ہے خواہش کو خدا مسلط نہیں کرتا بلکہ چیزوں کی ظاہری لذت اور منفعت کا سمجھنا مسلط کرتا ہے اور کرنے اور نہ کرنے پر قدرت باقی رہتی ہے اوس کے تسلط سے قدرت برطرف نہیں ہوتی ہے

لہ تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۲۰۲۔ ۱۲ منہ ؎ تفصیلاً اسکی انوار القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۴ چھتیس فائدہ میں ملاحظہ کریں ۱۲ منہ

(پانچواں فائدہ) علم کلام۔ تَظٰهَرُوْنَ سے اَشَدِّ الْعَذَابِ تک فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ آیت نہیں بتاتی کہ ظالم اور اوسکے مددگاروں کے گناہ ہونکی مقدار برابر ہوگی۔ بلکہ دلیل بتارہی ہے کہ مددگاروں کا گناہ کم ہوگا۔ کیونکہ مدد اگر حاصل ہو اور ظالم ظلم نہ کرے تو ظلم حاصل نہ ہوگا اور بغیر مدد کے ظالم ظلم کرسکتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل حرام کے حاصل ہونے میں ظالم کے کام کو زیادہ دخل ہے ؎ (اس واسطے اس کا گناہ زیادہ ہوگا) میں عرض کرتا ہوں کہ یہ گفتگو عامیانہ ہے۔ بلکہ کوئی شخص دعوے کرسکتا ہے کہ مددگار کا گناہ؟ ظالم کے گناہ سے زیادہ ہوگا۔ کیونکہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو ظالم؟ ظلم کے لئے علت تامہ ہے یعنی کامل قدرت رکھتا ہے اور مددگار کا محتاج نہیں ہے۔ یا علت ناقصہ ہے یعنی بغیر مددگار کے ظلم نہیں کرسکتا۔ پہلی صورت میں مدد متصور نہیں ہوسکتی اور مدد دینا غلط اور ویسا ہی سفیہانہ فعل ہوگا جیسا کوئی شخص دنیا کو روشن کرنے میں آفتاب کو مدد دینے کی غرض سے دن کو چراغ جلائے اور دوسری صورت میں درواقعی ظالم؟ اور ظلم کا حقیقی سبب؟ اور سبب کے اجزا میں سب سے زیادہ قوی؟ اور سبب کے حاصل ہونے میں زیادہ دخل رکھنے والا؟ مددگار ہی ہے کیونکہ فلاسفہ میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ علت تامہ یعنی پورا سبب جزو متمم یعنی وہ جز ہوتا ہے جسکے لے بغیر مسبب یعنی اوس کا اثر اور نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا پس اگر حضرت عمر جلدی سے حضرت ابوبکر کا ہاتھ کھینچکر اوس پر بیعت نہ کرلیتے اور لوگوں سے جبری بیعت نہ لیتے تو خدا کے برگزیدہ بندوں اور حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کی عزیز ذریت اور نورِ چشم اور خنکیِ قلب؟ عترت کا بیڑا تباہی میں نہ پڑتا۔ اور حضرت ابوبکر تن تنہا کچھ نہ کرسکتے اور وہ چاروں حدیثیں اس دعوے کی تائید کررہی ہیں جن کو علامہ سیوطی نے درمنثور میں نقل کیا ہے۔ **پہلی کا مضمون** یہ ہے کہ ظلم میں مدد دینے والوں کی پیشانیوں پر قیامت کے دن لکھا ہوا ہوگا کہ یہ رحمتِ خدا سے ناامید (یعنی محروم) ہیں اور **دوسری کا مضمون** یہ ہے کہ ظلم میں مدد دینے والے خدا اور رسولؐ کی ذمہ داری سے جدا ہیں اور **تیسری کا مضمون** یہ ہے کہ جب تک توبہ نہ کریں غضب خدا میں رہیں گے اور **چوتھی کا مضمون** یہ ہے کہ

ظالم اور مددگاروں کے گناہ میں فرق ہوگا یا نہیں

؎ تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۴۰۲ مسئلہ رالبعہ ۱۲ منہ

ظلم میں مدد دینے والے دین اسلام سے نکل جاتے ہیں [۱] بیان تائید یہ ہے کہ ظالم کے مددگار کا خدا اور رسول کی ذمہ داری اور اسلام سے نکل جانا گناہ کی آخری حد ہے جس سے ظالم کا گناہ بڑھ نہیں سکتا اور چونکہ مددگار جزو متمم ہوتا ہے اسلئے ظالم کا گناہ اوس کے ظلم سے عقلاً کم ہونا چاہیئے اور میری حدیثوں سے وہ حدیث اس کی تائید کر رہی ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بنو امیہ کو لکھنے والے اور خراج (مالگزاری) وصول کرنے والے اور اونکی طرف سے لڑنے والے اور اونکے گروہ میں داخل ہونے والے نہ ملتے تو یہ لوگ ہم اہلبیتؑ کا حق چھین نہ سکتے [۲] رہ گیا یہ سوال کہ مددگار کا گناہ ظالم کے گناہ سے جب عقلاً زیادہ ہونا چاہیئے تو حدیثوں میں مساوات یعنی برابری کیوں ذکر کی گئی ہے۔ جیسے [۱] حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن پکارنے والا (فرشتہ) پکاریگا کہ ظالم اور اونکے مددگار اور اون مددگاروں کے مثل یہاں تک کہ جس نے اونکے لیئے قلم بنایا اور دوات کی روشنائی درست کی تھی کہاں ہیں پس سب کے سب لوہے کے ایک ہی صندوق میں بند کر کے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے [۳] [۲] اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خدا اور حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے شراب[ع] کے بارے میں دس طرح کے لوگوں پر لعنت کی ہے [۱] اوس کا درخت لگانے والوں پر [۲] اوسکی حفاظت کرنے والوں پر [۳] بنانے والوں پر [۴] پینے والوں پر [۵] پلانے والوں پر [۶] لے جانے والوں پر [۷] اور

---

[۱] تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۵۶ شروع تفسیر سورہ مائدہ ۱۲ منہ [۲] وسائل الشیعہ جلد ۲ کتاب التجارۃ باب ۶۷ ذکر وجوب رد مظالم صفحہ ۵۵۱ - ۱۲ منہ [۳] وسائل الشیعہ جلد ۲ کتاب التجارۃ باب ۱ آخر صفحہ ۵۴۸ - ۱۲ منہ [ع] شراب ہر اوس چیز کو کہتے ہیں جو ذاتاً بہنے والی اور نشہ لانے والی ہو اس واسطے اس میں تاڑی بھی داخل ہے - اور بھانگ اس میں داخل نہیں ہے یعنی شراب نہیں کہی جائیگی اگرچہ نشہ لانے کی وجہ سے وہ بھی حرام ہے لیکن مثل شراب اور تاڑی کے نجس اور حرام دونوں صفتیں نہیں رکھتی کیونکہ پیدائشی صفت اوسکی بہنا نہیں ہے ۱۲ منہ [عـ] [۴] اور [۵] کے علاوہ آٹھ قسموں کے لوگ اوس وقت گنہگار اور مستحق لعنت ہیں جب وہ شراب پینے میں مدد دینے کی نیت سے کام کریں پس مثلاً انگور یا کھجور یا تاڑ کا درخت

جنکے پاس لیجائیں ۸؎ بیچنے والوں پر ۹؎ خریدنے والوں پر ۱۰؎ اوسکی قیمت کھانے والوں پر ۱۱؎ ۱۲؎ اور حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص (تاڑی) شراب پینے والوں کو (اونکے اس فعل پر راضی رہکر) ایک لقمہ کھانا کھلائے یا ایک گھونٹ پانی پلائے تو خدا اوسکی قبر میں بہت سے بچھوؤں اور ایسے سانپوں کو اوس پر مسلط کردے گا جن کے دانت ایک سو دس گز لمبے ہونگے اور قیامت کے دن جہنم کی پیپ اونکو کھلائیگا۔ اور جو شخص (رضامندی کے ساتھ) اونکی کوئی حاجت پوری کرے گا اوسنے گویا ایک ہزار مومن کو قتل کیا اور ہزار مرتبہ خانہ کعبہ ڈھایا۔ اور جو شخص (رضامندی کے ساتھ) اون پر سلام کرتا ہے اوس پر ستر ہزار فرشتے لعنت کرتے ہیں ۱۳؎ یہ لوگ غالباً اس وجہ سے گنہگار ہیں کہ رضامندی کے ساتھ کھلانا۔ پلانا۔ سلام کرنا بھی ایک طرح سے مدد دینا ہے۔ تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ابتدا اور تحریک اور مددگار کو آمادہ کرنے میں ظالم اصل ہے اور ظلم کے انجام پانے میں مددگار۔ اگر ظالم آمادہ نہ کرتا تو مددگار مدد نہ دیتا۔ اور اگر مددگار مدد نہ دیتا تو ظالم ظلم نہ کرسکتا۔ پس اس لحاظ سے دونوں کی حیثیت برابر ہے۔ اس واسطے گناہ اور سزا میں دونوں برابر قرار دیئے گئے اور اس کا دوسرا جواب چھٹیں فائدہ میں ذکر کیا جائیگا۔

(چھٹا فائدہ) اصول فقہ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (اونکے قتل و اخراج پر مجرمانہ اور ظالمانہ طور پر مدد دیتے ہو) چونکہ مدد کبھی صرف مقدمہ ۱۴؎ بھی ہوتی ہے اس لئے یہ ذکر یہاں پر مناسب معلوم ہوا کہ علماءِ علمِ اصولِ فقہ میں اس امر میں اختلاف ہے کہ جس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳۳) جائز نیت سے لگانے والے اس کے مستحق نہیں ہیں رہ گیا پینا یا پلانا تو اگرچہ شراب تاڑی دوا کے بھی پینے کی حدیث میں ممانعت ہے لیکن بصورتیکہ مرض کا دفعیہ اوسی میں منحصر ہوجائے اور کوئی مجتہد مسلّم اوسکی اجازت دیدے تو ایسے پینے والے اور اونکو پلانے والے بھی اس کے مستحق نہ ہونگے ۱۲ منہ ۱۳؎ وسائل الشیعہ جلد ۲ کتاب التجارۃ باب ۸۴ صفحہ ۵۵۵ ذکر تحریم بیع خمر ۱۲ منہ ۱۳؎ جامع الاخبار فصل ۱۱۳ ذکر خمر ۱۲ منہ ۱۴؎ مقدمہ اوس کو کہتے ہیں جو کسی فعل کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو جیسے وضو کے لئے پانی حاصل کرنا اور پانی کے لئے لوٹا ڈوری حاصل کرنا اور زنا کے لئے عورت اور مرد کے درمیان دلالی کرنا اور شراب تاڑی کے لئے درخت لگانا وغیرہ ۱۲ منہ

شرعی دلیل سے ذوالمقدمہ یعنی اصل فعل کا؟ واجب یا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اوسی
دلیل سے مقدمہ کا واجب یا حرام ہونا بھی ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ بعض نے اقرار کیا
ہے اور بعض نے انکار۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ اصل فعل کی دلیل سے مقدمہ کا وجوب
یا حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ خواہ وہ مقدمہ مُوصِلہ ہو یعنی اوسکے حاصل ہونے پر اصل
فعل حاصل ہوجائے؟ جیسے تلوار چلانے پر قتل کا حاصل ہوجانا۔ یا غیر موصلہ ہو یعنی
اوسکے حاصل ہونے پر اصل فعل حاصل نہ ہو جیسے وضو کرکے نماز نہ پڑھنا۔ بلکہ بعض
مقدمہ ایسا ہوتا ہے جو مستقل دلیل سے خود بھی عبادت یا معصیت ثابت ہوتا ہے
جیسے وضو؟ کہ نماز کے لئے مقدمہ ہے اور مستقل دلیل سے عبادت بھی۔ اور شراب
وہ مال کسی کو دینا کہ پینے کیلئے مقدمہ ہے اور مستقل دلیل سے گناہ بھی اور بعض
صرف مقدمہ ہوتا ہے اوس کے عبادت یا معصیت ہونے پر شریعت میں کوئی خاص
دلیل پائی نہیں جاتی۔ جیسے وضو کے پانی کے لئے لوٹا ڈوری حاصل کرنا۔ اور شراب پینے
کے لئے گلاس یا صراحی بنانا۔ پہلی قسم کا؟ واجب یا حرام ہونا مستقل شرعی دلیل سے
ثابت ہوتا ہے اور دوسری قسم کا عقل سے۔ باقی رہی گفتگو اس میں کہ مذکورہ بالا آیۃ
میں جو اعانت (مدد) مذکور ہے وہ کس قسم میں داخل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود یہ آیۃ
اور سورہ مائدہ پ۶ کی تیسری آیت یعنی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (گناہ اور
ظلم میں مدد نہ دو) صاف بتارہی ہیں کہ ظلم میں مدد دینی حرام اور خود بھی بُری ہے۔ پس
اگر ہم اس مدد کو ظالم کے ظلم کا مقدمہ قرار دیں تو پہلی قسم میں داخل ہوگی۔ اور اگر
یہ کہیں کہ یہ بھی ظلم کا ایک جزء اور خود ہی ظلم ہے جیسا کہ ظاہری تفسیر میں ذکر کیا گیا کہ بنو نضیر
خزرج کا ساتھ دیکر بنو قریظہ کو قتل و اخراج کرتے تھے اور بنو قریظہ اوس کا ساتھ دیکر بنو نضیر کو؟
تو اس صورت میں یہ مستقل گناہ اور ظلم ثابت ہوگی۔ اور مقدمہ کی حیثیت یا تو باقی نہ رہیگی
یا اس قدر کمزور اور مضمحل ہوجائیگی کہ لائق توجہ باقی نہ رہیگی۔ اسی طرح حضرت عمر کا حضرت ابوبکر
کے ہاتھوں پر بیعت کرنی اور لوگوں سے جبریہ بیعت لینی بھی انہیں دونوں آیتوں میں داخل اور
مستقل ظلم بھی کیونکہ یہ بیعت بُری نیت اور اہلبیتؑ کو اونکے جائز حق سے محروم کرنے اور غیر مستحق
کو ناجائز قابض بنانے کی غرض سے تھی۔ اب اس پورے بیان کے بعد آپ تین باتیں
بہت آسانی سے سمجھ سکیں گے ایک یہ کہ رازی صاحب؟ تَظَاهَرُ یعنی مدد کا معنی ہی نہیں سمجھے تھے
اسی وجہ سے اس کو مقدمہ قرار دیکر اسکے گناہ کو ظلم کے گناہ سے کم بتایا ہے۔ حالانکہ اگر یہ تھا

مقدمہ ہی ہوتا جب بھی حرمتِ ظلم کی آیتوں اور حدیثوں میں داخل ہو کر مستقل ظلم ہو جاتا کیونکہ اعانت فعل ہے اور فعل کی محبوبیت اور مبغوضیت کا دارومدار نیت کی اچھائی اور برائی پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ فریقین کی مسلم حدیث میں حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ یعنی نیت ہی سے عمل؟ اچھا یا برا بنتا ہے۔ دوسرے یہ کہ چونکہ یہ مدد بری نیت سے بھی اس واسطے ظلم تھی۔ اس واسطے اس کا عذاب؟ ظالم کے عذاب کے برابر ہونا چاہئے۔ پانچویں فائدہ کے سوال کا دوسرا جواب بھی اسی بیان سے معلوم ہو گیا تیسرے یہ کہ بیعت بکریہ کا مظلمہ اور جوابدہی بہ نسبت حضرت ابوبکر کے حضرت عمر کی گردن پر زیادہ ہو گی کیونکہ اس واقعہ میں محرک اور مددگار اور جزو متمم سب کچھ یہی تھے لیکن حضرت ابوبکر کا قدم بڑھانا اور امام برحق کے حق پر ناحق قبضہ کر لینا بھی فروگذاشت اور چشم پوشی کے لائق نہیں ہے کیونکہ یہ مجبور نہ تھے بلکہ دل سے راضی اور صحیفہ مشومہ کے لکھنے کے وقت سے ہی کل شرکا کے دوش بدوش رہے اگر تفسیر بالرائے کا خوف نہ ہوتا تو میں صاف کہہ دیتا کہ اس آیت کی باطنی تفسیر میں شیخین (خلیفہ اول و دوم) کے وہ اعمال بھی داخل ہیں جو ان لوگوں اور انکے مددگاروں نے اہلبیتِ رسول اور انکے دوستوں اور طرفداروں کے ساتھ کئے۔ اور اون طرفدار قبائل کا مرتد و اہل ردہ نام رکھکر اس بہانہ سے اونکے کشتوں کے

عہ خلیفہ دوم بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالم نے ارشاد فرمایا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى ۱۲ اخرجہ الخمسہ یعنی اعمال کی بھلائی اور برائی نیت ہی سے ہوتی ہے اور ہر شخص کو ویسا ہی بدلا ملیگا جیسی اوسکی نیت تھی۔ اور اونکے بیٹے عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ خدا جب کسی قوم پر عذاب کرتا ہے تو اوس قوم کی کل فردیں اوسمیں گرفتار ہو جاتی ہیں لیکن حشر لوگوں کا اپنی اپنی (اچھی یا بری) نیتوں پر ہوگا (یعنی اچھی نیت والے اچھا اور بری نیت والے برا بدلا پائیں گے (تیسیر الوصول جلد ثانی حرف نون کتاب النیۃ والاخلاص صفحہ ۳۴۱ چھاپہ نولکشور) ۱۲ منہ

عہ یہ وہی صحیفہ تھا جس میں حضرت علی علیہ السّلام کے حق کو چھین لینے اور اونکو قتل کرنے کا معاہدہ لکھا گیا تھا جس کی طرف علامہ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اشارہ کیا ہے ۱۲ منہ

بستے لگائے۔ آوارہ وطن کیا۔ مال لوٹا۔ بچوں اور عورتوں کو قید کیا جسکی تفصیل ؟ انوارالقرآن جلد ۲ ص۴۸ کے حاشیہ میں لکھ آیا ہوں۔ کیونکہ ۱ حضرت عمر کہہ چکے کہ ان آیتوں میں خطاب امت محمدی سے ہے ۲ مقدمہ ۴ ۲ ص۱۷۲ میں لکھ آیا ہوں کہ قرآن کے لئے ایک ظاہری اور ستات باطنی معانی ہیں ۳ ان واقعات پر یہ آیت بالکل مطابق ہو رہی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَاۤءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

(الفاظ کے معانی) وَ - اور + لَقَدْ - البتہ + اٰتَيْنَا - ہم نے دیا + کتاب - توریت + قَفَّيْنَا - اونکے پیچھے بھیجا + مِنْ - سے + بَعْدِ - بعد + هٖ - اونکے + بِ - صلہ کی ہے اس کا یہاں پر کوئی مقصود نہیں ہے + رُسُلِ - رسولوں + بَيِّنَاتِ - دلیلیں معجزے + اَيَّدْنَا - ہم نے مدد دی + بِ - ساتھ - سے + رُوْحِ الْقُدُسِ جبرئیل + اَ - کیا + فَ - پس + كُلَّمَا - جب + جَاۤءَ - آیا + كُمْ - تمہارے پاس + رَسُوْلٌ - بھیجا ہوا + مَا - چیز + لَا - نہیں + تَهْوٰى - چاہتی ہے + اَنْفُسُكُمْ - تمہاری طبیعتیں + فَرِيْقًا - ایک گروہ + كَذَّبْتُمْ - تم نے جھوٹلایا + تَقْتُلُوْنَ - قتل کرتے ہو + قَالُوْا - اونھوں نے کہا + قُلُوْب - دلوں - قلب کی جمع ہے - غُلْفٌ - منڈھے ہوئے ہیں + بَلْ - بلکہ + لَعَنَ - لعنت کی ہے + هُمْ - اون پر + بِ - بسبب + كُفْرِ - گمراہی + قَلِيْلًا - کم + مَا - نکرہ ہے جو کمی کی زیادتی کو ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ پس قَلِيْلًا مَّا کا معنی ؟ بہت کم ہے + يُؤْمِنُوْنَ - ایمان لائیں گے۔

(بامحاورہ ترجمہ) اور البتہ ہیں نے موسےٰ کو کتاب دی اور اونکے بعد پے در پے کئی رسول بھیجے اور عیسےٰ بن مریم کو معجزے دیئے اور جبرئیل سے اونکو مدد دی۔ پس کیا (تم ایسے خبیث الباطن ہو کہ) جب جب تمہارے پاس رسول ؟

میرا ایسا حکم لائے جس کو تمہاری طبیعتیں نہیں چاہتی تھیں تو تم نے سرکشی اور غرور کیا۔ پس ایک گروہ (جیسے عیسیٰؑ اور محمدؐ) کو جھٹلایا اور ایک گروہ (جیسے یحییٰؑ اور زکریاؑ وغیرہ) کو قتل کیا۔ اور کہا کہ ہمارے دل غلاف میں منڈھے ہوئے ہیں (اسلئے ایمان لانیکے قابل نہیں ہیں)، لیکن ایسا نہیں ہے (اس عذر میں یہ جھوٹے ہیں) انکے کفر کی وجہ سے خدا نے ان پر لعنت کی ہے (اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اگر یہ سچے ہوتے تو ایسا نہ کرتا اور غیر مقدور ایمان کا حکم نہ دیتا) پس (یہ لوگ توریت کی) بہت تھوڑی باتوں پر ایمان لائیں گے۔ یا ان میں سے بہت تھوڑے لوگ ایمان لائیں گے۔

(قرائت) القدس کو پورے قرآن میں ابن کثیر نے دال کو جزم دیکر پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے دال کو پیش دیکر۔ ایدناہ کو ابو عمرو نے اَیَدْ نَاہُ بغیر تشدید کے الف کو کھینچکر پڑھا ہے اور (صحیح) قرائت اَیَّدْ نَاہُ ہے ی پر تشدید دے کر۔ غلف کو ابو عمرو نے لام کو پیش دیکر پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے لام کو جزم دیکر (ابو عمرو کی قرائت دونوں لفظوں میں متروک ہے۔

(صرف) اٰتَیْنَا اصل میں اَأْتَیْنَا تھا دوسرے ہمزہ کے قبل زبر تھا اس واسطے اوس کو الف سے بدل دیا اٰتَیْنَا ہو گیا۔ قَفَّیْنَا اصل میں قَفَوْنَا تھا باب تفعیل میں لانے کے بعد "و" چوتھے حرف کی جگہ پڑا اس لئے اوس کو "ی" سے بدل دیا قَفَّیْنَا ہو گیا۔ عیسیٰ فِعْلٰی کے وزن پر عَیْسٌ سے نکالا گیا ہے جس کا معنیٰ "سرخی مائل سفید" ہے اور مریم عجمی نام ہے یا رَامَ۔ یَرِیْمُ سے نکالا گیا ہے اور "یا" کا زبر خلاف قاعدہ ہے۔ جَاءَ اصل میں جَیَءَ تھا ی کے پہلے زبر تھا اس واسطے اوسکو الف سے بدل دیا جَاءَ ہو گیا۔ تَھْوٰی اصل میں تَھْوَیُ تھا اس میں بھی یہی قاعدہ جاری کیا گیا ہے۔ قَالُوْا اصل میں قَوَلُوْا تھا وَ کے پہلے زبر تھا اوس کو الف سے بدل دیا قَالُوْا ہو گیا۔

(نحو) مُوْسٰے؛ اٰتَیْنَا کا پہلا مفعول ہے اور کتاب دوسرا مفعول۔ اور اسی طرح عیسےٰ اور بینات۔ من بعدہ اور بالرسل دونوں کا تعلق قَفَّیْنَا سے ہے۔ اور بروح القدس کا تعلق اید نا سے۔ اور بما کا تعلق جاء سے۔ اور کلما جاء شرط ہے۔ اور استکبرتم اوس کا جواب۔ اور پہلا فریقا کذبتم کا مفعول ہے اور دوسرا تقتلون کا۔ وَمِنْھُمْ جو فَرِیقا کی صفت ہے دونوں کے بعد پوشیدہ ہے۔ بَل حرف عطف ہے جو اِضْراب یعنی سابق سے انکار اور اد کے

بعد کے امر کو ثابت کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ بکفرھم؟ کا تعلق لعن سے ہے قلیلا؟
پوشیدہ موصوف کی صفت ہے اور دونوں ملکر یؤمنون کا مفعول مطلق؟ اصل اسکی یؤمنون
ایمانا قلیلاً ہے اور معنی اس کا ناقص ایمان لانا۔ اور بعض نے زمانا کی صفت کہا ہی
اور معنی اس کا تھوڑا زمانہ ایمان لانا پھر کافر ہوجاتا ہے۔ اور ما زائد ہے۔ اور بعض نے
نافیہ کہا ہے اور کہا ہے کہ اسکی اصل ما یؤمنون قلیلا ولا کثیرا ہے جس کا معنی یہ
ہوگا کہ نہ تھوڑے ایمان لائیں گے نہ زیادہ۔ اور بعض نے یؤمنون کے فاعل کا حال
کہا ہے۔ اور اس بنا پر معنی اس کا یہ ہوگا کہ ان میں سے تھوڑے لوگ ایمان لائیں گے۔

ظاہری تفسیر

اب منعم حقیقی اپنی نعمت یعنی اونکے پاس رسول اور کتاب بھیجنے اور اونکے ناشکری اور سرکشی کرنے کو یوں ارشاد فرما رہا ہے
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ہم نے موسے کو توریت دی وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ
بِالرُّسُلِ اور اونکے بعد دیگرے رسول بھیجے۔ ان یہودیوں کو خدا کی وحدانیت
کا اقرار کرنے اور اوسکے دین پر عمل کرنے کی دعوت دینے میں ان رسولوں میں سے ہر پچھلا
رسول اگلے کی پیروی کرتا تھا اور سب کے سب ایک ہی بات کی تبلیغ کرتے تھے۔ کیونکہ
خدا نے موسےٰؑ سے لے کر عیسےٰؑ تک جتنے نبی بھیجے سب کو اسی کا حکم دیا کہ توریت کے
حکموں کو برپا رکھیں اور ان پر عمل کریں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیں اور تبلیغ کریں
وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ اور عیسے بن مریم کو ہم نے معجزے اور اونکی
نبوت کے ثبوت کے لئے دلیلیں دیں اور وہ معجزے اور دلیلیں مُردوں کو زندہ کرنا اور
اندھوں کو بینا اور کوڑھ کو اچھا کرنا وغیرہ تھے جو اونکی سچائی اور اونکی نبوت کی صحت کو
بتاتے تھے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بینات سے انجیل مقصود ہے۔ اور اوسکے
احکام اور وہ آیتیں جو حلال و حرام کو جدا جدا بتاتی ہیں وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ
اور ہم نے اونکو روح القدس سے قوت اور مدد دی۔ قتادہ۔ سدی۔ ضحاک
ربیع کہتے ہیں کہ روح القدس سے حضرت جبریل مقصود ہیں۔ اور اسمیں اختلاف ہے
ہے کہ جبریل کو روح کیوں کہتے ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ جن بینات کو لاتے
ہیں اون کے ذریعہ سے دین کو زندہ کرتے ہیں جس طرح روح کے ذریعہ سے بدن زندہ
کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح کل فرشتوں پر روحانیت غالب ہے

ان پر بھی غالب ہے لیکن صرف انکو روح کہنا انکی شرافت اور بزرگی کی وجہ سے
اعزازی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ روح اون کا نام ہے اور قدس کی طرف نسبت
اس وجہ سے دی گئی ہے کہ خدا نے انکو روح ہی پیدا کیا بغیر اسکے کہ کسی باپ سے پیدا ہوئے
ہوں (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص کے نزدیک دوسرے فرشتے باپ ماں سے پیدا
ہوئے ہیں۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہے) اور ابن زید نے کہا ہے کہ روح القدس سے
انجیل مقصود ہے۔ جس طرح آیت مبارکہ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا
(اسی طرح میں نے ہماری طرف روح بھیجی جو میرے امر سے ہے) میں قرآن کا نام خدا نے
روح رکھا ہے اوسی طرح انجیل کا نام بھی روح رکھا ہے۔ اور ابن عباس نے
کہا ہے روح اوس اسم (اعظم) کو کہتے ہیں جسکے ذریعہ سے حضرت عیسٰےؑ مردوں کو زندہ کیا کرتے
تھے اور ربیع کہتے ہیں کہ اس سے وہ روح مقصود ہے جو حضرت عیسٰےؑ میں پھونکی گئی تھی
اور اعزازی طور پر خدا نے اس کو اپنی طرف نسبت دی ہے جس طرح بیت اللہ (خدا کا گھر)
اور ناقۃ اللہ (خدا کا اونٹ) میں بیت اور ناقہ (حضرت صالحؑ) کو اپنی طرف نسبت دی
ہے۔ ان کل قولوں میں قوی وہی قول ہے جس میں روح کا معنی جبرئیل بیان کیا گیا
ہے (اور حضرت امام حسنؑ عسکری کی تفسیر بھی اس کے مطابق اور اسکی مؤید ہے ۱۲ راحت حسین)
سوال۔ اگر کوئی پوچھے کہ کل انبیاء میں خاص کر کے حضرت عیسٰےؑ کے متعلق کیوں کہا کہ جبرئیل
سے اونکی تائید کی گئی ہے؟ حالانکہ اون سے ہر نبی کی تائید کی گئی تھی تو جواب اس کا
یہ ہے کہ حضرت جبرئیل؟ انکے بچپن سے بوڑھاپے تک انکے ساتھ ساتھ رہے اور اوس وقت
بھی جدا نہ ہوئے جب یہودیوں نے اون کو مار ڈالنا چاہا تھا یہاں تک کہ اونکو لے کر
آسمان پر چلے گئے اور (اس سے پہلے) حضرت مریم جب حاملہ ہوئیں تو اونکے پاس آدمی
کی صورت میں آئے اور انکی پیدائش کی اونکو خوشخبری دی اور (روح) پھونکی۔ اور
ایک اختلاف روح کے معنی میں ہے۔ بعض نے طُہر (پاکی) کہا ہے اور سدی
نے برکت۔ اور حسن بصری ربیع ابن زید نے اللہ۔ اور کہا ہے کہ قدوس اور قدس
ایک چیز ہے۔ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ
اے یہودیو کیا تمہارے پاس ہمارے رسولوں میں سے جب بھی کوئی رسول ایسی
چیز لائیگا جس کو تمہارا دل نہیں چاہتا؟ تو تم سرکشی اور انکار کرو گے۔ فَفَرِيْقًا

كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ پس تم نے اونیں سے جن کو قتل نہیں کر سکتے تھے جیسے عیسےؑ اور محمدؐ اون کو جھوٹلایا۔ اور جن کو قتل کر سکتے تھے جیسے یحیےؑ اور زکریاؑ وغیرہ اونکو قتل کیا۔ یہ آیت اگرچہ شرط اور جزاء کی صورت میں ہے لیکن خبر کے معنی میں ہے (یعنی تمہارے بزرگوں نے ایسا کیا) اور اونکے بزرگوں کے فعل کو اونکی طرف اس وجہ سے نسبت دی کہ وہ اونکے فعل پر راضی تھے۔ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ اس بنا پر کہ غُلْفٌ لام کے جزم کے ساتھ پڑھا جائے معنی اس کا یہ ہوگا کہ اونھوں نے کہا کہ ہمارے دل منڈھے ہوئے ہیں جو کچھ آپ کہتے ہیں ہمارے سمجھ میں نہیں آتا اس لئے آپ کا ہم کو ڈرانا بیکار ہے۔ اور اس بنا پر کہ غُلُفٌ لام کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے اس کا معنی یہ ہوگا کہ اونھوں نے کہا کہ ہمارے دل علم سے بھرے ہوئے ہیں اور ہم لوگ عالم ہیں۔ اگر آپکی باتیں سمجھنے کے قابل اور فائدہ مند ہوتیں تو ہم لوگ بھی سمجھتے۔ یا یہ معنی ہوگا کہ آپ جو کچھ کہ رہے ہیں ہمارے دلوں میں نہیں ہے اگر یہ باتیں علمی ہوتیں تو ہم لوگ ضرور جانتے ہوتے بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ اس فرمائش میں خداوند عالم نے اون کے کلام کو رد کیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ان کا خیال غلط ہے۔ بلکہ خدا و رسولؐ سے انکار کرنیکی وجہ سے خدا نے انکو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ انکے کفر کی وجہ سے خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے (یہ آخری تفسیر لفظ بَلْ سے (جو اضراب یعنی کلام سابق کی نفی کے لئے لایا جاتا ہے) مناسبت نہیں رکھتی بلکہ اوسکی مؤید ہے۔ اسلئے صحیح پہلا ہی معنی ہے) فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ اور یہ یہودی جن کا حال بیان کیا گیا حضرت سرور عالم کی لائی ہوئی چیزوں میں سے بہت کم چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگرچہ خدا کی ذات اور صفتوں اور کچھ واجبات پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں بہ نسبت اون چیزوں کے کم ہیں جن کے یہ منکر ہیں جیسے حضرتؐ کی نبوت اور وہ احکام جن کو حضرتؐ لائے۔ اور ہمارے مذہب (شیعہ) سے جو معنی مناسبت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ بالکل ایمان نہیں رکھتے تھے جس کو لفظ قلیل سے عام محاورہ کے مطابق تعبیر کیا ہے جیسا کہ بالکل نہ دیکھنے کو کم دیکھنے سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ اور اگر قَلِيلًا کو يُؤْمِنُونَ کے فاعل کا حال قرار دیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان میں سے حضرت سرور عالم پر بہت کم لوگ ایمان لائیں گے جیسے عبد اللہ بن سلام اور اوسکے ساتھی لہ

لہ مجمع البیان جلد ا صہ ۶۶-۶۷ - ۱۲ منہ

حدیثیں

(بطریق شیعہ) وَلَقَدْ اٰتَیْنَا سے تَقْتُلُوْنَ تک بسند صحیح حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے ان آیتوں کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے پہاڑ کے پاس جن یہودیوں کو معجزے دکھلائے تھے (جن کا ذکر انوار القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ تا ۲۷۷ حاشیہ میں گذر چکا) خداوند عالم ان آیتوں میں اونھیں یہودیوں سے ارشاد فرماتا اور اونکی ملامت کر رہا ہے کہ میں نے موسےٰؑ کو توریت دی جس میں میرے احکام مذکور ہیں اور محمدؐ اور اونکے آل پاک کی فضیلتیں اور علی بن ابیطالبؑ اور اونکے (گیارہ) جانشینوں کی امامت اور مومنوں کی بزرگیاں اور مخالفوں کی برائیاں؟ اور اونکے بعد پے در پے رسول بھیجے؟ اور عیسےٰؑ بن مریم کو روشن معجزے دیئے جیسے مُردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور کوڑھی کو اچھا کرنا اور جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ گھروں میں جمع کرتے تھے اوسکی خبر دینی۔ اور روح القدس یعنی جبریل سے اونکی مدد کی وہ یہ کہ گھر کے روشندان سے جبریل اونکو آسمان پر لے گئے اور اونکے بدلے میں قتل ہونے والے کو اونکا ہمشکل بنا دیا۔ پس وہ اونکے بدلے ؏ میں مارا گیا۔ (اور شناخت کرنے والے نے قتل کرنے والوں سے) کہا کہ مسیح یہی شخص ہے۔ اسکے بعد جن یہودیوں کو اسکے قبل کی آیتوں میں سخت دل کہا گیا ہے؟ خداوند عالم اونکی ملامت میں ارشاد فرماتا ہے کہ تمہارے پاس رسول جب جب ایسے احکام لائے جو تمہیں ناپسند تھے یعنی خدا کے افضل اولیاء اور برگزیدہ بندے محمدؐ وآل محمدؐ کے حکموں کی پیروی کا تم سے عہد و بیان لینا چاہا جس کو تم سے تمہارے اون بزرگوں نے بیان کیا ہے جن سے کہا گیا تھا کہ محمدؐ وآل محمدؐ کی ولایت

؏ یہ شخص حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا سچا پیرو تھا۔ جب حضرت عیسےٰؑ کو یہودیوں نے قتل کرنا چاہا تو یہ اونکے بدلے میں جان دینے پر آمادہ ہوگیا۔ اسکے عوض میں خدا نے یہ کیا کہ وہ حضرت عیسےٰؑ کے ساتھ اونکے درجہ میں ہوگا ۱۲ منہ

(ریاست وسرداری خداکی) بہت بڑی غرض اور مقصد اعلےٰ ہے کہ خدا نے کسی بندہ کو پیدا نہیں کیا اور اپنے رسولوں میں سے کسی کو رسول نہیں بنایا لیکن صرف اس کے لئے کہ محمدؐ اور علیؑ اور ان کے (گیارہ) جانشینوں کی ولایت (سرداری) کی تبلیغ کریں اور لوگوں کو اسکی دعوت دیں اور اوس پر اعتقاد اور عمل کرنے کا عہد و پیمان لیں۔ پس اسکی وجہ سے تم نے غرور اور سرکشی کی؟ جس طرح تمہارے بزرگوں نے سرکشی کی یہاں تک کہ (حضرت) زکریاؑ اور یحییٰؑ کو قتل کیا۔ اونکے بعد تم نے بھی محمدؐ اور علیؑ کو قتل کرنا چاہا۔ لیکن خدا نے تمہاری کوششوں کو ضائع اور برباد کر دیا اور تمہاری مکاریوں کو تمہاری ہی گردنوں پر پلٹ دیا۔ اور تَقْتُلُوْنَ (مضارع کا صیغہ) قَتَلْتُمْ (ماضی کے معنی میں ہے) یعنی تم نے قتل کیا اور ایسا محاورہ اوس شخص کے حق میں بولتے ہیں جو ایک کام کر چکا ہو اور اوسی کام کو پھر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ سے یُؤْمِنُوْنَ تک امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جن یہودیوں کو حضرت سرورؐ عالم معجزے دیکھا چکے تھے؟ اونھوں نے کہا کہ ہمارے دل بھلائی اور علم سے بھرے ہوئے ہیں اور باوجود اسکے ہم لوگ کسی آسمانی کتاب میں آپکی فضیلتوں کا ذکر نہیں پاتے؟ اور نہ کسی نبی نے بیان کیا ہے۔ خداوند عالم اونکی رد میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں ان کے دل علم سے خالی ہیں؟ خدا نے انکو بھلائی سے دور ڈال دیا ہے (یعنی انکی خباثت اور دین حق سے عداوت کی وجہ سے انکو انکی حالتوں پر چھوڑ دیا ہے اور یہ خیر و بھلائی سے دور ہو گئے ہیں) یہ لوگ بہت تھوڑا ایمان رکھتے ہیں یعنی خدا کے بعض حکموں پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں۔ پس انھوں نے جب حضرت سرورؐ عالم کو اونکے اکثر حکموں میں جھوٹلایا تو انکی انکار کی ہوئی چیزیں زیادہ ہوئیں اور اقرار کی ہوئی کم۔ اور اگر اس کو غُلُفٌ پڑھا جائے (جیسا کہ بعض قاریوں نے پڑھا ہے) تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اونھوں نے کہا کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں آپکی باتیں ہمارے سمجھ میں نہیں آتیں۔ جس کو خدا نے دوسری جگہ یوں فرمایا ہے قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْ اَکِنَّةٍ وَّفِیْ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ (اونھوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور کانوں میں ٹھیپیاں لگی ہوئی ہیں اور ہمارے اور آپکے درمیان پردا پڑا ہوا ہے۔ اور غُلْفٌ اور غُلُفٌ دونوں طرح سے پڑھنا صحیح ہے ؎

؎ تفسیر برہان جلد ا صفحہ ۷۹ و ۸۰ - ۱۲ منہ

(طریق اہلسنت) اَلْکِتَابَ سے بِالرُّسُلِ تک ابن عباس کہتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ میں نے پوری توریت ایک ہی دفعہ موسےٰؑ کو دی جس میں کل احکام تفصیل سے لکھے ہوئے تھے۔ اور موسےٰؑ کے بعد پے درپے کئی رسول یعنی اشمویل بن بابل۔ اور مشتانیل۔ اور شعیا بن امصیا۔ اور حزقیل۔ اور ارمیا بن حلقیا (خضر) اور داؤد بن ایشا (حضرت سلیمان کے باپ) اور عیسےٰ بن مریم کو بھیجا اور موسےٰ بن عمران کے بعد اونکی امت کے لئے ان لوگوں کو چُنا۔ اور ان لوگوں سے اس امر کا سخت وعدہ لیا کہ محمدؐ اور اونکی امت کی صفتیں اپنے امتیوں سے بیان کردیں وَاٰتَیْنَا عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ بروایت ابن اسحاق وابن جریر وابن ابی حاتم بینات سے وہ معجزے مقصود ہیں جو حضرت عیسےٰؑ کو دیئے گئے تھے یعنی مردوں کو زندہ کرنا مٹی سے چڑیا بنانا۔ بیماریوں کو دفع کرنا۔ غیب کی اکثر خبروں کو بیان کرنا۔ اور توریت میں سے اون چیزوں کو بیان کردینا جو انجیل کے ذریعہ سے روکی گئی تھیں۔ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ابن عباس: تائید سے قوت دینا مقصود ہے [۱] ابن عباس: روح القدس وہ نام ہے جسکے ذریعہ سے حضرت عیسےٰ مردے زندہ کیا کرتے تھے [۲] مجاہد: قدس خدا کا نام ہے [۳] ابن عباس: قدس کا معنی طہر یعنی پاک ہونا ہے [۴] سدی: اس کا معنی برکت ہے [۵] ابن مسعود وابو خالد روح القدس جبرئیل ہیں۔ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ [۱] ابن عباس اس کو غُلُفٌ پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہودیوں نے کہا کہ ہمارے دل علم سے بھرے ہوئے ہیں محمدؐ یا کسی دوسرے کے علم کی ضرورت نہیں ہے [۲] مجاہد قتادہ (غلفٌ پڑھا کرتے تھے اور) کہتے تھے کہ یہودیوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا [۳] عکرمہ۔ عطیہ کہتے ہیں کہ اونھوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ قتادہ کہتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ اونمیں سے بہت تھوڑے ایمان لائیں گے [۱]

باطنی تفسیر

(طریق شیعہ) اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ سے تَقْتُلُوْنَ تک بسند معتبر حضرت

[۱] تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۱ صفحہ ۸۶ و ۸۷ کل نمبر ۱۲ منہ

مُصنّفاتِ مفسّرِ قرآن صاحب تفسیر انوار القرآن دام ظلہ العالی

مقدمات انوار القرآن | اردو تفسیر قرآن کا مقدمہ مصنفہ جناب موصوف ۲۸ صفحہ قیمت عہ

رسالہ بسط الیدین | اہلسنت کی طرف سے جناب مصنف پر چار اعتراض و سوال وارد کئے گئے
۱۔ خداوند عالم کا حکم ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا ہے یا ہاتھ باندھ کر۔ ۲۔ حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل
اذان کا جزو ہے یا نہیں۔ ۳۔ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کب سے جاری ہوا۔ ۴۔ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ
اذان میں کب سے رواج پایا۔ ان چاروں سوالوں کا تفصیلی اور مسکت جواب خصوصاً ہاتھ کھول کر
پڑھنے کی پانچ دلیلیں عمل حضرت رسولؐ سے۔ اور خلفاء و صحابہ اور تمام مذاہب عالم کا
مع مقام ہاتھ باندھنے کے حوالجات کتب کے ساتھ اور ہاتھ باندھنے والوں کی دو
دلیلیں اور اس کا معقول جواب۔ پورا رسالہ ۳۶ صفحہ کا۔ قیمت صرف ۳؍

خذ بداء | اہلسنت کا عام اعتراض ہے کہ شیعہ بداء کے قائل ہیں جس سے خدا کا جاہل ہونا
لازم آتا ہے۔ خدا کے فضل سے اس رسالہ میں کمال تحقیق سے اس کی حقیقت ظاہر کر کے واضح کر دیا
ہے کہ اس اعتقاد سے کسی طرح خدا کا جاہل ہونا لازم نہیں آتا بلکہ معنی بداء جو جائز ہے اسی
کا معتقد شیعہ حضرات ہیں۔ البتہ حضرات سنی ناجائز بداء کے قائل اور اعتقاد بد تر از بداء رکھتے ہیں
متعلق کچھ آیتیں مع تفسیر شیعہ و سنی اور تین تین حدیثیں مذہب شیعہ و سنی کی آخر کتاب میں
اثبات بداء اور یہودیوں کا اعتراض اور حضرت رسولِ خداؐ کا محققانہ جواب ہے۔
کتاب ۸۰ صفحہ قیمت ۶؍

عار در بیان حرمت دبار | اہلسنت شیعوں پر کثرت سے اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے
مذہب میں وطی فی الدبر جائز ہے۔ اس اعتراض کا نہایت محققانہ اور مدققانہ جواب اس رسالہ میں
دیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ درحقیقت اہلسنت اس کے قائل اور اکثر عامل بھی ہیں۔ اور اس میں
حرمت وطی دبر کی چار دلیلوں کے احادیث حرمت بطریق اہلسنت ۸ عدد اور احادیث اہلسنت
جواز ۱۱ عدد اور احادیث حرمت خاص بطریق شیعہ ۷ عدد۔ اور عام ۱۱ عدد ہیں۔ حجم ۴۰ صفحہ قیمت ۶؍

شیخ جیلانی | کون شخص دنیا میں ہوگا جو موصوف سے دلچسپی نہ رکھتا ہوگا۔ الحمد للہ کہ
جناب مذکور کے مفصل کارنامے اور کرامات کو ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے جس میں تصوف
اسلام کی حقیقت جناب موصوف صدر کی پیدائش و نسب اور مذہب و نام و لقب کی واقعیت و اقوال

وکرامات مع سنہ ولادت و وفات اور جنات کی تابعداری۔ حضرت عائشہ کا دودھ پینا اور صلوٰۃ غوثیہ کی ترکیب اور اُس پر وہابیوں کا اعتراض۔ غرض کل چیزیں تفصیل و تحقیق سے اس میں موجود ہیں۔ حجم ۹۶ صفحہ قیمت محض ۶/

فوزِ الشیعہ ایک رسالہ قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی پریسیڈنٹ جماعتِ احمدیہ پشاور نے بنام قاطع الف الشیعہ الشنیعہ لکھا جس میں بنا بر عادت و طینت کے شیعوں کو بہت زیادہ بُرا بھلا اور گالی دی۔ جس میں اللہ سے لیکر ائمہ تک اور فروعِ دین میں کل چیزوں کے متعلق شیعوں پر بہتان و افترا کیا اور اعتراضات لکھے اس کا جواب کمال تحقیق و جامعیت کے ساتھ جناب مولوی سید محمد رضی صاحب قبلہ زنگی پوری دام فیوضہم نے اس رسالۂ فوز الشیعہ میں دیا ہے۔ اور قولہ کرکے اُس قادیانی کی عبارت کو لکھا ہے اور اقول کرکے جواب دیا ہے۔ حجم ۸۰ صفحہ۔ قیمت ۶/

کشف الظلام علماء اہلسنت ہمارے امامِ زمانہ حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ کے وجودِ مسعود اور غیبتِ کبریٰ اور حضرات ائمۂ ہدیٰ کی رجعت کے متعلق برابر اعتراضاتِ واہیہ کرتے رہتے ہیں اُن سب کا نہایت تحقیق و تدقیق سے جناب مولوی سید محمد رضی صاحب قبلہ دام عزہ نے اس رسالہ کشف الظلام میں جواب دیا ہے۔ کتاب نہایت دلچسپ اور بے نظیر ہے۔ حجم ۱۳۲ صفحہ قیمت ۱۰/

قواصم الظہور ایک احمدی جماعت والے نے شیعوں کا پانچ اعتراض۔ احمدی جماعت والے کا جواب اس پر بارہ سوال اس کتاب میں اول الذکر پانچوں جوابوں کا جواب الجواب اور بارہ سوال کا مزید جواب جس کا آج تک کسی احمدی سے جواب نہ بن پڑا اور نہ وہ لوگ جواب دے سکتے ہیں۔ منجملہ معترض کے بارہ سوالوں کے حسب ذیل سوالات ہیں۔ ۱ من یتول اللہ و رسولہ سے حضرت علیؑ کی مغلوبیت اور عدم حزب اللہ پر غلط استدلال۔ ۲ آیت وعد اللہ یعنی آیۂ استخلاف سے حضرت خلفاء ثلثہ کی خلافت پر غلط استدلال۔ ۳ آیت یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین سے حضرات خلفاء کے عدم نفاق پر غلط استدلال اور دعویٰ کہ حضرت رسول اللہؐ اور علیؑ نے ان لوگوں سے جہاد نہیں کیا۔ ۴ حضرات خلفاء اگر برحق نہ تھے تو اموالِ جہاد کے متعلق کیا فتویٰ ہے۔ حضرت شہربانو کی اولاد جو امام حسینؑ سے ہوئیں اُن کے متعلق کیا قول ہے۔ ۵ آنحضرت نے ابوبکر اور عمر کی لڑکیوں سے کیوں شادی کی۔ اسی طرح بارہ سوال ہیں سب کا جواب دیکھنے کے قابل ہے۔ جناب مصنف نے اعلیٰ قابلیت اور جامعیت سے دندان شکن جواب دیا ہے۔ حجم ۱۵۲ صفحہ۔ قیمت ۱۰/

فقط والسلام منیجر دائرۂ تحقیق کھجوا (بہار)

(اعلان) جملہ خط و کتابت و ترسیلِ زرِ چندہ بنام منیجر یا مدیر دائرۂ تحقیق کھجوا (بہار) کے پتہ سے ہونا چاہیئے ورنہ دفتر تعمیل کا ذمہ دار نہیں ہے۔

(مطبع اصلاح سیوان پریس کھجوا میں سید غازی الدین حیدر نے چھپوا کر شائع کیا)